قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعالِمُ التّنزِیل

ازامام الکبیر ابو محمد حسین بن مسعود الفرأ بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد دوم .... سورۃ المائدہ تا سورہ توبہ

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- ترجمہ از حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر

بشمول قرآنی فضائل وخواص

ازابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)

وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ

چوک فوارہ مُلتان پاکستان

0322-6180738, 061-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر بغوی اردو
جلد دوم ... سورۃ المائدہ تا سورۂ توبہ

قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعَالِمُ التَّنْزِیل

از امام الکبیر محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد دوم ... سورۃ المائدہ تا سورۂ توبہ

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- آسان ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- عام تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر
- منتخب قرآنی آیات کے فضائل و خواص

بشمول قرآنی فضائل و خواص

از امام ابو محمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)
و حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ
(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
کے قلم سے

ترجمہ از
اشرفیہ مجلس علم و تحقیق

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240

تفسیر بغوی اردو

تاریخ اشاعت.......... شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ
ناشر.................. ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.............. سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان
مکتبہ سید احمد شہید......اردو بازار.....لاہور
دارالاشاعت......اردو بازار.........کراچی
مکتبہ طیبہ..........اکوڑہ خٹک........پشاور
مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ.......کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص.....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE (U.K.)

کلماتِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

امابعد! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قدیم مستند عربی تفسیر جو کہ تفسیر بغوی یعنی معالم التنزیل کے نام سے مشہور ہے۔ پہلی مرتبہ اُردو زبان میں ترجمے کے بعد پیش کی جارہی ہے۔

قرآن کریم کی خدمت جس شکل اور جس انداز میں بھی نصیب ہو جائے جہاں خوش بختی اور خوش نصیبی کی بات ہے وہاں ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ چونکہ یہ عظیم و مستند تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں آرہی ہے اس لیے خوشی بھی دوچند ہے تو ذمہ داری کا احساس بھی دامن گیر ہے۔

تفسیر بغوی کا مفسرین اور تفاسیر میں کیا مقام و مرتبہ ہے اس کا اندازہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے تعارف و تبصرہ سے کیا جاسکتا ہے۔ آج سے تقریباً 20 سال قبل ادارہ نے اس عظیم تفسیر کا عکس لے کر پاکستان میں پہلی مرتبہ شائع کیا تو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ نے اس کی اشاعت پر ایک گراں قدر تبصرہ "البلاغ" میں تحریر فرمایا تھا۔ حضرت کا یہ تبصرہ چونکہ اس تفسیر کے تعارف اور مقام و مرتبے کے متعلق جامع ہے اس لیے اسے شروع کتاب میں دے دیا گیا ہے جو گویا کتاب ہٰذا کے لیے بطور مقدمے کے ہے۔

تفسیر ہٰذا میں قرآنی متن کے نیچے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا بامحاورہ سلیس ترجمہ اور تفسیر میں جگہ جگہ عنوانات و پیراگرافی کا کام بھی کیا گیا۔

تفسیر بغوی پہلی مرتبہ اُردو لباس سے آراستہ ہوکر شائع کی جاری ہے جس سے اہل علم کے علاوہ عوام الناس بھی استفادہ کریں گے۔ ان کی ضرورت اور ذوق کے پیش نظر ہر جلد کے آخر میں قرآنی آیات کے متعلق تیر بہدف فضائل وخواص دیدیئے ہیں جو کہ آٹھویں صدی کے معروف عالم امام ابومحمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ کی معروف کتاب الدر النظیم فی فضائل القرآن "والآیات والذکر الحکیم" اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب تفسیر "تفسیر میرٹھی" سے ماخوذ ہیں۔ یہ فضائل وخواص بتاتے ہیں کہ قرآن کریم جس طرح روحانی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح جسمانی امراض سے شفا کے لیے بھی اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قرآنی خدمت کو شرف قبول نصیب فرمائے اور ادارہ کے تحت "اشرفی مجلس علم وتحقیق" جو کہ درج ذیل اہل علم حضرات پر مشتمل ہے:

مفتی مسعود کشمیری فاضل جامعہ فریدیہ اسلام آباد،

مولوی حبیب الرحمٰن فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان،

مولانا قاری ابوبکر صاحب فاضل جامعہ دار العلوم اسلامیہ لاہور،

مولانا فضل الرحمٰن صاحب فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان

کی اس قرآنی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان حضرات اہل علم کو بھی دین دُنیا کی فلاح وترقی سے نوازے کہ جن کی شبانہ روز کاوش کے بعد یہ علمی کام پایہ تکمیل تک پہنچ سکا۔

"فجزاھم اللہ احسن الجزاء"

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

فہرست عنوانات

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ

یہ مکمل سورۃ مدنی ہے سوائے ایک آیت "الیوم اکملت لکم دینکم الآیة" کے کیونکہ یہ آیت میدان عرفات میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورت کی ایک سوبیس آیتیں ہیں۔

ابو میسرہ رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اٹھارہ ایسے حکم نازل کیے ہیں جو اس (سورۃ) کے علاوہ کسی (سورۃ) میں نازل نہیں کیے۔ مثلاً

"احلّت لکم بهیمة الانعام" اور "والمنخنقة والموقوذة والمتردیة الآیة ...... وطعام الّذین اوتوا الکتاب ...... الآیة ...... اذا قمتم الی الصلاة ......الآیة اور السارق والسارقة ...... الآیة اور ولا تقتلوا الصید وانتم حرم ...... الآیة اور ما جعل الله من بحیرة ...... الآیة "اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "شهادة بینکم اذا حضر احدکم الموت " میں وہ احکام بیان کیے ہیں جو دوسری سورتوں میں بیان نہیں کیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۬ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

ترجمہ اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو تمہارے لئے تمام چوپائے جو مشابہ انعام (یعنی اونٹ بکری گائے) کے ہوں حلال کئے گئے ہیں مگر جن کا ذکر آگے آتا ہے لیکن شکار کو حلال نہ سمجھنا جس حالت میں کہ تم احرام میں ہو بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم کریں۔

تفسیر اللہ تعالیٰ کا فرمان (یایها الذین امنوا اوفوا بالعقود) عہد کو پورا کرو۔ امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ عقود پختہ ترین عہد کو کہتے ہیں۔ عرب کے محاورات میں کہا جاتا ہے "عاقدت فلانا و عقدت علیه" یعنی میں نے فلاں کو از سر نو یہ (معاہدہ) لازم کیا اور اس (عقود) کی اصل یہ ہے کہ ایک شے کو دوسری کے ساتھ گرہ لگا کر جوڑ دینا جیسا کہ رسی کو رسی کے ساتھ گرہ لگا کر جوڑا جاتا ہے۔

اوفوا بالعقود کی تفسیر۔عقود (جو آیت میں مذکور ہیں) کی تعیین میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔
ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ خطاب اہل کتاب کو ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ''اے وہ لوگو! جو پہلی کتب پر ایمان لائے ان عہدوں کو پورا کرو جو میں نے تم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیے اور وہ (عہد جو یہود سے کیا گیا)'' اللہ تعالیٰ کا فرمان ''واذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب الایۃ'' میں ہے۔
اور دیگر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں آیت میں عقود کا لفظ عام ہے (یعنی ہر معاہدہ دنیاوی واخروی مراد ہے) اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس (ایفاء عقود) سے وہ قسمیں مراد لی ہیں جو یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایمان اور قرآن کے عہد ہیں اور بعض حضرات کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ آیت میں ''اوفوا بالعقود'' سے مراد وہ معاہدے ہیں جو لوگ آپس میں کرتے ہیں۔

بهيمة الانعام کی وضاحت

(اُحِلّت لکم بهيمة الانعام) حضرت حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''بهيمة الانعام'' سے مراد تمام چوپائے ہیں یعنی اونٹ، گائے، بکری اور اللہ تعالیٰ کی مراد ان تمام جانوروں کو حلال کرنا ہے جو اہل جاہلیت نے اپنے اوپر حرام کیے ہوئے تھے۔
ابوظبیان رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ''بهيمة الانعام'' سے مراد جنین ہیں (یعنی جانوروں کے وہ بچے جن کے اعضاء مکمل ہوں اور ان کی ولادت سے قبل ماں فوت ہو جائے)۔
اور اسی کی مثل حضرت شعبیؒ رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''بهيمة الانعام'' سے مراد وہ بچے ہیں جن کی والدہ کو جب ذبح یا نحر کیا جائے تو وہ مردہ حالت میں ماں کے پیٹ میں ہوں۔ اکثر اہل علم اس بچہ کے حلال ہونے کے قائل ہیں۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اونٹنی کو نحر کرتے ہیں اور گائے کو ذبح کرتے ہیں تو ہم ان کے پیٹ میں مردہ بچہ پاتے ہیں کیا ہم اس بچہ کو کسی گڑھے میں ڈال دیں یا کھالیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر تمہارا دل چاہے تو اس بچہ کو بھی کھالو کیونکہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس بچہ کو ذبح کرنا ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الاضاحی، الترمذی کتاب الصید)
اور ابوالزبیر رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتے ہیں کہ جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے اور بعض حضرات نے جنین کے حلال ہونے کے لیے اس کے بال نکلنا شرط قرار دیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مادہ جانور کا ذبح اس کے پیٹ کے بچہ کو اس وقت کافی ہوگا جب اس بچہ کے اعضاء مکمل ہو چکے ہوں اور جسم پر بال آ چکے ہوں اور حضرت سعید بن المسیب سے بھی اسی کی مثل روایت ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مادہ جانور کے ذبح ہونے کے بعد جب اس کا مُردہ بچہ نکلے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بھیمۃ الانعام" سے جنگلی جانور مراد ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، جنگلی گدھا، جنگلی جانوروں کو "بھیمۃ" اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کی پہچان پوشیدہ ہے اور بعض نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ ان کو قوت گویائی حاصل نہیں ہے۔

(الاّ ما یُعلٰی علیکم)......"ما یتلٰی علیکم" سے مراد وہ جانور ہیں جو آیت "حرمت علیکم المیتۃ" میں "وما ذبح علی النصب" تک بیان کیے گئے ہیں۔ (غیر محلّی الصید) یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ "تمہارے لیے تمام چوپائے حلال کیے گئے ہیں سوائے جنگلی جانوروں کے کیونکہ یہ شکار ہونے کی وجہ سے حالت احرام میں تمہارے لیے حلال نہیں ہیں۔" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے وانتم حرم ان اللہ یحکم مایرید.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ❷

ترجمہ: اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں اور جس وقت تم احرام سے باہر آ جاؤ تو شکار کیا کرو اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اسی سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

"لاتحلوا شعائر اللہ" کا شانِ نزول

تفسیر ❷ ......(یا یھا الذین امنوا لاتحلّوا شعائر اللّٰہ) یہ آیت حطم کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا نام شریح بن ضبیعہ البکری تھا۔ یہ مدینہ آیا اور اپنے گھڑسوار ساتھیوں کو مدینہ سے باہر چھوڑ آیا اور تنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس بات کی گواہی کی طرف کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی طرف۔ اس نے کہا یہ بہت اچھی بات ہے مگر میرے کچھ سردار ہیں، میں ان کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ شاید میں اسلام لے آؤں اور ان کو بھی ساتھ لاؤں حالانکہ اس کے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرما چکے تھے کہ تمہارے

پاس قبیلہ ربیعہ کا ایک آدمی آئے گا جو شیطان کی زبان بولتا ہے۔ یہ بات کر کے شریح خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہماری مجلس میں کافر چہرے کے ساتھ داخل ہوا اور دھوکہ دینے والے گدی کے ساتھ نکلا اور یہ آدمی بالکل مسلمان نہیں ہے۔ شریح کا گزر مدینہ کے جانوروں پر ہوا وہ ان کو ہانک کر لے گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا پیچھا کیا لیکن وہ نہیں ملا۔ پھر اگلے سال شریح یمامہ کے قبیلہ بکر بن وائل کے حاجیوں کے ساتھ حج کے لیے اس حالت میں گیا کہ اس کے پاس بہت زیادہ مال تجارت تھا اور ان سب لوگوں نے ہدی کے جانور کو قلادہ پہنایا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا یہ حطم حج کرنے آیا ہوا ہے۔ ہمیں اجازت دیجئے اس کا کام تمام کرنے کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے ہدی کے جانور کو قلادہ پہنایا ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یہ کام تو ہم جاہلیت میں بھی کرتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "یا یھا الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللہ" نازل فرمائی۔

شعائر اللہ کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ سے مراد مناسک حج ہیں اور مشرکین حج کرتے تھے اور ساتھ ہدی کے جانور لاتے تھے تو مسلمانوں کا ارادہ ہوا کہ ان کا مال لوٹ لیں تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے اس آیت میں منع کیا۔

اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ سے مراد ہدی کے وہ جانور ہیں جن کو کوئی ایسی علامت لگائی گئی ہو جس سے ان کا ہدی ہونا معلوم ہو جائے اور وہ علامت یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کے جانب میں لوہے سے اتنا زخم لگایا جائے کہ خون بہہ پڑے اور یہ علامت لگانا ہدی کے اونٹ میں مسنون ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے اونٹوں کی رسی اپنے ہاتھ سے بٹی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس رسی کا قلادہ پہنایا اور زخم کی علامت لگائی اور ان کو ہدی بنایا اور آپ علیہ السلام پر وہ چیزیں حرام ہو گئیں جو آپ پر حلال تھیں (آپ علیہ السلام محرم ہو گئے) اور امام شافعی رحمہ اللہ نے گائے (بھینس) کو اونٹ پر قیاس کیا ہے علامت لگانے کے مسئلہ میں اور بکری وغیرہ کو زخم کے ساتھ علامت نہیں لگائی جائے گی کیونکہ یہ اپنی کمزوری کی وجہ سے ایسا زخم نہیں برداشت کر سکتی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہدی کے جانور کو زخم کی علامت نہیں لگائی جائے گی اور عطیہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ "لا تحلوا شعائر اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو کیونکہ آیت کا اگلا حصہ "واذا حللتم فاصطادوا" اس پر دلیل ہے کہ سابقہ حکم بھی محرم کو ہے اور امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر سے مراد اللہ کا حرم ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد حرم میں قتل کرنے سے منع کرنا ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ سے مراد اللہ کی حرام کردہ چیزوں اور اس کی ناراضگی سے بچنا اور اطاعت کرنا ہے۔

(ولا الشھر الحرام) یعنی محترم مہینوں میں جنگ کر کے ان کو حلال نہ کرو اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نسئی سے منع کرنا ہے کیونکہ وہ لوگ ان محترم مہینوں کو ایک سال حلال سمجھتے تھے اور ایک سال حرام۔ (ولا الھدی) ہدی ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کو بیت اللہ کی طرف لے جایا جائے خواہ وہ اونٹ، گائے ہو یا بکری۔ (ولا القلائد) یعنی وہ جانور جن کو قلادہ پہنایا جائے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں قلائد سے اصحاب القلائد مراد ہیں کیونکہ جاہلیت میں جب لوگ حرم سے نکلنے کا ارادہ کرتے تھے تو اپنے اور اپنے اونٹ کے گلے میں حرم کے درختوں کی چھال ڈال لیتے تھے تاکہ کوئی ان کو لوٹ نہ سکے تو شریعت نے ان چیزوں میں سے کسی ایک کو حلال سمجھنے سے منع کیا ہے اور مطرف بن الشخیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ آیت میں القلائد سے خود قلائد ہی مراد ہیں کیونکہ مشرکین مکہ کے درختوں کی چھال اُتار کر اس کو گلے میں ڈالتے تھے تو ان کو درختوں سے چھال اُتارنے سے منع کیا گیا۔ (ولا آمین البیت الحرام) یعنی بیت حرام کا ارادہ کر کے سفر کرنے والوں سے کوئی تعرض نہ کرو (یبتغون) وہ تلاش کرتے ہیں۔ (فضلا من ربھم) یعنی تجارت کے ذریعے رزق کو تلاش کرتے ہیں (ورضوانا) یعنی اپنے گمان کے مطابق اس لیے کہ کافروں کا اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں کوئی حصہ نہیں ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دُنیاوی معاش درست کر دیں گے اور سزا جلد نہیں دیں گے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فضل (رزق) کی تلاش مؤمنین و مشرکین سب کے لیے عام ہے اور رضوان کی تلاش صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے کہ مسلمان اور مشرک سب حج کرتے تھے اور آیت کا یہ حصہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم اور فلایقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا" کی وجہ سے منسوخ ہے۔ پس اب نہ مشرک کا حج جائز ہے اور نہ ہدی اور قلادہ کی وجہ سے کوئی کافر پُراَمن ہوگا۔ (واذا حللتم) یعنی جب تم اپنے احرام سے حلال ہو۔ (فاصطادوا) یہ امر اباحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیر محرم کے لیے شکار کو مباح کر دیا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں (فاذا قضیت الصلٰوۃ فانتشروا فی الارض) میں امر اباحت کے لیے ہے۔ (ولا یجرمنکم) ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے نہ اُبھارے تم کو۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے "جرمنی فلان علی ان صنعت کذا" (فلاں نے مجھے اس کام کے کرنے پر اُبھارا) اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لایجرمنکم، لا یکسبنکم" کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "لایجرمنکم، لا یدعونکم" کے معنی میں ہے۔ (شنآن قوم) یعنی ان کا بغض اور ان کی عداوت اور "شنان شنت" کا مصدر ہے۔ ابن عامر اور ابوبکر نے شنان قوم کو پہلے نون کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے پہلے نون کے فتحہ کے ساتھ اور یہ دونوں لغتیں ٹھیک ہیں لیکن نون پر زبر پڑھنا بہت عمدہ ہے اس لیے کہ اکثر مصدر فعلان عین کلمہ کے فتحہ کے ساتھ ہیں جیسے ضربان، سیلان، نسلان وغیرہ۔

(ان صدوکم عن المسجد الحرام) ابن کثیر اور ابوعمرو نے ان کو الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے نیا جملہ ہونے کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے الف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ "کسی قوم کی دشمنی تمہیں زیادتی پر نہ اُبھارے اس لیے کہ انہوں نے تمہیں روکا ہے۔" اور محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ واقعہ حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی

اور مسلمانوں کو حج سے روکنے کا واقعہ پہلے ہو چکا تھا۔(ان تعتدوا) ان کو قتل کر کے اور مال لے کر ان پر زیادتی کرو۔(وتعاونوا) یعنی تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔(علی البر والتقوٰی) بر سے مراد اوامر کو بجالانا اور تقویٰ سے مراد نواہی سے اجتناب ہے اور بعض نے کہا بر اسلام ہے اور تقویٰ سنت ہے۔

(ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان) کہا گیا ہے کہ اثم سے مراد کفر اور عدوان سے ظلم مراد ہے اور بعض نے کہا الاثم سے مراد تمام معاصی اور عدوان سے مراد بدعت ہے۔ نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بر اور اثم کی مراد کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بر اچھے اخلاق ہیں اور اثم جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

(ترجمہ) تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے اور جو کسی ضرب سے مر جاوے اور جو اونچی جگہ سے گر کر مر جاوے اور جو کسی کی ٹکر سے مر جاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ ہیں آج کے دن ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہو جاوے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں۔

(تفسیر) ③ (حرّمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھلّ لغیر اللہ بہ) (یعنی وہ جانور جن کو ذبح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نام لیا گیا ہو۔)

(والمنخنقة) یعنی ایسا جانور جس کا گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اہل جاہلیت بکری کو گلا گھونٹ کر مارتے تھے اور کھاتے تھے (اور لکڑی سے مارا ہوا جانور) یعنی ایسا جانور جس کو لکڑی سے قتل کیا گیا ہو۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ جانور کو لاٹھی سے مارتے تھے جب وہ مر جاتا تو اس کو کھا لیتے تھے۔(والمتردیة) (اونچی جگہ سے گرنے

والا جانور) یعنی وہ جانور جو بلند جگہ سے لڑھک گیا ہو یا کنویں میں گر کر مر گیا ہو۔ (والنطیحۃ) (سینگ سے ہلاک ہونے والا) وہ ایسا جانور ہے جس کو دوسرا جانور سینگ مار کر ہلاک کر دے اور تانیث کی حاء فعیل کے وزن پر اس وقت داخل ہوتی ہے جب وہ فاعل کے معنی میں ہو اور جب فعیل مفعول کے معنی میں ہو تو اس میں مذکر اور مؤنث برابر ہیں جیسے "عینٌ کحیل" یعنی سرگیں آنکھ اور "کفٌ خضیبٌ" مہندی والی ہتھیلی۔ پھر جب اسم کو حذف کر کے تنہا صفت کو لایا جائے تو حاء داخل کر دیتے ہیں جیسے اہل عرب کہتے ہیں "رأینا کحیلۃ و خضیبۃ" ہم نے سرگیں آنکھ اور مہندی والی ہتھیلی دیکھی اور آیت میں "النطیحۃ" پر حاء داخل کی گئی ہے کیونکہ اس کا اسم پہلے مذکور نہیں ہے اگر حاء کو نہ لایا جاتا تو یہ معلوم نہ ہوتا کہ مؤنث کی صفت ہے یا مذکر کی اور اسی کی مثل "الذبیحۃ" اور "النسیکۃ" اور "اکیلۃ السبع" کے الفاظ ہیں۔ (وما اکل السبع) (اور جو جانور کھا لے) اس سے مراد وہ جانور ہے جو درندے کے کھانے کے بعد بچ جائے۔ اہل جاہلیت اس کو کھا لیتے تھے۔ (الا ما ذکیتم) (مگر جس کو تم ذبح کر دو) یعنی مذکورہ تمام جانوروں میں سے کسی کے مرنے سے پہلے اگر تم اس کو ذبح کر دو تو وہ حلال ہے اور تذکیہ کا اصل معنی کسی شے کو مکمل کرنا ہے۔ "ذکیت النار" اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ اسی کے شعلے مکمل بھڑکا لیں اور یہاں مراد "ذکیتم" سے یہ ہے کہ تمام رگوں کو کاٹ کر خون بہا دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اللہ تعالیٰ کا نام اس پر لیا جائے تو اس کو کھالو سوائے دانت اور ناخن سے ذبح کیے ہوئے جانور کے جس جانور کے ذبح پر قدرت ہو اس میں ذبح کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ سانس اور کھانے والی نالی کاٹ دی جائے اور مکمل ذبح یہ ہے کہ ان دو کے ساتھ خون کی دو رگیں بھی کاٹ دی جائیں اور ہر دھار والے آلہ سے ذبح کرنا جائز ہے خواہ وہ لوہے کا ہو یا نرکل کا یا شیشے کا لیکن ناخن اور دانت سے ذبح جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ذبح کرنے سے منع کیا ہے اور درندے کے حملے سے زخمی جانور کا کھانا اس وقت حلال ہے جب تو اس کو زندگی کی حالت میں پائے اور اس کو ذبح کرے اور جو جانور درندے کے حملے سے مرنے کے قریب ہو گیا ہو اس کو ذبح کر کے کھانا حلال نہیں کیونکہ یہ مردار کے حکم میں ہے اس کو اگرچہ ذبح کر دیا جائے یہ حلال نہ ہوگا۔ جیسا کہ مُردار کا حکم ہے اور یہی حکم اونچی جگہ سے گرنے والے اور سینگ سے زخمی جانور کا ہے کہ اگر تم اس کو زخم سے اس حالت میں پاؤ کہ اس کی زندگی کی اُمید ہے تو ذبح کر کے کھانا جائز ہے اور اگر وہ جاں بلب ہو چکا ہے تو کھانا حلال نہیں ہے اور اگر فضا میں کسی پرندہ کو تیر مارا اور وہ پرندہ تیر لگنے کے بعد زمین پر گر کر مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اس لیے کہ زمین پر گرنا ناگزیر تھا اور اگر تیر لگنے کے بعد درخت یا پہاڑ پر گرا اور اس سے لڑھک کر زمین پر گر کر مر گیا تو یہ متردیہ کے حکم میں ہے اور حلال نہیں ہے۔ ہاں اگر تیر پرندہ کے ذبح کی رگوں کو لگے اور ان کو کاٹ دے تو وہ جس جگہ اور جس کیفیت سے گرے اس کا کھانا حلال ہے۔

(وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ) (اور جو جانور نصب کے نام پر ذبح کیا جائے) بعض حضرات نے کہا ہے کہ نصب جمع ہے اس کا مفرد نصاب ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ مفرد ہے اور اس کی جمع انصاب ہے جیسے عنق اور اعناق کا لفظ ہے اور نصب منصوب شے کو کہتے ہیں۔

نُصُبُ کی تفسیر میں آئمہ مفسرین کے اقوال

اس کی مراد میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

حضرت مجاہد وقتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ پتھر گاڑھے ہوئے تھے۔ اہل جاہلیت ان کی عبادت و تعظیم کرتے تھے اور ان کے لیے جانور ذبح کرتے تھے اور یہ پتھر بت نہیں تھے کیونکہ بت تو منقش تصویریں ہوتے ہیں۔

اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ "نُصُب" سے مراد وہ بت ہیں جو وہاں رکھے ہوئے تھے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ جانور نہ کھاؤ جو بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے ہیں۔

ابن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو جانور بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے یہ دونوں ایک ہیں۔

قطرب کہتے ہیں کہ "علی النُّصُب" میں علیٰ لام کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور بتوں کی وجہ سے ذبح کیا جائے۔

ازلام کی تفسیر

(وان تستقسموا بالازلام) (اور یہ حرام ہے کہ تم تیروں کے ساتھ تقسیم کرو) یعنی تم پر تیروں کے ساتھ تقسیم کو حرام کیا ہے اور استقسام کا معنی ہے تقسیم کو طلب کرنا اور ازلام اس تیر کو کہتے ہیں جس کے پَر اور بھالا نہ ہو اس کا واحد زَلم اور زُلم زا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ آتا ہے۔ ان کے ازلام سات برابر سائز کے تیر ایک تھیلے میں ہوتے تھے یہ تھیلا کعبہ کے خادم کے پاس ہوتا تھا۔ ایک پر (ہاں) لکھا ہوتا تھا اور ایک پر (نہیں) اور ایک پر (تم میں سے) اور ایک پر (تمہارے علاوہ سے) اور ایک پر (ملا ہوا) اور ایک پر (دیت) اور ایک خالی ہوتا۔ اس پر کوئی چیز نہیں لکھی ہوتی تھی۔ پھر جب ان لوگوں کا ارادہ ہوتا کسی سفر یا نکاح یا ختنہ وغیرہ کی تقریب کا یا کسی کے نسب میں دیت ادا کرنے میں اختلاف ہوتا تو وہ مکہ میں قریش کے بڑے بت ھُبل کے پاس آتے تھے اور اپنے ساتھ سو درہم لاتے تھے وہ درہم اس تیروں والے کو دے دیتے تھے اور وہ تیروں کو گھماتا تھا اور وہ لوگ دُعا مانگتے تھے، اے ہمارے معبود! ہمارا اس کام کا ارادہ ہے اگر "ہاں" والا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے اور اگر "نہیں" والا نکلتا تو ایک سال تک اس کام کو نہ کرتے اور سال بعد پھر تیر والے کے پاس آتے اور اگر کسی کے نسب میں جھگڑا ہوتا اور "تم میں سے" والا تیر نکلتا تو وہ بچہ ان کے درمیان ہوتا اور اگر "تمہارے غیر سے" والا تیر نکلتا تو وہ بچہ ان کا حلیف ہوتا اور اگر (ملا ہوا) والا تیر نکلتا تو اس بچہ کا نہ نسب ہوتا اور نہ کوئی حلیف اور جب کسی دیت کی ادائیگی میں اختلاف ہوتا تو جس کے حق میں (دیت) والا تیر نکلتا تو وہ اس دیت کے ادا کرنے کا پابند ہوتا اور اگر خالی تیر نکل آتا تو دوبارہ گھماتے رہتے۔ جب تک کسی لکھائی والا تیر نہ نکل آتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کام سے منع کیا اور اس کو حرام کیا اور فرمایا کہ یہ گناہ ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ازلام سفید کنکریاں تھیں جن کو وہ لوگ پھینکتے تھے۔

اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ازلام فارس اور روم کے نرد کے مہرے تھے جن سے وہ جوا کھیلتے تھے اور امام شعبی رحمہ اللہ اور دیگر فرماتے ہیں تیر عرب کے لیے ہیں اور نرد کے مہرے عجم کے لیے اور سفیان بن وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ازلام شطرنج ہے۔

اور مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کے نام، آواز اور راستہ کاٹنے سے فال نکالنا اور کسی شے سے بدفال نکالنا اور منحوس سمجھنا اور کنکر پھینکنا یہ اس جبت میں سے ہے جس سے قرآن میں اجتناب کا حکم ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کہانت کی یا تیروں کی تقسیم طلب کی یا ایسی بدفالی کی جس کی وجہ سے سفر سے رُک گیا تو وہ قیامت کے دن بلند درجات کی طرف نہیں دیکھ سکے گا۔

(**الیوم یئس اللذین کفروا من دینکم**) (آج کے دن کافر لوگ تمہارے دین سے نا اُمید ہو چکے ہیں) یعنی اس بات سے نا اُمید ہو گئے ہیں کہ تم کافر ہو کر ان کے دین کی طرف لوٹ جاؤ حالانکہ کافر لوگ اس سے پہلے یہ اُمید رکھتے تھے کہ مسلمان ان کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ پس جب اسلام مضبوط ہو گیا تو وہ نا اُمید ہو گئے اور "یئس" اور "ایس" کا ایک ہی معنی ہے۔ (**فلا تخشوھم واخشونِ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا**) (تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔) یہ بروز جمعہ عرفہ کے دن عصر کے بعد حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ اس وقت آپ علیہ السلام میدانِ عرفات میں اپنی اونٹنی عضباء پر سوار تھے اس وحی کے بوجھ سے اس اونٹنی کی پنڈلیاں ٹوٹنے کے قریب ہو گئیں تو وہ بوجھ کی تاب نہ لا کر بیٹھ گئی۔

طارق بن شہاب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے ایک آدمی نے ان کو عرض کیا اے امیر المؤمنین! کہ تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے جس کو تم لوگ پڑھتے ہو اگر وہ ہم یہود پر نازل ہوتی تو ہم لوگ اسی دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کون سی آیت؟ اس نے کہا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ الخ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہم اس دن اور اس جگہ کو اچھی طرح جانتے ہیں جس میں یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آپ علیہ السلام جمعہ کے دن میدانِ عرفات میں کھڑے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ دن ہمارے لیے پہلے سے عید کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس دن میں پانچ عیدیں تھیں۔ ❶ جمعہ ❷ عرفہ ❸ یہود کی عید ❹ نصاریٰ کی عید ❺ مجوس کی عید۔ اس دن سے پہلے تمام ادیان والے ایک دن میں عید کے اعتبار سے جمع نہیں ہوئے اور نہ اس کے بعد ایسا ہوگا کہ ایک ہی دن میں تمام اہل ملل کی عید ہو۔ ہارون بن عنترہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے تو آپ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس چیز نے آپ کو رُلایا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے اس بات نے رُلایا ہے کہ ہم اپنے دین میں زیادتی میں تھے جب دین مکمل ہو گیا تو ہر مکمل شے میں پھر کمی آتی ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ رضی اللہ عنہ نے سچ کہا۔ یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر تھی۔

آپ علیہ السلام اس آیت کے نزول کے بعد اکیاسی دن زندہ رہے اور آپ علیہ السلام کی وفات پیر کے دن ۱۱ ہجری ۳ ربیع

الاوّل کو ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ بارہ ربیع الاوّل کو آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی اور بارہ ربیع الاوّل ہی کو آپ علیہ السلام نے ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "الیوم اکملت لکم ......الخ" کی تفسیر یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا یعنی فرائض، سنن، حدود، جہاد، احکام، حلال وحرام وغیرہ۔

اس آیت کے نزول کے بعد نہ کوئی حلال وحرام کا حکم نازل ہوا اور نہ فرائض وسنن اور حدود واحکام کا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا بھی یہی معنی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ آیت ربا اس کے بعد نازل ہوئی اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور قتادہ فرماتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ "میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، پس تمہارے ساتھ کوئی مشرک حج نہ کرے" اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ "میں نے تمہارا دین غالب وظاہر کر دیا اور تم کو دشمنوں سے بے خوف کر دیا" اور اللہ تعالیٰ کے فرمان "واتممت علیکم نعمتی" کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم سے دوسری جگہ وعدہ کیا تھا کہ "وَلِاُتِمَّ نعمتی علیکم" تاکہ تم پر اپنی نعمت مکمل کروں تو میں نے اپنا وہ وعدہ پورا کر دیا اپنی نعمت کو مکمل کر کے اور اس مکمل نعمت کی ایک علامت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما مکہ میں امن کی حالت میں غلبہ کے ساتھ داخل ہوئے اور اتنے اطمینان سے حج کیا کہ کوئی مشرک ان کے ساتھ کہیں بھی نہیں تھا۔

(ورضیت لکم الاسلام دینا) (اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جبرئیل علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دین میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور اس کو صرف سخاوت اور اچھے اخلاق سے ہی درست کیا جا سکتا ہے تو تم اس دین کا ان دو صفتوں کے ساتھ اکرام کرو جب تک تمہارے پاس یہ دین ہے۔

(فمن اضطُرَّ فی مخمصۃٍ) (پس جو شخص بھوک کی حالت میں مجبور ہو جائے) یعنی جو شخص بھوک کی وجہ سے سخت مشقت میں ہو۔ "مخمصۃ" کا معنی ہے پیٹ کا غذا سے خالی ہونا۔ "رَجُلٌ خمیصُ الْبَطْنِ" اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی بہت زیادہ بھوکا ہو۔ (غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِاِثْمٍ) (گناہ کی طرف مائل ہونے والے نہ ہو) یعنی گناہ کی طرف مائل ہونے والے نہ ہو اور وہ میلان یہ ہے کہ پیٹ بھرنے کی مقدار سے بھی زائد کھا لیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنے ارادہ میں گناہ کا قصد کرنے والے نہ ہو۔ (فان اللّٰہ غفورٌ رحیم) (پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے نہایت رحم کرنے والے ہیں) اور اس عبارت میں اضمار ہے یعنی پس اس نے مُردار وغیرہ کو کھا لیا۔ ایسی حالت میں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے نہایت رحم کرنے والے ہیں۔ ابو واقد لیثی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایسے علاقوں میں ہوتے ہیں کہ ہمیں مخمصہ کی حالت آ جاتی ہے تو ہمارے لیے مُردار کب حلال ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم صبح کو کچھ نہ پی سکو نہ پچھلے دن میں کچھ بھی پی سکو نہ زمین سے کچھ سبزی اکھاڑ کر کھا سکو، اس وقت تم جانور اور مُردار کو کھا سکتے ہو۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ط قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّاعَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوااللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

(ترجمہ) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانوران کے لئے حلال کئے گئے ہیں آپ فرمادیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں

(تفسیر) ④ "یسئلونک ماذا اُحِلَّ لھم" (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لیے حلال کی گئی)

آیت مبارکہ کا شان نزول

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اور زید بن المھلھل رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ زید وہ صحابی ہیں جن کا نام زید الخیل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زید الخیر رکھ دیا۔ ان دو حضرات نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایسی قوم ہیں جو کتوں اور بازوں کے ذریعے شکار کرتے ہیں تو ہمارے لیے ان کے شکار سے کیا حلال ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کتوں کے مارنے کا حکم دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس مخلوق میں سے ہمارے لیے کیا حلال ہے؟ جس کے قتل کا آپ علیہ السلام نے حکم دیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتوں کے پالنے کی اجازت دے دی جن سے شکار، چوکیداری وغیرہ کا نفع حاصل کیا جا سکے اور جن کتوں میں کوئی نفع نہ ہو ان کے پالنے سے منع کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کھیتی، شکار، ریوڑ کے علاوہ کے لیے کتا پالا تو اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہو جائے گا اور پہلا واقعہ حضرت عدی و زید رضی اللہ عنہما کا آیت کا سبب نزول ہونے میں زیادہ صحیح ہے۔ "قل اُحِلَّ لکم الطیبات" (آپ فرمادیجئے تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں) یعنی وہ جانور حلال کیے گئے ہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے ہوں اور کہا گیا ہے کہ "الطیبات" سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو عرب پاکیزہ اور لذیذ سمجھتے ہوں اور اس کی حرمت پر قرآن وسنت کی کوئی صراحت نہ ہو۔

"وَمَا عَلَّمْتُمْ من الجوارح" (اور جن زخمی کرنے والے جانوروں کو تم تعلیم دو) یعنی تمہارے لیے ان جانوروں کا شکار بھی حلال کیا گیا ہے جن کو تم نے تعلیم دی ہو۔

وما علمتم من الجوارح کی مختلف تفاسیر

ان جوارح کی مراد میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ضحاک اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جوارح سے مراد صرف کتے ہیں کتوں کے علاوہ کسی درندے کا شکار حلال نہیں ہے۔جب تک آپ خود اس کو ذبح نہ کردو لیکن اس قول پر کسی کا عمل نہیں ہے بلکہ اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ جوارح سے مراد درندوں میں سے کام کرنے والے ہیں جیسے چیتا، تیندوا، کتا اور پرندوں میں سے باز، عقاب، شکرا اور ہر ایسا درندہ جو تعلیم کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔تو ان تمام جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور حلال ہے۔ان جانوروں کو جوارح زخمی کرنے والا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ اپنے شکار کو زخمی کر کے روزی حاصل کرتے ہیں۔(مُکَلِّبِیْنَ) (شکار پر دوڑانے کو) مکلب اس شخص کو کہتے ہیں جو کتوں کو شکار پر چھوڑتا ہے اور ان کتوں کو تعلیم دینے والے کو بھی مکلب کہتے ہیں۔ مکلب اور کلاب سے مراد کتوں والا اور کتوں سے شکار کرنے والے کو کلاب بھی کہتے ہیں اور مکلبین منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے یعنی ان شکاری جانوروں کو شکار پر چھوڑنے کی حالت میں اور کتوں کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان سے شکار کا عام معمول ہے ورنہ مراد تمام شکاری جانور ہیں۔(تُعَلِّمُوْنَھُنَّ) (ان کو تم سکھاتے ہو) ان کو شکار پکڑنے کے آداب سکھاتے ہو۔(مما علمکم اللّٰہ) (اس میں سے جو تم کو اللہ نے سکھایا) یعنی اس علم سے سکھاتے ہو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم کو اللہ نے سکھایا اس طرح تعلیم دیتے ہو۔آیت میں "مِنْ کَافْ" کے معنی میں ہے۔
فکلوا ممّا اَمْسَکْنَ علیکم واذکروا اسم اللّٰہ علیہ (سو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اس پر)

کلب معلم کے شکار کی شرائط

آیت میں اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ تعلیم یافتہ شکاری جانور کو جب اس کا مالک کسی شکار پر چھوڑے اور وہ شکار کو پکڑ کر قتل کردے تو وہ حلال ہے اور شکاری جانور کی تعلیم یہ ہے کہ اس میں تین باتیں پائی جائیں۔ ❶ جب شکار پر اُکسایا و اُبھارا جائے تو بھڑک جائے۔ ❷ اور جب روکا جائے تو فوراً رک جائے۔ ❸ اور جب شکار کو پکڑے تو اس سے کچھ بھی نہ کھائے اور جب یہ تین باتیں کئی دفعہ تجربہ میں آجائیں کم از کم تین دفعہ امتحان لیا جائے تو یہ شکاری جانور تعلیم یافتہ ہے۔اب اس کا مارا ہوا جانور حلال ہے بشرطیکہ شکار پر اس کے مالک نے اس کو چھوڑا ہو۔عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تو اپنے تعلیم یافتہ کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام لے اور وہ کتا کسی شکار کو پکڑ کر قتل کردے تو اس کو کھالے اور اگر وہ کتا اس شکار کو کھالے تو اس کو نہ کھا کیونکہ اس نے یہ شکار اپنے لیے پکڑا ہے اور جب کئی کتے مل کر شکار کریں اور ان میں سے بعض کو چھوڑتے وقت تسمیہ نہ پڑھی گئی ہو اور وہ کسی شکار کو پکڑ کر قتل کردیں تو اس کو نہ کھا کیونکہ تو نہیں جانتا کہ کس کتے نے اس کو مارا ہے اور جب تو شکار کو تیر مارے اور وہ شکار ایک یا دو دن بعد ملے اور اسی پر تیر کے نشان کے علاوہ کوئی دوسرا زخم نہ ہو تو اس کو کھالے اور اگر پرندہ پانی میں گر جائے تو اس کو نہ کھا۔

شکاری جانور شکار سے کچھ کھالے تو اس کا حکم

فقہاء کا اس صورت میں اختلاف ہے کہ جب شکاری جانور شکار میں سے کچھ کھالے تو کیا حکم ہے؟

اکثر اہل علم کے نزدیک ایسا شکار حرام ہے۔ یہی بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور عطاء، طاؤس اور شعبی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے اور اسی کے مطابق ثوری، ابن مبارک اور اصحاب الرائے نے قول کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح ترین قول ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر شکاری جانور شکار میں سے کھالے تو تو نہ کھا کیونکہ اس نے شکار کو اپنے لیے روکا ہے۔''

اور بعض حضرات نے اس کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ یہی بات ابن عمر، سلمان فارسی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ابوثعلبۃ الخشنی رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام ذکر کرے تو اس کو کھالے اگرچہ کتے نے اس سے کھالیا ہو۔''

بہر حال غیر تعلیم یافتہ شکاری جانور جب کسی کو پکڑے یا تعلیم یافتہ شکاری جانور جب مالک کے چھوڑے بغیر کسی شکار کو پکڑ کر مار دے تو یہ شکار حلال نہیں ہے لیکن اگر ان کے پکڑنے کے بعد آدمی خود اس کو زندہ حالت میں پائے اور ذبح کر دے تو حلال ہو جائے گا۔ ابوثعلبۃ الخشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اہل کتاب کی زمین میں ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھانا کھالیں؟ اور ہم شکار والی زمین میں ہیں، میں اپنی کمان اور اپنے غیر تعلیم یافتہ کتے سے شکار کروں یا تعلیم یافتہ کتے سے تو کون سا میرے لیے صحیح ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو سوال آپ نے اہل کتاب کے برتنوں کے بارے میں کیا تو اگر تم اس کے علاوہ برتن پاؤ تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ اور اگر کوئی اور برتن نہ ہوں تو ان کے برتن دھو کر ان میں کھالو اور جو شکار اپنی کمان سے کرے اور اللہ کا نام ذکر کرے تو اس کو کھالے اور جو تو شکار کرے اپنے غیر تعلیم یافتہ کتے سے اور تجھے اس کے ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو اس کو بھی کھالے۔

(واتقوا اللہ انّ اللہ سریع الحساب) (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں)

اس آیت میں یہ بیان ہے کہ جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کرنا ذبح کیے جانے والے جانور کے حلال ہونے کی شرط ہے اور شکار میں شرط یہ ہے کہ تیر مارنے کے وقت یا شکاری جانور کو چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے سینگ والے قربان کیے، ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور اللہ کا نام لیا اور تکبیر پڑھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک ان کے پہلو پر رکھا ہوا تھا اور اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ رہے تھے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤

ترجمہ: آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں۔ اور جولوگ کتاب دیئے گئے ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں جبکہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اس شخص کا عمل غارت ہو جاوے گا اور وہ شخص آخرت میں بالکل زیاں کار ہوگا۔

تفسیر: ⑤ (الیوم اُحِلّ لکم الطیّبات) (آج حلال ہوئیں تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں) یعنی وہ جانور جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیے جائیں۔ (وطعام الّذین اوتوا الکتاب حِلّ لکم) (اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ذبح کردہ جانور حلال ہیں اسی طرح حضور علیہ السلام کی بعثت سے قبل کسی دین پر ایمان لانے والا اگر ان کے دین میں داخل ہو جائے تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہے لیکن جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہودی یا نصرانی ہوا اُس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور اگر یہودی یا نصرانی نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جیسے کوئی نصرانی مسیح کے نام پر ذبح کرے تو اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جانور حلال نہیں اور یہی قول ربیعہ کا ہے اور اکثر اہل علم اس جانب گئے ہیں کہ یہ جانور حلال ہے اور یہی شعبی، عطاء، زہری اور مکحول رحمہما اللہ کا قول ہے۔ امام شعبی اور عطاء رحمہما اللہ سے سوال کیا گیا کہ نصرانی مسیح علیہ السلام کے نام پر ذبح کرے تو کیا حکم ہے؟ ان دونوں نے فرمایا حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحہ کو حلال کہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو خوب جانتے ہیں اور حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہودی یا نصرانی ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے اور تو سن لے تو اس کو نہ کھا اور اگر تیری غیر موجودگی میں ذبح کرے تو کھالے کیونکہ یہ تیرے لیے حلال ہے۔

(وطعامکم حلّ لھم) (اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے) اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کھانے کو ان کے لیے کیسے حلال کر دیا حالانکہ وہ تو کفار ہیں کسی شریعت کے مکلف نہیں؟ تو زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے حلال ہے کہ ان کو کھانا کھلا دو تو حلال ہونے کا خطاب مسلمانوں کو ہے اور بعض نے جواب دیا کہ اس کے بعد عورتوں کا حکم بیان کیا ہے اور مسلمان عورتوں کا ان کے لیے حلال ہونا ذکر نہیں کیا تو گویا کہ آیت کے اس حصہ میں کہا کہ ان کو کھانا کھلانا تو حلال ہے لیکن ان کو مسلمان عورت نکاح میں دینا حرام ہے۔

(والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الّذین اوتوا الکتاب من قبلکم) (اور حلال ہیں تمہارے لیے مسلمان پاک دامن عورتیں اور حلال ہیں ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی) یہ حکم پہلے حکم کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ یہ حصہ "طعامکم حلّ لھم" سے منقطع ہے۔ محصنات کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ انہوں نے ہر آزاد عورت کا نکاح جائز قرار دیا ہے خواہ وہ مؤمنہ ہو یا کتابیہ پاکدامن ہو یا فاجرہ اور یہی مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لیے اہل کتاب لونڈی سے نکاح جائز نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات" میں لونڈی کے نکاح کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ وہ لونڈی مؤمنہ ہو اور اکثر اہل علم نے حربی کتابی لونڈی کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ نکاح جائز نہیں اور دلیل میں آیت "قاتلوا الّذین لا یؤمنون باللّٰہ ...... الیٰ قولہ ...... حتّٰی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون" پڑھتے ہیں کہ جس نے جزیہ دے دیا اس کی عورتیں ہمارے لیے حلال ہیں اور جس نے جزیہ نہ دیا تو ہمارے لیے ان کی عورتیں حلال نہ ہوں گی۔

اور علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آیت میں محصنات سے مراد مؤمن و اہل کتاب میں سے پاک دامن عورتیں ہیں خواہ آزاد ہوں یا لونڈیاں، ان حضرات نے کتابی لونڈی کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور مؤمن و کتابی عورتوں میں سے بدکار عورتوں کے نکاح کو حرام کہا ہے اور یہی حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔

اور امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتابی عورت کا احسان یہ ہے کہ زنا سے پاک دامن ہو اور جنابت سے غسل کرے۔ (اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین) (جب تم ان کو ان کا مہر دے دو قید میں لانے کے لیے نہ کہ مستی نکالنے کے لیے) یعنی اعلانیہ زنا کرنے والے نہ ہو۔ (ولا متخذی اخدان) (اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو) یعنی پوشیدہ زنا کرنے والے نہ ہو۔ امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہوت رانی کے لیے اور صرف دوستی لگانے کے لیے جماع کو حرام کیا ہے اور جماع احسان یعنی نکاح کے طریقے پر حلال کیا ہے (ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ وھو فی الاخرۃ الخاسرین) (اور جو منکر ہوا ایمان سے تو اس کے عمل ضائع ہوئے اور آخرت میں وہ خسارے والوں میں ہے) مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا احسان ان عورتوں کے بارے میں یہ نہیں ہے کہ ان کو کفر سے نکال دے یا ان کافر عورتوں سے ان کو مستغنی کردے بلکہ یہ سب کے لیے عام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ومن یکفر بالایمان" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو اللہ کا انکار کرے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان سے مراد کلمہ توحید ہے یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایمان سے مراد وہ تمام قرآن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل ہوا اور بعض حضرات نے کہا کہ ایمان کے انکار سے مراد یہ ہے کہ حرام کو حلال سمجھے اور حلال کو حرام قرار دے تو اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ثواب کا خسارہ ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

ترجمہ اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین میں سے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تام فرمائے تا کہ تم شکر ادا کرو۔

تفسیر (یایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ اے ایمان والو! جب تم اُٹھو نماز کو) یعنی جب تم ارادہ کرو نماز کی طرف کھڑا ہونے کا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے جب تو قرآن کی قرأت کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ اور آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ جب بھی نماز کے قیام کا ارادہ ہو تو وضو واجب ہے لیکن سنت کے بیان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے یہ بات ہمیں معلوم ہوئی کہ آیت کی مراد یہ ہے کہ جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو اور تم پاکی پر نہ ہو تو وضو کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز ناپاکی کی حالت میں قبول نہیں کرتے جب تک وہ وضو نہ کرے۔ (البخاری کتاب الحیل، الترمذی کتاب الطہارۃ) اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن چار نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں۔

سلمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک ہی وضو سے ادا کیں اور اپنے موزوں پر مسح کیا اور زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نیند سے اُٹھ کر نماز کی طرف قیام کا ارادہ کرو اور بعض نے فرمایا کہ "فاغسلوا" کا امر استحباب کے لیے ہے یعنی کہ جو شخص نماز کا ارادہ کرے تو اگرچہ پہلے سے وضو ہو پھر بھی دوسرا وضو کرنا مستحب ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے پاکی کی حالت میں دوبارہ وضو کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دس نیکیاں دیں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

اور عبداللہ بن حنظلہ بن عامر نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے وقت وضو کا حکم دیا ہے خواہ پہلے

سے پاک ہو یا نہ ہو۔ پھر جب یہ حکم آپ علیہ السلام کو گراں معلوم ہوا تو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیا۔ (الترمذی کتاب الطہارۃ) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کو اطلاع دی گئی ہے کہ آپ علیہ السلام پر صرف نماز کے لیے وضو لازم ہے دیگر اعمال کے لیے نہیں۔ پس آپ علیہ السلام کو یہ اجازت دی کہ حدث کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے علاوہ افعال ادا کر سکتے ہیں۔ سعید بن حویرث رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے سنا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے تو آپ علیہ السلام قضائے حاجت سے تشریف لائے تو آپ علیہ السلام کے پاس کھانا لایا گیا تو عرض کیا گیا آپ علیہ السلام وضو نہیں کریں گے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں نماز نہیں پڑھ رہا کہ وضو کروں۔

وضو کے مسائل

(**فاغسلوا وجوھکم**) (پس تم دھوؤ اپنے چہروں کو) اور چہرے کی حد لمبائی میں سر کے بال اُگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں دونوں کانوں کے درمیان ہے اس تمام حصہ کا وضو میں دھونا واجب ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ پانی کھنوؤں کے نیچے اور پلکوں کے اطراف میں اور مونچھوں و بچہ داڑھی کے نیچے تک پہنچائے۔ اگرچہ وہ گھنی ہو اور داڑھی اگر اتنی گھنی ہو کہ اس کے نیچے کی جلد نہ نظر آتی ہو تو اس کے اندر والے حصہ کا دھونا واجب نہیں ہے بلکہ ظاہر حصہ کا دھونا واجب ہے اور جو بال ٹھوڑی سے نیچے لٹک جاتے ہیں ان کو دھونے کا کیا حکم ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ان لٹکے ہوئے بالوں کا دھونا واجب نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اس لیے کہ جو بال سر سے لٹکے ہوئے ہوں مسح کے جائز ہونے میں ان کا حکم سر والا نہیں ہے اس لیے صرف ان کا مسح کرنے سے سر کا مسح نہ ہوگا۔ یہی حکم چہرے کی حد سے لٹکے ہوئے بالوں کا ہے کہ ان کو بھی چہرے کا حکم نہ ملے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان بالوں کے ظاہر پر پانی بہانا واجب ہے کیونکہ وجہ یعنی چہرہ اس کو کہتے ہیں جس سے آمنا سامنا ہو اور لغت میں بھی جب کسی کی داڑھی نکل آئے تو اس داڑھی پر وجہ کا لفظ بولا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے "بَقَلَ وجه فلان یا خرج وجهه"

(**وایدیکم الی المرافق**) (اور دھوؤ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک) یعنی کہنیوں کے ساتھ یہاں الی بمعنی مع کے ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا "**ولاتاکلوا اموالھم الی اموالکم**" مراد مع اموالکم کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ نہ کھاؤ اور فرمایا "**من انصاری الی اللّٰہ**" یہاں پر الی "مع" کے معنی میں ہے۔ کون ہے میرا مددگار اللہ کے ساتھ اور اکثر علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ کہنیوں کا دھونا واجب ہے اور پاؤں میں ٹخنوں کا دھونا واجب ہے اور امام شعبی اور محمد بن جریر رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا واجب نہیں ہے اس لیے کہ اِلٰی کا حرف انتہا اور حد بتانے کے لیے آتا ہے تو یہ خود حد میں داخل نہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ حد کے لیے نہیں بلکہ مع کے معنی میں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ شے کی حد جب اس کی جنس سے ہو تو انتہا اس میں داخل ہوگی اور جب حد اس کی جنس سے نہ ہو تو انتہا داخل نہ ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**اتموا الصیام الی اللّیل**" اب یہاں رات روزے کے وقت میں داخل نہیں ہے کیونکہ یہ دن کی جنس سے نہیں ہے (**وامسحوا برؤسکم** اور مسح کرو اپنے سروں کا)

سر کے مسح کی مقدار کا حکم

سر کے مسح میں کتنی مقدار واجب ہے اس میں علماء رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ فرماتے ہیں مکمل سر کا مسح واجب ہے جیسا کہ تیمم میں تمام چہرے کا مسح واجب ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سر کی چوتھائی کا مسح واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سر کی اتنی مقدار کا مسح واجب ہے جس پر مسح کا اطلاق ہو سکے اور جن حضرات نے سر کے بعض حصے کے مسح کو جائز قرار دیا۔

انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنی پیشانی اور عمامہ اور موزوں پر مسح کیا تو بعض اہل علم نے عمامہ پر مسح کو اس حدیث کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے اور اسی بات کے قائل ہیں۔

امام اوزاعی، امام احمد و اسحٰق رحمہما اللہ اور اکثر اہل علم نے سر کے بدلے عمامہ پر مسح کو جائز قرار نہیں دیا اور حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں کہا کہ پیشانی پر مسح کرنے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا فرض مسح پورا ہو گیا تھا اور اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ مکمل سر کا مسح واجب نہیں ہے (وارجلکم الی الکعبین اور اپنے پاؤں کو دھوؤ ٹخنوں تک) نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور حفص رحمہما اللہ نے "ارجلکم" کو لام کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے لام کی زیر کے ساتھ۔

پھر جن حضرات نے زبر پڑھی ہے تو اس کا عطف "وجوھکم وایدیکم" پر ہو گا یعنی "اغسلوا ارجلکم" تم اپنے پاؤں کو دھوؤ اور جنہوں نے لام پر زیر پڑھی ہے تو بہت تھوڑے اہل علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ پاؤں پر مسح کرے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وضو میں دونوں چیزیں غسل اور مسح ہے اور یہی بات حضرت عکرمہ و قتادہ رحمہما اللہ سے مروی ہے اور امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام مسح کا حکم لے کر اُترے۔ کیا آپ خود نہیں دیکھتے کہ تیمم کرنے والا جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان کا مسح کرتا ہے اور جن کا مسح کیا جاتا ہے ان کو چھوڑ دیتا ہے اور محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو کرنے والے کو اختیار ہے کہ موزوں پر مسح کرے یا پاؤں دھولے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین اہل علم کی ایک بڑی جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ پاؤں کا دھونا واجب ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ "ارجلکم" کے لام پر زیر "برؤوسکم" کے پڑوس کی وجہ سے ہے نہ کہ حکم میں موافقت کی وجہ سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عذاب یوم الیم" اب الیم عذاب کی صفت ہے لیکن یوم کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے اس کا اعراب لے لیا ہے اور اسی طرح اہل عرب کا قول ہے "جُحْرُ ضَبٍّ خربٍ" اب "خربٍ جُحْرُ" کی صفت ہے لیکن ضب کا اعراب پڑوس کی وجہ سے لے لیا ہے۔ پاؤں کا دھونا واجب ہے اس پر دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں پیچھے رہ گئے تو ہمیں اس حالت میں پایا کہ عصر کی نماز کا وقت قریب تھا اور ہم وضو کر رہے تھے، جلدی میں ہم اپنے پاؤں کا مسح کرنے لگے تو حضور علیہ السلام نے بلند آواز سے ہمیں پکارا "ہلاکت ہے پاؤں کی ایڑیوں کے لیے آگ سے" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حمران سے روایت ہے کہ میں

3

نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وضو کر رہے ہیں تو اپنے ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ پھر تین بار چہرہ دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین بار دھویا، پھر اپنا بایاں ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے دائیں پاؤں کو تین بار دھویا۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ میرے وضو کی طرح وضو کیا۔ پھر ارشاد فرمایا جس نے میرے وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ اپنے آپ سے ان میں کوئی بات نہ کی تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "ارجلکم" سے مراد موزوں پر مسح کرنا ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور یہ مراد نہیں ہے کہ ان ہاتھوں اور گھٹنوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی تھی۔ جیسا کہ کوئی کہے فلاں نے امیر کے سر اور ہاتھ کو بوسہ دیا تو اگرچہ اس کے سر پر پگڑی ہو اور ہاتھ پر آستین ہو لیکن کہا جاتا ہے کہ سر اور ہاتھ کو بوسہ دیا اسی طرح پاؤں پر مسح کو موزوں پر مسح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عروہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا جی۔ تو آپ علیہ السلام اپنی سواری سے اُتر آئے اور ایک طرف چل پڑے اور رات کی تاریکی میں مجھ سے چھپ گئے، پھر تشریف لائے تو میں نے برتن سے آپ علیہ السلام پر پانی ڈالا، آپ علیہ السلام نے اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے، آپ علیہ السلام پر اون کا ایک جبہ تھا تو آپ علیہ السلام اس کی آستین سے بازو نہ نکال سکے تو جبہ کے نیچے سے بازو نکال کر دھوئے۔ پھر سر کا مسح کیا پھر میں جھکا تاکہ آپ علیہ السلام کے موزے اُتارلوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ان کو چھوڑ دو میں نے ان میں پاؤں پاکی کی حالت میں داخل کیے تھے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان پر مسح کیا۔

"**الی الکعبین**" (ٹخنوں تک) کعبان وہ ہڈیاں ہیں جو پاؤں کی جانب میں اُبھری ہوئی ہوتی ہیں۔ ان دو ہڈیوں میں پاؤں اور پنڈلی کا جوڑ جمع ہوتا ہے۔ ان کا دھونا پاؤں کے ساتھ واجب ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہنیوں میں ذکر کیا اور وضو کے فرائض تین اعضاء کو دھونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا اور سر کا مسح کرنا ہے۔ نیت کے واجب ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم نیت کے واجب ہونے کی طرف گئے ہیں اس لیے کہ وضو ایک عبادت ہے تو تمام عبادات کی طرح نیت کی ضرورت ہے اور بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ وضو میں نیت واجب نہیں ہے اور یہی ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے اور علماء کا وضو کی ترتیب کے وجوب میں بھی اختلاف ہے اور وہ ترتیب یہ ہے کہ وضو کے اعضاء کو پے در پے اس ترتیب سے دھوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ ایک جماعت اس کے واجب ہونے کی قائل ہے اور یہی امام مالک، امام شافعی، امام احمد و اسحٰق رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہی بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان "**انّ الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ**" سے استدلال کیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کی ابتداء صفا سے کی اور فرمایا ہم اس سے ابتداء کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے تذکرہ میں ابتداء کی اور ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ ترتیب وضو میں سنت ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ آیت میں جو حرف واؤ ذکر

کیے گئے ہیں یہ جمع کے لیے ہیں ترتیب کے لیے نہیں جیسا کہ دوسری آیت "انما الصدقات للفقراء والمساکین الآیۃ" میں واؤ جمع کے لیے ہے اور اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ صدقہ کے حق داروں میں صدقات خرچ کرنے کے لیے ترتیب کی رعایت واجب نہیں ہے اور جس نے وجوب کا قول کیا ہے انہوں نے جواب دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام نے کبھی بھی صدقات کی تقسیم میں ترتیب کی رعایت کی ہو لیکن وضو کی روایت میں یہ منقول نہیں کہ آپ علیہ السلام نے کبھی بغیر ترتیب کے وضو کیا ہو اور کتاب اللہ کا بیان اور وضاحت سنت سے لی جاتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یا یھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رکوع کے ذکر کو سجدہ پر مقدم کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ علیہ السلام نے اس ترتیب کے علاوہ کبھی نماز پڑھی ہو تو ترتیب کی رعایت جس طرح نماز میں واجب ہے اسی طرح وضو میں بھی واجب ہے۔ (وان کنتم جنباً فاطھروا اور اگر تم جنبی ہو تو خوب طرح پاک ہو) یعنی غسل کرلو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کے غسل کی ابتداء کرتے تو اپنے ہاتھ دھوتے پھر وضو کرتے۔ جیسا کہ نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔ پھر اپنی انگلیوں کو پانی میں داخل کرتے۔ پھر ان کے ذریعے اپنے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے، پھر اپنے سر پر اپنے ہاتھوں سے تین دفعہ پانی بہاتے پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہاتے۔ (وان کنتم مرضٰی ...... وایدیکم منہ) اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی ملنا واجب ہے۔ (ما یرید اللہ لیجعل علیکم اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ تم پر) وضو، غسل اور تیمم کے فرض کرنے میں (من حرج یہاں حرج سے مراد تنگی ہے۔ ولکن یرید لیطھرکم لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے) حدث، جنابت اور گناہوں سے (ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون اور پورا کرے اپنا احسان تم پر تا کہ تم احسان مانو) محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نعمت کو پورا کرنا یہ ہے کہ وضو کے ساتھ گناہوں کو معاف کردے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے "لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تأخر" تا کہ اللہ بخش دے آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مکمل نعمت گناہ معاف کرنے کو قرار دیا ہے۔ حمران رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کیا۔

تین تین مرتبہ تمام اعضاء کو دھویا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا اس کے گناہ اس کے چہرے اور دونوں ہاتھوں اور پاؤں سے نکل جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متاعد جگہ پر ایک دن بیٹھے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس مؤذن آیا اور عصر کی نماز کی اطلاع دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا اور وضو کیا۔ پھر فرمایا اللہ کی قسم میں تمہیں ایک حدیث بیان کرتا ہوں، اگر قرآن مجید کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں وہ حدیث تمہیں کبھی بیان نہ کرتا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جو مسلمان اچھے طریقے سے وضو کرے پھر نماز پڑھے تو اس کے اس نماز سے دوسری نماز تک کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دوسری نماز پڑھ لیتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آیت "اَقِمِ الصَّلٰوۃ لذکری" کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی بات کو ابن شہاب رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور حضرت عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ آیت "اِنَّ الَّذِیْنَ یکتمون ما انزلنا من البیّنات" ہے۔ نعیم المجمر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا پھر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ علیہ السلام نے فرمایا میری اُمت قیامت کے دن اس حال میں پکاری جائے گی کہ ان کی پیشانی اور وضو کے اعضاء خوب روشن ہوں گے وضو کی وجہ سے۔ پس جو شخص تم میں سے اپنی روشنی کو لمبا کرنا چاہے تو ضرور کرے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَاللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْقُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوااللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞

ترجمہ اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور ثواب عظیم ہے۔

تفسیر ۷ ......(واذکروا نعمة الله علیکم اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر) یعنی تمام نعمتوں کو یاد کرو (ومیثاقه الذی واثقکم به اور عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا تھا) یعنی وہ وعدہ جو تم سے کیا تھا اے مؤمنو! (اذ قلتم سمعنا واطعنا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا) اور اس وقت کی بات ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ ہر چیز کی اطاعت پر خواہ پسند ہو یا ناپسند اور یہی اکثر مفسرین کا قول ہے اور مجاہد، مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ وعدہ جو تم سے اس وقت لیا تھا جب تم کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالا تھا۔ (واتقوا الله ان الله علیم بذات الصّدور اور تم ڈرتے رہو اللہ سے اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات) یعنی ہر خیر و شر جو دل میں ہو اس کو جانتا ہے۔

۸ (یایها الذین امنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط) (اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی) یعنی انصاف کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اس حال میں کہ سچ بات کہنے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو

اعمال میں عدل کا حکم دیا اور اقوال میں سچ کہنے کا حکم دیا ہے۔(**ولا یجرمنکم شنان قوم** اور نہ اُبھارے تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر کہ انصاف نہ کرو) یعنی ان کے معاملہ میں انصاف چھوڑنے پر ان کی دشمنی کی وجہ سے۔ پھر فرمایا (**علی أن لا تعدلوا** اعدل کرو) یعنی اپنے دوستوں اور دشمنوں کے معاملہ میں (**اعدلوا هو اقرب للتقوی** یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ کے) یعنی تقویٰ کی طرف۔(**واتقوا الله ان الله خبیر بما تعملون** اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔)

❾ (۹)......(**وعد الله الذین امنوا وعملوا الصالحات لهم مغفرہ واجرٌ عظیم**) (وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے واسطے بخشش اور بڑا ثواب ہے) اور یہ نصب کی جگہ میں ہے اس لیے کہ "وَعَدَ" فعل مغفرت پر واقع اور اس کا مرفوع ہونا عبارت کے مقدر ہونے کی وجہ سے ہے یعنی "**وقال لهم مغفرة واجرٌ عظیم**"

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ❿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَهُمْ فَکَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⓫

ترجمہ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتلایا ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیے۔

تفسیر ❿......(**والذین کفروا وکذبوا بآیتنا اولئک الجحیم**)(اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے۔

⓫ (**یایها الذین امنوا اذکروا نعمت الله علیکم**)(اے ایمان والو! یاد رکھو احسان اللہ کے اپنے اوپر) جو تم سے دشمن کو ہٹا کر احسان کیا۔(**اذهم قوم أن یبسطوا الیکم أیدیهم**)(جب قصد کیا لوگوں نے کہ تم پر ہاتھ چلاویں) قتل کے ساتھ۔

اذهم قوم أن یبسطوا کا شانِ نزول اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطن نخل میں تھے تو بنو ثعلبہ اور بنو محارب نے ارادہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما جب نماز میں مشغول ہوں گے تو ان کو قتل کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ارادہ پر مطلع کر دیا اور خوف کی نماز کا حکم نازل کیا۔

اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غطفان کا نخل مقام پر محاصرہ کیا ہوا تھا تو مشرکین میں سے ایک آدمی نے کہا کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ میں محمد کو قتل کر دوں؟ انہوں نے کہا تو ان کو کیسے قتل کرے گا؟ اس نے کہا میں ان کو غفلت میں قتل کر دوں گا۔ انہوں نے کہا ہم دل سے چاہتے ہیں کہ تو اس کام کو کرلے تو وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلوار کو لٹکائے ہوئے تھے تو اس نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنی تلوار دکھایئے تو آپ علیہ السلام نے اس کو وہ تلوار دے دی تو وہ آدمی اس تلوار کو حرکت دینے لگا اور کبھی تلوار کی طرف دیکھتا اور کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا اور کہنے لگا کون آپ کو مجھ سے بچائے گا۔ اے محمد! آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ! تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے اس کو ڈرایا، اس نے تلوار پھینکی اور چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور مجاہد، عکرمہ، کلبی اور ابن یسار رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن عمرو الساعدی کو بھیجا۔ یہ منذر بیعت عقبہ کے افراد میں سے ایک ہیں۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس انصار اور مہاجرین سواروں کا امیر بنا کر بنو عامر بن صعصعہ کی طرف بھیجا تو یہ حضرات جب مدینہ سے نکلے تو ان کی ملاقات۔ عامر بن الطفیل سے بیئر معونہ پر ہوئی۔ یہ بنو عامر کا ایک کنواں ہے ان کی آپس میں لڑائی ہوئی تو حضرت منذر رضی اللہ عنہ اور ان کے سب ساتھی شہید ہو گئے، صرف تین آدمی بچے جو ایک گمشدہ اونٹ کو تلاش کرنے گئے ہوئے تھے۔ ان تین میں ایک عمرو بن اُمیۃ الضمری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان حضرات نے پرندوں کو آسمان میں چکر لگاتے دیکھا۔ ان کی چونچوں سے خون کے لوتھڑے گر رہے تھے تو اس منظر نے ان کو خوفزدہ کیا تو ان تین میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے ساتھی شہید کر دیئے گئے ہیں۔ پھر ان صاحب نے پیٹھ پھیری اور دوڑے حتیٰ کہ ایک آدمی سے مڈبھیڑ ہوئی، دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ پس جب ان صحابی رضی اللہ عنہ کو تلوار لگی تو انہوں نے سر آسمان کی طرف بلند کیا اور اپنی آنکھیں کھول کر کہا اللہ اکبر! جنت اور تمام جہانوں کا رب۔ باقی دو حضرات واپس لوٹے تو ان کی ملاقات قبیلہ بنو سلیم کے دو آدمیوں سے ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو سلیم کے درمیان صلح کا معاہدہ تھا۔ یہ دو صحابی ان کو بنو عامر کا فرد سمجھے اور ان کو قتل کر دیا تو ان کی قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور دیت کا مطالبہ کیا تو آپ علیہ السلام حضرت ابوبکر، حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ نکلے اور کعب بن اشرف اور بنونضیر کے پاس گئے۔ ان سے دیت کی ادائیگی میں مدد لینے کیونکہ بنونضیر کا حضور علیہ السلام سے یہ معاہدہ تھا کہ ہم قتال نہیں کریں گے اور دیت کی ادائیگی میں مدد کریں گے تو انہوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام پر ایسا وقت آ گیا ہے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور اپنی ضرورت کا سوال کیا آپ تشریف رکھیں ہم آپ علیہ السلام کو کھانا کھلاتے ہیں اور آپ علیہ السلام کو وہ رقم دیتے ہیں جو آپ علیہ السلام نے مانگی تو آپ علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھ گئے تو وہ یہودی ایک دوسرے سے سرگوشی کرنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آج کے دن سے زیادہ قریب تم نہیں پاؤ گے۔ پس کوئی ہے جو اس مکان کی چھت پر چڑھ جائے اور ان پر پتھر کی چٹان گرا کر ہم کو ان سے راحت دے؟ تو عمر بن جحاش نے کہا میں! تو وہ ایک بڑی چکی کو لایا تا کہ اس کو حضور علیہ السلام پر پھینک دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ہاتھ روک دیا اور جبرئیل علیہ السلام نے آ کر آپ علیہ السلام کو خبر دی تو حضور علیہ السلام مدینہ کی طرف لوٹے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ آپ رضی اللہ عنہ اسی جگہ کھڑے رہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما میں سے جو بھی آئے اور میرے بارے میں سوال کرے تو آپ کہنا کہ مدینہ کی طرف گئے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے ایسا کیا یہاں تک کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور آپ علیہ السلام کے پیچھے چل پڑے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور فرمایا (فکف ایدیھم ...... المؤمنون) (پھر روک دیئے تم سے ان کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ ایمان والوں کو)

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ط وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ ط لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ⑫

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمادیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے کو نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس کے بعد بھی کفر کرے گا تو وہ بیشک راہ راست سے دور جا پڑا۔

بارہ نقیبوں کی تفصیل

تفسیر ⑫ ......(وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا)(اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے اور مقرر کیے ہم نے ان میں بارہ سردار) اور یہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کو اور ان کی قوم کو مقدس زمین یعنی شام کا وارث بنائیں گے۔ اس سے پہلے وہاں کنعانی رہتے تھے جب بنی اسرائیل کے لیے ٹھکانہ مصر میں بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ شام کے علاقہ اریحاء کی طرف کوچ کریں یہی ارض مقدس ہے۔ اس ارض مقدس کی ایک ہزار بستیاں تھیں ہر بستی میں ایک ہزار باغ تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے اس علاقہ کو تمہارے لیے گھر اور ٹھکانہ مقرر کیا ہے۔ آپ علیہ السلام اس علاقہ کی طرف نکلیں اور وہاں جو دشمن ہیں ان سے جہاد کریں۔ بے شک میں تمہاری مدد کروں گا اور آپ علیہ السلام اپنی قوم کے ہر قبیلہ سے ایک سردار لیں، کل بارہ سردار ہو جائیں گے، ہر سردار اپنی قوم کے وعدہ کا ضامن ہوگا کہ وہ اللہ کے حکم کو پورا کریں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے سردار چن لیے اور بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے۔ جب اریحاء کے قریب پہنچے، یہ جبارین کا شہر تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سرداروں کو جاسوسی کے لیے آگے بھیجا تا کہ ان کی خبر لائیں تو ان کی مڈبھیڑ جبارین کے ایک آدمی سے ہوئی جس کا نام عوج بن عنق تھا۔ اس کی لمبائی تین ہزار تین سو تینتیس گز تھی۔ وہ شخص بادل سے

منہ چھپالیتا تھا اور بادل سے پیاس بجھالیتا تھا اور مچھلی کو سمندر کی تہہ سے پکڑ کر سورج کی طرف بلند کر کے بھون کر کھا جاتا تھا اور یہ بات روایت کی گئی ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی زمین کے تمام پہاڑوں کے لیے پردہ بن گیا تھا لیکن عوج کے گھٹنوں سے اوپر نہیں ہوا تھا یہ شخص تین ہزار سال زندہ رہا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کرایا اور یہ ہلاکت اس طرح ہوئی کہ اس نے پہاڑ کی بہت بڑی چٹان اکھاڑی جو موسیٰ علیہ السلام کے پورے لشکر کو گھیر لیتی۔ تقریباً تین میل لمبی اور چوڑی تھی اور اس کو اُٹھایا تا کہ اس لشکر کے اوپر رکھ دے تو اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو بھیجا۔ اس نے اپنی چونچ سے اس چٹان کو گول کاٹ دیا تو وہ اس کی گردن پر گری اور وہ اوندھے منہ گر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور اس کو گرے ہوئے دیکھ کر قتل کر دیا۔ اس کی ماں آدم علیہ السلام کی ابتدائی بیٹیوں میں سے تھی اور یہ جب بیٹھتی تو زمین کا ایک جریب گھیر لیتی تھی۔ جب عوج نے ان سرداروں کو دیکھا تو اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا تو اس نے ان بارہ سرداروں کو پکڑ کر اپنی تہبند میں اڑس لیا اور اپنی بیوی کے پاس لے گیا اور کہنے لگا ان لوگوں کو دیکھ ان کو وہم ہوا ہے کہ یہ ہم سے جنگ کریں گے اور ان کو اپنے سامنے پھینک کر کہنے لگا کہ تمہیں اپنے پاؤں سے پیس کے رکھ دوں؟ تو اس کی بیوی کہنے لگی ایسا نہ کر ان کو چھوڑ دے تا کہ یہ اپنی قوم کو اس منظر کی خبر دیں تو اس نے ایسا کیا اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ اس نے ان کو اپنی آستین میں ڈال لیا تھا اور بادشاہ کے پاس لے گیا تھا اور اس کے سامنے پھینک دیا تھا تو بادشاہ نے ان حضرات کو کہا واپس چلے جاؤ اور جو کچھ دیکھا ہے اس کی خبر اپنی قوم کو دو۔ ان کے انگور کے خوشہ کو پانچ آدمی ایک لکڑی کے ساتھ اُٹھاتے تھے اور انار کے خالی چھلکے کے ایک حصہ میں پانچ آدمی داخل ہو جاتے تھے تو وہ سردار لوٹ گئے اور ان کے احوال اچھے طریقے سے معلوم کرتے گئے اور آپس میں ایک دوسرے کو کہنے لگے اگر اس قوم کی خبر بنی اسرائیل کو دے دی تو وہ اللہ کے نبی سے مرتد ہو جائیں گے تم ان سے یہ باتیں چھپالو اور صرف موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو خبر دو وہ ان کے بارے میں جو رائے قائم کریں ٹھیک ہے اور ایک دوسرے سے اس بات پر پختہ عہد لے لیا۔ پھر انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا اور ہر ایک اپنے قبیلہ کو اس قوم سے لڑنے سے روکنے لگا اور جو عجیب منظر دیکھا تھا اس کی خبر دینے لگا، سوائے دو آدمیوں کے سب نے عہد توڑ دیا۔

یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں بارہ سردار بھیجے۔ **(وقال اللہ انی معکم)** (اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں) تمہارے دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد کرے گا۔

پھر کلام کی ابتداء کی اور فرمایا **(لئن اقمتم الصلاۃ)** (اگر تم نماز کو قائم کرو) اے بنی اسرائیل کی جماعت **(واتیتم ...... وعزرتموھم)** (اور زکوٰۃ دیتے رہو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو) یعنی ان کی مدد کرو تم اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ تم ان کی تعظیم کرو **(واقرضتم اللہ قرضًا حسنا)** (اور قرض دو گے اللہ کو اچھی طرح کا قرض) کہا گیا ہے کہ قرض سے مراد زکوٰۃ نکالنا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد گھر والوں پر خرچ کرنا ہے **(تو البتہ دور کروں گا میں تم سے گناہ تمہارے)** میں ضرور مٹا دوں گا تم سے تمہارے گناہوں کو **(لاکفرن عنکم سیاٰتکم)** (اور داخل کروں گا تم کو تو ہم تمہارے گناہوں کو مٹا دیں گے)۔ **(ولادخلنکم ...... السبیل)** (باغوں میں کہ جس کے نیچے بہتی ہیں نہریں پھر جو کوئی کافر ہوا اس کے بعد تو وہ بے شک گمراہ ہوا

سیدھے راستے سے) یعنی سیدھے راستے سے چوک گیا اس سے مراد حق راستہ ہے اور سواء سے مراد ہر چیز کا درمیان مراد ہوتا ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭

ترجمہ تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا وہ لوگ کلام کو اس کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ لوگ جو ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے اور آپ کو آئے دن کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی ہے بجز ان کے معدود چند شخصوں کے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان سے درگزر کیجئے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی ان کا عہد لیا تھا سو وہ بھی جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے تو ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لئے بغض وعداوت ڈال دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔

تفسیر ⑬ ......(فبما نقضهم) (سو ان کے توڑنے پر) ان کے توڑنے کی وجہ سے اور ما صلہ ہے (میثاقهم) (اپنے عہد کو) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کئی طرح سے عہد کو توڑا اس لیے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمام رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء کو قتل کیا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل چھوڑ دیا اور اس کے فرائض کو ضائع کر دیا (لعناهم) (ہم نے ان پر لعنت کی) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں لعنت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ حسن اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو شکلیں مسخ کر کے عذاب دیا۔ (وجعلنا قلوبهم قاسية) (اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے قاسیۃ کو الف کے بغیر "قسیہ" پڑھا ہے یاء کی شد کے ساتھ اور یہ دونوں لغتیں ٹھیک ہیں جیسے ذاکیہ اور ذکیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قاسیۃ کا معنی خشک۔

اور بعض نے کہا کہ ایسے سخت جس میں نرمی بالکل نہ ہو اور بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ ان کے دل ایمان کے لیے خالص نہیں ہیں بلکہ ان کا ایمان کفر و نفاق کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اسی سے کہا جاتا ہے "الدراهم القاسية" یعنی کھوٹے دراہم۔

(يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ) (پھیرتے ہیں کلام کو اس کے ٹھکانے سے) اور یہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو تورات میں ہیں ان کو تبدیل کرنا مراد ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد تورات میں بری تاویلات

کرنا ہے۔ (وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ) (اور بھول گئے اس نصیحت سے نفع اُٹھانا جو ان کو کی گئی تھی) یعنی اور چھوڑ دیا احکامات کا وہ حصہ جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی صفات بیان کرنے کا ان کو حکم دیا گیا تھا (ولا تزال) (اور ہمیشہ) اے محمد! (تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ) (آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں ان کے کسی دغا پر) یعنی خیانت پر یہاں فاعلۃ کا وزن مصدر کے معنی میں ہے جیسے "کاذبة" اور "لاغیة" وغیرہ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ فاعل کے معنی میں ہے اور ھاء مبالغہ کے لیے ہے جیسے "روّاية، علّامة، نسّابة، حسّابة" میں اور بعض نے کہا ہے کہ خائن جماعت پر آپ مطلع ہوتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "خائنة" کا معنی معصیت ہے اور ان کی خیانت عہد کو توڑنا اور مشرکین کی مدد کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا اور آپ علیہ السلام کو زہر دینا اور اس کے علاوہ بہت سی خیانات جو ان سے ظاہر ہوئیں۔ (الا قليلاً منهم) (مگر تھوڑے لوگ ان میں سے) انہوں نے خیانت نہیں کی اور عہد نہیں توڑا اور وہ ایسے لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے اسلام لے آئے تھے (فاعف عنهم) (سو معاف کرو اور درگزر کرو ان سے) یعنی ان سے اعراض کریں ان کو کچھ نہ کہیں۔ (اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ) (اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) یہ آیت قتال کی آیات سے منسوخ ہوگئی ہے۔

⑭ (وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ) (اور وہ جو کہتے ہیں اپنے آپ کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد) بعض نے کہا ہے کہ اس سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں لیکن ان میں سے ایک کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ آیت میں خاص نصاریٰ مراد ہیں کیونکہ یہود کا تذکرہ تو گزر چکا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں اس پر دلیل ہے کہ نصاریٰ نام ان لوگوں نے خود رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ نام نہیں رکھا۔ ہم نے ان سے عہد لیا توحید اور نبوت کے بارے میں۔ (فنسوا ...... يوم القيامة) (پھر بھول گئے نفع اُٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی پھر ہم نے ان کی آپس میں دشمنی لگا دی اور کینہ قیامت کے دن تک) مختلف نفسانی خواہشات اور دین میں جھگڑے کے ذریعے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ کے درمیان دشمنی مراد ہے اور ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صرف نصاریٰ کی آپس میں دشمنی مراد ہے کیونکہ یہ کئی فرقے ہوگئے، ان میں سے "يعقوبية، نسطورية، ملكانية" ہیں یہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے تھے۔

(وسوف ...... يصنعون) (اور آخر اللہ تعالیٰ ان کو خبر دیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے) آخرت میں

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ

اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰

ترجمہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں۔ کتاب میں سے جن امور کا تم اخفاء کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور بہت سے امور کو واگذاشت کر دیتے ہیں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہیں آپ یوں پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور بلکہ جتنے زمین میں (آباد) ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں ان پر اور جس چیز کو چاہیں پیدا کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

تفسیر ⑮......(یا هل الكتاب) (اے کتاب والو!) یہاں دونوں اہل کتاب کو خطاب ہے۔ (يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ) (تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے) یعنی تورات وانجیل میں جو باتیں چھپاتے ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور رجم کی آیت وغیرہ۔ (ويعفوا عن كثير) (اور درگزر کرتا ہے بہت چیزوں سے) یعنی بہت ساری چیزیں جو تم چھپاتے ہو ان سے درگزر کرتا ہے اور کوئی مؤاخذہ نہیں کرتا۔ (قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ) (بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض نے کہا اسلام مراد ہے (و كتاب مبين) (اور کتاب ظاہر کرنے والی) یعنی قرآن۔

⑯......(يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سبل السلام) (جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا سلامتی کی راہیں) اور بعض نے کہا السلام سے مراد خود اللہ تعالیٰ ہیں اور اللہ کے راستے سے مراد وہ دین ہے جو بندوں کے لیے مقرر کیا ہے اور اسی کے ساتھ رسولوں کو بھیجا ہے اور بعض نے کہا السلام سے سلامتی مراد ہے جیسے لذاذ اور لذاذة کا معنی ایک ہے اور اس سے مراد سلامتی کے راستے ہیں۔ (وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ) (اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں) یعنی کفر کی تاریکیوں سے ایمان کے نور کی طرف (باذنه) (اپنے حکم سے) اپنی توفیق اور ہدایت سے۔ (ويهديهم الى صراط مستقيم) (اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ پر) اور وہ سیدھی راہ اسلام ہے۔

⑰......(لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ) (بے شک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تو

وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا) اور یہ نصاریٰ کا یعقوبیہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ مسیح خدا ہے۔(قُلْ فَمَنْ یَّمْلِکُ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا) (آپ کہہ دیجئے پھر کسی کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے) یعنی کون اس بات پر قادر ہے کہ جب اللہ کسی شے کا فیصلہ کر دے تو اس کو ٹال سکے۔ (ان اراد ...... شیءٍ قدیر) (اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا کرتا ہے جو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؗ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ⑱ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ⑲ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ⑳

ترجمہ اور یہود اور نصاریٰ (دونوں فریق) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں آپ یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض عذاب کیوں دیں گے بلکہ تم بھی منجملہ اور مخلوقات کے ایک معمولی آدمی ہو اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے اور جس کو چاہیں گے سزا دیں گے اور اللہ ہی کی ہے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان میں بھی اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ پہنچے جو کہ تم کو (احکام) صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ (مدت سے) موقوف تھا تا کہ تم قیامت میں یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔

تفسیر ⑱ ......(وقالت ...... واحباء ہٗ) (اور کہتے ہیں یہود و نصاریٰ کہ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے) بعض نے کہا نصاریٰ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ شفقت اور رشتہ داری میں ہمارے باپ کی طرح ہیں اور ہم قرب اور مرتبہ میں اس کی اولاد کی طرح ہیں اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہود نے تورات میں لکھا ہوا پایا کہ اے میرے علماء کی اولاد تو انہوں نے احبارمی کے لفظ کو ابکاری سے تبدیل کر دیا۔ اسی وجہ سے خود کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے اور بعض نے کہا ابناء اللہ کا معنی ہے کہ ہم اللہ کے

رسولوں کے بیٹے ہیں۔(قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ)(تو پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر) یعنی اگر معاملہ تمہارے گمان کے مطابق درست ہے کہ تم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہو تو کوئی باپ اپنی اولاد کو عذاب نہیں دیتا، کوئی حبیب اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا اور تم خود اپنے عذاب میں ہونے کا اقرار بھی کرتے ہو کہ اللہ نے تم کو عذاب دیا اور بعض نے کہا "فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ" کا معنی ہے کہ تم سے پہلے آباء کو ان کے گناہوں کی وجہ سے بندر اور خنزیر بنانے کا عذاب کیوں دیا۔(بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ)(کوئی نہیں بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اس کی مخلوق میں سے) تمام بنی آدم کی طرح تم کو برے و اچھے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔(يغفر لمن يّشاء)(بخشے جس کو چاہے) اپنے فضل سے۔(ويعذب من يشاء) (اور عذاب دے جس کو چاہے) انصاف سے۔(وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ)(اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

⑲ ......(يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا) (اے کتاب والو! آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔(يبين لكم)(کھولتا ہے تم پر) ہدایت کی علامات اور دین کی بڑی علامات۔(علی فترة من الرسل)(رسول کے انقطاع کے بعد) یعنی رسولوں کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اور علماء کا اختلاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان انقطاع کی مدت کتنی ہے۔ ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چھ سو سال۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانچ سو ساٹھ سال۔ معمر اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں پانچ سو چالیس سال۔ اس زمانے کو فترت اس لیے کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک لگاتار رسول آتے رہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی رسول و نبی نہیں آیا۔(أن تقولوا)(کبھی تم کہنے لگو) تاکہ تم یہ نہ کہو۔(مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) (کہ ہمارے پاس کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا نہ آیا سو آپ کا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

⑳ ......(وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ)(اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب پیدا کیے تم میں نبی) یعنی تم میں سے انبیاء علیہم السلام پیدا کیے۔(وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا)(اور کر دیا تم کو بادشاہ یعنی تم میں بادشاہ بھی بنائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نوکر چاکر والے لوگ پیدا کیے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلے لوگ ہیں جن کے خادم تھے ان سے پہلے کسی کے خادم نہیں ہوتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور بنی اسرائیل کے کسی آدمی کے پاس نوکر، بیوی، جانور ہوتے تو اس کو بادشاہ لکھا جاتا تھا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ ہم فقراء مہاجرین نہیں ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تیری بیوی نہیں ہے جس کی طرف تو ٹھکانہ پائے؟ اس نے کہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تیرے لیے رہائش کا مکان ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو مالداروں میں ہے؟ اس نے کہا ایک خادم بھی ہے۔ آپ رضی اللہ

عنہ نے فرمایا تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور بنایا تم کو آزاد بادشاہ کہ اپنی ذات کے مالک ہو اس سے پہلے تم قبطیوں کے قبضہ میں تھے وہ تم کو غلام بناتے تھے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے گھر وسیع تھے، ان میں جاری پانی ہوتا تھا جس کا گھر وسیع ہو اور اس میں نہر جاری ہو تو وہ بادشاہ ہے۔ (اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں) یعنی تمہارے زمانے میں کسی کو یہ چیزیں نہیں دی تھیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی ترنجبین، بٹیر، بادلوں کا سایہ وغیرہ۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: اے میری قوم اس متبرک ملک میں داخل ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصے میں لکھ دیا ہے اور پیچھے واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

تفسیر ﴿٢١﴾ (يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ) (اے قوم! داخل ہو پاک زمین میں جو مقرر کر دی ہے اللہ نے تمہارے واسطے)

ارض مقدسہ کی تعیین میں مفسرین کے اقوال

ارضِ مقدس کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ طور اور اس کے اِردگرد کا علاقہ ہے۔

اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایلیاء اور بیت المقدس ہے۔

اور عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اریحاء ہے۔

اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دمشق، فلسطین اور اُردن کا کچھ حصہ ہے۔

اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مکمل شام ہے۔

کعب فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب میں پایا کہ شام اس زمین میں اللہ کا خزانہ ہے اور اس میں اللہ کے اکثر خاص بندے ہیں۔ (مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے واسطے) یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ تمہاری رہائش گاہ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے اللہ نے ھبہ کیا ہے اور بعض نے کہا کہ تمہارے لیے مقرر کر دیا ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ نے تمہیں اس میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو اس جگہ رہنے کا ایسا حکم دیا تھا جس طرح نماز کا حکم دیا گیا یعنی ان پر وہاں رہنا فرض کر دیا۔ (ولا ترتدوا علی أدبارکم) (اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف) ایڑیوں کے بل اللہ کے حکم کے خلاف۔ (فتنقلبوا خاسرین) (پھر جا پڑو گے نقصان میں) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام لبنان کے پہاڑ پر چڑھے، ان کو کہا گیا آپ نگاہ دوڑائیں جہاں تک آپ کی نگاہ جائے گی وہ پاک علاقہ ہے اور آپ کی اولاد کی میراث ہے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: کہنے لگے کہ اے موسیٰ وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی ہیں اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہاں اگر وہ وہاں سے کہیں اور چلے جائیں تو ہم بیشک جانے کو تیار ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۲﴾ (قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ) (بولے اے موسیٰ! وہاں ایک قوم ہے زبردست) اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب وہ سردار جاسوسی کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور اپنے مشاہدہ کی خبر دی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان کی خبر کو چھپا لو اور لشکر میں کسی کو خبر نہ دو یہ لوگ بزدل پڑ جائیں گے تو ان سرداروں میں سے ہر ایک نے اپنے قریبی دوستوں اور چچازاد بھائیوں کو خبر کر دی۔ صرف دو آدمیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ ان میں سے ایک یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہم السلام اور دوسرے کالب بن یوقنا موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی تھے جو حضرت مریم موسیٰ علیہ السلام کی بہن کے خاوند تھے اور یہود کے قبیلوں میں سے حقیقی سردار یہی دو تھے۔ اب جب بنی اسرائیل نے یہ بات جان لی تو دھاڑیں مار کر رونے لگے کہ کاش ہم مصر میں ہوتے، ہم اس جنگل میں مر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی زمین میں داخل نہیں کریں گے تو ہماری عورتیں، اولاد، مال ان کے لیے مال غنیمت بن جائیں گے تو ہر آدمی اپنے ساتھی کو کہنے لگا کہ آؤ ہم مصر کی طرف لوٹ جائیں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی خبر دی ہے کہ (انہوں نے کہا اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے زبردست (قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ) اور ہم ہرگز وہاں نہ جاویں گے یہاں تک کہ وہ نکل جائیں اس میں سے پھر اگر وہ نکل جاویں گے اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہوں گے) جبار کا اصل معنی ایسا بڑا جو اپنے غلبہ کی وجہ سے دوسرے کو روکنے والا ہو۔ جب کھجور کا درخت اتنا لمبا ہو کہ اس تک ہاتھ کسی طرح نہ پہنچ سکے تو اس کو کہتے ہیں "نخلة جبارة" اس قوم کو جبارین بھی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کے قد بہت بڑے اور جسم بہت مضبوط تھے اور یہ قوم عمالقہ میں سے تھے اور قوم عاد کے بچے ہوئے افراد تھے۔ جب بنو اسرائیل نے یہ بات کی اور مصر جانے کا ارادہ کیا تو موسیٰ و ہارون علیہم السلام فوراً سجدہ میں چلے گئے اور یوشع و کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور انہی دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اپنے آئندہ قول میں ہے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا

مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ:۔ کہاان دو شخصوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا کہ تم ان پر دروازہ تک تو چلو سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آ جاؤ گے۔ اور اللہ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم تو ہرگز بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں (اگر ایسا ہی لڑنا ضروری ہے) تو آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جایئے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں موسیٰ دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار میں اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر البتہ (پورا) اختیار رکھتا ہوں سو آپ ہم دونوں کے اور اس بے حکم قوم کے درمیان (مناسب) فیصلہ فرما دیجئے ارشاد ہوا (بہتر) تو یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا یوں ہی زمین میں سرمارتے پھریں رہیں گے سو آپ اس بے حکم قوم (کی اس حالت زار) پر (ذرا) غم نہ کیجئے۔

تفسیر ﴿۲۳﴾ (قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ) (کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے) یعنی اللہ سے ڈرنے والوں نے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے "**یخافون**" کو یاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور کہا کہ یہ دو آدمی ان جبارین میں سے تھے جو اسلام لے آئے اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چل پڑے۔ (**انعم اللّٰه علیهما**) (کہ خدا کی نوازش تھی ان دونوں پر) توفیق اور گناہوں سے بچانے کے ساتھ۔ (**ادخلوا علیهم الباب**) (گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں) یعنی جبارین کی بستی میں داخل ہو جاؤ۔ (**فاذا دخلتموه فانکم غالبون**) (پھر جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے اور ہم نے ان کو دیکھا ہے کہ ان کے جسم تو بہت بڑے ہیں لیکن دل کمزور ہیں تم ان سے نہ ڈرو۔ (**وعلى اللّٰه فتوکلوا ان کنتم مؤمنین**) (اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم یقین رکھتے ہو) پھر بنی اسرائیل نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو پتھر ماریں۔

﴿۲۴﴾ (قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ) (بولے اے موسیٰ! ہم ہرگز نہ جاویں گے ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک واقعہ میں موجود تھا اگر میں ان کا ساتھی ہوتا تو یہ مجھے بہت پسند ہوتا۔ مقداد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ علیہ السلام مشرکین کے خلاف بددعا کر رہے تھے تو مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا ہم آپ علیہ السلام کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے دیا کہ "تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں" لیکن ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس بات سے آپ علیہ السلام کا چہرہ انور چمک اُٹھا اور بہت خوش ہوئے۔ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور یوشع اور کالب کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی۔

㉕(قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ) (موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی) بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں صرف اپنی ذات کا مالک ہوں اور بعض نے کہا کہ قوم میں میری اطاعت میرے سوا میرا بھائی کررہا ہے۔(فافرق بیننا) (سو جدائی کردے تو ہم میں) یعنی ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔ (وبین قوم الفاسقین) (اور اس نافرمان قوم میں) گنہگار قوم میں۔

㉖(قَالَ فَاِنَّھَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیْھِمْ) (فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر) بعض نے کہا ہے کہ یہاں کلام مکمل ہوگئی ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ شہر ان پر حرام کردیا گیا ہے ہمیشہ کے لیے۔ یہاں تحریم تعبدی مراد نہیں ہے بلکہ تحریم منع ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ میں ان سب پر اس مقدس زمین میں داخلہ حرام کردوں گا۔ سوائے میرے بندوں یوشع اور کالب کے اور میں اس جنگل میں ان کو چالیس سال رکھوں گا، ان کی جاسوسی کے چالیس ایام میں سے ہر ایک دن کے بدلہ ایک سال اور میں ان کے مردہ جسموں کو اسی جنگل بیابان میں ڈال دوں گا۔ ان کی اولاد نے کیونکہ کوئی برائی نہیں کی تو وہ اس ارضِ مقدس میں داخل ہوجائیں گے۔ پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان (اربعین سنۃ) (تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر چالیس سال) ...... (یتیھون فی الارض) (سرمارتے پھریں گے) حیران و پریشان پھریں گے۔ (فلا تاس علی القوم الفاسقین) (ملک میں سو تو افسوس نہ کر نافرمان قوم پر) یعنی ان جیسے لوگوں پر آپ علیہ السلام افسوس نہ کریں۔ پس یہ چھ لاکھ جنگجو لوگ صرف چھ فرسخ (تقریباً اٹھارہ میل جگہ) جگہ پر چالیس سال رہے اور یہ لوگ ہر روز سفر کرتے تھے اور شام کو اسی جگہ پہنچ جاتے تھے جہاں سے سفر شروع کیا ہوتا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ اس وقت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ان کے ساتھ نہیں تھے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرات بھی ان کے ساتھ تھے لیکن یہ سزا ان حضرات کے لیے نہیں تھی بلکہ قوم کے لیے تھی۔ اسی وادی تیہ میں بیس سال سے زائد کا ہر آدمی مرگیا سوائے حضرت یوشع علیہ السلام اور کالب کے اور موسیٰ علیہ السلام کو انکار کرنے والوں میں سے کوئی شخص بھی اریحاء مقام میں داخل نہ ہوسکا۔ پھر جب سب منکرین ہلاک ہوگئے اور چالیس سال گزر گئے اور ان کی نئی نسل جوان ہوگئی تو یہ لوگ جبارین سے لڑائی کے لیے چل پڑے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس لڑائی کا امیر و کمانڈر کون تھا اور کس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح دی تو ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اریحاء کو فتح کیا اور مقدمۃ الجیش کے کمانڈر حضرت یوشع علیہ السلام تھے تو موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے باقی ماندہ افراد کو لے کر چلے۔

پہلے حضرت یوشع علیہ السلام داخل ہوئے اور جبابرۃ سے لڑائی کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے اور کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کرلی اور موسیٰ علیہ السلام کی قبر کسی کو معلوم نہیں ہے۔ یہ سب سے صحیح قول ہے اس لیے کہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عوج بن عنق کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا اور دیگر حضرات نے کہا کہ جبارین سے جنگ حضرت یوشع علیہ السلام نے کی اور یوشع علیہ السلام اس جنگ کے لیے لشکر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد لے گئے تھے اور ان حضرات نے یہ بھی کہا کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام وادی تیہ میں انتقال کرگئے تھے۔

ہارون علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میں ہارون علیہ السلام کو موت دینا چاہتا ہوں، آپ علیہ السلام ان کو فلاں پہاڑ پر لے جائیں تو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اس پہاڑ پر تشریف لے گئے وہاں انہوں نے ایک ایسا خوبصورت درخت دیکھا اس جیسا پہلے کبھی نہیں دیکھا اور وہاں ایک خوبصورت گھر بنا ہوا تھا اس میں ایک تخت تھا جس پر بستر بچھا ہوا تھا اور بڑی عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ جب ہارون علیہ السلام کی اس پر نگاہ پڑی تو یہ سارا منظر ان کو اچھا لگا۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا میرا دل چاہتا ہے کہ اس تخت پر سو جاؤں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا سو جاؤ تو ہارون علیہ السلام کہنے لگے مجھے خوف ہے کہ اس گھر کا مالک آ گیا تو بہت ناراض ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ فکر مت کریں اگر مالک آ گیا تو میں اس کو سنبھال لوں گا، آپ سو جائیں۔ ہارون علیہ السلام کہنے لگے آپ بھی ساتھ لیٹیں تا کہ اگر مالک آئے تو ہم دونوں پر غصہ ہو۔ جب دونوں حضرات سونے کے لیے لیٹے تو ہارون علیہ السلام کی روح قبض ہونے لگی تو ان کو جیسے ہی یہ بات محسوس ہوئی کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے مجھ سے بات چھپائی جب ان کی روح قبض ہوگئی تو وہ گھر اُٹھا لیا گیا اور درخت چلا گیا اور وہ تخت ہارون علیہ السلام کو لے کر آسمان کی طرف بلند ہو گیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام تنہا بنی اسرائیل کی طرف آئے تو وہ کہنے لگے آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ بنی اسرائیل کیونکہ ان سے زیادہ محبت کرتے تھے آپ کو حسد ہونے لگا تھا ان سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہارا ناس ہو وہ میرے بھائی تھے میں ان کو کیسے قتل کر سکتا ہوں لیکن جب انہوں نے بار بار یہی بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام نے دو رکعت پڑھ کر دُعا کی تو وہ تخت نیچے اُتر آیا اور لوگوں نے آسمان و زمین کے درمیان اس تخت پر ہارون علیہ السلام کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہم السلام پہاڑ پر چڑھے تو موسیٰ علیہ السلام زندہ بچے اور ہارون علیہ السلام انتقال کر گئے تو بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے آپ نے ان کو قتل کیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دینے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا وہ ہارون علیہ السلام کو اُٹھا کر بنی اسرائیل پر گزرے اور فرشتوں نے ان کی موت کے بارے میں گفتگو کی تو بنی اسرائیل نے پہچان لیا کہ وہ مر چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے الزام سے بری کر دیا۔ پھر فرشتوں نے ان کو اُٹھایا اور دفن کر دیا اور رخم کے علاوہ کسی کو بھی ان کی قبر کا پتہ نہ لگ سکا لیکن رخم کو اللہ تعالیٰ نے گونگا بہرہ بنا دیا اور عمر بن میمون کہتے ہیں کہ ہارون و موسیٰ علیہم السلام کی زندگی میں وادی تیہ میں وفات پا گئے تھے یہ دونوں حضرات پہاڑ کی کسی غار میں گئے وہاں حضرت ہارون علیہ السلام وفات پا گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو وہیں دفن کر دیا اور بنی اسرائیل کے پاس چلے آئے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ آپ نے ان کو ہماری محبت کی وجہ سے قتل کیا ہے کیونکہ وہ بنی اسرائیل کو بہت محبوب تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے آہ و زاری کی تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان کو ہارون علیہ السلام کی قبر پر لے جایئے میں ان کو اُٹھا دوں گا تو موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر ہارون علیہ السلام کی قبر پر گئے وہاں جا کر موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی تو ہارون

علیہ السلام قبر سے اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے نکل آئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کیا میں نے آپ کو قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ میری موت کا وقت آ گیا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ اپنی آرام گاہ میں واپس چلے جائیں۔ بنی اسرائیل کی تسلی ہوگئی اور واپس چلے گئے اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام موت کو ناپسند سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان کو اس کی رغبت دلائیں تو یوشع بن نون کو خبر دی۔ یوشع بن نون صبح شام موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتے تھے تو جب وہ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ کے نبی اللہ نے کیا نئی وحی آپ کی طرف بھیجی؟ یوشع نے کہا اے اللہ کے نبی میں آپ کی صحبت میں اتنے سال رہا، میں نے آپ سے کبھی اللہ کی بھیجی ہوئی وحی کے بارے پوچھا جب تک آپ علیہ السلام نے خود بتانے کی ابتداء نہیں کی، یہ کہہ کر کچھ بھی نہیں بتایا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات دیکھی تو موت کو پسند کرنے لگے اور زندگی کو ناپسند۔

ھمام بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملک الموت موسیٰ بن عمران کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے رب کو جواب دیں تو موسیٰ علیہ السلام نے موت کے فرشتے کی آنکھ پر طمانچہ مارا جس سے آنکھ پھوٹ گئی تو ملک الموت اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے مجھے اپنے ایسے بندے کے پاس بھیج دیا جو موت کو نہیں چاہتا اور میری آنکھ پھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ٹھیک کر دی اور کہا میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کیا آپ زندگی چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو بیل کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیں تو آپ کا ہاتھ جتنے بالوں کو چھپالے گا اتنے سال آپ زندہ رہیں گے۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد؟ ملک الموت نے کہا کہ آپ کو موت آ جائے گی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اب ٹھیک ہے۔ اے میرے رب! مجھے ارضِ مقدس سے اتنا قریب کر دے جتنا ایک پتھر پھینکنے کی مسافت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو میں تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا جو راستے کے ایک طرف سرخ ٹیلے کے پاس ہے اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت سے گھر سے نکلے تو فرشتوں کی ایک جماعت پر گزر ہوا جو ایک قبر کھود رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے اچھی اور اس جیسی قبر کبھی نہ دیکھی تھی کیونکہ اس میں سبزہ، رونق اور تروتازگی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہا اے اللہ کے فرشتو! تم اس قبر کو کیوں کھود رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کے ایک معزز بندے کے لیے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس بندے کا اللہ کے ہاں بہت مرتبہ ہوگا؟ میں نے آج تک ایسی آرام گاہ نہیں دیکھی تو فرشتوں نے کہا اے اللہ کے چنے ہوئے نبی کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ یہ آپ علیہ السلام کی ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ تو فرشتوں نے کہا اس میں اُتر کر سو جائیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام اس میں اللہ کی طرف متوجہ ہو کر سو گئے پھر آسانی سے سانس لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی اور فرشتوں نے موسیٰ علیہ السلام کی قبر بند کر دی اور بعض نے کہا کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جنت کا سیب لائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سونگھا تو ان کی روح قبض کر لی اور موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور چالیس سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے یوشع علیہ السلام

کو نبی بنا کر بھیجا۔انہوں نے بنی اسرائیل کو خبر دی کہ اللہ نے جبابرہ سے جنگ کا حکم دیا ہے تو انہوں نے تصدیق اور اتباع کی تو یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر اریحاء کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے ساتھ میثاق کا تابوت تھا۔انہوں نے اریحاء کا چھ ماہ محاصرہ کیا،ساتویں ماہ سینگوں میں پھونک مار کر پورے قبیلے نے ایک ساتھ آواز لگائی اور شور مچایا اور مدینہ کی دیوار گر گئی اور شہر میں داخل ہوئے اور جبارین نے جنگ کی اور ان کو شکست دی اور ان کو گھیر کر قتل کیا اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت جبارین کے ایک آدمی کی گردن پر جمع ہو کر وار کرتے اور اس کے کٹنے تک لگے رہتے۔یہ قتال جمعہ کے دن شروع ہوا تھا اور باقی چند افراد رہ گئے اور سورج غروب ہونے لگا اور ہفتہ کی رات داخل ہونے لگی تو یوشع علیہ السلام نے دُعا کی اے اللہ! تو سورج کو واپس کردے اور سورج کو کہا کہ تو بھی اللہ کی اطاعت میں ہے اور ہم بھی تو ٹھہر جا اور چاند کو کہا تو بھی تا کہ ہم ہفتہ کا دن آنے سے پہلے اللہ کے دشمنوں سے انتقام لے لیں تو سورج واپس کر دیا گیا اور دن میں کچھ گھڑی کا اضافہ کر دیا گیا حتیٰ کہ ان سب کو قتل کر دیا گیا۔

اور شام کے بادشاہوں کا ارادہ کیا اور ان میں سے اکتیس کو تباہ و برباد کر دیا اور تمام ملک شام پر غلبہ حاصل کر لیا اور تمام ملک شام بنی اسرائیل کا ہو گیا۔حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے عاملین کو ملک کے اطراف میں بھیج کر تمام مال غنیمت جمع کرایا لیکن اس پر آسمان سے آگ نہیں اُتری تو اللہ تعالیٰ نے یوشع علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اس مال میں خیانت ہوئی ہے تو آپ ان سب کو حکم دیں کہ وہ آپ کی بیعت کریں۔جب سب نے بیعت کی تو اس خائن کا ہاتھ یوشع علیہ السلام کے ہاتھ سے جڑ گیا تو حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ چھپایا ہے وہ لے آؤ تو سونے کا بنا ہوا بیل کا سر لایا جس پر یاقوت اور ہیرے موتی جڑے ہوئے تھے۔اس نے اس کی خیانت کی تھی۔حضرت یوشع علیہ السلام نے اس آدمی کو بھی مال غنیمت میں ڈال دیا اور آگ آئی اور اس آدمی سمیت سب مال کو جلا دیا۔پھر یوشع علیہ السلام بھی وفات پا گئے اور جبل افرائیم میں دفن کیے گئے۔ان کی عمر ایک سو چھبیس سال تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد ستائیس سال تک بنی اسرائیل کی ذمہ داری سنبھالی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾

(ترجمہ) اور آپ ان اہل کتاب کو آدمؑ کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجئے جبکہ دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی (یعنی ہابیل کی) تو مقبول ہو گئی اور دوسرے کی (یعنی قابیل کی) مقبول نہ ہوئی وہ دوسرا کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا اس ایک نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں۔

(تفسیر) ۲۷ (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ) (اور آپ سنائیں ان کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا حقیقی حال) اور وہ دونوں ہابیل اور قابیل تھے اور اس کو قابین بھی کہا جاتا ہے۔

ہابیل وقابیل کا واقعہ

(اذ قربا قربانًا) (جب نیاز کی ان دونوں نے کچھ نیاز) اور ان کی اس قربانی کا سبب اہل علم نے یہ ذکر کیا ہے کہ حوا علیہا السلام سے ہر بطن میں ایک لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتی اور ان کی تمام اولاد چالیس بچے تھے۔ بیس بطن سے ان میں سے پہلا قابیل اور اس کی جڑواں بہن اقلیما تھی اور آخری عبدالمغیث اور اس کی جڑواں بہن اُمۃ المغیث تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد میں برکت دی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آدم کی زندگی میں ان کی آل اولاد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ علماء کا ہابیل اور قابیل کی جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ آدم وحوا علیہم السلام کے زمین پر اُترنے کے سو سال بعد قابیل اور اس کی جڑواں بہن اقلیما ایک بطن سے پیدا ہوئے۔ پھر ہابیل اور اس کی جڑواں بہن لبودا پیدا ہوئی اور محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ نے پہلی کتابوں کے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کے شجرہ ممنوعہ کھانے سے قبل جنت میں ملاپ سے قابیل اور اس کی اقلیما حوا علیہا السلام کے پیٹ میں آچکے تھے تو حضرت حوا علیہا السلام سے بغیر کسی کمزوری اور خون اور تکلیف کے یہ پہلی اولاد ہوئی۔

اور بعد میں معاملہ برعکس رہا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد جب جوان ہو جاتی تو ایک بطن کے لڑکے کا دوسرے بطن کی لڑکی سے نکاح کر دیتے۔ اس وقت آدمی کا نکاح اپنی بہنوں میں سے کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا سوائے جڑواں بہن کے۔ اس لیے کہ اس وقت اپنی بہنوں کے علاوہ اور کوئی عورت تھی ہی نہیں۔ جب قابیل اور اقلیما پیدا ہوئے اور کلبی کے قول کے مطابق دو سال بعد ہابیل اور لبودا اور جب یہ بالغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ قابیل کا نکاح لبودا سے اور ہابیل کا نکاح اقلیما سے کر دیں۔ قابیل کی جڑواں بہن اقلیما لبودا سے زیادہ خوبصورت تھی۔ آدم علیہ السلام نے یہ حکم بیٹوں کو سنایا تو ہابیل راضی ہو گیا اور قابیل ناراض اور کہنے لگے یہ میری بہن ہے اس پر میرا حق زیادہ ہے اور ہم جنت کی اولاد ہیں اور یہ زمین کی۔ تو آدم علیہ السلام نے کہا وہ تیرے لیے حلال نہیں اس نے اس بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ اللہ نے یہ حکم نہیں دیا یہ آپ کی اپنی رائے ہے تو آدم علیہ السلام نے ان دونوں کو کہا کہ تم کوئی قربانی دو جس کی قبول ہو گئی وہ اس لڑکی کا زیادہ حق دار ہے۔ اس وقت صدقہ وقربانی کی قبولیت کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ اُتر کر اس کو کھا جاتی تھی اور جو قبول نہ ہو اس کو آگ نہیں بلکہ پرندے اور درندے کھاتے تھے۔ یہ دونوں قربانی دینے گئے، قابیل کاشتکار تھا اس نے اپنی گھٹیا گندم کی ڈھیری رکھ دی اور دل میں کہا کہ مجھے کیا قبول ہو یا نہ میں تو اپنی جڑواں بہن سے ہی نکاح کروں گا اور ہابیل بکریوں والا تھا اس نے عمدہ مینڈھا تلاش کیا ریوڑ میں سے اور دل میں اللہ کی رضا کی نیت کر لی، انہوں نے اپنی قربانیاں پہاڑ پر رکھ دیں اور آدم علیہ السلام نے دُعا کی تو آسمان سے آگ اُتری اور ہابیل کی قربانی کو کھایا مگر قابیل کی قربانی کو کچھ نہ کہا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان (فتقبل من احدھما) (مقبول ہوئی ان میں سے ایک کی) یعنی ہابیل کی۔ (ولم یتقبل من الاخر) (اور نہیں قبول کی گئی دوسرے کی) یعنی قابیل کی۔ جب یہ پہاڑ سے اُتر آئے تو قابیل اپنی قربانی قبول نہ ہونے کی وجہ سے بہت غصہ میں تھا اور اپنے دل میں حسد

چھپالیا۔ ایک دن آدم علیہ السلام مکہ آئے بیت اللہ کی زیارت کے لیے تو ان کی عدم موجودگی میں قابیل ہابیل کے پاس آیا وہ اپنے ریوڑ میں کھڑے تھے۔ (قال لاقتلنک) (کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری قربانی قبول اور میری رد کردی تو میری خوبصورت بہن سے نکاح کرے اور میں تیری بدصورت بہن سے۔ اس وجہ سے لوگ یہ باتیں کریں گے کہ تو مجھ سے بہتر ہے اور تیری اولاد میری اولاد پر ان باتوں کی وجہ سے فخر کرے گی۔ ہابیل نے کہا اس میں میرا کیا گناہ ہے۔ (قال انما یقبل اللہ من المتقین) (اللہ تعالیٰ تو صرف پرہیزگاروں سے قبول کرتے ہیں)۔

لَئِنْ م بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ㉘ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ ا بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ㉙ فَطَوَّعَتْ لَہٗ نَفْسُہٗ قَتْلَ اَخِیْہِ فَقَتَلَہٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ㉚

ترجمہ اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں کیونکہ میں تو خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی سو اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس سے بڑے نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔

تفسیر ㉘ (لَئِنْ م بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ) (اگر تو ہاتھ چلائے گا) میری طرف مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہابیل اپنے بھائی سے زیادہ طاقتور تھے لیکن ان کو یہ شرم آئی کہ میں اپنے بھائی پر ہاتھ کیسے اُٹھاؤں اور شریعت میں یہ جائز ہے کہ کسی کو قتل کیا جا رہا ہو تو وہ ثواب کے لیے مزاحمت نہ کرے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس وقت یہ بات فرض کی تھی کہ کوئی شخص کسی کو قتل کرنے لگے تو وہ صبر کرے، مزاحمت نہ کرے۔

㉙ (اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ) (میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے) تو لوٹے اور بعض نے کہا تو اُٹھائے۔ (باثمی و اثمک) (میرا گناہ اور اپنا گناہ) یعنی میرے قتل کا گناہ اپنے دیگر گناہوں کے ساتھ جو اس سے پہلے تو کر چکا ہے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ تجھ پر میری خطاؤں کا بھی بوجھ ہو جب تو مجھے قتل کرے گا اور اپنے گناہ اس کے علاوہ تو اس طرح تو میرا خون اور گناہ دونوں اُٹھائے گا اور بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنی اس نافرمانی کا گناہ بھی حاصل کرے جس کی وجہ سے تیری قربانی قبول نہیں ہوئی یا اپنے حسد کا گناہ بھی حاصل کرے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ ہابیل نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میرا ارادہ ہے کہ تو میرے اور اپنے گناہ کو حاصل کرے حالانکہ گناہ

کا ارادہ کرنا تو جائز نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ حقیقتاً ارادہ ان کا ارادہ نہیں تھا لیکن جب ان کو یقین ہو گیا کہ بھائی مجھے ہر حال میں قتل کرے گا تو ثواب کی اُمید پر انہوں نے اپنے نفس کو راضی کر لیا تو مجازاً یوں کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے قتل کا ارادہ کیا اگرچہ حقیقتاً یہ مراد نہیں تھی اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ تو میرے قتل کی سزا کو حاصل کرے تو یہ صحیح ارادہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے اور یہ قتل کا ارادہ نہیں بلکہ قتل کی سزا و گناہ کا ارادہ ہے۔ (فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ) (پھر تو ہو جائے دوزخ والوں میں سے اور یہی ہے ظالموں کی سزا)

㉚ (فطوعت له نفسه) (پھر راضی کیا اس کو اس کے نفس نے) یعنی اس کو تیار کیا اور اس کی مدد کی اور اُبھارا۔ (فقتل اخیه) (اپنے بھائی کے خون پر) اپنے بھائی کے قتل کرنے میں اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس کو نفس نے خوب اُبھارا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں نفس نے بھائی کا قتل بڑا خوبصورت کر کے دکھایا اور یمان کہتے ہیں کہ اس کو آسان بتلایا یعنی اس کے نفس نے اس بات پر آمادہ کیا کہ تیرے بھائی کا قتل بہت آسان ہے۔ پھر قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا جب اس نے پکا ارادہ کیا تو قتل کا طریقہ معلوم نہیں تھا تو ابن جریج فرماتے ہیں کہ شیطان انسانی شکل میں آیا اور ایک پرندہ پکڑ کر اس کو ایک پتھر پر رکھ کر دوسرا پتھر اُٹھا کر اس کے سر پر مارا وہ مر گیا۔ قابیل نے یہ طریقہ سیکھ لیا اور ہابیل کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر پھاڑ دیا۔ بعض نے کہا ہابیل قتل کے وقت مطیع تھے اور بعض نے کہا وہ سوئے ہوئے تھے اس نے غفلت میں ان کا سر پھاڑ کر قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ) (پھر اس کو مار ڈالا سو ہو گیا نقصان اُٹھانے والوں میں)

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ㉛

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ (چونچ اور پنجوں سے) زمین کو کھودتا تھا تا کہ وہ اس کو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریقہ سے چھپائے کہنے لگا افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گزرا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا سو (اس بدحالی پر) بڑا شرمندہ ہوا۔

تفسیر: ㉛ (فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ) (پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو زمین کو کریدتا تھا تا کہ اس کو دکھلا دے کہ کیسے چھپاتی ہے اپنے بھائی کی لاش) جب قابیل نے کوے کو یہ کرتے دیکھا تو (قال ...... سوأة اخی) (بولا اے افسوس! مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہو جاؤں کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپاؤں) یعنی بھائی کی لاش چھپاؤں بعض نے کہا اس کی شرمگاہ کو چھپاؤں کیونکہ قابیل نے ان کے کپڑے اُتار لیے تھے۔ (فاصبح من النادمین) (پھر پچھتانے لگا) اس کی لاش کندھے پر اُٹھانے پر شرمندہ ہوا نہ کہ قتل پر اور بعض نے کہا کہ بھائی کی جدائی پر افسوس ہوا اور بعض نے کہا اس کے قتل سے فائدہ کم ہوا کیونکہ والدین ناراض ہو گئے اس لیے شرمندہ ہوا کیونکہ اس قتل سے نفع کچھ نہ ہوا۔ اس قتل پر شرمندگی نہ ہوئی

تھی۔ عبدالمطلب بن عبداللہ بن حنطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قابیل نے بھائی کو قتل کر دیا تو زمین سات دن پیاسی رہی اور پھر ہابیل کا خون پیا پانی کی طرح۔ آدم علیہ السلام نے قابیل سے پوچھا کہ تیرا بھائی ہابیل کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں، میں اس کا نگران نہیں ہوں تو آدم علیہ السلام نے فرمایا تیرے بھائی کا خون مجھے زمین سے پکار رہا ہے۔ تو نے بھائی کو کیوں قتل کیا؟ تو قابیل نے کہا اگر میں نے قتل کیا ہے تو خون کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت سے زمین پر خون کا پینا حرام کر دیا ہے۔

ہابیل کے قتل ہو جانے پر ہر چیز کا ذائقہ کڑوا ہو گیا

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کے مکہ جانے پر قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو درختوں کے کانٹے نکل آئے اور کھانے خراب ہو گئے اور میوے کھٹے اور پانی چل پڑا اور زمین غبار آلود ہو گئی تو آدم علیہ السلام نے سوچا کوئی نئی بات ہو گئی ہے تو ہندوستان تشریف لائے تو قابیل ہابیل کو قتل کر چکا تھا تو انہوں نے شعر کہا اور آدم علیہ السلام نے دُنیا میں پہلا شعر کہا:

تغیرت البلاد ومن علیها فوجه الارض مغبر قبیح

تغیر کل ذی طعم ولون وقل بشاشة الوجه الملیح

شہر اور ان پر آباد لوگ تبدیل ہو گئے۔ پس زمین کا چہرہ غبار آلود بدصورت ہو گیا۔ ہر ذائقہ اور رنگ والی چیز تبدیل ہو گئی۔ خوبصورت چہرہ کی تر و تازگی کم ہو گئی۔ میمون بن مہران نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ کہا کہ آدم علیہ السلام نے شعر کہا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ کہا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام شعر کی ممانعت میں برابر ہیں لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام نے سریانی زبان میں ان کا مرثیہ کہا اور حضرت شیث علیہ السلام کو کہا اے میرے بیٹے آپ میرے وصی ہو اس کلام کو بطور وراثت محفوظ کر لو تا کہ لوگوں کے دل اس سے نرم ہوں یہ مرثیہ نسل در نسل چلتا ہو یعرب بن قحطان تک پہنچ گیا۔ اس کو عربی اور سریانی پر مہارت تھی۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے عربی کو لکھا یہ شاعر تھا اس نے اس مرثیہ میں تقدیم و تاخیر کر کے شعر کے وزن پر کر دیا اور چند اشعار کا اضافہ کر دیا۔

ومالی لااجود بسکب دمع وهابیل تضمنه الضریح

اری طول الحیاة علی غما فهل انا من حیاتی مستریح

"مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں آنسو بہانے میں سخاوت نہیں کرتا حالانکہ ہابیل تو قبر میں ہے۔ میں لمبی زندگی کو اپنے اوپر غم خیال کرتا ہوں۔ کیا میں اپنی زندگی سے راحت حاصل کر سکتا ہوں۔"

پھر جب ہابیل کے قتل کو پانچ سال گزر گئے اور آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس سال ہو گئی تو حضرت حواء علیہا السلام سے حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کا نام عبداللہ تھا اور یہ ہابیل کے اچھے جانشین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو رات و دن کی گھڑیوں کا علم دیا اور ہر گھڑی میں مخلوق کی عبادت کا بھی علم دیا اور ان پر پچاس صحیفے نازل کیے تو یہ آدم علیہ السلام کے وصی اور ولی عہد ہوئے۔

آگ کی پوجا کی ابتداء قابیل نے کی

بہر حال قابیل کو کہا گیا کہ تو یہاں سے چلا جا دھتکارا ہوا گھبرایا ہوا اور مرعوب تو جس کو دیکھے گا اس سے بے خوف نہ ہوگا۔ اس نے بہن اقلیما کا ہاتھ پکڑا اور اس کو لے کر عدن یمن کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں اس کے پاس شیطان آیا اور اس کو کہا کہ آگ نے ہابیل کی قربانی اس وجہ سے کھائی کہ وہ آگ کی عبادت کرتا تھا تو تو بھی آگ کو خدا بنالے یہ تجھے اور تیری اولاد کو نفع دے گا تو اس نے ایک گھر بنایا، آگ کی عبادت کے لیے یہ پہلا شخص ہے جس نے آگ کی پوجا کی۔ قابیل کی اولاد میں جس کا بھی اس پر گزر ہوتا اس کو پتھر مارتے۔ ایک دن قابیل کا نابینا بیٹا اپنے بیٹے کے ساتھ آیا اس کے بیٹے نے نابینا کو کہا ابا جان! یہ آپ کے والد ہیں اس نابینا نے پتھر مار کر قابیل کو قتل کر دیا۔ بیٹے نے کہا ابا جان آپ نے اپنے والد کو مار دیا؟ تو اس نابینا نے غصہ میں بیٹے کو تھپڑ مارا وہ بھی مر گیا۔ اب وہ نابینا کہنے لگا کہ میرے لیے ہلاکت ہے کہ میں نے ایک پتھر سے باپ کو اور تھپڑ سے بیٹے کو قتل کر دیا۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قابیل کی ایک ٹانگ اور پاؤں باندھ کر اس کو لٹکا دیا گیا اور قیامت تک لٹکا رہے گا۔ اس کا چہرہ سورج کی طرف ہے جہاں جہاں سورج گھومتا ہے وہ بھی ساتھ گھومتا ہے اور فرمایا کہ قابیل کی اولاد نے بینڈ باجے طبلے وغیرہ آلات لہو بنائے اور شراب پینے، کھیل کود اور زنا آگ کی پوجا اور دیگر بے حیائیوں میں مست ہو گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ان کو طوفان سے غرق کر دیا اور صرف شیث علیہ السلام کی نسل باقی رہ گئی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو آدم علیہ السلام کے بیٹے پر اس کے خون کا گناہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے قتل کا طریقہ جاری کیا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اسی (واقعہ کی) وجہ سے ہم نے (تمام مکلفین پر عموماً اور) بنی اسرائیل پر (خصوصاً) یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدوں کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو (خواہ مخواہ) قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور جو شخص کسی شخص کو بچا لیوے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا اور بنی اسرائیل کے پاس ہمارے بہت سے پیغمبر بھی دلائل واضحہ (نبوت کے) لے کر آئے پھر اس کے بعد بھی بہتیرے ان میں سے دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے۔

تفسیر ۳۲ (من اجل ذلک) (اسی سبب سے) ابو جعفر رحمہ اللہ نے "من اجل ذالک" کو نون کے کسرہ کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے

اور اکثر قراء نے نون کے جزم اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ جدا کر کے۔ یعنی اس قاتل کی سزا اور جنٓی کی وجہ سے (کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ) (لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے) قتل کیا اس کو تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (او فساد فی الارض) (یا ملک میں فساد کرنے کے بغیر) یعنی بغیر قصاص لینے اور کفر، زنا، ڈاکہ وغیرہ کے ذریعے ملک میں فساد کرنے کے بغیر قتل کیا۔ (فکانما قتل النّاس جمیعًا) (تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو) اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

نبی یا عادل بادشاہ کو قتل کرنا پوری اُمت کو قتل کرنے کے برابر ہے

عکرمہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ جس نے نبی یا عادل بادشاہ کو قتل کیا تو اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے نبی یا امام عادل کی قوت بڑھائی اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے ناحق کسی کو قتل کیا تو ایسی آگ بھڑکتی ہے جیسے اگر تمام لوگوں کو قتل کرتا تو بھڑکتی۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اجر کو بڑا کیا اور گناہ کو بہت زیادہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے کسی مسلمان کے ناحق قتل کو حلال سمجھا گویا کہ اس کو تمام لوگوں کے قتل کرنے کا گناہ ہوا اس لیے کہ ایک کو قتل کر دیا تو باقی بھی اس سے محفوظ نہ ہوئے۔ (ومن احیاھا) (اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو) اور اس کے قتل سے پرہیز کیا۔ (فکانما احیا النّاس جمیعا) (تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو) کیونکہ سب لوگ اس سے محفوظ ہو گئے تو ثواب ملے گا۔

حسن رحمہ فرماتے ہیں کہ سب لوگوں کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایسا قصاص لینا واجب ہے جیسا اگر سب لوگوں کو قتل کرتا تو لیا جاتا اور "ومن احیاھا" کا مطلب یہ ہے کہ جس پر قصاص واجب تھا اس کو معاف کر دیا اور قتل نہیں کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کر دیا۔ سلیمان بن علی فرماتے ہیں کہ میں نے حسن کو کہا اے ابو سعید! کیا یہ حکم بنی اسرائیل کی طرح ہمیں بھی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں بنی اسرائیل کے خون ہمارے خون سے اللہ کے ہاں زیادہ مرتبہ والے نہیں تھے۔ (وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ اور لا چکے ہیں ان کے پاس ہمارے رسول کھلے ہوئے حکم پھر بہت سے لوگ ان میں سے اس پر بھی دست درازی کرتے ہیں)۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾

(ترجمہ) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔

انما جزاء الذین کی تفسیر

تفسیر 33 ...... (اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا) (یہی سزا ہے ان لوگوں کی جولڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو۔ الخ)

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کی ایک قوم کے بارے میں نازل ہوئی ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین عہد تھا۔ انہوں نے عہد توڑ دیا اور ڈاکہ مار کر زمین میں فساد مچانے لگے۔

اور کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ ہلال بن عویمر کی قوم کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہلال بن عویمر جو کہ ابو بردۃ الاسلمی ہیں سے یہ معاہدہ تھا کہ نہ ان کی کوئی مدد کریں گے اور نہ ان کے کسی دشمن کی ان کے خلاف اور جو شخص ہلال بن عویمر کے علاقہ سے گزر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنا چاہے وہ امن والا ہوگا اس کو کوئی تنگ نہ کرے گا تو بنی کنانہ کی ایک جماعت اسلام لانے کے ارادہ سے ہلال بن عویمر کی قوم کے چند مسلمانوں کے ساتھ چل پڑی۔ اس وقت ہلال وہاں موجود نہ تھے تو ان کی قوم نے ان کو لوٹ کر قتل کر دیا تو جبرئیل علیہ السلام ان کے بارے میں یہ فیصلہ لے کر آئے۔

قبیلہ عرینہ کا قصہ

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت قبیلہ عرینہ اور عُکل کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کے چند لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر بیعت کی لیکن یہ لوگ جھوٹے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کے اونٹوں کی طرف بھیجا تو یہ مرتد ہو گئے اور چرواہے کو قتل کر کے اونٹ ہانک کر لے گئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عُکل کے چند لوگ آئے اور مسلمان ہو گئے اور مدینہ کی آب وہوا ان کے ناموافق تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ صدقہ کے اونٹوں کے پاس جا کر ان کا دودھ اور پیشاب پی لیں۔ انہوں نے ایسا کیا تو تندرست ہو گئے اور مرتد ہو کر ان کے چرواہوں کو قتل کیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں لشکر بھیجا جو ان کو گرفتار کر کے لایا۔ آپ علیہ السلام نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور آنکھیں نکلوا دیں اور ان کے خون روکنے کا انتظام نہیں کیا۔ اسی حال میں وہ مر گئے اور ابو قلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے پھر ان کی آنکھوں میں میخیں پھیری گئیں اور ان کو حرۃ میں پھینک دیا گیا وہ پانی مانگتے تھے ان کو پانی نہ دیا گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے قتل، چوری، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ اور زمین میں فساد جیسے جرائم کیے۔ ان عرینہ والوں کے حکم میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا یہ حکم منسوخ ہے اس لیے کہ اب مثلہ (شکل بگاڑ دینا) جائز نہیں اور بعض نے کہا یہ حکم اب بھی ہے صرف مثلہ اور آنکھیں نکالنا منسوخ ہو گیا ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ نے ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ حد شرعی کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور ابو الزناد فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حد کا حکم نازل کیا اور مُثلہ سے روک دیا، دوبارہ ایسا نہیں کیا گیا اور قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی ترغیب دیتے تھے اور "مثلہ" سے منع کرتے تھے۔

مثلہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

سلیمان التیمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی آنکھیں اس وجہ سے پھوڑی تھیں کہ انہوں نے بھی چرواہوں کی آنکھیں پھوڑی تھیں اور لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی گئی ہے کہ ان کو یہ سزا دی جانی چاہیے تھی نہ کہ مثلہ اس لیے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو مثلہ سے منع کیا اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس حد کے کون لوگ مستحق ہیں تو ایک قوم نے کہا یہ حد ان لوگوں کے لیے ہے جو ڈاکہ ڈالیں اور مسلمانوں پر اسلحہ اُٹھائیں اور شہروں میں فساد ڈالیں اور یہی اوزاعی، امام مالک، لیث بن سعد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک قوم نے کہا ہے کہ شہر میں فساد مچانے اور غلبہ کرنے والوں کا یہ حکم نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور لڑائی کرنے والوں کی سزا اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے: (اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ) (کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کردیئے جائیں اس جگہ سے)۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ امام کو جنگجو لوگوں کے بارے میں اختیار ہے کہ ان کو قتل کرے یا ہاتھ پاؤں کاٹے یا سولی چڑھائے یا جلاوطن کرے جیسا کہ آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی سعید بن مسیب، حسن، نخعی اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے اور اکثر حضرات اس جانب گئے ہیں کہ یہ سزائیں جرائم کے مطابق ہیں اختیاری نہیں ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ڈاکوؤں کے بارے میں مروی ہے کہ جب ڈاکو قتل بھی کریں اور مال لوٹیں تو ان کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دو اور اگر صرف قتل کریں مال نہ لیں تو ان کو صرف قتل کیا جائے سولی پر نہ لٹکایا جائے اور جب وہ صرف مال لوٹیں قتل نہ کریں تو ان کے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں اور جب صرف مسافروں کو ڈرائیں اور مال نہ لیں تو ان کو جلاوطن کیا جائے اور یہی قتادہ، اوزاعی، امام شافعی رحمہما اللہ اور اصحاب الرأی کا قول ہے اور جب ڈاکو کسی کو قتل کردیں تو مقتول کے ورثاء اگر معاف بھی کردیں۔ تب بھی اس ڈاکو کو قتل کیا جائے گا اور اگر نصاب کی مقدار مال لیں یعنی ایک دینار کا چوتھا حصہ تو دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور جب مال لوٹ کر قتل کردے تو قتل اور سولی چڑھایا جائے گا لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس کو پہلے قتل کیا جائے، پھر سولی چڑھایا جائے اور بعض نے کہا زندہ حالت میں

سولی پر چڑھا کر نیزہ مار کر زخمی کیا جائے اور اسی حالت میں مر جائے اور یہی لیث بن سعد رحمہ اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا تین دن زندہ حالت میں سولی پر لٹکایا جائے پھر اُتار کر قتل کیا جائے اور جب ڈاکو صرف ڈرائے دھمکائے تو جلاوطن کیا جائے گا۔ پھر اس جلاوطنی کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ امام اس کی تلاش جاری رکھے گا جب بھی جس شہر میں مل جائے وہاں سے جلاوطن کر دیا جائے گا اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے اور بعض نے کہا اس کو حد جاری کرنے کے لیے تلاش کیا جائے گا اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور لیث بن سعد کا قول اور امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں اور اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ آیت میں نفی سے مراد قید کرنا ہے اور محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال کر وہاں اس کو قید کیا جائے گا جب تک توبہ نہ کرلے اور مکحول فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جیلوں میں قید کیا اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ جب تک اس سے توبہ ظاہر نہ ہو جائے قید رہے، میں اس کو دوسرے شہر نہیں بھیجوں گا کہ وہاں تکلیف دے۔ (ذلک یہ) جو حد ذکر کی گئی ہے (لھم خزی ان کی رسوائی ہے) عذاب اور ذلت و رسوائی ہے (فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ دُنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے)

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کرلیں تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخش دیں گے مہربانی فرمادیں گے۔

تفسیر: ﴿٣٤﴾ (إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جن حضرات کے نزدیک یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ مگر جن لوگوں نے اپنے شرک سے توبہ کی اور ان پر قابو پانے سے پہلے اسلام لے آئے اور مطیع ہو گئے تو ان پر کوئی حد جاری نہ ہوگی اور کفر کی حالت میں جو خون بہائے اور مال لوٹے وہ معاف ہوں گے اور بہرحال مسلمان جنگجو جو ان میں سے پکڑے جانے سے قبل توبہ کرلیں تو ان سے حقوق اللہ تو معاف ہو جائیں گے اور ان حقوق اللہ میں کوتاہی کی سزائیں بھی لیکن حقوق العباد میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ڈاکہ کے دوران کسی کو قتل کر دیا ہو اور پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلیں تو ان سے قتل کا پختہ حکم تو ٹل جائے گا لیکن قصاص کا معاملہ اولیاء مقتول کے سپرد ہوگا۔ اگر وہ چاہیں تو قصاص لیں ورنہ معاف کر دیں اور دیت لے لیں اور اگر توبہ سے قبل صرف مال لیا تھا تو قطع ید ساقط ہو جائے گا اور اگر مال لے کر قتل کیا تھا پھر توبہ کی اور پکڑے گئے تو قتل اور سولی کا حتمی حکم ختم ہو جائے گا اور مال کی ضمان واجب ہوگی۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ مسلمان ڈاکو جب پکڑے جانے سے پہلے خود توبہ کر کے آ جائے تو اس پر مال اور خون کا کوئی تاوان نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی کا مال اس وقت اس کے پاس موجود ہو تو وہ واپس کرنا ہوگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حارثہ بن زید کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے خون بہایا اور مال لوٹا اور پکڑے جانے سے پہلے خود توبہ کر کے آ گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کوئی تاوان نہ لیا تھا لیکن اگر پکڑے جانے کے بعد کوئی توبہ کرلے تو اس سے کوئی چیز معاف نہ ہوگی اور بعض نے کہا کہ حقوق کی وجہ سے جو سزا

واجب ہوئی ہو مثلاً ڈاکہ کی سزا، چوری کی سزا، زنا کی سزا، شراب پینے کی سزا وغیرہ تو یہ توبہ کی وجہ سے ہر حال میں معاف ہو جائے گی لیکن اکثر علماء کے نزدیک پکڑے جانے کے بعد معاف نہ ہوں گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾

ترجمہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تا کہ وہ اس کو دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ جاویں تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جاویں گی اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ اس بات کی خواہش کریں گے کہ دوزخ سے نکل آویں اور وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو عذاب دائمی ہوگا اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ قوت والے ہیں (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں جو کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں)۔

تفسیر ﴿۳۵﴾ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اور طلب کرو (اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ) اس تک وسیلہ) یعنی قرب کا ذریعہ یہ فعیلۃ کے وزن پر ہے توسل الی فلان سے لیا گیا ہے یعنی فلاں کی طرف قریب ہو گیا اس کی جمع وسائل آتی ہے۔ (وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اور جہاد کرو اس کے راستہ میں تا کہ تمہارا بھلا ہو)

﴿۳۶﴾ (اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سارا ہو اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تا کہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو ان سے قبول نہ ہوگا) اس آیت میں خبر دی ہے کہ کافر اگر تمام دُنیا اور اس کے مثل کا مالک ہو اور عذاب سے چھٹکارے کے لیے سب کچھ دے تو اس سے یہ فدیہ قبول نہ ہوگا (ولھم عذاب الیم اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے)

﴿۳۷﴾ (يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں) اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ ارادہ کر کے اس سے نکلنے کا مطالبہ کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (کلما ارادو أن یخرجوا منھا) جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اور دوسری یہ کہ صرف دل میں تمنا

کریں گے جیسا اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کی خبر دی (ربنا اخرجنا منها) اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال دے (وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ اوران کے لیے دائمی عذاب ہے)

㊳......(وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا) اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ) اس سے مراد ان کے دائیں ہاتھ ہیں اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں لکھا ہوا ہے اور مکمل حکم یہ ہے کہ جو شخص مال کی ایک خاص مقدار ایسی حفاظت کی جگہ سے چوری کرے جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو تو اس کے پہونچے سے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اہل علم کے نزدیک نصاب سے کم مال کی چوری پر قطع ید نہیں ہے۔ ابن زبیر سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ تھوڑی سی چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیتے تھے اور اکثر علماء اس کے خلاف ہیں۔

کتنی مقدار پر قطع ید ہو گا؟

مال کی کتنی مقدار پر ہاتھ کاٹا جائے گا اس میں اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کے نزدیک ایک دینار کے چوتھے حصہ سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اگر دینار کا چوتھا حصہ یا سامان چرایا جس کی قیمت ربع دینار کو پہنچ جاتی ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہی حضرت ابوبکر، حضرت عمر وعثمان وعلی (رضی اللہ عنہم) کا قول ہے اور عمر بن عبدالعزیز، امام اوزاعی، امام شافعی رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اس حدیث کی وجہ سے جو عروہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قطع ید دینار کی چوتھائی یا زائد میں ہوگا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا اس ڈھال کی قیمت تین درہم تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے لیموں چوری کرنے والے کا ہاتھ کٹوایا۔ اس کی قیمت لگائی گئی تو تین درہم تھی اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہی قول ہے کہ تین درہم یا اس کی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ایک دینار یا دس درہم یا اس کی مالیت سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اور یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی طرف سفیان ثوری اور اصحاب رائے گئے ہیں اور ایک جماعت نے کہا پانچ درہم پر کاٹا جائے گا اور یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسی کے ابن ابی لیلیٰ قائل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ چور پر لعنت کرے کہ وہ انڈہ اور رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ امام اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کے نزدیک اس حدیث میں لوہے کا انڈہ اور لوہے کی رسی مراد ہے اور یہ تین درہم کے برابر ہوتی تھی۔ اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل لی ہے جن کے نزدیک تھوڑی مالیت کی چیز پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور اکثر علماء کے نزدیک حدیث کا وہ مطلب ہے جو امام اعمش رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص غیر محفوظ جگہ سے چوری کرے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا جیسے کسی باغ میں چوکیدار نہ ہو اور پھل چرالے یا جنگل بیابان میں چرواہا نہ ہو تو ریوڑ جانور چرالے یا ایسے گھر سے مال چوری کرے جو آبادی سے ہٹ کر ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا لٹکے ہوئے پھل میں اور رسی سے بندھے ہوئے ریوڑ کی بکری چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے، مال غنیمت کو لوٹنے والے اور اچک کر مال لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر ایسا مال چوری کیا جس میں چور کا شبہ تھا جیسے غلام اپنے سردار کا مال چرالے یا بیٹا اپنے والد کا یا والد اپنی اولاد کا مال چرالے یا دو پارٹنرز میں سے ایک مشترک مال میں سے کچھ چرالے تو اس پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

چور بار بار چوری کرے تو اس کا کیا حکم ہے

جب چور پہلی دفعہ چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا۔ پھر جب دوبارہ چوری کرے تو پاؤں کے جوڑ سے بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور تیسری دفعہ چوری کرے تو اس میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک تیسری دفعہ بایاں ہاتھ اور چوتھی دفعہ دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ پھر اگر اس کے بعد چوری کرے تو مناسب سزا دے کر قید کر دیا جائے گا۔ جب تک توبہ نہ کرے اور یہی بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی قتادہ، امام مالک وشافعی رحمہما اللہ کا قول ہے ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو پھر چوری کرے تو پاؤں کاٹ دو، پھر اگر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر اگر چوری کرے تو پاؤں کاٹ دو (الطبرانی) اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اگر تیسری دفعہ چوری کرے اور اس سے پہلے دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا گیا ہو تو اب کوئی عضو نہ کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید کیا جائے گا اور یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس بات سے حیاء آتی ہے کہ میں استنجاء کے لیے اس کا کوئی ہاتھ نہ چھوڑوں اور چلنے کے لیے کوئی پاؤں نہ چھوڑوں اور یہی امام شعبی اور امام نخعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور اسی بات کے قائل امام اوزاعی اور احمد اور اصحاب رائے ہیں۔ (جزاء بما کسبا ان کی کمائی کی سزا ہیں) یہ منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے اور نکالاً بھی اسی طرح حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (تنبیہ ہے) یعنی سزا ہے (مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اللہ کی طرف سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا)

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾ يٰٓاَيُّھَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ط يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ م بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ط وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ط لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

ترجمہ پھر جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بیشک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرمائیں گے بیشک خدا تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (کہ اس کا گناہ معاف کر دیا) بڑے رحمت والے ہیں (کہ آئندہ بھی مزید عنایت کی) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے اے رسولؐ! جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں آپ کو مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین لائے نہیں اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے کان دھر دھر کر سنتے ہیں) جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ وہ آپ کے پاس نہیں آتے کلام کو بعد اس کے کہ وہ اپنے موقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو احتیاط رکھنا اور جس کا خراب ہونا خدا ہی کو منظور ہو تو اس کے لئے اللہ سے تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہیں ہوتا ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے سزائے عظیم ہے۔

تفسیر ﴿۳۹﴾ **فمن تاب من بعد ظلمه** پھر جس نے توبہ کی اپنے ظلم کے بعد) یعنی اپنی چوری کے بعد (**واصلح** اور اصلاح کی) اپنے عمل کی (فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو اللہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) یہ اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے کہ اس سے آخرت میں پکڑ نہ ہوگی۔ بہر حال دُنیا میں ہاتھ کٹنا تو اکثر علماء کے نزدیک توبہ سے ساقط نہ ہوگا۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چور کو توبہ کی ضرورت نہیں جب ہاتھ کاٹا جائے گا تو توبہ حاصل ہو جائے گی لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ ہاتھ کاٹنا جرم کی سزا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا کہ "یہ اس کے عمل کی سزا ہے" اس کے بعد بھی توبہ کی ضرورت ہے اور چور کی توبہ یہ ہے کہ جو گناہ ہو گیا اس پر شرمندہ ہو اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔ جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو چوری کیے ہوئے مال کا تاوان بھی اس پر واجب ہوگا۔

اکثر اہل علم کے نزدیک اور سفیان ثوری رحمہم اللہ اور اصحاب رائے فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی مالی تاوان نہیں ہے۔

لیکن اگر چوری شدہ مال اس کے پاس موجود ہو تو سب علماء کا اتفاق ہے کہ وہ مال اس کو واپس کرنا پڑے گا اور ہاتھ بھی کاٹا جائے گا اس لیے ہاتھ کاٹنا اللہ کا حق ہے اور تاوان بندہ کا حق ہے تو ایک حق ادا ہو جانے سے دوسرا ادا نہ ہوگا جیسا کہ اگر مال اس کے پاس موجود ہو تو صرف قطع ید کافی نہیں بلکہ مال بھی واپس کرنا ضروری ہے۔

⑳ (اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کی سلطنت) اس آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد تمام لوگ ہیں اور بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ "اے انسان تو نہیں جانتا" اس صورت میں یہ خطاب ہر انسان کو ہوگا (یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو چاہے) سدی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کفر پر مر گئے ان میں سے جس کو چاہے عذاب دے اور جو کفر سے توبہ کرے ان میں سے جس کو چاہے بخش دے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس کو چاہے صغیرہ گناہوں پر عذاب دے اور جس کے چاہے کبیرہ گناہ بخش دے (وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور اللہ سب چیز پر قادر ہے)

㊶ (یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ اے رسول غم نہ کر ان کا جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں) یعنی کفار کی دوستی میں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے (مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں) اور یہ لوگ منافقین ہیں۔

(وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اور وہ جو یہودی ہیں جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے) یعنی جھوٹ کو قبول کرتے ہیں جیسے نماز پڑھنے والا کہتا ہے "سمع الله لمن حمده" یعنی اللہ نے قبول کرلی اور بعض نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس لیے سنتے ہیں کہ آپ علیہ السلام پر جھوٹ بول سکیں کیونکہ یہ آپ علیہ السلام کی مجلس سے اُٹھ کر ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آپ علیہ السلام سے سنی نہیں ہوتی تھیں۔ (سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو آپ تک نہیں آئی) یعنی بنو قریظہ والے اہل خیبر کے جاسوس ہیں۔

یہود کے ایک مرد اور عورت کے زنا اور رجم کا واقعہ

واقعہ اس طرح ہے کہ خیبر کے مالدار و معزز لوگوں میں سے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا اور یہ محصن تھے اور محصن کی حد تورات میں سنگسار کرنا تھا تو یہودیوں نے ان کے رُتبہ کی وجہ سے ان کے رجم کو ناپسند کیا اور یہ کہا کہ یثرب میں جو آدمی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس کی کتاب میں صرف مارنے کا حکم ہے سنگساری کا حکم نہیں ہے تو اپنے بنی قریظہ کے بھائیوں کے پاس پیغام بھیجو کیونکہ وہ ان کے پڑوسی ہیں اور آپس میں صلح ہے وہ اس کا حکم معلوم کرلیں اور اپنی ایک خفیہ جماعت بھی ان کے ساتھ بھیج دی اور ان کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محصن مرد و عورت کے زنا کا حکم معلوم کرو۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو قبول کرلیں اور اگر سنگسار کرنے کا حکم دیں تو اس سے پرہیز کرنا اور قبول نہ کرنا اور اس جماعت کے ساتھ اس زانی مرد و عورت کو بھی بھیج دیا۔ وہ

جماعت مدینہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے پاس آئی اور ان کو سارا معاملہ سنایا کہ اب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرو کہ اس کا فیصلہ کریں تو وہ قریظہ اور نضیر کے لوگوں نے کہا اللہ تمہیں وہی حکم دے گا جس کو تم ناپسند کرتے ہو پھر ان دونوں قبیلوں کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں گئی جس میں کعب بن اشرف، کعب بن اسد، سعید بن عمرو، مالک بن صیف، کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ تھے اور کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں محصن زانی مرد اور عورت کا حکم بتائیں کہ آپ علیہ السلام کی کتاب میں کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم میرے فیصلے پر راضی ہو جاؤ گے؟ انہوں نے کہا جی ہاں تو جبرئیل علیہ السلام رجم کا حکم لے کر آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حکم کی خبر دی تو انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ اس معاملہ کا فیصلہ ابن صوریا کو سپرد کر دیں اور ابن صوریا کے تمام اوصاف بیان کر دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم فدک کے بے ریش کانے نوجوان ابن صوریا کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں تو آپ علیہ السلام نے پوچھا وہ تم میں کیسا آدمی ہے؟ تو انہوں نے کہا تورات کا اس وقت اس دُنیا میں وہ سب سے بڑا عالم ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو ابن صوریا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو یہود کا سب سے بڑا عالم ہے۔ اس نے کہا لوگوں کا گمان اس طرح ہے، اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم اپنے درمیان مجھے فیصل بناتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس نے تورات کو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا اور تم لوگوں کو مصر سے نکالا اور تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنایا اور تم کو نجات دی اور آل فرعون کو غرق کیا۔ اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ کو اُتارا اور تم پر اپنی کتاب اُتاری جس میں حلال وحرام کی باتیں ہیں۔ کیا تم اپنی کتاب میں محصن مرد وعورت پر رجم کا حکم پاتے ہو؟ ابن صوریا نے کہا جی ہاں اس ذات کی قسم جس کا آپ نے تذکرہ کیا۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تورات مجھے جلا دے گی اگر میں نے جھوٹ بولنا یا کوئی تبدیلی کی لیکن اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم آپ کی کتاب میں کیسے ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا جب چار عادل گواہ یہ گواہی دیں کہ اس نے اس طرح معاملہ کیا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے تو اس پر رجم واجب ہو جائے گا تو ابن صوریا کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے تورات کو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا۔ موسیٰ علیہ السلام پر تورات میں اسی طرح حکم اُتارا گیا تھا تو آپ علیہ السلام نے پوچھا تم نے اللہ کے اس حکم میں رُخصت نکالنے کی ابتداء کب سے کی؟ وہ کہنے لگا ہم جب کسی معزز بندہ کو اس معاملہ میں پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کسی کمزور کو پکڑتے تو اس پر حد جاری کرتے تو ہمارے معزز لوگوں میں زنا کی کثرت ہو گئی یہاں تک کہ ہمارے بادشاہ کے چچا کے بیٹے نے زنا کیا لیکن ہم نے اس کو رجم نہیں کیا، پھر دوسرے شخص نے زنا کیا عام لوگوں میں سے تو بادشاہ نے اس کے رجم کا ارادہ کیا تو اس کے حق میں بہت سے لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس کو تب تک سنگسار نہیں کرنے دیں گے جب تک بادشاہ کے چچا کے بیٹے کو رجم نہ کیا جائے تو ہم نے کہا آؤ ہم مل کر رجم کے علاوہ کوئی اور ایسی سزا ایجاد کرتے ہیں جو ہر طرح کے

لوگوں کو دی جاسکے تو ہم نے کوڑے اور گدھے کی سواری کو مقرر کیا کہ چالیس کوڑے ایسی رسی کے مارے جائیں گے جس پر تارکول چڑھا ہوا ہو، پھر ان دونوں کے چہروں کو کالا کر کے ان کو دو گدھوں پر بٹھا دیا جائے اور ان کے منہ گدھے کی دُم کی طرف کر دیا جائے اور ان کو لوگوں میں چکر لگایا جائے تو یہ سزا رجم کی جگہ تجویز کی گئی۔

یہ سن کر یہود نے ابن صوریا کو کہا کہ کتنی جلدی تو نے ساری بات ان کو بتا دی ہے، ہم نے تیری پیٹھ پیچھے تعریف اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ تو اس کے لائق ہے بلکہ ہم نے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی غیبت کرنا ناپسند سمجھا تو ابن صوریا نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تورات کی قسم دی اگر تورات کے ہلاک کر دینے کا خوف نہ ہوتا تو میں کبھی بھی یہ بات ان کو نہ بتاتا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مرد و عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا تو ان کو مسجد نبوی کے دروازے کے پاس سنگسار کر دیا گیا اور آپ علیہ السلام نے دُعا مانگی اے اللہ! ان لوگوں نے تیرے حکم کو مردہ کر دیا تھا میں اس کو زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری (یا یھا الرسول لایحزنک الذین یسارعون فی الکفر اے رسول! غم نہ کر ان کا جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ بات چھیڑی کہ ان کے ایک مرد و عورت نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تورات میں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کو رسوا کریں اور ان کو کوڑے مارے جائیں تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے جھوٹ بولا، تورات میں رجم کی آیت ہے تو وہ تورات لائے اس کو کھولا اور ایک شخص نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد کی عبارت پڑھ دی تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنا ہاتھ اُٹھا۔ اس نے ہاتھ اُٹھایا تو رجم کی آیت لکھی ہوئی تھی تو وہ کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے سچ کہا اس میں رجم کی آیت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرد و عورت کے رجم کا حکم دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آدمی کو دیکھا کہ عورت کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس پر جھک جاتا تھا اور بعض حضرات نے کہا اس آیت کے نزول کا سبب قصاص ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنونضیر کو بنو قریظہ پر فضیلت حاصل تھی تو بنو قریظہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بھائی بنونضیر کا اور ہمارا باپ ایک ہے اور ہمارا دین اور نبی ایک ہے لیکن جب وہ ہمارا کوئی آدمی قتل کر دیں تو ہمیں قصاص نہیں دیتے اور اس کی دیت کھجور کے ستر وسق دیتے ہیں اور جب ہم ان کے کسی آدمی کو قتل کر دیں تو وہ قاتل کو بھی قتل کرتے ہیں اور ہم سے دُگنی دیت یعنی ایک سو چالیس وسق کھجور وصول کرتے ہیں اور جب مقتول عورت ہو تو اس کے بدلے ہمارے ایک مرد کو اور اگر مرد ہو تو اس کے بدلے ہمارے دو مردوں کو قتل کرتے ہیں اور اپنے غلام کے بدلے ہمارے آزاد کو اور ہم کوئی زخم لگا دیں تو اس سے دُگنا تاوان دینا پڑتا ہے جو وہ ہمیں زخم لگانے پر ادا کرتے ہیں، آپ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو یہ آیت نازل ہوئی لیکن پہلا شان نزول زیادہ صحیح ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت رجم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "سَمّٰعُوْنَ للکذب" میں لام "الی" کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا یہ لام "کی" ہے یعنی اس لیے سنتے ہیں تا کہ آپ پر جھوٹ بول سکیں اور "لقوم" میں لام علت کے لیے

ہے یعنی دوسری قوم کے لیے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئی اور وہ اہل خیبر ہیں۔(یحرفون الکلم بدل ڈالتے ہیں بات کو) کلمۃ کی جمع ہے(من بعد مواضعه اس کا ٹھکانہ چھوڑ کر)......(یقولون ان اوتیتم ھذا فخذوہ کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ہے تو قبول کر لینا) یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو اس کو قبول کرلو (وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا)

یعنی اس کے کفر اور گمراہی کا۔ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو عذاب دینے کا ارادہ کیا (فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا سو تو اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں) یعنی تو اللہ کے امر کو دور کرنے پر بالکل قادر نہ ہوگا (اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے اُن کے) اس میں تقدیر کا انکار کرنے والوں کی تردید ہے۔(لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ان کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے) یعنی منافقین اور یہود کے لیے۔منافقین کی رُسوائی ان کی ذلت اور ان کے نفاق کو ظاہر کر کے پردہ دری کرنا ہے اور یہود کی رُسوائی جزیہ ادا کرنا یا قتل یا قید یا جلاوطنی ہے اور ان کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اپنے بارے میں وہ چیزیں دیکھنا جو ان کو ناپسند تھیں (وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور ان کو آخرت میں بڑا عذاب ہے) جہنم میں ہمیشہ رہنے کا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْــــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿42﴾

ترجمہ: یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کے کھانے والے ہیں تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آویں تو خواہ آپ ان میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو ٹال دیجئے اور اگر آپ ان کو ٹال ہی دیں تو ان کی مجال ہی نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل کے موافق فیصلہ کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

تفسیر ﴿42﴾ (سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے اور بڑے حرام کھانے والے ہیں) ابن کثیر، ابوجعفر، اہل بصرہ اور کسائی نے "لِلسُّحُت" کو حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے حاء کے سکون کے ساتھ۔

"سُحت" کا اصل معنی ہلاکت اور سختی ہے اور یہاں مراد "حرام" ہے۔قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد باری ہے "فیسحتکم بعذاب" (پس تم کو عذاب سے ہلاک کر دے گا)

سمعون للکذب کاشانِ نزول

یہ آیت یہود کے حکام کعب بن اشرف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ کسی سے رشوت لے کر اس کے حق میں فیصلہ کردیتے تھے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے حاکم کے پاس جب کوئی رشوت لاتا تو اپنی آستین میں چھپا کر لاتا اور چپکے سے حاکم کو دکھا دیتا اور اپنی ضرورت بیان کرتا جس کو وہ توجہ سے سنتا اور اس کے مدمقابل کی طرف توجہ نہ کرتا اور جھوٹ سنتا اور رشوت کھاتا اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ حرمت اس وقت ہے جب اس لیے رشوت دے کہ وہ قاضی اس کے لیے باطل کو حق بنادے اور دوسرے کے حق کو باطل کردے لیکن اگر آدمی کو کسی قاضی یا حاکم سے ظلم کا خوف ہو اور اس ظلم کو دور کرنے کے لیے رشوت دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حسن رحمہ اللہ کے قول کے مطابق "سُحت" سے فیصلہ کرنے میں رشوت لینا مراد ہے اور مقاتل، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر چیز میں رشوت لینا مراد ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص کسی کی سفارش کرے تاکہ اس سے ظلم کو دور کرے یا اس کا حق دلائے اور اس کے بدلے میں اس کو ہدیہ دیا جائے اور وہ سفارش کرنے والا قبول کرلے تو یہ "سُحت" ہے تو ان کو عرض کیا گیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن ہم تو "سُحت" صرف فیصلہ کرنے میں رشوت لینے کو سمجھتے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فیصلہ کرنے کے لیے رشوت لینا تو کفر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو نہ فیصلہ کرے اللہ کے اُتارے ہوئے حکم کے مطابق تو یہی لوگ کافر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے والے اور لینے والے پر اور ہر حرام کمائی "سُحت" ہے۔ (**فان جاؤک فاحکم بینھم اواعرض عنھم وان تعرض عنھم فلن یضروک شیئا** سو اگر آئیں وہ تیرے پاس تو آپ فیصلہ کردیں ان میں یا منہ پھیرلیں ان سے اور اگر آپ ان سے منہ پھیرلیں گے تو وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اختیار دیا ہے کہ اہل کتاب کے معاملات میں فیصلہ کریں یا نہ کریں۔

لیکن علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس زمانہ میں اگر ذمی لوگ اپنے مسائل لائیں تو حاکم کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اکثر اہل علم فرماتے ہیں یہ حکم اب بھی ثابت ہے اور اس سورۃ مائدہ میں کوئی حکم منسوخ نہیں ہے اور مسلمانوں کے حکام کو اہل کتاب کے فیصلوں میں اختیار ہے اگر چاہیں تو فیصلہ کریں اور اگر چاہیں تو فیصلہ نہ کریں لیکن اگر فیصلہ کریں صرف شریعت اسلامیہ کے مطابق کرسکتے ہیں۔ یہی نخعی، شعبی، عطاء اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک قوم نے کہا کہ مسلمان حاکم پر واجب ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے اور یہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ اللہ تعالیٰ کا فرمان (**وان احکم بینھم بما انزل** اور آپ فیصلہ کیجئے ان کے درمیان اس کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے) ہے۔ یہی مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ سورۃ مائدہ کی صرف دو آیتیں منسوخ ہیں ایک "**لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ**" اس کو اللہ تعالیٰ کے فرمان "**اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ**" نے منسوخ کردیا ہے اور دوسری آیت "**فَاِنْ جَآءُوْكَ**

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ" ہے اس کو اللہ کے فرمان "وَاَنِ احْكُمْ بينهم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ" نے منسوخ کر دیا ہے لیکن اگر ہمارے پاس مسلمان اور ذمی فیصلہ لائیں تو سب کا اتفاق ہے کہ فیصلہ کرنا واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ مسلمان کے لیے ذمیوں کے فیصلہ کو مان لینا جائز نہیں (وان حكمت فاحكم بينهم بالقسط اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف کے ساتھ۔ ان الله يحب المقسطين بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے۔ (مسلم کتاب الامارۃ)

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں اور یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں۔

تفسیر وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ اور وہ آپ کو کس طرح منصف بنائیں گے اور ان کے پاس تورات ہے) یہ تعجب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور اس میں اختصار ہے یعنی وہ آپ کو اپنا منصف بنا کر آپ کے فیصلہ پر کیسے راضی ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس تو تورات ہے (فيها حكم الله جس میں اللہ کا حکم ہے) یعنی رجم کا حکم ہے (ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ) پھر اس کے پیچھے پھرے جاتے ہیں اور وہ ہرگز ماننے والے نہیں ہیں) یعنی آپ کی تصدیق نہیں کریں گے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ ہم نے توریت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے۔ سو تم بھی لوگوں سے اندیشہ مت کرو اور مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کے بدلے میں متاع قلیل مت لو اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔

تفسیر ﴿۴۴﴾ (اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا ہم نے نازل کی تورات کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے) یعنی اللہ کے حکم کو ماننے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے تھے جیسا کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دی (اذ قال له ربه أسلم قال اسلمت لرب

العالمین کہ جب ان کو ان کے رب نے کہا آپ مطیع ہو جائیں تو انہوں نے کہا میں مطیع ہوا جہان والوں کے رب کا) اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا (ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً و کرھا اور اسی کے فرمانبردار ہیں آسمان اور زمین والے خوشی اور ناپسندی سے) اس آیت میں وہ انبیاء مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھیجے گئے تاکہ تورات کے مطابق فیصلے کریں یہ حضرات تورات کے حکم کے فرمانبردار ہوئے اور اسی کے مطابق فیصلے کیے کیونکہ بعض انبیاء علیہم السلام کو تورات کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کا فرمان۔ لکل جعلنا منکم شرعۃً ومنھا جاً حسن اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں انبیاء علیہم السلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ علیہ السلام نے یہود پر رجم کا فیصلہ کیا۔ آپ علیہ السلام کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں ان ابراھیم کان امۃ قانتا ابراہیم علیہ السلام کو اُمت کہا گیا ہے حالانکہ ابراہیم علیہ السلام ایک ہیں۔ (للذین ھادوا یہود کو) بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے اصل عبارت یوں تھی "ھُدیً وّ نور للّذین ھادوا یحکم بھا النبیّون الّذین اسلموا والربانیون" اور بعض نے کہا عبارت میں کوئی تقدیم تاخیر نہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے ان لوگوں پر جو یہودی ہیں۔ یعنی "للّذین ھادوا" میں لام علیٰ کے معنی میں ہے جیسے "وان اساتم فَلَھَا" میں لام علیٰ کے معنی میں ہے یعنی اگر تم برا کرو گے تو اس کا نقصان تم پر ہے۔ (والربانیون والاحبار اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم) یعنی علماء اور احبار حبر کی جمع ہے اور حبر حاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے لیکن کسرہ زیادہ صحیح ہے۔ حبر کسی شے کے پختہ عالم کو کہتے ہیں۔ کسائی اور ابوعبیدہ کہتے ہیں حبر کا لفظ دوات سے لیا گیا ہے اور قطرب فرماتے ہیں کہ حبر اس حبر سے لیا گیا ہے جس کا معنی خوبصورتی ہے۔ حدیث میں ہے "قد ذَھَب حِبرہ وَسِبرُہ" کہ جہنم سے ایک ایسا شخص نکلے گا جس کا حسن اور ہیئت ختم ہو چکی ہوگی اور اسی سے تحبیر کا لفظ ہے جس کا معنی خوبصورت کرنا ہے عالم کو حبر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس پر علم کی خوبصورتی اور رونق ہوتی ہے اور بعض نے کہا آیت میں "ربانیون" نصاریٰ کے اور احبار یہود کے مراد ہیں۔ (بما استحفظوا من کتاب اللہ اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر) اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے کتاب میں ودیعت رکھا ہے (وکانو علیہ شھداء اور اس کی خبرگیری پر مقرر تھے) (فلا تخشوا الناس ......ھم الکافرون) سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور نہ خریدو میری آیتوں پر تھوڑی سی قیمت اور جو کوئی اس کے مطابق حکم نہ کرے جو اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ کافر ہیں) قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ تین آیات یہود کے بارے میں ہیں اس اُمت کے برے لوگوں کے بارے میں نہیں ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیات میں "ظالمون" اور "فاسقون" سے کافر مراد ہیں اور بعض نے کہا یہ حکم تمام لوگوں پر ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس فرماتے ہیں کہ آیت میں ایسا کفر مراد نہیں جو دین سے نکال دے بلکہ جب کسی نے اللہ کے اُتارے ہوئے حکم سے فیصلہ نہ کیا تو اس حکم کا انکار کر دیا لیکن یہ اللہ اور آخرت کے انکار کرنے والے کی طرح نہیں ہے اور

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کے اُتارے ہوئے حکم کا انکار کر کے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہو گیا اور جس نے اس حکم کو مانا لیکن اس کے ساتھ فیصلہ نہ کیا تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔ عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی سے ان آیات کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے اُتارے ہوئے تمام احکامات ہیں اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کے اُتارے ہوئے تمام حکموں پر فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر، ظالم، فاسق ہے اور جو شخص توحید کو مانے اور شرک کو چھوڑ دے لیکن شریعت کے بعض احکامات کے ساتھ فیصلہ نہ کر سکے تو وہ ان آیات کا مستحق نہیں ہے اور علماء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس کے لیے ہے جو اللہ کے حکم کو جانتے بوجھتے رد کر دے لیکن کسی پر کوئی حکم مخفی رہ گیا ہو یا کسی حکم کی تاویل میں غلطی کر دی جائے تو وہ مراد نہیں۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾

ترجمہ اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں۔

تفسیر 45 (**وکتبنا علیھم فیھا** اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں) یعنی بنی اسرائیل پر تورات میں ہم نے یہ حکم واجب کیا (**أن النفس بالنفس** کہ جان کے بدلے جان) یعنی مقتول کی جان کے بدلے میں قاتل کی جان لی جائے گی (**والعین بالعین** اور آنکھ کے بدلے آنکھ) پھوڑی جائے گی (**والانف بالانف** اور ناک کے بدلے ناک) کاٹی جائے گیا (**والاذن بالاذن** اور کان کے بدلے کان) کاٹا جائے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تورات کے احکام کی خبر دی کہ وہ یہ تھا کہ ایک جان کے بدلے ایک جان لی جائے گی تو ان یہود کو کیا ہو گیا ہے کہ اس حکم کی کھلی مخالفت کر کے ایک جان کے بدلے دو جانیں لیتے ہیں اور ایک آنکھ کے بدلے دو آنکھیں پھوڑتے ہیں (**والسن بالسن** اور دانت کے بدلے دانت) اکھاڑا جائے گا اور باقی زخموں کو اسی پر قیاس کیا جائے گا (**والجروح قصاص** اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر) خاص حکم بیان کرنے کے بعد عام حکم بیان کر دیا ہے کیونکہ آیت میں صرف آنکھ، کان، ناک، دانت کا حکم بیان کیا گیا اور باقی اعضاء ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ کے بارے میں فرمایا کہ جس زخم میں قصاص ممکن ہو تو قصاص لیا جائے اور جس زخم میں قصاص ممکن نہ ہو جیسے ہڈی کا توڑنا یا گوشت کا زخم جیسے پیٹ میں زخم لگ جائے تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ کسائی رحمہ اللہ نے "والعین" اور اس کے بعد سب پر رفع پڑھا ہے اور ابن کثیر،

ابن عامر، ابوجعفر، ابوعمرو رحمہما اللہ نے صرف "والجروح" کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی تمام قراء نے سب کو "النفس" کی طرح نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ (**فمن تصدق به** پھر جس نے معاف کر دیا) یعنی بدلے کو معاف کر دیا (**فهو كفارة له** تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا) بعض نے کہا ہے کہ "لہ" میں ھاء زخمی اور مقتول کے ولی سے کنایہ ہے یعنی اس معاف کرنے والے کے لیے کفارہ ہے اور یہی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حسن، شعبی اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے جسم کے کسی حصہ کو صدقہ کر دیا تو اتنی مقدار اس کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ ھاء جارح اور قاتل سے کنایہ ہے یعنی جس پر جنایت ہوئی ہے اگر وہ جنایت کرنے والے کو معاف کر دے تو اس کا معاف کرنا اس جنایت کرنے والے کے گناہ کا کفارہ ہے جس کی وجہ سے اس سے آخرت میں پکڑ نہ ہوگی۔ جیسا کہ قاتل کے لیے قصاص بھی کفارہ ہے اور معاف کرنے والے کا اجر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فمن عفا واصلح فاجره على الله** کہ جس نے معاف کر دیا اور نیک کام کیے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ یہی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی ابراہیم، مجاہد، زید بن اسلم رحمہما اللہ کا قول ہے (**ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون**) اور جو کوئی اس کے مطابق حکم نہ کرے جو اللہ نے اتارا ہے سو وہی لوگ ہیں ظالم)

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿46﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿47﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿48﴾

(ترجمہ) اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریمؑ کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے۔ اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے

ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے تو ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا تا کہ جو جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرماویں تو مفید باتوں کی طرف دوڑو تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر ㊻ (وقفینا علی اٰثارھم اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر) یعنی ان حکم بردار انبیاء کے پیچھے (بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَهُدًی وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ عیسیٰ مریم علیہا السلام کے بیٹے کو تصدیق کرنے والے ہیں تورات کی جو پہلے سے تھی اور ان کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرتی تھی اپنے سے پہلی کتاب توریت کی اور راہ بتانے والی اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو) مصدقاً سے مراد انجیل ہے۔

㊼ (وَلْیَحْکُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ اور چاہیے کہ حکم کریں انجیل والے اس کے مطابق جو اللہ نے اُتارا) اعمش اور حمزہ نے "لیحکم" کو لام کی زیر اور میم کی زبر سے پڑھا ہے یعنی تا کہ وہ فیصلہ کریں اور باقی حضرات نے لام کے سکون اور میم کے جزم کے ساتھ امر کا صیغہ پڑھا ہے۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے درویشوں اور علماء کو حکم دیا کہ تورات کے مطابق فیصلہ کریں اور نصاریٰ کے علماء اور راہبوں کو حکم دیا کہ وہ انجیل کے مطابق فیصلہ کریں لیکن ان لوگوں نے کفر کیا اور کہنے لگے عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں (وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ) اور جو کوئی حکم نہ کریں اللہ کے اُتارے ہوئے کے مطابق سو وہی لوگ ہیں نافرمان) اللہ کے حکم سے نکلنے والے ہیں۔

㊽ (وانزلنا الیک اور تجھ پر اُتاری ہم نے) اے محمد! (الکتاب) کتاب سے مراد قرآن (بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب سچی تصدیق کرنے والی سابق کتابوں کی و مھیمنا علیہ اور ان کے مضامین پر نگہبان) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس پر گواہ اور یہی مجاہد، قتادہ، سدی اور کسائی رحمہما اللہ کا قول ہے۔ حسان فرماتے ہیں کہ کتاب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گواہ ہے اور حق کو عقل والے پہچانتے ہیں اور عکرمہ فرماتے ہیں "مھیمنا" کا معنی دلالت کرنے والی۔ سعید بن جبیر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس پر اعتماد والی بعض نے "مھیمن" کی اصل "مؤیمن" ہے "مفیعل" کے وزن پر امین سے لیا گیا ہے جیسے "مُبیطر بیطار" سے لیا گیا ہے۔ پھر ہمزہ کو ھاء سے تبدیل کر دیا گیا جیسا کہ "اَرقت الماء" کو "ھرقتہ" پڑھتے ہیں اور "ایھات" کو "ھیھات" وغیرہ۔

ابن جریج فرماتے ہیں کہ قرآن کے امانت ہونے کا معنی یہ ہے کہ قرآن اپنے سے پہلے کی کتب کے مضامین کا امین ہے۔ اب اگر اہل کتاب اپنی کتاب سے کوئی خبر دیں اگر وہ قرآن میں ہو تو اس کی تصدیق کردو ورنہ تکذیب کردو۔ سعید بن مسیّب اور ضحاک فرماتے ہیں کہ قرآن قاضی ہے اور خلیل فرماتے ہیں نگہبان اور حافظ ہے اور یہ سب معنی قریب قریب ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کتاب قرآن کی سچائی کی گواہی دے وہ اللہ کی کتاب ہے ورنہ نہیں۔ (فاحکم سو تو حکم کر) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! (بینھم ان میں) اہل کتاب میں جب وہ معاملہ آپ کے پاس لائیں۔ (بما انز ل اللہ اس کے مطابق جو اللہ نے اُتارا) قرآن میں (ولا تتبع أھواء ھم عما جاء ک من الحق اوران کی خوشی پر مت چلیں چھوڑ کر سیدھا راستہ جو آپ کے پاس آیا) یعنی آپ علیہ السلام کے پاس جو حق آیا اس سے اعراض نہ کریں اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں (لکل جعلنا منکم شرعة ومنھا جاً تم میں سے ہر ایک کو ہم نے دیا دستور اور راہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی دینی راستہ اور راہ سنت دی۔ پس شرعۃ اور منہاج سے مراد واضح راستہ اور جو کام اس دین میں جائز ہے وہ شریعت اور شرعۃ ہے اور اسی سے شرائع الاسلام کا لفظ ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ شریعتیں مختلف ہیں اور ہر دین والوں کی الگ شریعت ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں خطاب صرف تین اُمتوں کو ہے۔ (۱) موسیٰ علیہ السلام کی اُمت (۲) عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت (۳) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت۔ پس تورات، انجیل، قرآن الگ الگ شریعت (راستے) ہیں لیکن دین (منزل) ایک ہے اور وہ توحید ہے۔ (ولو شاء اللہ لجعلکم امة واحدة اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کر دیتا) اس سے مراد ملت واحدہ ہے (ولکن لیبلوکم فی ما اتاکم لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے اپنے دیئے ہوئے حکموں میں) یعنی کتابوں میں جو حکم دیئے اور تمہارے لیے جو احکام بیان کیے تاکہ مطیع نافرمان سے اور موافق مخالف سے الگ ہو کر واضح ہو جائے۔ (فاستبقوا الخیرات تو تم دوڑ کر لو خوبیاں) یعنی نیک اعمال کی طرف جلدی کرو (اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر تم کو خبر دے گا جس بات میں تم کو اختلاف تھا)

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰

ترجمہ: اور ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچادیں پھر گو اگر یہ لوگ اعراض کریں تو یہ یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر ان کو سزا دیں اور زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ پھر کیا زمانہ جاہلیت کا فیصلہ

چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہوگا یقین رکھنے والوں کے نزدیک۔

تفسیر ⑲ (وان احکم بینھم بما انزل اللہ اور یہ فرمایا کہ آپ فیصلہ کریں ان میں اس کے موافق جو اللہ نے اُتارا) آپ کی طرف (وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ ، بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ اور نہ چلیں ان کی خوشی پر اور ان سے بچتے رہیں کہ آپ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اُتارا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کعب بن اسید، عبداللہ بن صوریا، شاس بن قیس یہود کے سردار آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں ان کو ان کے دین سے بہکاتے ہیں تو آپ علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء اور ان کے معزز لوگ ہیں اگر ہم آپ کی اتباع کریں تو یہود ہماری مخالفت نہ کریں گے، ہمارے لوگوں سے کچھ جھگڑے ہیں ہم ان کو آپ کے پاس لاتے ہیں اور آپ علیہ السلام کو حاکم بناتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حق میں فیصلہ کردیں ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور دوسرے لوگ بھی ہماری دیکھا دیکھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ ان کا مقصد ایمان لانا نہ تھا یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرنے میں جانبداری کروانا چاہتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں (فان تولوا پھر اگر نہ مانیں) ایمان اور قرآن کے فیصلہ سے اعراض کریں (فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچائے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی) یعنی آپ خوب جان لیں کہ ان کا اعراض اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں کی سزا دُنیا میں ہی دینا چاہتے ہیں (وان کثیراً من الناس اور لوگوں میں بہت ہیں) یعنی یہود (لفاسقون نافرمان)

⑳ (أفحکم الجاھلیة یبغون اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا) ابن عامر نے "تبغون" کو تاء کے ساتھ اور باقی نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ طلب کرتے ہیں (ومن احسن من اللہ حکماً لقوم یوقنون اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والے کے واسطے)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ ان ہی میں سے ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ سمجھ نہیں دیتے ان لوگوں کو جو اپنا نقصان کر رہے ہیں اسی لئے تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھستے ہیں کہتے ہیں کہ

ہم کواندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے سو قریب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل فتح کا ظہور فرمادے یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف۔ سے پھر اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے۔

تفسیر ⑤① (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ اے ایمان والو! مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست) اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔

آیت لاتتخذوا الیھود و النصاری اولیاء کا شان نزول

اگر چہ اس کا حکم عام ہے تمام مؤمنین کو شامل ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن اُبی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان دونوں کا جھگڑا ہوا تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے کئی یہودی دوست ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ اور قوت بہت ہے۔ میں ان سے برأت ظاہر کرتا ہوں اللہ اور اس کے رسول کی طرف اب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا میرا کوئی دوست نہیں ہے لیکن عبداللہ بن اُبی کہنے لگا کہ میں یہود کی دوستی سے برأت ظاہر نہیں کرتا کیونکہ میں پریشانیوں کے آنے سے ڈرتا ہوں اور اس وقت ان کی ضرورت پڑے گی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوالحباب تو نے عبادہ رضی اللہ عنہ کی دوستی پر یہود کی دوستی کو ترجیح دی ہے تو تیرے لیے صرف انہی کی دوستی ہوگی نہ کہ عبادہ رضی اللہ عنہ کی۔ اس نے کہا میں اس کو قبول کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ اُحد ہوئی تو بعض لوگوں کو شدید خوف ہوا کہ کفار ہم پر غلبہ حاصل نہ کرلیں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ میں فلاں یہودی کے ساتھ مل جاتا ہوں اور اس سے امان لیتا ہوں کیونکہ یہ خوف ہے کہ کل کو یہود ہم پر غلبہ حاصل کرلیں اور دوسرے شخص کہنے لگے کہ میں ملک شام کے فلاں نصرانی کے ساتھ مل جاتا ہوں اور ان سے امان لیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور ان دونوں حضرات کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابولبابہ بن عبدالمنذر کے بارے میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنوقریظہ کا محاصرہ کیا تھا تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا تھا تو ان لوگوں نے ہتھیار ڈالنے کے بارے میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا اور پوچھا اگر ہم ہتھیار ڈال دیں، ہمارے ساتھ کیا حشر ہوگا؟ تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلی حلق پر پھیر کر اشارہ کیا کہ قتل کیے جاؤ گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (بعضھم اولیاء بعض وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں) مدد کرنے میں اور مسلمانوں کے خلاف یہ سب ایک ہیں (ومن یتولھم منکم اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے) تو پھر ان کی موافقت اور مدد کرے (فانہ منھم ان اللہ لایھدی القوم الظالمین تو وہ انہی میں ہے اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو)

⑤② (فتری الذین فی قلوبھم مرض اب آپ دیکھیں گے ان کو جن کے دل میں بیماری ہے) یعنی نفاق ہے اس سے مراد عبداللہ بن اُبی اور اس کے منافق ساتھی ہیں جو یہود سے دوستی رکھتے تھے (یسارعون فیھم دوڑ کر ملتے ہیں ان میں) ان کی

مدد اور دوستی میں (یقولون نخشی أن تصیبنا دائرة کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آ جائے ہم پر گردش زمانہ کی) یعنی زمانہ کی کوئی مصیبت ہم پر آ جائے اور ہمیں ان کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے کہا ہمیں خوف ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کامیاب نہ ہو اور مصیبت ہم پر آ جائے اور بعض نے کہا کہ ان کو یہ ڈر تھا کہ کوئی خشک سالی یا قحط آ جائے تو یہ لوگ ہمیں قرض اور خوراک نہ دیں گے (فعسی اللہ أن یأتی بالفتح سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرمائے فتح) قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفین پر مدد کر کے کھلا فیصلہ کر دے اور کلبی و سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں فتح مکہ مراد ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہود کے علاقہ خیبر، فدک وغیرہ کی فتح مراد ہے۔ (أو امر من عندہ یا کوئی حکم اپنے پاس) بعض نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ مکمل کر کے اور بعض نے کہا ان کے لیے عذاب مراد ہے اور بعض نے کہا بنو نضیر کی جلاوطنی مراد ہے (فیصبحوا تو لگیں) یہ منافقین (علی ما اسروا فی انفسھم اپنے نفس کی چھپی بات پر پچھتانے) یعنی یہود کی دوستی اور ان کی طرف خبریں پہنچانے پر۔ (نادمین)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۵۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۴

ترجمہ: اور مسلمان کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان لوگوں کی ساری کارروائیاں غارت گئیں جس سے ناکام رہے اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ سے محبت ہوگی۔ مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں پر جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت والے ہیں بڑے علم والے ہیں۔

تفسیر: ۵۳ (و) اور اس وقت (یقول الذین أمنوا کہتے ہیں مسلمان) اہل کوفہ نے "وَيَقُوْلُ" کو واؤ کے ساتھ اور لام کے رفع سے پڑھا ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اہل بصرہ نے واؤ کے ساتھ اور لام کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے کہ اس کا عطف "اَنْ يَّاْتِيَ" پر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ قریب ہے کہ مؤمن لوگ یہ بات کہیں گے اور باقی حضرات واؤ کو حذف کر کے لام کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اہل عالیہ کے مصاحف میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ اس صورت میں حرف عطف کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ آیت اپنے ماقبل سے متصل ہے یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ منافقین کا نفاق ظاہر کریں گے اس وقت مؤمنین کہیں گے (اھولاء

الذین اقسموا باللہ جھد ایمانھم کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے) یعنی پختہ قسمیں کھائیں (انھم لمعکم کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں) یعنی وہ مؤمن ہیں یعنی اس دن مؤمن ان کے جھوٹ اور باطل قسموں سے تعجب کریں گے (حبطت اعمالھم برباد گئے ان کے عمل) جو نیک اعمال انہوں نے کیے وہ باطل ہوگئے (فاصبحوا خاسرین پھر رہ گئے نقصان میں) رسوائی کی وجہ سے دُنیا کا نقصان ہوا اور عذاب اور ثواب ختم ہونے کی وجہ سے آخرت کا۔

۵۴ (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لائے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں) اہل مدینہ اور شام "یَرْتَدِدْ" پڑھا ہے دو دال کے ساتھ۔ (اپنے دین سے) پس کفر کی طرف لوٹ جائے۔ حسن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک ایسی قوم کی خبر دی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے دین سے پھر جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان کے بدلے ایسی قوم لائیں گے جن کو اللہ چاہتا ہے اور وہ اللہ کو۔

یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ کی تفسیر۔ اس سے کون سی قوم مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن، قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پسندیدہ قوم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے مرتدین اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔ اس جہاد کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مکہ، مدینہ اور بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کے علاوہ اکثر عرب مرتد ہوگئے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات ناگوار گزری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ان سے لڑائی کیسے کرسکتے ہیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے "لا الہ الا اللہ" کہنے تک قتال کروں جس نے "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دیا تو مجھ سے اپنا مال اور جان بچالیا مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا اللہ کی قسم میں اس سے قتال کروں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو میں اس کے نہ دینے کی وجہ سے ان سے قتال کروں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے قتال کو ناپسند سمجھا اور کہا کہ یہ اہل قبلہ ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی تلوار گلے میں ڈال کر تنہا نکل کھڑے ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ان کے ساتھ جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ بچا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابتداء میں ہم نے اس بات کو ناپسند سمجھا پھر بعد میں اسی کام کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خوب تعریف کی۔ ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحصین کو یہ کہتے سنا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔ تحقیق انہوں نے مرتدین کے قتال میں انبیاء علیہم السلام والی جرأت و حوصلہ دکھایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تین جماعتیں مرتد ہوگئی تھیں۔

پہلا فرقہ

ان میں سے ایک فرقہ بنو مدلج تھا۔ ان کا سردار ذوالحمار عبہلۃ بن کعب عنسی تھا۔ اس کا لقب اسود تھا یہ کاہن اور شعبدہ باز تھا۔ اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور یمن کے شہروں پر قبضہ کرلیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور وہاں کے مسلمانوں کی طرف خط لکھا اور ان کو حکم دیا کہ لوگوں کو ترغیب دیں کہ اپنے دین کو مضبوطی سے تھام لیں اور اسود کے لشکر کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ اسود کو حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اس کے بستر پر قتل کردیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات اسود قتل کیا گیا اسی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے اس کی موت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گزشتہ رات اسود مارا گیا ہے اور اس کو ایک بابرکت آدمی نے قتل کیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہما نے پوچھا وہ کون ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا فیروز اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسود کی ہلاکت کی خوشخبری دی اور اگلے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے رحلت فرما گئے اور اسود عنسی کے قتل کی خبر ماہ ربیع الاوّل کے آخر میں مدینہ اس وقت آئی جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر نکل چکا تھا اور یہ پہلی فتح تھی۔

دوسرا فرقہ

یمامہ کا بنو حنیفہ قبیلہ تھا۔ ان کا سردار مسیلمہ کذاب تھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سن دس ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ گمان کیا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خط بھیجا جس کا عنوان یہ تھا۔ یہ خط اللہ کے رسول مسیلمہ کی جانب سے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ امابعد: بے شک زمین آدھی میری ہے اور آدھی آپ کی اور اس خط کے ساتھ اپنے دو آدمی بھیجے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ اگر قاصدوں کو قتل نہ کیا جاتا ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اُڑا دیتا۔ پھر خط کا جواب دیا۔ یہ خط اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جھوٹے مسیلمہ کی طرف ہے۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ اس زمین کا مالک اللہ ہے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مریض ہوئے اور وفات پا گئے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا، اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ہلاک کردیا۔ یہ وحشی وہی ہیں جنہوں نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا یہ مطعم بن عدی کے غلام تھے۔ مسیلمہ کے لشکر سے بڑی زوردار لڑائی ہوئی۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جاہلیت میں میں نے لوگوں میں سے بہترین کو قتل کیا اور اسلام لانے کے بعد لوگوں میں سے بدترین شخص کو قتل کیا۔

تیسرا فرقہ

بنو اسد ہے اور ان کا سردار طلیحہ بن خویلد تھا۔ ان تین فرقوں میں آخری مرتد طلیحہ تھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتدین میں یہ سب سے پہلے مارا گیا۔ اس کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بڑی سخت جنگ کے بعد ان کو شکست دی۔ طلیحہ وہاں سے غائب ہوگیا اور شام کی طرف بھاگ گیا پھر بعد میں اسلام لے آیا اور بڑا اچھا مسلمان بنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بہت سارے لوگ مرتد ہوگئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کافی ہوگیا اور اپنے دین کی مدد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کرائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور عرب مرتد ہوگئے اور نفاق سر اُٹھانے لگا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اتنی ذمہ داریاں آگئیں کہ اگر ٹھوس پہاڑوں پر آتیں تو ریزہ ریزہ ہوجاتے اور ایک قوم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم سے اشعری لوگ مراد ہیں کیونکہ حضرت عیاض بن غنم الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب **"فسوف یاتی اللہ بقوم یحبّھم الخ"** آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ ان کی قوم ہے اور اشعر یمن کا قبیلہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس اہل یمن آرہے ہیں ان کے دل بڑے نرم اور کمزور ہیں ایمان یمانی ہے اور حکمت یمانی ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے یمن کے اس وقت زندہ لوگ مراد ہیں۔ دو ہزار قبیلہ نخع کے اور پانچ ہزار کندہ اور بجیلہ کے اور تین ہزار دیگر اطراف کے قادسیہ کی لڑائی میں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے جہاد کیا۔ (**أذلة علی المؤمنین** نرم دل ہیں مسلمانوں پر) یعنی نرم دل، شفیق ہیں۔ **لقولہ عزوجل واخفض لھما جناح الذل من الرحمة** اس سے ان کی کمزوری مراد نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ ان کے پہلو مسلمانوں پر نرم ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ "ذُلّ" سے لیا گیا ہے یعنی عاجزی انکساری کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان **وعبادالرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا**۔

(**أعزة علی الکافرین** زبردست ہیں کافروں پر) یعنی سخت مزاج ہیں کافروں پر ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور ان پر غالب آجاتے ہیں۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین پر ایسے نرم دل ہیں جیسے بچہ اپنے والد اور غلام اپنے آقا کے لیے اور کافروں پر ایسے زبردست ہیں جیسے درندہ اپنے شکار پر (**یجاھدون فی سبیل اللہ ولایخافون لومة لائم** لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے) یعنی اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے یہ اس وجہ سے کہا کہ منافقین کفار کی ملامت کا خوف کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی، سننے اور اطاعت کرنے پر اور اس بات پر کہ حق پر قائم ہوں گے اور حق بات کہیں گے، ہم جہاں بھی

ہوں، اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں گے (**ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء** یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے) یعنی ان کا اللہ سے محبت کرنا اور مسلمانوں کے لیے نرم ہونا اور کافروں پر سخت ہونا اللہ کے فضل کی وجہ سے ہے (**واللہ واسع علیم** اور اللہ کشادگی کرنے والا ہے خبردار)

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿55﴾

ترجمہ: تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے۔

تفسیر ﴿55﴾ (**اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا** تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو لوگ ایمان والے ہیں) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت بھی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن اُبی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے یہود سے برأت ظاہر کی اور کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کو ولی بناتا ہوں تو یہ چھ آیات نازل ہوئیں "**یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود** الخ سے **انما ولیکم اللہ ورسولہ**" تک۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! بے شک ہماری قوم قریظہ اور نضیر نے ہم کو چھوڑ دیا ہے اور ہم سے جدا ہو گئے ہیں اور قسمیں اُٹھائی ہیں کہ ہمارے ساتھ نہ بیٹھیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پڑھ کر سنائی تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کی دوستی پر راضی ہیں۔ اس تفسیر پر اللہ تعالیٰ کے قول "**وھم راکعون**" سے رات اور دن کی نفل نماز مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (**الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون** اور جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں) میں "**راکعون**" سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک سائل کا گزر ہوا وہ نماز کے رکوع میں تھے تو اپنی انگوٹھی اُتار کر دے دی۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿56﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسولؐ سے اور ایماندار لوگوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔

تفسیر ﴿56﴾ (**ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا** اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو) یعنی دوستی قائم رکھے اللہ کی اطاعت پر قائم رہنے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کی مدد کر کے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں (**فان حزب اللہ** تو اللہ کی جماعت) یعنی اللہ کے دین کی مدد کرنے والے (**ھم الغالبون** وہی سب پر غالب ہیں)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿58﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿59﴾

ترجمہ اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم ہی میں کونسی بات معیوب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے اور اس پر جو پہلے بھیجی جا چکی ہے باوجود اس کے کہ تم میں اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں۔

تفسیر ﴿57﴾ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جو تمہارے دین کو بناتے ہیں ہنسی اور کھیل) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث نے اس اسلام کو ظاہر کیا پھر منافق ہوگئے۔ مسلمانوں کے ایک آدمی کی ان سے گہری دوستی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ (اے ایمان والو! نہ بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل) اپنے کفر کو اندر چھپا کر اور اس مذاق کو زبان سے ظاہر کر کے۔ (من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وہ لوگ جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے) یعنی یہود (والکفار اور نہ کافروں کو اہل بصرہ اور کسائی نے الکفار کو راء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی کفار سے اور باقی نے راء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی کفار کو نہ بناؤ (اولیاء و اتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین اپنا دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے)

﴿58﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لیے تو وہ ٹھہراتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی جب نماز کے لیے آواز لگاتا اور مسلمان اس کی طرف کھڑے ہوتے تو یہود کہتے وہ کھڑے ہوگئے نہیں کھڑے ہوئے۔ کھڑے ہوئے نماز پڑھی نہیں، نماز پڑھی اس طرح کے جملے مذاق اُڑانے کے لیے کہتے اور ہنستے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت مدینہ کے ایک نصرانی کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ جب مؤذن کی آواز سنتا کہ وہ "اشھدانّ محمّد الرسول اللّٰہ" کہہ رہا ہے تو کہتا کہ جھوٹا جلایا جائے۔ ایک دن یہ نصرانی اور اس کے گھر والے سوئے ہوئے تھے کہ اس کا خادم آگ لایا تو اس سے ایک شعلہ اُڑا اور سارا گھر اور وہ نصرانی اور اس کے گھر والے جل گئے اور دیگر حضرات نے کہا کہ کفار نے جب اذان کی آواز سنی تو مسلمانوں سے حسد کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے

اور کہنے لگے اے محمد! آپ علیہ السلام نے ایسی چیز ایجاد کی ہے کہ ہم نے پہلی اُمتوں میں نہیں سنی۔ اگر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ نے پہلے تمام انبیاء کی مخالفت کردی ہے اور اگر اس میں کوئی بھلائی ہے تو پہلے انبیاء اس کے زیادہ حقدار تھے تو آپ نے یہ چیخنا اور بری آوازیں نکالنا کہاں سے لے لیا تو اللہ تعالیٰ نے مؤذن کی شان میں یہ آیت نازل کی (**ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ** اور اس سے اچھی بات کس کی ہے جو اللہ کی طرف بلائے)

⑤⑨ (**قل یا ھل الکتاب ھل تنقمون منا** آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! کیا ضد ہے تم کو ہم سے) کسائی نے "ھَلْ تَنقمون" کے لام کو تاء میں ادغام کر کے پڑھا ہے۔ اسی طرح "ھل" کی لام کو تاء، ثاء، نون میں ادغام کیا جاتا ہے اور حمزہ نے تاء اور ثاء میں موافقت کی ہے اور ابوعمرو نے "**ھل تری**" میں دو جگہوں میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کی ایک جماعت آئی جن میں ابو یاسر بن اخطب، رافع بن ابی رافع وغیرہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ علیہ السلام کن انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایمان لاتا ہوں اللہ پر اور جو چیز ہماری طرف اُتاری گئی اور جو ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی طرف اُتاری گئی۔ جب آپ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا تو انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کردیا اور کہنے لگے کہ تمہارے دین سے برا کوئی دین ہمیں معلوم نہیں اور نہ کوئی ایسا دین ہے کہ جس کا حصہ دُنیا اور آخرت میں اتنا کم ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (اے کتاب والو! کیا ضد ہے تم کو ہم سے۔ تم اس کو ناپسند سمجھتے ہو۔ **الا أن امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل من قبل وان اکثرکم فاسقون**) (مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہو چکا پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں) یعنی تمہیں ہمارا ایمان لانا برا لگتا ہے اور تم ایمان سے خارج ہو یا معنی یہ ہے کہ تم ہمارے ایمان لانے کو برا سمجھتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ ہم حق پر ہیں۔ اس لئے کہ تم نے مال اور اقوال کی محبت میں اپنے دین پر عمل کرنے سے نافرمانی کی۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ⑥⓪ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ⑥① وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑥② لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑥③

ترجمہ آپ کہیے کہ کیا میں تم کو ایسا طریقہ بتلاؤں جو اس سے بھی خدا کے یہاں پاداش ملنے میں زیادہ برا ہو وہ ان

اشخاص کا طریقہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے رحمت سے دور کر دیا ہو اور ان پر غضب فرمایا ہو اور ان کو بندر اور سور بنا دیا ہو اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی ہو ایسے اشخاص مکان کے اعتبار سے بھی بہت برے ہیں اور راہ راست سے بھی بہت دور ہیں اور جب یہ لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لے حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ تو خوب جانتے ہیں جس کو یہ پوشیدہ رکھتے ہیں اور آپ ان میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام برے ہیں ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے واقعی ان کی یہ عادت بری ہے جانتے ہو کہ ہم حق پر ہیں۔ اس لیے کہ تم نے مال اور اقوال کی محبت میں اپنے دین پر عمل کرنے سے نافرمانی کی۔

تفسیر ⑥⓪ (قل) (اے محمد (هل أنبئكم بشر من ذلك) آپ کہہ دیجئے میں تم کو بتاؤں ان میں کس کی بات بری) جو تم نے ذکر کی ہے یعنی انہوں نے جو کہا کہ اسلام سے کم کسی دین کا دُنیا اور آخرت میں کم حصہ نہیں اور اسلام سے برا کوئی دین نہیں (مثوبة) ان کو ثواب اور بدلہ دیا جائے گا۔ یہ منصوب ہے تفسیر کی بناء پر (عند الله من لعنه الله اللہ کے ہاں وہی جس پر اللہ نے لعنت کی) یعنی وہ برا ہے جس پر اللہ نے لعنت کی (وغضب عليه اور اس پر غضب نازل کیا) یعنی یہود (وجعل منهم القردة والخنازير اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سُور) بندر ہفتے والے ہوئے اور سُور عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان کے منکر۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ شکلیں ہفتہ والوں کی بگڑی تھیں ان کے نوجوان بندر بنائے گئے تھے اور بوڑھے سُور۔ (وعبد الطاغوت اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی) یعنی ان میں سے بعض کو ایسا بنا دیا کہ انہوں نے شیطان کی عبادت کی۔ یعنی جو چیز شیطان نے دل میں ڈالی اس کی تصدیق کی اور اس کے پیچھے پڑ گئے۔ (اولئک شر مکانا و اضل عن سواء السبيل وہی لوگ بدتر ہیں درجہ میں اور بہت بھکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے)

⑥① (وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اور جب تمہارے پاس آتے ہیں) یعنی یہ منافقین اور بعض نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا تھا (امنوا بالذی انزل علی الذين آمنوا وجه النهار وكفروا آخره کہ اس چیز پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر اُتاری گئی دن کی ابتداء میں اور دن کے آخر میں انکار کر دو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر داخل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں (امنا ہم ایمان لائے) آپ پر اور آپ کے اقوال کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ کفر کو چھپاتے ہیں (وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ اور حالت یہ ہے کہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپائے ہوئے تھے)

⑥② (وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ اور آپ دیکھیں گے ان میں سے بہتوں کو) یعنی یہود میں سے (يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کہ دوڑتے ہیں گناہ پر اور ظلم پر) کہا گیا ہے کہ "الاثم" سے گناہ اور "العُدوان" سے ظلم مراد ہے اور کہا گیا ہے کہ "الاثم" سے مراد جو کچھ انہوں نے تورات کے احکام چھپائے اور عدوان جو تورات میں زیادتی کی۔ (وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ اور

حرام کھانے پر) یعنی رشوت (لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بہت ہی برے عمل ہیں جو وہ کررہے ہیں۔)

⑥③ (لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ کیوں نہیں منع کرتے ان کو ان کے درویش اور علماء) بعض نے کہا "ربانیون" سے نصاریٰ کے علماء اور احبار سے یہود کے علماء مراد ہیں۔ (عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو کررہے ہیں)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُاللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا م بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ⑥④

ترجمہ: اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہوگیا ہے ان ہی کے ہاتھ بند ہیں اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت سے دور کردیئے گئے بلکہ ان کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں اور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ اس میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہوجاتا ہے اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں تو حق تعالیٰ اس کو فرو کردیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے۔

تفسیر: ⑥④ (وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُاللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہوگیا)

یداللہ مغلولۃ کی آیت کا شان نزول

ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، ضحاک، قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو مال کی فراوانی دی یہاں تک کہ تمام لوگوں سے زیادہ مالدار ہوگئے اور زمین سرسبز ہوگئی جب انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں اللہ کی نافرمانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو اللہ نے وسعت رزق کو روک لیا تو اس وقت فنحاص بن عازوراء یہودی کہنے لگا کہ اللہ کے ہاتھ رزق سے بند ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کنجوس ہوگئے (نعوذ باللہ) یہ بات کہی تو صرف فنحاص نے کی تھی لیکن باقی یہود نے اس کو روکا نہیں تو وہ بھی اس بات میں شریک ہوگئے۔

حسن فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں عذاب دینے سے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ رُکے ہوئے ہیں اب ہمیں صرف اتنی دیر عذاب دے گا جتنی دیر ہمارے آباء نے بچھڑے کی عبادت کی اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے عذاب دے گا۔

اور پہلا قول زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے (غلت ایدیھم انہی کے

ہاتھ بند ہو جائیں) یعنی انہی کے ہاتھ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے روکے ہوئے ہیں۔

زجاج فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ میں سخی ہوں، یہ کنجوس ہیں ان کے ہاتھ خرچ کرنے سے بند ہیں اور بعض نے کہا کہ "غُلّت" سے جہنم کی بیڑیاں مراد ہیں قیامت کے دن (ولعنوا اور لعنت ہے) عذاب دیئے گئے (بما قالوا ان کو اس کہنے پر) ان کی لعنت میں سے یہ ہے کہ ان کو بندر اور سور بنایا گیا۔ دُنیا میں ان پر ذلت اور مسکنت ماری گئی اور آخرت میں جہنم (بل یداہ مبسوطتان بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) "یَدُ اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے جیسے سمع، بصر، وجہ۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کی حقیقت خوب جانتے ہیں، بندوں پر لازم ہے کہ ان کی جو مراد اللہ کے ہاں ہے اس پر ایمان لائیں اور سر جھکائیں (ینفق خرچ کرتا ہے) رزق دیتا ہے (کَیْفَ یَشَآءُ ط وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا جس طرح چاہے اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی۔ اس کلام سے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور انکار) یعنی جب بھی کوئی آیت اُترتی ہے اس کا انکار کرتے ہیں تو کفر اور سرکشی بڑھ جاتی ہے (وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور بیر) یعنی یہود و نصاریٰ کے درمیان۔ اسی کو حسن اور مجاہد رحمہما اللہ نے کہا ہے اور بعض نے کہا یہود کے گروہوں کے درمیان کہ ان کے دین میں مختلف جماعتیں ہیں آپس میں بغض رکھتی ہیں۔ (الی یوم القیامۃ کلما اوقدوا ناراً للحرب اطفأھا اللہ قیامت کے دن تک جب بھی آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے لیے اللہ اس کو بجھا دیتا ہے) یعنی یہود نے فساد ڈالا اور تورات کے حکم کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو عذاب بنا کر بھیجا۔ پھر فساد ڈالا تو ان پر طیطوس رومی کو بھیجا۔ پھر فساد ڈالا تو ان پر مجوس کو مسلط کیا۔ پھر فساد ڈالا تو ان پر مسلمانوں کو بھیجا اور بعض نے کہا جب بھی اپنی قوت جمع کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں فساد ڈالنے کے لیے جنگ کی آگ بھڑکائی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بجھا دیا اور ان کو بھگا دیا اور مغلوب کیا اور اپنے نبی علیہ السلام اور دین کی مدد کی۔ یہی حسن رحمہ اللہ کے قول کا معنی ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے۔ یہود جس جنگ کی تیاری کریں گے وہاں ایسا ہوگا، آپ یہود کو دُنیا کے جس شہر میں پائیں گے وہاں یہ ذلیل لوگوں میں ہوں گے (وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے ہوئے اور اللہ پسند نہیں کرتا فساد کرنے والوں کو)

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاَدْخَلْنٰھُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ ط مِنْھُمْ اُمَّۃٌ مُّقْتَصِدَۃٌ ط وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ط وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام برائیاں معاف کر دیتے

اور ضرور ان کو چین کے باغ میں داخل کر دیتے اور اگر یہ لوگ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں اے رسولؐ! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔

تفسیر (وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (واتقوا) کفر سے لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ

⑥⑤ (وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ اور اگر وہ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو) یعنی ان کے احکام اور حدود کو قائم رکھتے اور ان پر عمل کرتے (وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ اور اس کو جو نازل ہوا ان پر ان کے رب کی طرف سے) یعنی قرآن اور بعض نے کہا بنی اسرائیل کی کتابیں مراد ہیں۔ (لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے) بعض نے کہا کہ ان کے اوپر سے بارش مراد ہے اور ان کے نیچے سے زمین کی پیداوار مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان پر بارش اُتاری جاتی اور زمین سے غلہ نکالا جاتا۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے رزق میں وسعت مراد ہے۔ ⑥⑥ (مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھی راہ پر) یعنی اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی۔ یعنی عادل ہیں نہ غالب ہیں اور کوتاہی کرتے ہیں اور لغت میں اقتصاد کا معنی عمل میں اعتدال رکھنا نہ غلو کرنا نہ کوتاہی کرنا (وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ اور بہت سے ان میں) کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی (سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ برے کام کر رہے ہیں) یعنی ان کا عمل برا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر کے برے کام کیے۔

⑥⑦ (يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے) مسروق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے اُتارے ہوئے کسی حکم کو چھپایا تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اُترا، تیرے رب کی طرف سے۔ حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسولوں کو مبعوث کیا تو ان کے دل میں خیال آیا کہ لوگ آپ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی یہود کے عیب کے بارے میں کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف بلایا تو کہنے لگے ہم آپ سے پہلے اسلام لا چکے ہیں اور آپ علیہ السلام کا مذاق اُڑانے لگے اور کہنے لگے کیا آپ کا ارادہ ہے کہ ہم آپ کو ویسے حنان بنالیں جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بنایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا یہ رویہ دیکھ کر خاموش ہو گئے تو یہ

آیت نازل ہوئی اور آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ یہود کو کہیں (یا ھل الکتاب لستم علی شیٔ اے اہل کتاب تم کسی چیز (دین) پر نہیں ہو) اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ رجم اور قصاص کے بارے میں جو حکم آپ علیہ السلام پر نازل ہوا ہے اس کو پہنچا دیں۔ یہ آیت یہود کے واقعہ میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے معاملہ اور نکاح کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور بعض نے کہا جہاد کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ منافقین نے جہاد کو ناپسند سمجھا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (جب نازل کی جاتی ہے ان پر کوئی محکم سورت اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جائے تو آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دل میں مرض ہے کہ وہ آپ کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے موت کی غشی ان پر آ گئی ہو) بعض مؤمنین نے بھی جہاد کو ناپسند سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض مجالس میں جہاد کی ترغیب دینے سے رُک گئے کہ آپ علیہ السلام کو ان کی کراہت معلوم ہو گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام) اہل مدینہ و شام، ابوبکر، یعقوب رحمہما اللہ نے "رسالاتہ" جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے "رسالتہ" مفرد پڑھا ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ علیہ السلام نے بعض احکامات نہ پہنچائے تو کچھ بھی نہ پہنچایا۔ یعنی بعض احکام کی تبلیغ نہ کرنے کا جرم تمام احکام کی تبلیغ نہ کرنے جتنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ہم ایمان لاتے ہیں بعض پر اور کفر کرتے ہیں بعض کا اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ بنالیں یہی لوگ پکے کافر ہیں) اور بعض نے کہا "بلّغ ما انزل الیک" کا مطلب ہے کہ یعنی اس کی تبلیغ کو ظاہر کریں۔ اللہ کے فرمان کی طرح (فاصدع بما تؤمر آپ کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے) اگر آپ نے اس کی تبلیغ ظاہر نہ کی تو آپ نے بالکل پیغام نہ پہنچایا (وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے) لوگوں سے حفاظت کرے گا اور روکے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر زخم لگا آپ کے دندان شہید ہوئے اور کئی طرح کی تکلیفیں دی گئیں تو یہ کیسی حفاظت ہوئی؟ تو جواب دیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ قتل سے بچائے گا کہ لوگ آپ علیہ السلام کو قتل نہ کر سکیں گے اور بعض نے کہا یہ آیت آپ علیہ السلام کا سر زخمی ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ اس لیے کہ سورۃ مائدہ قرآن مجید میں سب سے آخر میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا کہ اللہ نے لوگوں میں آپ علیہ السلام کو عصمت کے ساتھ خاص کیا ہے اس لیے کہ نبی علیہ السلام معصوم ہوتے ہیں۔ (اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ بے شک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو)

من یعصمک منی تمہیں مجھ سے کون بچائے گا

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوٹ رہے تھے تو ایک خاردار وادی میں قیلولہ کے لیے رُک گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اُترے اور لوگ درختوں کا سایہ تلاش کرنے کے لیے بکھر گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اور اپنی تلوار اس پر لٹکا دی اور ہم سو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آواز دی ہم بیدار ہوئے تو آپ علیہ السلام کے پاس

ایک بدو بیٹھا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے میری تلوار اُٹھائی، میں سویا ہوا تھا، میں بیدار ہوا تو وہ اس کے ہاتھ میں تنی ہوئی تھی تو کہنے لگا آپ علیہ السلام کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو میں نے تین مرتبہ اللہ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدو نے آپ علیہ السلام کی تلوار کھینچی اور کہنے لگا کہ اے محمد! آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو آپ علیہ السلام نے کہا اللہ تو اس بدو کا ہاتھ کانپ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گرگئی اور اپنا سر درخت پر مارنے لگا یہاں تک کہ اس کا دماغ پھٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے تھے جب مدینہ آئے تو فرمانے لگے کاش میرے صحابہ میں سے کوئی نیک شخص رات کو میری چوکیداری کرتا تو اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کون ہے؟ کہا میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہوں، آپ کی چوکیداری کے لیے آیا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرہ داری کی جاتی تھی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (اللہ بچائے گا آپ کو لوگوں سے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد سے سر نکالا اور فرمایا اے لوگو! تم چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

(ترجمہ) آپ کہیے کہ اے اہل کتاب! تم کسی راہ پر بھی نہیں جب تک کہ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی بھی پوری پابندی نہ کرو گے اور ضرور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے اور ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجیے۔ یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور فرقہ صائبین اور نصاریٰ جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے ایسوں پر نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان کے پاس بہت سے پیغمبر بھیجے جب کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم

لایا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا سو بعضوں کو جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہوگی اس سے اور بھی اندھے اور بہرے بن گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے یعنی ان میں کے بہتیرے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں۔

تفسیر ⑥⑧ (قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ آپ کہہ دیں اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو تم پر اُترا تمہارے رب کی طرف سے) یعنی تورات وانجیل کے احکام کو قائم کرو اور جو کچھ واجب ہے اس کو ادا کرو (وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ان میں سے بہت لوگوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے شرارت اور کفر سو آپ افسوس نہ کریں اس قوم کفار پر)

⑥⑨ (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَ النَّصٰرٰى بے شک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور نصاریٰ) اس کا حق یہ تھا کہ "الصابئین" پڑھا جاتا لیکن سورت بقرہ میں ہم اس کے مرفوع ہونے کی وجہ بیان کر چکے ہیں۔ سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔ "ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاریٰ من امن باللہ ......الخ" آیت کے آخر تک "والصابئون کذٰلک" (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بے شک لوگ ایمان لائے) زبان کے ساتھ (مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر) یعنی دل سے اور کہا گیا ہے کہ "الذین امنوا" یعنی ایمان کی حقیقت پر ایمان لائے۔ "مَنْ اٰمَنَ باللہ" یعنی ایمان پر ثابت قدم رہے۔ (وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غمگین ہوں گے)

⑦⓪ (لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے) توحید اور نبوت کے بارے میں (وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا اور بھیجے ان کی طرف رسول جب لایا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم جو خوش نہ آیا ان کے جی کو تو بہت ساروں کو جھٹلایا) یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ اور بہت ساروں کو قتل کر ڈالتے تھے) جیسے یحییٰ اور زکریا علیہما السلام۔

⑦① (وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی) یعنی عذاب اور قتل نہ ہوگا اور کہا گیا ہے کہ آزمائش اور امتحان نہ ہوگا۔ یعنی ان کا خیال تھا ان پر آزمائش نہ آئے گی اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے۔ اہل بصرہ، حمزہ، کسائی رحمہما اللہ نے تکون کو نون کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ اصل میں "انھا لا تکون" تھا اور باقی حضرات نے نون کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ اگر تکون سے پہلے لا نہ ہوتا تو پڑھا جاتا۔ (فعموا سو اندھے ہوگئے) حق کے دیکھنے سے (وصموا اور بہرے) حق کو سننے سے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد حق بات سننے اور دیکھنے سے اندھے بہرے ہوگئے۔ (ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ پھر توبہ قبول کی اللہ نے ان کی) عیسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر (ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ پھر اندھے اور بہرے ہوئے

ان میں سے بہت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے (وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ م بِمَا يَعْمَلُوْنَ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں)۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ⑦② لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ م وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑦③ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦④ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ط كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ط اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ⑦⑤

ترجمہ بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ عین مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے خود فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا ایک ہے حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں اور اگر یہ لوگ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر دردناک عذاب واقع ہوگا کیا پھر بھی خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت فرمانے والے ہیں مسیح ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں۔ اور ان کی والدہ ایک ولی بی بی ہیں دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھیے تو ہم کیونکر دلائل ان سے بیان کر رہے ہیں پھر دیکھئے وہ الٹے کدھر جا رہے ہیں۔

تفسیر ⑦② (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا) یہ یہود کا فرقہ ملکانیہ اور یعقوبیہ ہے (وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ اور مسیح علیہ السلام نے کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی رب ہے میرا اور تمہارا۔ بے شک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی نہیں گناہ گاروں کی مدد کرنے والا)۔

⑦③ (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک) یعنی مرقوسیہ فرقہ۔ یہاں عبارت چھپی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تین خداؤں کا تیسرا کیونکہ وہ کہتے تھے کہ خدائی اللہ تعالیٰ، مریم اور

عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان مشترک ہے اور ان میں سے ہر ایک معبود ہے تو یہ تین معبود ہوئے۔ اللہ تعالیٰ یہی بات عیسیٰ علیہ السلام کو بیان کررہے ہیں کہ (ءانت قلت للناس اتتخذونی و امی الھین من دون اللہ کیا آپ علیہ السلام نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ خدا بناؤ) اور جس نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے اور اس سے خدائی مراد نہ لی تو وہ کافر نہ ہوگا۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (مایکون من نجوی ثلاثة الاھو رابعھم نہیں ہوتی تین کی سرگوشی مگر اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا آپ کا کیا گمان ہے ان دو کے بارے میں کہ اللہ ان کا تیسرا ہے۔ پھر ان کی تردید کی اور فرمایا کہ (وما من الہ الا اللہ ...... لیمسن حالانکہ کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے اور اگر وہ باز نہ آئیں گے اس بات سے جو کہتے ہیں، تو بے شک پہنچے گا ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو عذاب دردناک) کفر پر قائم رہنے والوں کو اس حکم کے ساتھ خاص کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ بعض لوگ ان میں سے ایمان لے آئیں گے۔

⑭ (اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے) فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ استفہام کے الفاظ میں حکم ہے جیسے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فھل انتم منتھون کیا تم باز آتے ہو؟) یعنی باز آجاؤ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہیں حکم دیتے ہیں توبہ اور اس بڑے گناہ سے استغفار کرنے کا (وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان)

⑮ (مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول، گزر چکے من قبلہ الرسل اس سے پہلے بہت رسول) یعنی وہ معبود نہیں ہے بلکہ ان رسولوں کی طرح ہیں جو پہلے گزر چکے معبود نہیں تھے (و امہ صدیقہ اور اس کی ماں ولی ہے)

و امة صدیقة کی تفسیر۔ کثرت سے سچ بولنے والی اور کہا گیا ہے کہ ان کو صدیقہ اس وجہ سے کہا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ اس نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی (کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ دونوں کھاتے تھے کھانا) یعنی تمام انسانوں کی طرح غذا اور کھانے سے زندگی گزارتے تھے تو وہ کیسے معبود ہوسکتا ہے جو خود کھانے کا محتاج ہو اور کہا گیا ہے کہ یہ حدث سے کنایہ ہے کیونکہ جو کھائے پیئے تو لامحالہ اس کو پیشاب اور پاخانہ آئے گا اور جس کی یہ حالت ہو وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے۔ (اُنْظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَھُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ دیکھ ہم کیسے بتاتے ہیں ان کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں اُلٹے جارہے ہیں) یعنی حق سے پھرے جارہے ہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰہُ ھُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ⑯ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ⑰ لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ ۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ⑱ کَانُوْا لَا

یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: آپ فرمایئے کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو کہ تم کو نہ کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں سب جانتے ہیں آپ فرمایئے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کا غلو مت کرو اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے ہیں اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہو گئے تھے بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داؤدؑ اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے۔ واقعی ان کا فعل بیشک برا تھا۔

تفسیر ⑯ (قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ آپ کہہ دیں کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا)

⑰ (قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق کا) یعنی حد سے تجاوز نہ کرو اور بڑائی اور کوتاہی میں سے ہر ایک دین میں برا ہے اور اللہ کا فرمان "غیر الحق" یعنی تمہارے دین میں جو حق کے مخالف بات ہو کیونکہ انہوں نے اپنے دین میں حق کی مخالفت کی۔ پھر اس پر ڈٹ کر غلو کیا۔ (اور مت چلو خیالات پر ان لوگوں کے) "اھواء ھوی" کی جمع ہے اور "ھویٰ" وہ ہے جس کی طرف نفس کی شہوت بلائے (قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ جو گمراہ ہو چکے پہلے) یعنی یہود اور نصاریٰ کے گمراہ کرنے والے سردار اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کو ہے ان کو ان کے اسلاف کی خواہشات سے ایجاد کی ہوئی چیزوں پر چلنے سے روکا گیا ہے (واضلوا کثیرا اور گمراہ کر گئے بہتوں کو) یعنی جنہوں نے ان کی خواہشات کی اتباع کی (وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ اور بہک گئے سیدھی راہ سے) پہلی اضلال تو ان کی اپنی تھی اور دوسرا اضلال گمراہوں کی تابعداری کرنے کی وجہ سے ہے۔

⑱ (لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے داؤد علیہ السلام کی زبان پر) یعنی ایلہ والے جب انہوں نے ہفتہ کے بارے میں حد سے تجاوز کیا تو داؤد علیہ السلام نے بددعا کی۔ اے اللہ! ان پر لعنت کر اور ان کو نشانی بنا دے تو ان کی صورت بگاڑ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا (وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ اور عیسیٰ مریم علیہا السلام کے بیٹے کی) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر دستر خوان والوں کو لعنت ہوئی جب وہ ایمان نہ لائے تو عیسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی۔ اے اللہ! ان پر لعنت کر اور ان کو عبرت کی نشانی بنا دے تو ان کو خنزیر بنا دیا گیا (ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ یہ اس لیے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزر گئے تھے)

⑲ (كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ آپس میں منع نہ کرتے تھے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے) یعنی ان میں

سے بعض بعض کو منع نہ کرتے تھے (لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں جب کوئی آدمی ان میں سے کوئی گناہ کرتا تو روکنے والا اس کو روکتا پھر اگلے دن اس کے ساتھ بیٹھتا، کھاتا، پیتا گویا کہ کل اس سے کوئی گناہ دیکھا ہی نہیں تھا جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ عمل دیکھا تو ان میں سے بعض کے دل بعض جیسے کردیئے اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنادیا اور ان پر داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کرائی اس وجہ سے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزرتے تھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور گناہ سے روکتے رہو اور بے وقوف کا ہاتھ پکڑتے رہو اور اس کو حق پر چلنے پر مجبور کرتے رہو یا ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل ایک جیسے کردیں گے اور تم پر بھی لعنت کریں گے جیسے ان پر لعنت کی۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝٨٠ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨١ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝٨٢

(ترجمہ) آپ ان میں بہت آدمی دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں جو کام انہوں نے آگے کے لئے کیا ہے وہ بیشک برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناخوش ہوا اور یہ لوگ عذاب میں دائم رہیں گے اور اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر پر اور اس کتاب پر جو ان کے پاس بھیجی گئی تھی تو ان کو کبھی دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور مشرکین کو پاویں گے اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر تو ان لوگوں کو پائے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہیں اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔

(تفسیر) ⑧⓪ (تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ) بعض نے کہا کہ یہود میں سے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی مراد ہیں (يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا دوستی کرتے ہیں کافروں سے) مکہ کے مشرکین مراد ہیں سے جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لشکر نکالتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن رحمہما اللہ نے فرمایا کہ "منھم" سے وہ منافقین مراد ہیں جو یہود سے دوستی کرتے تھے۔ (لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ کیا ہی برا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے) یعنی آخرت کے لیے انہوں نے برا عمل بھیجا (اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر (وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں)

⑧① (وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر) محمد صلی اللہ علیہ وسلم (وما انزل الیه اور

جو نبی پر اُترا) قرآن کو (ماالتخذوھم تو نہ بناتے ان کو) کافروں کو (اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ دوست لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں) یعنی اللہ کے حکم سے نکلنے والے ہیں۔

⑧② (لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو) یعنی عرب کے مشرکین کو (وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى اور تو پائے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں) اس سے تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں اس لیے کہ نصاریٰ مسلمانوں سے دشمنی رکھنے میں ایسے ہیں جیسے یہود مسلمانوں کو قتل کرنے اور قید کرنے اور ان کے شہروں کو برباد کرنے اور مساجد کو گرانے اور ان کے مصاحف کو جلانے میں ہیں نہیں اور ان کا کوئی اعزاز نہیں بلکہ آیت میں وہ نصاریٰ مراد ہیں جو اسلام لے آئے جیسے نجاشی اور اس کے ساتھی۔ اور کہا گیا ہے کہ آیت تمام یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لیے کہ یہود بہت سخت دل اور نصاریٰ ان سے نرم دل ہیں اور یہ مشرکین کی مدد یہود کی بنسبت کم کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حبشہ کی طرف ہجرت اور نجاشی کا اسلام قبول کرنا۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قریش نے باہمی مشاورت کی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے فتنہ میں ڈالیں تو ہر قبیلہ کے لوگ جن میں مسلمان تھے ان کو تکلیفیں اور عذاب دینے لگے تو کچھ لوگ فتنہ میں پڑ گئے اور اللہ نے جس کو چاہا اس فتنہ سے بچالیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے چچا ابو طالب کے ذریعے محفوظ رکھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہما کو اس مشقت میں دیکھا کیونکہ اس وقت تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے ان کفار کو روکنے کی بھی قدرت نہ تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا اور فرمایا وہاں ایک نیک بادشاہ ہے نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ اس کے پاس کسی پر ظلم کیا جاسکتا ہے تم وہاں چلے جاؤ جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کشادگی نہ دیں وہاں رہنا۔ اس حبشہ کے بادشاہ سے مراد نجاشی تھا۔ اس کا نام اصحمہ تھا اور نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب تھا جیسے قیصر اور کسریٰ لقب تھے۔

تو حبشہ کی طرف گیارہ مرد اور چار عورتوں نے خفیہ ہجرت کی۔ پہلی ہجرت میں یہ حضرات تھے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی رقیہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی، زبیر بن عوام، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوحذیفہ بن عتبہ اور ان کی بیوی سہلۃ بنت سہیل بن عمرو، مصعب بن عمیر، ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی اُم سلمہ بنت ابواُمیہ، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی خیثمہ، حاطب بن عمرو اور سہل بن بیضاء (رضی اللہ عنہم)۔ یہ حضرات سمندری راستے سے گئے اور ایک کشتی نصف دینار میں حبشہ تک کرایہ پر لی اور یہ ہجرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہوئی اور یہ پہلی ہجرت ہے۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نکلے اور ان کے پیچھے کئی مسلمان گئے۔ حبشہ کی طرف مردوں اور بچوں کے علاوہ بیاسی مسلمانوں نے ہجرت کی۔ جب قریش کو یہ بات

معلوم ہوئی تو انہوں نے عمرو بن العاص اور اس کے ساتھی کو تحفے تحائف دے کر نجاشی اور اس کے وزراء کے پاس بھیجا تا کہ وہ ان مسلمانوں کو واپس کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو محفوظ رکھا جس کا واقعہ سورۃ آل عمران میں آیت "اِنّ اولی الناس بابراھیم الخ" کے تحت آ چکا ہے۔ جب قریش کے یہ دو قاصد نامراد ہو کر لوٹ آئے تو مسلمان وہاں اچھے گھر اور اچھے پڑوس میں رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اور آپ کا دین غالب آ گیا تو ہجرت کے چھٹے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ نجاشی کی طرف خط بھیجا کہ وہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور وہاں ان کے خاوند وفات پا گئے تھے۔ یہ پیغام سن کر نجاشی نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنی لونڈی ابرہہ کو بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نکاح کی خبر دے تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خوشی میں اپنے کنگن اس لونڈی کو دے دیئے اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا دیا تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کا نکاح چار سو دینار کے عوض کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کرنے والے نجاشی تھے۔ نکاح کے بعد نجاشی نے چار سو دینار ابرہہ کے ہاتھ بھجوا دیئے۔ جب وہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس دینار لائی تو آپ رضی اللہ عنہ نے پچاس دینار اس کو دیئے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ بادشاہ نجاشی نے مجھے آپ رضی اللہ عنہا سے کچھ بھی لینے سے منع کیا ہے اور کہنے لگی کہ میں بادشاہ کے تیل اور کپڑوں کا انتظام کرتی ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتی ہوں اور آپ علیہ السلام پر ایمان لاتی ہوں اور آپ رضی اللہ عنہا سے مجھے یہ کام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک میرا اسلام پہنچا دیجئے گا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا ٹھیک ہے۔ ابرہہ کہنے لگی کہ بادشاہ نے اپنی عورتوں کو کہا ہے کہ جس کے پاس جو عود اور عنبر کی خوشبو ہے وہ آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ان خوشبوؤں کو دیکھتے تھے لیکن منع نہ کرتے تھے۔ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ کی طرف چلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تھے تو مسلمانوں میں کئی حضرات آپ علیہ السلام کے پیچھے خیبر گئے لیکن میں مدینہ میں ٹھہری رہی حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور میری رُخصتی ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے مجھ سے نجاشی کے بارے میں پوچھا تو میں نے ابرہہ کا سلام پڑھا تو آپ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (قریب ہے کہ اللہ کر دے تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو تمہارے دشمن ہیں (کر دے) محبت کو)

یعنی ابوسفیان کے دل میں حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی وجہ سے محبت ڈال دے۔ جب ابوسفیان کے پاس حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خبر آئی تو کہنے لگے اس جوان کی ناک نیچی نہیں ہو سکتی۔

نجاشی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط بھیجنا اور اسلام قبول کرنا

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حبشہ جانے کے بعد نجاشی نے اپنے بیٹے ازہی بن اصحمۃ بن ابحر کو سات آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور آپ علیہ السلام کو خط لکھا۔ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں میں آپ علیہ السلام کی بیعت کرتا ہوں اور آپ علیہ السلام کے چچا کے بیٹے (جعفر) سے بیعت کرتا ہوں اور میں تمام جہانوں کے رب کا حکم بردار ہوتا ہوں۔ میں نے اپنے بیٹے ازہی کو آپ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا ہے اگر آپ علیہ السلام چاہیں تو میں خود حاضر ہو جاؤں گا اور سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول۔ یہ لوگ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پیچھے ایک کشتی میں سوار ہو گئے جو سمندر کے درمیان میں ڈوب گئی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ستر آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ ان پر اون کے کپڑے تھے ان میں سے باسٹھ آدمی حبشہ کے اور آٹھ شام کے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سورۃ یٰسین آخر تک پڑھی۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو رونے لگے اور کہنے لگے یہ کلام کتنی مشابہ اس کلام کے جو عیسیٰ علیہ السلام پر اُتری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "**ولتجدنّ اقربھم موذۃ للّذین اٰمنوا الّذین قالوا انّا نصاریٰ**" یعنی نجاشی کا وفد جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے یہ ستر افراد تھے اور عبادت خانوں والے (گرجا گھروں) میں تھے۔

مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چالیس افراد تھے بتیس حبشہ کے اور آٹھ شام کے اور عطاء کہتے ہیں اسّی افراد تھے۔ چالیس نجران کے قبیلہ بنوالحرث بن کعب کے اور بتیس حبشہ کے اور آٹھ رومی شام کے اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آیت اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت پر مکمل عمل کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو انہوں نے آپ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اللہ نے اس آیت سے ان کی تعریف کی۔ (**ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ** یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں) یعنی علماء۔ قطرب کہتے ہیں کہ قس اور قسیس روم کی لغت میں عالم کو کہتے ہیں (**ورھبانا** اور درویش ہیں) رھبان وہ بندے جو نصاریٰ کے گرجا گھروں میں رہتے ہیں اس کا مفرد راہب ہے جیسے فارس اور فُرسان، راکب اور رُکبان اور کبھی یہ واحد استعمال ہوتا ہے اس وقت اس کی جمع رھابین ہوگی جیسے قربان کی جمع قرابین (**وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ** اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے) یعنی ایمان اور حق کا یقین کرنے سے تکبیر نہیں کرتے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَھُمُ اللّٰہُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ وَذٰلِکَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۸۶﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف سے بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے ہیں اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لاویں اور اس بات کی امید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کی پاداش میں ایسے باغ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور نیکوکاروں کی یہی پاداش ہے اور جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیات کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر ﴿۸۳﴾ ...... (وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ اور جب سنتے ہیں اس کو جو اُترا رسول پر) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ تو آپ دیکھیں ان کی آنکھوں کو اُبلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو) عطاء کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان یہ ہے کہ اس سے نجاشی اور اس کے ساتھی مراد ہیں کیونکہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حبشہ میں ان پر سورۃ "کھیٰعص" کی تلاوت کی تو ان کے تلاوت ختم کرنے تک یہ لوگ روتے رہے۔ (یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ کہتے ہیں اے رب! ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں میں سے) یعنی اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھ کیونکہ دوسری آیت میں اس اُمت کو شہداء کہا گیا ہے۔

﴿۸۴﴾ (وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ. اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور اس چیز پر جو پہنچی ہم کو حق سے) اور یہ اس وجہ سے کہ یہود نے ان کو شرم دلائی اور کہنے لگے تم کیوں ایمان لائے ہو؟ تو انہوں نے یہ جواب دیا

(وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ اور توقع رکھیں اس کی کہ داخل کرا ہمارا رب ہم کو نیک بختوں کے ساتھ) یعنی اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

⑧⑤ (فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ پھر ان کو بدلے میں دیئے اللہ نے) ...... (بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اس کہنے پر ایسے باغ کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں) ان کے قول کو کامیاب قرار دیا اور ثواب کو قول سے اس لیے معلق کر دیا کہ یہ اخلاص کے ساتھ تھا۔ اس کی دلیل اللہ کا قول (وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ اور یہ ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا) یعنی مؤمنین موحدین کا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "تَرٰی اعینهم تفیض ...... الخ" نے اس بات پر دلالت کی کہ اخلاص اور دل کی معرفت سے قول کرنا ایمان ہے۔

⑧⑥ (وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ کے رہنے والے)

⑧⑦ (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں)

لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ کی تفسیر

مفسرین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں کو نصیحت کی اس میں قیامت کا حال بیان کیا جس سے لوگوں کے دل نرم پڑ گئے۔ اور رونے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ رضی اللہ عنہما حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہو گئے اور یہ حضرات حضرت ابوبکر صدیق، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، ابوذر غفاری، سالم مولی ابی حذیفہ، مقداد بن اسود، سلمان فارسی، معقل بن مقرن (رضی اللہ عنہما) تھے۔ مشورہ کیا اور اتفاق رائے سے یہ بات طے ہو گئی کہ رہبانیت اختیار کریں گے اور ٹاٹ کا لباس پہنیں گے اور آلہ تناسل کاٹ دیں گے اور تمام زمانہ روزہ رکھیں گے اور رات کو عبادت کریں گے اور بستر پر نہیں سوئیں گے، گوشت نہیں کھائیں گے، عورتوں اور خوشبو کے قریب نہیں جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ علیہ السلام عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر آئے تو ان کو نہیں پایا تو ان کی بیوی اُم حکیم بنت ابی اُمیہ سے پوچھا ان کا نام خولاء تھا۔ پوچھا کہ جو بات آپ کے خاوند اور ان کے ساتھیوں سے مجھے پہنچی کیا وہ حق ہے؟ تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بھی ناپسند کی اور اپنے خاوند کی بات ظاہر کرنا بھی ناپسند سمجھا تو کہنے لگیں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر یہ خبر آپ کو عثمان رضی اللہ عنہ نے دی ہے تو آپ سے سچ کہا ہوگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گھر آئے اور بیوی نے خبر دی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے ان ان باتوں پر اتفاق کر لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں یا رسول

اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا ارادہ خیر ہی کا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ پس تم روزہ رکھو اور افطار کرو اور رات کا قیام کرو اور نیند کرو کیونکہ میں رات کا قیام کرتا ہوں اور سوتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں اور گوشت اور چکنائی کھاتا ہوں اور بیویوں کے پاس جاتا ہوں پس جو اعراض کرے میری سنت سے پس وہ مجھ سے نہیں۔ پھر لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ عورتوں کو حرام کردیا اور کھانے، خوشبو، نیند اور عورتوں کی خواہش کو حرام کردیا۔

بہرحال میں تمہیں یہ حکم نہیں دوں گا کہ تم نصاریٰ کے عالم اور درویش بن جاؤ کیونکہ میرے دین میں گوشت اور عورتوں کو چھوڑنا اور گرجا گھر بنانا جائز نہیں۔ میری اُمت کی سیاحت روزہ اور رہبانیت جہاد ہے۔ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ حج اور عمرہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور دین پر ثابت قدم رہو، تم میں سے پہلے لوگ سختی کی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کی۔ یہود کے عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں ان کے بقایا جات ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ سعد بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ہمیں مردانہ قوت ختم کرنے کی اجازت دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خصی ہوا یا خصی کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ میری اُمت کا اختصاء روزہ ہے۔ پھر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں سیاحت کی اجازت دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میری اُمت کی سیاحت اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔ پھر انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں رہبانیت کی اجازت دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میری اُمت کی رہبانیت مسجد میں بیٹھنا اور نماز کا انتظار کرنا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! میں نے گوشت کھایا تو طبیعت منتشر ہوگئی اور شہوت آگئی تو میں نے گوشت کھانے کو حرام کردیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کردیں) یعنی وہ لذیذ چیزیں نفس جن کی خواہش کرتا ہے جو اللہ نے حلال کیں یعنی لذیذ کھانے اور عمدہ مشروبات (وَلَا تَعْتَدُوْا اور حد سے نہ بڑھو) یعنی حلال سے تجاوز کرکے حرام کی طرف نہ جاؤ اور کہا گیا ہے اس سے ذکر کا شمار ہے۔ (اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتے)۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر: ﴿۸۸﴾ (وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا اور کھاؤ اللہ کے دیے ہوئے میں سے جو چیز حلال پاکیزہ ہو) عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلال وہ ہے جو تو اپنے ارادہ سے حاصل کرے اور طیب وہ ہے جو بڑھنے والی ہو۔

بہرحال جامد چیزیں جیسے مٹی اور وہ چیزیں جو غذا کے لیے استعمال نہیں ہوتیں تو وہ دواء کے طور پر تو استعمال کی جاسکتی ہیں ورنہ مکروہ ہیں۔(وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ اورڈرتے رہواللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میٹھے اور شہد کو پسند کرتے تھے۔

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کردو سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جبکہ تم قسم کھا لو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تا کہ تم شکر کرو۔

تفسیر ﴿۸۹﴾ (لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بیہودہ قسموں پر) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت (لاتحرموا طیبات ما احل الله لکم نہ تم حرام کرو ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں) نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہما کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جو قسمیں کھا چکے ہیں ان کا ہم کیا کریں؟ کیونکہ یہ حضرات باہمی مشورہ سے اتفاق کر کے قسمیں کھا چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ لیکن پکڑتا ہے اس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا) حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہما اللہ نے "عقدتم" کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن عامر نے "عاقدتم" الف کے ساتھ اور باقی حضرات نے "عقدتم" شد کے ساتھ اور آیت میں معنی یہ ہے کہ تم اپنے عمد سے ارادکر چکے ہو۔ (فکفارته سو اس کا کفارہ) یعنی جو تم نے مضبوط قسم اُٹھائی اور اس سے حانث ہو گئے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ (اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ دس مسکینوں کو کھانا دینا)

دس مسکینوں کو کھانا دینے کی مقدار اور تفصیل

اس کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے۔ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ہر مسکین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد کے برابر ایک مُد دے اور یہ مُد ایک رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے اور اسی طرح تمام کفارات میں ہے اور یہی زید بن ثابت، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اسی کے قائل ہیں۔سعید بن میتب، قاسم، سلیمان بن یسار، عطاء، حسن اور اہل عراق فرماتے

ہیں کہ ہر مسکین کو دو مُد دے اور یہ نصف صاع بنتا ہے اور یہی مروی ہے۔ حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما سے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر گندم دے تو نصف صاع اور اگر اس کے علاوہ سے دے تو ایک صاع دے اور یہی شعبی، نخعی، سعید بن جبیر، مجاہد، حکم کا قول ہے اور اگر ان کو صبح اور شام کا کھانا کھلا دے تو یہ جائز نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ کفارہ میں دراہم، دینار، روٹی اور آٹا دینا جائز نہیں ہے بلکہ گندم دینا واجب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان تمام چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اور اگر سارا کفارہ ایک کو دے تو یہ جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کو جائز کہا ہے کہ دس مسکینوں کی جگہ ایک مسکین کو دس دن کھانا دے۔ یہ کفارہ صرف آزاد محتاج مسلمانوں کو دینا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ذمیوں کو کفارہ دینا جائز کہا ہے اور اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ زکوٰۃ ذمیوں کو دینا جائز نہیں ہے۔ (مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو) یعنی اپنے گھر والوں کی روزی میں سے بہترین۔ عبیدہ سلمانی فرماتے ہیں کہ اوسط سے روٹی اور سرکہ مراد ہے اور اعلیٰ روٹی اور گوشت اور ادنیٰ صرف روٹی ان میں سے جو بھی دے کافی ہے۔ (اَوْ كِسْوَتُهُمْ یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو) جس آدمی کو قسم کا کفارہ لازم ہو تو اس کو اختیار ہے۔ اگر چاہے دس مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے اور اگر چاہے تو گردن آزاد کرے۔

پس اگر وہ کپڑے پہنانے کو اختیار کرے تو اس کپڑے کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ہر مسکین کو ایک کپڑا پہنائے اتنی مقدار جس کو کپڑا کہا جا سکے جیسے تہبند یا چادر یا قمیص یا پگڑی وغیرہ اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، مجاہد، عطاء اور طاؤس رحمہما اللہ کا قول ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے لیے اتنی مقدار واجب ہے جس میں نماز جائز ہو تو مردوں کو ایک کپڑا اور عورتوں کو دو کپڑے قمیص اور اوڑھنی دے اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر مسکین کو دو کپڑے دے (اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ یا ایک گردن آزاد کرنی ہے) اور اگر غلام آزاد کرنا چاہے تو مؤمن غلام کو آزاد کرنا واجب ہے۔

قسم کے کفارے میں مومن غلام آزاد کرنا شرط ہے یا نہیں

اس طرح تمام کفارات میں مؤمن کی شرط ہے جیسے قتل، ظہار رمضان کے دن میں جماع کا کفارہ ان سب میں مؤمن غلام آزاد کرنا واجب ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رحمہما اللہ نے کافر غلام کے آزاد کرنے کو تمام کفارات میں جائز قرار دیا ہے سوائے قتل کے کفارے کے کیونکہ قتل کے کفارہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قید لگائی ہے۔ ہم (شوافع) کہتے ہیں کہ مطلق حکم کو مقید پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ قرآن میں گواہی پر عدل کی قید لگائی اور فرمایا تم (واشهدوا ذوی عدل منکم گواہ بناؤ اپنے میں سے عدل والے دو لوگ اور دوسری جگہ گواہی کو عدل کی قید کے بغیر ذکر کیا اور فرمایا واستشهدوا شهيدين من رجالكم تم گواہ بناؤ دو

گواہ اپنے مردوں میں سے۔ حالانکہ تمام گواہوں میں عدل شرط ہے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے۔ اسی طرح یہ کفارہ بھی ہے۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مرتد غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ غلام مکمل غلام ہو حتیٰ کہ اگر اپنے کفارہ سے مکاتب یا اُم ولد یا ایسے غلام کو آزاد کردیا جو آزادی کی شرط کے ساتھ خریدا گیا ہے یا ایسے قریبی رشتہ دار کو کفارہ کی نیت سے خریدا جو اس کے خریدتے ہی آزاد ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں غلام تو آزاد ہو جائے گا لیکن کفارہ ادا نہ ہوگا اور اصحاب رائے نے اس مکاتب کے آزاد کرنے کو جائز قرار دیا ہے جس نے اپنے بدل کتابت کی کوئی قسط ادا نہ کی ہو اور قریبی رشتہ دار کی آزادی کو بھی جائز قرار دیا ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ غلام ہر اس عیب سے پاک ہو جو کام بہت سے نقصان دے۔ اس لیے ہاتھ کٹا ہوا اور ایک پاؤں کٹا ہوا اور نابینا اور اپاہج اور پاگل غلام آزاد کرنا جائز نہیں اور کانا اور بہرہ اور کان کٹا، ناک کٹا غلام جائز ہے اس لیے کہ یہ عیب عمل سے واضح نقصان نہیں دیتے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ایسا عیب جس کی وجہ سے منفعت کی کوئی جنس فوت ہو جائے تو اس عیب والے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں تو اس لیے آپ رحمہ اللہ نے ایک ہاتھ کٹے ہوئے کی آزادی کو جائز قرار دیا لیکن دونوں کان کٹے ہوئے کو ناجائز کہا (**فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام** پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے) یعنی جس پر کفارہ واجب ہے جب وہ کھانا دینے، کپڑے پہنانے اور غلام آزاد کرنے سے عاجز آجائے تو اس پر تین دن کے روزے واجب ہیں۔

اور عجز یہ ہے کہ اس کے پاس اپنے مال میں سے گھر والوں اور اپنا راشن نکال کر اتنی مقدار نہ بچے کہ کھانا کھلا سکے یا کپڑے پہنا سکے یا غلام آزاد کر سکے تو وہ تین دن کے روزے رکھے اور بعض نے کہا کہ جب اتنے مال کا مالک ہو کہ کھانا کھلا سکے اگر اپنی ضرورت کا نہ بچے تو روزہ رکھنا جائز نہیں اور یہی حسن اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کا قول ہے۔

قسم کے کفارے کے روزے لگاتار رکھے یا وقفہ سے

اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ روزے لگاتار رکھے یا نہ۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ لگاتار روزے رکھنا واجب نہیں لیکن افضل ہے اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ لگاتار روزے رکھنے واجب ہیں۔ انہوں نے کفارہ ظہار اور قتل پر قیاس کیا ہے اور یہی سفیان ثوری اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں الفاظ یہ ہیں "**صیام ثلاثة ایام متتابعات**" (ذلک یہ) جو میں نے ذکر کیا (**كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ** کفارہ ہے تمہارے قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو) اور حانث ہو جاؤ کیونکہ کفارہ تو حانث ہونے کے بعد ہی واجب ہوتا ہے۔ حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات اس کے جائز ہونے کی طرف گئی ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم تک پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نے کسی کام کی قسم اُٹھائی پھر اس کے علاوہ کو بہتر دیکھا تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور جو کام بہتر ہے وہ کرے۔ (مسلم کتاب الایمان)

اور یہی ابن عمر، ابن عباس، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور حسن اور ابن سیرین رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور

امام مالک، اوزاعی اور امام شافعی رحمہما اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں مگر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حانث ہونے سے پہلے کفارہ روزہ کے ذریعے ادا کیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ بدنی کفارہ ہے۔ کھانے، کپڑے اور آزادی کا کفارہ حانث ہونے سے پہلے دینا جائز ہے۔ جیسا کہ سال مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

اور رمضان کا روزہ وقت سے پہلے رکھنا جائز نہیں اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ کفارہ کو حنث پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (واحفظوا ایمانکم اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی) بعض نے کہا کہ اس سے قسم کا ترک مراد ہے یعنی قسم نہ کھاؤ اور کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جب تم قسم اُٹھاؤ تو اس کو نہ توڑو۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے تو اس صورت میں قسم کے ٹوٹنے سے حفاظت مراد ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب کسی مستحب کام کے چھوڑنے اور مکروہ کام کے کرنے پر قسم نہ اُٹھائی ہو لیکن اگر کسی مکروہ کام کے کرنے یا کسی مستحب کے چھوڑنے پر قسم کھائی ہو تو افضل یہ ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ دے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمٰن بن سمرہ (رضی اللہ عنہ)! تو امارت کا سوال نہ کر کیونکہ اگر وہ مانگنے سے دے دی گئی تو معاملہ تیرے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر بغیر مانگے دی گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کیا جائے گا اور جب تو قسم کھائے پھر اس کے علاوہ کو اس سے بہتر سمجھے تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور وہ کام کر جو بہتر ہے۔ (كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنے حکم تا کہ تم احسان مانو)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٩٠ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝٩١

ترجمہ: اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آؤ گے؟

تفسیر: ۹۰ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت) یعنی بت۔ ان بتوں کو انصاب اس وجہ سے کہتے ہیں کہ مشرکین ان کو گاڑھتے تھے۔ اس کا مفرد نصب ہے نون کے زبر اور صاد کے سکون کے ساتھ اور نصب نون کے پیش کے ساتھ خفیف اور ثقیل (والازلام اور پانسے) یعنی وہ تیر جس کے ذریعے تقسیم کرتے تھے (رجس من عمل الشیطان سب گندے کام ہیں شیطان کے مزین کردہ ہیں، فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ)

۹۱ (اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ

ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے) شراب میں دشمنی یہ ہے کہ شرابی لوگ جب نشہ میں ہوتے ہیں تو اول فول بکتے ہیں اور باہم جھگڑتے ہیں جیسا کہ ان انصاری رضی اللہ عنہ نے کیا جنہوں نے اونٹ کے جبڑے سے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سر پھاڑا تھا اور بہر حال جوئے میں دشمنی تو قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی گھر والوں اور مال پر جوا کھیلتا تھا پھر جب ہار جاتا تو نہ مال رہتا اور نہ گھر والے تو غمزدہ رہتا۔ (وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے) اور یہ اس طرح کہ جو شخص شراب پینے اور جوا کھیلنے میں مشغول ہوتا ہے تو یہ اس کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں اور نماز میں تشویش اور غلطی ہوتی ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مہمانوں نے کیا اور ایک آدمی آگے ہوا تا کہ مغرب کی نماز پڑھائے، شراب پینے کے بعد تو سورۃ الکافرون پڑھی، لا کے بغیر صیغے پڑھے یعنی "اعبد ما تعبلون ...... الخ" (فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ سو اب بھی تم باز آ ؤ گے؟) یعنی باز آ جاؤ لفظ سوال کے ہیں لیکن معنی حکم کا ہے جیسے اللہ کا فرمان "فهل انتم شاکرون" ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿92﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿93﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿94﴾

ترجمہ: اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو اور اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف (حکم کا) پہنچا دینا تھا ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں اے ایمان والو اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرلے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے سو جو شخص اس (حرمت) کے بعد (حد شرعی) سے نکلے گا اس کے واسطے دردناک سزا ہے۔

تفسیر 92 (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور بچتے رہو) حرام چیزوں اور جن کاموں سے روکا گیا ان کے کرنے سے (فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر) شراب پینے والے کی وعید میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے اور اللہ پر پختہ بات ہے کہ

جوآدمی دُنیا میں اس کو پئے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو طینۃ الخبال پلائیں گے اور تم جانتے ہو کہ طینۃ الخبال کیا ہے؟ جہنمیوں کا پسینہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دُنیا میں شراب پی اور توبہ نہیں کی تو آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ وہ فرمار ہے تھے اللہ نے لعنت کی شراب اور اس کے پینے والے اور پلانے والے اور اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدنے والے اور اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے اور اس کے اُٹھانے والے اور جس کی طرف اُٹھائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر۔

⑬ (لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا جولوگ ایمان لائے اور کام نیک کیے ان پر گناہ نہیں اس میں جو پہلے کھا چکے) اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شراب کی حرمت نازل ہونے کے بعد سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جو بھائی وفات پا گئے اور وہ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے تو ان کا کیا معاملہ ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (جو پہلے کھا چکے) اور شراب پی چکے اور جوئے کا مال کھا چکے (اذا ما اتقوا جب کہ آئندہ کو ڈر گئے) شرک سے (وامنوا اور ایمان لائے یعنی تصدیق کی) (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا اور عمل نیک کیے پھر ڈرتے رہے) شراب اور جوئے سے ان کے حرام ہو جانے کے بعد (وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا پھر یقین کیا پھر ڈرتے رہے) ان چیزوں سے جن کا کھانا پینا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا (وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو) اور کہا گیا ہے کہ پہلے کا معنی یہ ہے کہ جب شرک سے ڈرے اور یقین کیا اور تصدیق کی پھر ڈرتے رہے یعنی اس تقویٰ پر ہمیشگی رکھی اور ایمان لائے اور ایمان میں اضافہ ہوا پھر تمام گناہوں سے ڈرے اور نیک کام کیے اور کہا گیا ہے کہ وہ ڈرے احسان کے ساتھ اور ہر نیک کام کرنے والا متقی ہے اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

⑭ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ اے ایمان والو! البتہ تم کو آزمائے گا اللہ ایک بات سے اس شکار میں) یہ آیت حدیبیہ کے سال نازل ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احرام میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکار سے آزمائش کی وہ اس طرح کہ نیل گائے وہاں اتنی کثرت سے تھیں کہ ان کے کجاوں کو گھیر لیتی تھیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آزمائش کا فائدہ اپنی اطاعت کرنے والے کو ظاہر کرنا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو شکار میں آزمائش کی حاجت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے "بشیء" کی قید لگائی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش صرف خشکی کے شکار سے ہوئی تھی (تنالہ ایدیکم جس پر پہنچتے ہیں ہاتھ تمہارے) یعنی پرندوں کے بچے اور انڈے اور وہ چھوٹے شکار جو بھاگ نہ سکیں۔ (ورماحکم اور تمہارے نیزے) یعنی بڑے شکار (لیعلم اللہ تا کہ معلوم کرے اللہ) تا کہ لوگوں کو دکھا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے (مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے) یعنی اس کو دیکھے بغیر ڈرتا ہے اور احرام کی حالت میں شکار نہیں کرتا۔ (فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد) یعنی حرمت نازل ہونے کے بعد شکار کیا (فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ تو اس کے لیے عذاب درد

ناک ہے) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کے کپڑے اُتار لیے جائیں اور اس کی پیٹھ اور پیٹ پر کوڑے مارے جائیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا ۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

ترجمہ: اے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس پر پاداش واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ (تخمینہ سے) تم میں سے دو معتبر آدمی کردیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے اور خواہ اس (غلہ) کے برابر روزے رکھ لئے جاویں تاکہ اپنے کئے کی کشامت کا مزہ چکھے اور اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کردیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں۔

تفسیر ﴿۹۵﴾ (يٰآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اے ایمان والو! نہ مارو شکار جس وقت تم ہو احرام میں)

حالت احرام میں شکار کا حکم

یعنی حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو اور یہ حرام کی جمع ہے۔ یہ ایک شخص ابوالیسر کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے حالت احرام میں ایک نیل گائے کا شکار کیا تھا (وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر) اس عمد کی مراد میں اختلاف ہے۔

ایک جماعت نے کہا کہ اس سے شکار کے قتل کا ارادہ مراد ہے جب اپنے احرام کی حالت کو بھول گیا ہو لیکن اگر احرام کی حالت یاد ہو اور شکار کرے تو اس پر کوئی حکم نہیں ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے کیونکہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کا کفارہ نہیں ہوسکتا۔ یہی مجاہد اور حسن رحمہما اللہ کا قول ہے اور دیگر حضرات نے کہا کہ عمد یہ ہے کہ محرم جان بوجھ کر شکار کرے اور اپنا احرام یاد ہو تو اس پر کفارہ ہے۔ اگر شکار کو بھول کر ماردے تو اس میں اختلاف ہے۔

اکثر فقہاء رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ عمد اور خطاء کا حکم برابر ہے کہ کفارہ لازم ہوگا اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جان بوجھ کر شکار کرنے والے پر کتاب اللہ کی وجہ سے کفارہ ہوگا اور بھول کر کرنے والے پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھول کر شکار کرنے کی وجہ سے شکار کا کفارہ واجب نہ ہوگا بلکہ یہ کفارہ صرف عمد کے

ساتھ خاص ہے (فَجَزَآءٌ مِّثْلُ تو اس پر بدلہ ہے برابر) اہل کوفہ اور یعقوب رحمہما اللہ نے "فجزاء" کو تنوین اور "مثل" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ بدل ہے "فجزاء" سے اور باقیوں نے اضافت کے ساتھ "فجزاءُ مثلِ" پڑھا ہے۔ (مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ اس مارے ہوئے کے مویشی میں سے) اس کا معنی یہ اس مقتول شکار کی خلقت کے اعتبار سے جو چوپایہ قریب ہوگا وہ دینا پڑے گا قیمت کا اعتبار نہ ہوگا (یَحْکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ جو تجویز کریں دو آدمی معتبر تم میں سے) یعنی بدلہ کا فیصلہ دو عادل آدمی کریں گے اور مناسب یہ ہے کہ دونوں فقیہ ہوں، یہ اس جانور کے زیادہ مشابہ کسی چوپایہ کو دیکھ کر اس کے مطابق فیصلہ کریں گے اور جو لوگ گئے ہیں چوپایوں میں سے مثل واجب کرنے کی طرف ان میں عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، ابن عمر، ابن عباس (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں ان حضرات نے مختلف شہروں، مختلف زمانوں میں چوپایوں کی مثل کا فیصلہ کیا۔

ان کے حاکم نے شتر مرغ میں اونٹ کا فیصلہ کیا حالانکہ وہ قیمت میں مساوی نہیں ہے اور جنگلی گدھے میں گائے کا حالانکہ یہ قیمت میں گائے کے برابر نہیں ہوتا اور بجو میں مینڈھے کا حالانکہ وہ قیمت میں مینڈھے کے برابر نہیں ہوتا تو ان فیصلوں نے دلالت کی کہ ان حضرات نے شکار کی خلقت کی مشابہت کی طرف نظر کی اور کبوتر میں بکری واجب ہوگی۔ حضرت عمر، عثمان اور ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ انہوں نے مکہ کے کبوتر میں ایک بکری کا فیصلہ کیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بجو میں ایک مینڈھے کا فیصلہ کیا اور ہرنی کے بچہ میں بکری کا اور خرگوش میں بکری کا سال سے کم بچہ (ھَدْیًا م بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ اس طرح سے کہ وہ جانور بدلے کا بطور نیاز پہنچایا جاوے کعبہ تک) یعنی وہ کفارہ کا جانور کعبہ کی طرف لایا جائے اور مکہ میں ذبح کر کے اس کا گوشت حرم کے مساکین پر صدقہ کیا جائے (اَوْ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا یا اس پر کفارہ ہے چند مساکین کو کھلانا یا اس کے برابر روزے)۔

فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدل عین کی زیر کے ساتھ کسی چیز کی جنس سے اس کی مثل اور عدل زبر کے ساتھ شی کی خلاف جنس سے اس کی مثل۔ آیت میں مراد یہ ہے کہ شکار کی جزاء میں اختیار ہے کہ چوپایوں میں سے اس کی مثل کوئی جانور ذبح کر کے گوشت حرم کے محتاجوں پر صدقہ کر دے یا اس مثل کی قیمت لگا کر اتنے دراہم کا کھانا گندم وغیرہ مساکین پر صدقہ کر دے یا گندم کے ایک مُد کے بدلے ایک روزہ رکھے اور روزہ جس علاقہ میں چاہے رکھ سکتا ہے کیونکہ اس میں محتاجوں کا کوئی نفع نہیں ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس جانور کی کوئی مثل نہ نکالی جاسکتی ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے گی۔ پھر اس قیمت کی گندم خرید کر صدقہ کی جائے گی یا وہ روزہ رکھ لے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چوپایوں سے کوئی مثل واجب نہیں بلکہ ابتداء شکار کی قیمت لگائی جائے گی۔ پھر اگر چاہے تو اس قیمت کو کسی چوپایہ کے ذبح کرنے میں خرچ کرے یا گندم لے کر صدقہ کر دے اور اگر چاہے تو گندم کے نصف صاع کے بدلے یا جو کے ایک صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے اور امام شعبی اور نخعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ شکار کی جزاء ترتیب وار ہے کہ اگر پہلی پر قادر نہ ہو تو دوسری جزاء دے۔ لیکن یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو شکار کی جزاء میں ترتیب کے قائل ہیں (لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِہٖ تا کہ چکھے سزا اپنے کام کی) یعنی اس کی نافرمانی کی جزاء (عَفَا اللّٰہُ

عَمَّا سَلَفَ اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا) یعنی حرمت نازل ہونے اور آیت نازل ہونے سے پہلے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا جاہلیت میں (وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ اور جو کوئی پھر کرے گا اس سے بدلہ لے گا اللہ) آخرت میں (وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا) اور جب محرم کئی دفعہ شکار قتل کرے تو اس پر جزاء بھی اتنی ہی دفعہ آئے گی۔ اکثر اہل علم کے نزدیک ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب محرم جان بوجھ کر شکار کو مار ڈالے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے پہلے تو نے کوئی شکار مارا ہے؟ اگر وہ اقرار کرے تو اس پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو کہا جائے گا کہ تو جا اللہ تعالیٰ تجھ سے خود انتقام لے گا اور اگر کہے اس سے پہلے میں نے کوئی شکار نہیں کیا تو اس پر فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کے بعد پھر شکار کیا تو اس پر فیصلہ نہ کیا جائے گا لیکن اس کی پیٹھ اور سینہ پر تکلیف دہ مار لگائی جائے گی۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی وادی وَج میں فیصلہ فرمایا تھا۔

محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے کا حکم

پھر اس میں اختلاف ہے کہ شکار کا گوشت محرم کے لیے کھانا حلال ہے یا نہیں؟ تو ایک قوم اس جانب گئی ہے کہ کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہے اور یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی طاؤس رحمہ اللہ نے کہا قول ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی اس کے قائل ہیں۔ ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حمار وحشی ہدیہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا اور جب حضرت صعب رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر افسوس کے آثار محسوس کیے تو فرمایا کہ ہم نے اس وجہ سے واپس کیا ہے کہ ہم احرام میں ہیں اور اکثر علماء رحمہم اللہ اس جانب گئے ہیں کہ محرم کے لیے اس شکار کا کھانا حلال ہے جو نہ اس نے خود کیا ہو اور نہ اس کی وجہ سے شکار کیا گیا ہو اور نہ اس نے اس کی طرف اشارہ کیا ہو اور یہی حضرت عمر، عثمان، ابو ہریرہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا قول ہے اور عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی امام مالک، شافعی، احمد، اسحٰق اور اصحاب رائے رحمہما اللہ کا مذہب ہے اور صعب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار اس وجہ سے واپس کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان تھا کہ یہ شکار آپ علیہ السلام کے لیے ہی کیا گیا ہے۔ اس کے جواز کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابو قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے کسی راستے میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین احرام کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پیچھے تھے اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ احرام میں نہ تھے تو انہوں نے ایک جنگلی گدھا دیکھا اور اپنے گھوڑے پر سیدھے ہو گئے اور ساتھیوں سے کہا مجھے میرا کوڑا دو، انہوں نے اُٹھا کر دینے سے انکار کر دیا تو ان سے نیزہ مانگا، انہوں نے وہ بھی نہیں دیا تو انہوں نے خود پکڑا اور اس کے پیچھے لگ گئے، اس کا شکار کیا اور اس کا گوشت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھایا اور بعض نے انکار کر دیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے تو آپ علیہ السلام

سے اُس کے بارے میں پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ کھانا تو تمہیں اللہ تعالیٰ نے کھلایا ہے۔

مطلب بن حنطب نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شکار کا گوشت تمہارے لیے احرام کی حالت میں حلال ہے جب تم نے اس کو شکار نہ کیا ہو اور تمہارے لیے بھی شکار نہ کیا گیا ہو۔ ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ مطلب کا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سماع ہمیں معلوم نہیں ہے اور جب محرم کسی ایسے شکار کو ضائع کردے جس کی مثل چوپایوں میں سے نہ ملے مثلاً انڈہ یا کبوتر سے چھوٹا بچہ تو اس کی قیمت لگا کر اتنی گندم صدقہ کی جائے گی یا ایک مد کے بدلے ایک روزہ رکھے۔ ٹڈی کے شکار میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے محرم کے لیے اس کے شکار کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ یہ سمندر کے شکار میں سے ہے۔ یہی بات کعب احبار رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہے اور اکثر حضرات کے نزدیک اس کا شکار حلال نہیں ہے۔ اگر شکار کیا تو اس پر صدقہ لازم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ٹڈی میں ایک کھجور ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ گندم کی ایک مٹھ صدقہ کرے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

ترجمہ: تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

تفسیر: ﴿٩٦﴾ (أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ حلال ہوا تمہارے لیے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا تمہارے فائدہ کے واسطے اور سب مسافروں کے) آیت میں بحر سے تمام پانی مراد ہیں۔

سمندری مخلوق میں کون کون سا شکار حلال ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سمندر کا شکار وہ ہے جو شکار کیا جائے اور سمندر کا کھانا وہ ہے جو اس کے ساتھ پھینکا جائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عمر، ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سمندر کا کھانا وہ ہے جس کو پانی ساحل کی طرف مردہ حالت میں پھینک دے اور پانی کے تمام حیوانات دو قسم پر ہیں ❶ مچھلی ❷ اس کے علاوہ جانور۔ مچھلی کی تمام اقسام مری ہوئی ہوں تو بھی حلال ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لیے دو مُردہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ ❶ مچھلی ❷ ٹڈی۔ (ابن ماجہ)

کسی سبب سے مرے یا بغیر سبب سے اس کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مُردہ مچھلی اس وقت حلال ہے جب کسی سبب سے مری ہوئی مثلاً کسی پتھر پر گری ہو یا پانی اس سے ہٹ گیا ہو وغیرہ۔

مچھلی کے علاوہ جانور دو قسم کے ہیں۔ ① وہ جانور جو اپنی زندگی خشکی میں بھی گزارتے ہیں جیسے مینڈک اور کیکڑا، ان کا کھانا حلال نہیں ہے۔ ② جو جانور پانی میں زندگی گزارتے ہیں خشکی میں زندہ نہیں رہ سکتے، اگر ان کو خشکی میں نکالا جائے تو ذبح شدہ جانور کی طرح تڑپنے لگتے ہیں تو ان میں اختلاف ہے۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ مچھلی کے علاوہ کسی سمندری جانور کا کھانا حلال نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ پانی کا مردار حلال ہے اس لیے کہ سب مچھلی ہی ہیں۔ اگرچہ ان کی صورت مختلف ہے۔ جیسا کہ جریث اس کو مارماہی یعنی پانی کا سانپ کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت بھی سانپ جیسی ہوتی ہے لیکن اس کا کھانا بالاتفاق حلال ہے۔ یہی حضرت عمر، ابوبکر، ابن عباس، زید بن ثابت، ابوہریرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا قول ہے۔

شریح، حسن اور عطاء رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں اور یہی امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ظاہر مذہب ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ جس سمندری جانور کی نظیر خشکی کا جانور کھایا جاتا ہو اس کو کھانا حلال ہے جیسے پانی کی گائے وغیرہ اور جس سمندری جانور کی مثال خشکی کا جانور نہ کھایا جاتا ہو تو وہ سمندری جانور بھی حلال نہ ہوگا جیسے پانی کا کتا اور خنزیر اور گدھا وغیرہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس جانور کی زندگی پانی میں گزرتی ہو تو وہ حلال ہے ان سے پوچھا گیا مگرمچھ؟ انہوں نے فرمایا ہاں وہ بھی اور امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے گھر والے سمندری مینڈک کھاتے تو میں ان کو کھلاتا اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اُمید ہے کہ کیکڑے کے کھانے میں کوئی گناہ نہ ہوگا اور آیت کا ظاہری مفہوم ان حضرات کے حق میں حجت ہے جنہوں نے تمام سمندری جانوروں کو مباح قرار دیا اور اسی طرح حدیث بھی حجت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا پانی رکھتے ہیں۔ اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو پیاس سے مر جائیں تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مُردار حلال ہے۔ ابن جریج سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے عمر نے خبر دی کہ میں نے ان سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں جیش الخبط کی لڑائی میں شریک ہوا، ہمارے امیر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے ہم سخت بھوکے تھے تو سمندر نے اتنی بڑی مچھلی باہر پھینکی کہ ہم نے اس کی مثل کبھی نہیں دیکھی تھی اس کو عنبر کہا جاتا تھا، ہم نے اس میں سے پندرہ دن کھایا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی پکڑ کر سیدھی کی تو سواری پر ایک آدمی اس کے نیچے سے گزر گیا اور مجھے ابوزبیر نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو کھاؤ جب ہم مدینہ واپس آئے تو یہ بات ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کی تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تم وہ رزق کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نکالا ہے اور ہمیں بھی کھلاؤ اگر تمہارے پاس ہے تو اس کا کچھ گوشت آپ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا۔

(وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم جمع ہوگے) سمندر کا شکار محرم کے لیے بھی اسی طرح حلال ہے جس

طرح غیرمحرم کے لیے لیکن خشکی کا شکار محرم پر حرم میں حرام ہے اور صید اس وحشی (جنگلی) جانور کو کہتے ہیں جس کا کھانا حلال ہو لیکن جس جانور کا کھانا حلال ہو یہ احرام کی وجہ سے حرام نہیں ہو جاتا بلکہ احرام میں صرف اس کو پکڑنا اور شکار کرنا حرام ہے اور اس کے مارنے والے پر کوئی جزاء نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ جانور ایسے دو جانوروں سے پیدا ہوا جن میں ایک حلال تھا اور ایک حرام مثلاً بھیڑیا اور ہرنی سے بچہ پیدا ہوا تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں اور اگر محرم اس کو قتل کر دے تو محرم پر جزاء واجب ہوگی۔ اس لیے کہ اس میں شکار کی جزاء ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پانچ چوپائے ایسے ہیں کہ ان کے قتل کرنے پر محرم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا، کاٹ کھانے والے درندے میں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم نقصان پہنچانے والے درندے کو قتل کر دے۔ (ابوداؤد) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ چیزوں کا قتل حرم میں حلال ہے۔ ❶ سانپ ❷ بچھو ❸ چیل ❹ چوہا ❺ کاٹ کھانے والا درندہ۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "الکلب العقود" سے ہر درندہ مراد ہے اور اسی کی مثل امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے اور اصحاب رائے اس طرف گئے ہیں کہ جن جانوروں کا کھانا حلال نہیں ان کو مارنے میں جزاء واجب ہوگی جیسے چیتا، تیندوا، سور وغیرہ صرف وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کے قتل کی حدیث میں اجازت دی گئی ہے اور ان پر بھیڑیئے کو قیاس کیا ہے اور اس میں کفارہ واجب نہیں کیا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ان پانچ پر ان تمام جانوروں کو قیاس کیا ہے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا کیونکہ حدیث شریف میں بعض ایسے درندے بیان کیے گئے ہیں جو نقصان دینے والے ہیں اور بعض حشرات جو قتل کرنے والے ہیں اور بعض ایسے پرندے ذکر کیے گئے ہیں جو نہ درندے ہیں اور نہ حشرات ہیں صرف وہ ایسے حیوان ہیں جن کا گوشت خبیث ہے تو کھانا حرام ہونا ان تمام جانوروں کو جمع کرتا ہے تو اس علت کو معیار بنا کر جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان پر حدیث والے حکم کو مرتب کر دیا ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوئے ہوں یہ اس لئے تاکہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے بھی ہیں۔

تفسیر: ﴿٩٧﴾ ...... (جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ اللہ تعالیٰ نے کر دیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا)

کعبہ کی وجہ تسمیہ

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا نام کعبہ اس کے چوکور ہونے کی وجہ سے رکھا گیا کیونکہ اہل عرب ہر مربع شکل والے گھر کو کعبہ کہتے ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی منفرد تعمیر کی وجہ سے اس کا نام کعبہ رکھا گیا اور کہا گیا ہے کہ زمین سے بلند ہونے کی وجہ سے اس کا نام کعبہ رکھا گیا ہے اور اس کا اصل معنی نکلنا اور بلند ہونا ہے ٹخنے کی ہڈی کو کعب اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ بلند ہوتی ہے اور پاؤں کی دونوں جانب سے نکلی ہوئی ہوتی ہے اور اسی مادہ سے مشتق کر کے ”تکعّبت“ کا لفظ بولا جاتا ہے اس لڑکی کے لیے جو بالغ ہونے کے قریب ہو اور اس کے پستان نکل رہے ہیں۔ کعبہ کا نام بیت الحرام اس وجہ سے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو محترم بنایا اور اس کی حرمت کو بڑھایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمان وزمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام کر دیا۔ (رواہ البخاری)

(قِيٰمًا لِّلنَّاسِ قیام کا باعث لوگوں کے لیے) ابن عامر رحمہ اللہ نے ”قِيَمًا“ پڑھا ہے بغیر الف کے اور باقی حضرات نے الف کے ساتھ یعنی ان کے دُنیاوی و دینی امور کے انتظام کا سبب بنایا ہے۔ دینی اُمور میں تو اس طرح کہ حج اور مناسک یہاں ادا کیے جاتے ہیں اور دینی اُمور میں اس طرح کہ ہر طرح کے پھل اور منافع یہاں کھنچے چلے آتے ہیں اور لوگ حرم میں قتل وغارت گری سے محفوظ ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا (اولم یروا انا جعلنا حرما آمنا ویتخطف الناس من حولھم کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا حالانکہ لوگ ان کے اِردگرد سے اُچک لیے جاتے ہیں)......(وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ اور بزرگی والے مہینوں کو) اس سے مراد حرام مہینے ہیں اور وہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں کو بھی لوگوں کے قیام کا باعث بنایا کہ ان میں قتال سے محفوظ رہتے ہیں (وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جن کے گلے میں پٹہ ڈال کر لے جائیں) مراد یہ ہے کہ وہ لوگ ہدی کے گلے میں پٹہ ڈال کر بے خوف ہو جاتے تھے (ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے)۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ اس کلام کا پچھلی کلام سے کیا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس آیت سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو لوگوں کے قیام کا باعث اس وجہ سے بنایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خیر خواہی کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جیسے زمین و آسمان کی تمام باتیں جانتے ہیں اور امام زجاج رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا کہ اس صورت میں کئی غیب کی خبریں دی گئیں اور پوشیدہ راز کھولے گئے جیسے کہا گیا ”سمّاعون للکذب سمّاعون لقوم آخرین“ اور یہود کی تورات میں تحریف اور دیگر کئی باتیں بیان کی گئیں تو اس حصہ کا تعلق ان جیسی خبروں سے ہے کہ یہ چند خبریں تمہیں بتائیں (ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ تا کہ تم جان لو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ آسمان اور زمین میں)

⑱......(اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جان لوکہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

مَاعَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ⑲ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوااللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑳ يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَكُمْ ؕ عَفَااللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ㉑

ترجمہ: رسول کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو! تا کہ تم کامیاب ہو اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کردی جاویں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کردی جاویں سوالات گذشتہ اللہ تعالیٰ نے معاف کردئے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑے حلم والے ہیں۔

تفسیر: ⑲ (مَاعَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ رسول کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچا دینا تبلیغ کے ذریعے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو)۔

⑳ (قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ آپ کہہ دیجئے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک) یعنی حلال اور حرام (وَلَوْ اَعْجَبَكَ اگرچہ تجھ کو بھلی لگے کثیرۃ الخبیث ناپاک کی کثرت) یہ آیت شریح بن ضبعہ البکری اور حجاج بن بکر بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی (فاتقوا اللہ سو ڈرتے رہو اللہ سے) اور حاجیوں کو نہ چھیڑو اگرچہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں اور یہ قصہ سورت کی ابتداء میں گزر چکا ہے۔ (يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اے عقلمندو! تا کہ تمہاری نجات ہو)

㉑ (يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ اے ایمان والو! مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں)

لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ کی تفسیر

قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سوالات کیے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو زچ کردیا تو آپ علیہ السلام ناراض ہوگئے اور منبر پر چڑھے اور فرمایا آج کے دن تم مجھ سے جس چیز کا پوچھو گے میں تم کو جواب دوں گا تو میں دائیں اور بائیں دیکھنے لگا۔ اچانک ایک آدمی اپنے سر کو کپڑے میں لپیٹ کر رو رہا تھا

اور ایک شخص کا جب بھی آدمیوں سے جھگڑا ہوتا تو لوگ ان کی نسبت ان کے والد کے علاوہ کی طرف کرتے کہ تو فلاں کا بیٹا ہے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا باپ کون ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا حذافہ۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہم راضی ہوئے اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر۔ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں فتنوں سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے آج کے دن کی طرح خیر اور شر میں کوئی دن نہیں دیکھا یہاں تک کہ میرے لیے جنت اور جہنم کی صورت لائی گئی۔ حتیٰ کہ میں نے ان کو دیوار کے پیچھے دیکھ لیا اور قتادہ رحمہ اللہ جب اس کو بیان کرتے تو اس کے ساتھ یہی آیت پڑھتے۔ (اے ایمان والو! مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں)۔

ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی کہ عبد اللہ بن حذافہ کے والد نے ان کو کہا کہ میں نے تجھ سے بڑا نافرمان آج تک نہیں سنا۔ کیا تو اس بات سے بے خوف ہو گیا کہ اگر تیری ماں نے بھی جاہلیت کی عورتوں کی طرح کچھ کر دیا ہو تو تو اس سوال سے اس کو لوگوں پر رُسوا کر دے گا؟ تو عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اللہ کی قسم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا نسب کسی کالے غلام کے ساتھ ملا دیتے تو میں اس کے ساتھ مل جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم جاہلیت کے زمانہ سے نئے نئے آئے ہیں آپ علیہ السلام ہم سے درگزر کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام سے درگزر کریں گے تو آپ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بعض لوگ رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم سے "استھزاءً" کچھ سوال کرتے تھے کوئی کہتا میرا باپ کون ہے؟ اور ایک آدمی کہتا جس کی اونٹنی گم ہوگئی ہوتی کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ (وللہ علی الناس حج البیت) اور اللہ کے لیے ہے لوگوں پر بیت اللہ کا حج) تو ایک شخص کہنے لگا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں حج ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا۔ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے دو یا تین مرتبہ پھر پوچھا۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ہاں کہنے تک آپ کو اطمینان نہ ہوگا؟ اللہ کی قسم اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال واجب ہو جائے گا اور اگر ہر سال واجب ہو گیا تو تم اس کی طاقت نہ رکھو گے تو جو بات میں چھوڑ دوں اس کو تم بھی چھوڑ دو، تم سے پہلے لوگ اپنے کثرت سوال اور انبیاء علیہم السلام سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ پس جب میں کسی کام کا حکم دوں تو جتنی طاقت رکھتے ہو اس پر عمل کرو اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز آ جاؤ۔ (رواہ البخاری) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اور اگر تم پر کھولی جائیں تو بری لگیں تم کو) یعنی اگر تمہارے لیے ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔ اگر تم کو ان پر عمل کرنے کا حکم دے دیا جائے کیونکہ جس نے حج کا سوال کیا وہ اس بات سے بے خوف نہیں تھا کہ ہر سال میں حکم کر دیا گیا تو برا لگے گا اور جس نے نسب کا سوال کیا اگر اس کو کسی دوسرے کے ساتھ ملا دیا جاتا تو اس رُسوائی سے وہ بے خوف نہ تھا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بحیرہ سائبۃ، وصیلۃ اور حام کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی آپ خود بعد والی آیت کو دیکھ لیں کہ اس میں ہے کہ (وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَكُمْ اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر

ظاہر کر دی جائیں گی) مطلب یہ ہے کہ تم صبر کر دیہاں تک کہ خود قرآن میں فرض یا نہی یا کوئی اور حکم اُتر آئے کیونکہ ظاہر آیات میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جس کی شرح کی تم کو ضرورت ہو۔ اگر اب بھی سوال کرو گے تو تمہارے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔ (عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ اللہ نے ان سے درگزر کی ہے اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے)

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان باتوں کا حق نہ بجالائے اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو ولیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔

تفسیر: ﴿۱۰۲﴾ (قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ایسی باتیں پوچھ چکی ہے ایک جماعت تم سے پہلے) جیسے قوم ثمود نے اونٹنی اور عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے دسترخوان کا سوال کیا (ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ پھر ہو گئے ان باتوں سے منکر) پس ہلاک کیے گئے۔ ابو ثعلبہ خشنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض کی ہیں ان کو ضائع نہ کرو اور کئی اشیاء سے منع کیا۔ ان کو نہ کرو اور کئی حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کئی چیزوں سے بغیر نسیان کے درگزر کیا ان کے بارے میں بحث نہ کرو۔

﴿۱۰۳﴾ (مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ) نہ اللہ نے اُتارا اور نہ اس کا حکم دیا (وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی کو)

بحیرہ سائبہ وصیلہ حام کی تفسیر

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان اشیاء کا بیان یہ کیا کہ بحیرہ وہ اونٹنی کہ جب پانچ بچے جن لیتی تو اس کے کان کو کاٹ دیتے اور اس پر نہ بوجھ لادتے اور نہ خود سوار ہوتے اور اس کی اون نہ کاٹتے اور اس کو پانی اور چراگاہ سے بھی نہ روکتے اور اس کے پانچویں بچے کو دیکھتے اگر وہ نر ہوتا تو اس کے نحر کر کے مرد و عورت کھاتے اور اگر مادہ ہوتا سو اس کا کان کاٹ کر چھوڑ دیتے، اب اس کا دودھ اور دیگر منافع عورتوں پر حرام ہوتے صرف مردوں کے لیے خاص ہوتے اور جب یہ مر جاتی تو عورتوں اور مردوں کے لیے حلال ہو جاتی اور کہا گیا ہے کہ اونٹنی جب لگاتار بارہ سال مادہ بچے دیتی تو اس کو چھوڑ دیا جاتا اس کی پیٹھ پر سواری نہ کی جاتی اور اس کی اون نہ کاٹی جاتی اور اس کا دودھ صرف مہمان پی سکتا تھا۔ اس کے بعد کوئی مادہ بچہ پیدا ہوتا تو اس کے کان کاٹ کر چھوڑ دیا جاتا اور اس کو بھی ماں کی طرح اونٹوں میں چھوڑ دیا جاتا اور اس پر نہ کوئی سواری کر سکتا اور نہ اون کاٹ سکتا اور دودھ صرف مہمان پی سکتا تھا تو یہ بحیرہ بنت السائبہ ہے۔

اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سائبہ وہ اونٹ جس کو چھوڑ دیا جائے، اس کی صورت یہ تھی کہ اہل جاہلیت میں جب کوئی شخص مریض ہو جاتا یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار گم ہو جاتا تو وہ منت مانتا کہ اگر اللہ مجھے شفاء دے یا میرے مریض کو شفاء ہو جائے یا میرا غائب

لوٹ آئے تو میرا یہ اونٹ آزاد ہے۔ پھر اس کو چھوڑ دیتا اور اس کو چراگاہ، پانی سے نہ روکا جاتا اور اس پر کوئی سواری بھی نہ کرتا تو یہ بحیرہ کے مرتبہ میں ہے اور علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہو جس کو چھوڑا جاتا تھا کہ اس پر نہ ولاء ہے اور نہ دیت اور نہ میراث۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اس شخص کو ملے گی جس نے غلام کو آزاد کیا۔ (رواہ البخاری) اور سائبہ فاعلة کے وزن پر "مفعولة" کے معنی میں ہے یعنی وہ جانور جس کو چھوڑا گیا ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان "ماءِ دافق" میں دافق مدفوق کے معنی میں ہے اور بہرحال وصیلة تو جو بکری سات بچے جن لیتی تو وہ دیکھتے کہ ساتواں بچہ نر ہے یا مادہ، اگر نر ہوتا تو اس کو ذبح کر کے مرد وعورت سب کھاتے اور اگر مادہ ہوتی تو اس کو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور اگر ساتواں بچہ نر اور مادہ دونوں پیدا ہوتے تو اس نر کو اس مادہ کی وجہ سے زندہ چھوڑ دیتے اور کہتے کہ اس مادہ نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور ذبح نہ کرتے اور اس مادہ کا دودھ عورتوں پر حرام تھا۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی مر جاتا تو اس کو مرد وعورت سب کھاتے اور حام وہ نر جانور جس کے بچے کے بچے سواری کے قابل ہو جائیں اور کہا گیا ہے کہ جس کی پیٹھ سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں اس پر نہ سواری کی جاتی ہے اور نہ بوجھ لادا جاتا اور نہ گھاس اور پانی سے روکا جاتا۔ پھر جب یہ مر جاتا تو مرد اور عورتیں اس کو کھا لیتے۔

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ بحیرۃ وہ جانور جس کا دودھ بتوں کے لیے روکا گیا ہو لوگ اس کا دودھ نہ نکالتے ہوں اور سائبۃ وہ جانور جس کو اپنے بتوں کے لیے لوگ چھوڑ دیں کہ اس پر کوئی بوجھ نہ ڈالیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے جانور کو بتوں کے لیے چھوڑا۔ (رواہ البخاری)

عمرو بن لحی کا دوزخ میں اپنی انتڑیاں کا کھینچنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثم بن جون خزاعی کو ارشاد فرمایا کہ اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعۃ بن خندق کو دیکھا کہ اپنی انتڑیاں جہنم میں گھسیٹ رہا تھا میں نے تجھ سے زیادہ کسی کو اس کے مشابہ نہیں دیکھا اور اس سے زیادہ کسی کو تیرے مشابہ نہیں دیکھا۔ (رواہ البخاری) اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا اور بت گاڑھے اور بحیرۃ اور سائبۃ وصیلہ اور حام جانوروں کا معاملہ کیا۔ میں نے اس کو جہنم میں دیکھا کہ وہ جہنمیوں کو اپنی انتڑیوں کی بدبو سے تکلیف دے رہا تھا تو حضرت اکثم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کی مشابہت مجھے نقصان دے گی؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں بے شک تو مؤمن ہے اور وہ کافر تھا۔ (ولكن الذين كفروا يفترون على الله الكذب اور لیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر بہتان اور ان میں سے اکثر کو عقل نہیں) یعنی یہ کہنے میں بہتان باندھتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان کاموں کا حکم دیا ہے۔) وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا ط

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے کیا اگر چہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔ اے ایمان والو اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے۔

تفسیر ﴿۱۰۴﴾ (وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف) کھیتی اور چوپایوں کے حلال کرنے اور شرائع اور احکام کے بیان کرنے میں (قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا تو ہم کہتے ہیں ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو) یعنی دین (اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ بھلا اگر ان کے باپ دادے نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے؟)

﴿۱۰۵﴾ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جبکہ تم ہوئے راہ پر) ہمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی گئی کہ انہوں نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو۔ (اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہوا جبکہ تم ہوئے راہ پر) اور تم اس آیت کو غلط جگہ منطبق کرتے ہو اور تم جانتے نہیں کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے اور بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک لوگ جب کسی گناہ کے کام کو دیکھیں اور اس کو تبدیل نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عام عذاب میں پکڑ لے۔ (رواہ امام احمدؒ)

اور ایک روایت میں ہے تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور گناہ سے روکتے رہو یا اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے بدترین لوگوں کو مسلط کر دیں گے جو تم کو برا عذاب پہنچائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے تمہارے بہترین لوگ دُعا کریں گے لیکن ان کی دُعا تمہارے حق میں قبول نہ کی جائے گی۔ (ذکرہ الحافظ السیوطی فی الجامع الصغیر) ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں لوگ اس آیت کی باطل تاویل نہ شروع کر دیں۔ پھر یہ تاویل ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک تک نہ پہنچا دے تو ان کو پہلے ہی خبردار کر دیا کہ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ جس منکر کے تبدیل کرنے سے روکا گیا ہے وہ ان لوگوں کا شرک ہے جن سے معاہدہ ہو گیا ہو کہ وہ اپنے دین پر قائم رہیں گے لیکن مسلمانوں سے صلح کر چکے ہوں۔ بہرحال مسلمانوں سے جو فسق اور معاصی صادر ہوں وہ اس آیت کے تحت داخل نہیں ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی تم پر اپنا آپ لازم ہے اہل کتاب میں سے جو گمراہ ہو گیا وہ تمہیں نقصان نہ دے گا تم

ان سے جزیہ لے کران کو چھوڑ دواور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نیکی کا حکم دواور گناہ سے روکو جب تم سے قبول کیا جائے۔ پس اگر تم پر لوٹا دیا جائے تو تم پر اپنا آپ لازم ہے۔

ابواُمیہ شعبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اے ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ آپ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کون سی آیت؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان "علیکم انفسکم لایضرکم من ضلّ اذا اھتدیتم" تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے اس آیت کے بارے میں باخبر ہستی سے پوچھا، میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بلکہ تم نیکی کا حکم دواور گناہ سے روکو حتیٰ کہ جب تو دیکھے کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے اور خواہش نفس کے پیچھے چلا جارہا ہے اور دُنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر صاحب رائے کو اپنی رائے اچھی لگتی ہے اور آپ ایسا کام دیکھیں کہ جس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو اپنے آپ کو لازم پکڑو اور عوام کا معاملہ چھوڑ دو کیونکہ تمہارے سامنے اب صبر کے ایام ہیں۔ پس جو شخص ان ایام میں صبر کرے گا تو اس نے جلتے ہوئے انگارے کو ہاتھ میں لیا۔ اس زمانے میں نیک کام کرنے والے کو اس جیسا کام کرنے والے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ راویوں نے یہ اضافہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کے پچاس آدمیوں کے برابر اجر؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے پچاس آدمیوں کے برابر اجر ہوگا۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت کا نزول اہل البدعت کے بارے میں ہوا۔ ابو جعفر رازی نے ذکر کیا کہ صفوان بن محرز کے پاس ایک بدعتی نوجوان آیا اور اپنی کسی بات کا ذکر کرنے لگا۔ صفوان نے کہا میں تم کو کلام اللہ کی ایک خاص آیت سناتا ہوں جس میں اللہ نے اپنے اولیاء کا مخصوص طور پر ذکر کیا ہے اور وہ یہ آیت یا یھا الذین امنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم. (اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا) اس سے مراد گمراہ اور ہدایت یافتہ سب اللہ کی طرف لوٹیں گے۔ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ط تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تمہارے آپس میں دو شخص وصی ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب وصیت کرنے کا وقت ہو۔ وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے دو شخص ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جاوے اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک لو پھر دونوں خدا کی قسم

کھادیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے اگر چہ کوئی قرابتدار بھی ہوتا اور اللہ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے ہم اس حالت میں سخت گناہگار رہوں گے۔

تفسیر ۱۰۶ (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اے ایمان والو! گواہ درمیان تمہارے)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ کا شان نزول

اس آیت کا شان نزول وہ ہے جو روایت کیا گیا ہے کہ تمیم بن اوس داری اور عدی بن زید مدینہ سے تجارت کے لیے شام کی طرف گئے، یہ دونوں نصرانی تھے اور ان دونوں کے ساتھ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مولیٰ بدیل تھے جو کہ مسلمان ہو چکے تھے۔ شام پہنچ کر حضرت بدیل رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو انہوں نے ایک خط میں اپنے تمام سامان کی تفصیل لکھ کر اس کو تھیلے میں ڈال دیا اور اپنے دونوں ہم سفروں کو اس بات کی خبر نہیں کی۔ جب مرض نے شدت پکڑی تو حضرت بدیل رضی اللہ عنہ نے تمیم اور عدی کو وصیت کی کہ ان کا سامان ان کے گھر والوں کو واپس جا کر دے دیں اور حضرت بدیل رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔ ان دونوں نے سامان کی تلاشی لی اور اس میں سے چاندی کا ایک برتن ملا جس پر سونے کے نقش و نگار تھے۔ اس برتن میں تین سو مثقال چاندی تھی۔ انہوں نے وہ چھپا لی اور اپنی تجارتی ضرورت پوری کر کے واپس مدینہ جا کر سامان ان کے گھر والوں کو دے دیا، انہوں نے تلاشی لی تو اس میں وہ خط مل گیا جس میں سامان کی تفصیل تھی تو وہ لوگ تمیم اور عدی کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا بدیل نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز بیچی تھی؟ ان دونوں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا کیا کوئی تجارت کی تھی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا مرض اتنا لمبا ہوا تھا کہ اپنے مال میں سے کچھ مرض پر خرچ کیا ہو؟ ان دونوں نے جواب دیا نہیں تو گھر والے کہنے لگے ہمیں ان کے سامان میں ایک خط ملا ہے جس میں سامان کی تفصیل ہے لیکن اس سامان میں سے چاندی کا ایک برتن جس پر سونے کے نقش و نگار ہیں اور اس میں تین سو مثقال چاندی تھی وہ نہیں ہے تو وہ دونوں کہنے لگے اس برتن کا ہمیں علم نہیں، ہمیں انہوں نے سامان پہنچانے کی وصیت کی تھی وہ ہم نے کر دیا۔ اس برتن کا علم نہیں تو یہ لوگ یہ جھگڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے وہ دونوں نصرانی انکار پر ڈٹ گئے اور قسم کھالی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ اے ایمان والو! گواہ درمیان تمہارے جبکہ پہنچے کسی کو تم میں موت وصیت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں) یعنی چاہیے کہ دو شخص گواہی دیں اس کے الفاظ خبر کے ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے امر ہے اور کہا گیا ہے کہ بے شک آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے درمیان وصیت پر گواہی موت کے وقت دو آدمی ہیں۔ ان دو آدمیوں کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے کہا کہ وہ دو گواہ مراد ہیں جو موصی کی وصیت پر گواہی دیں اور دیگر حضرات نے کہا کہ خود وصی مراد ہیں اس لیے کہ آیت دو وصی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس لیے کہ آگے فرمایا (کہ کھڑا کرو ان دونوں کو نماز کے بعد وہ دونوں قسم کھائیں) اور گواہ پر قسم لازم نہیں ہوتی اور وصی کو دو بنانا تاکید کے لیے

ہے۔اس صورت میں شہادت حاضر ہونے کے معنی میں ہوگی۔(ذوا عدل منکم تم میں سے) یعنی اے مؤمنو! تمہارے گروہ میں سے (اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ یا دو گواہ اور ہوں تمہارے سوا) یعنی تمہارے دین اور ملت کے علاوہ سے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔اسی کے ابن عباس اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما قائل ہیں۔

اور سعید بن مسیب ابراہیم نخعی سعید بن جبیر مجاہد اور عبیدہ کا یہی قول ہے پھر ان حضرات کا آیت کے حکم میں اختلاف ہے نخعی اور ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت کا حکم منسوخ ہے اہل ذمہ کی شہادت ابتداء میں مقبول تھی پھر منسوخ کردی گئی اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ یہ حکم اب بھی ثابت ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب مسلمان گواہ نہ ملیں تو دو کافروں کو گواہ بنائیں گے۔ شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اجنبی ملک میں ہو اور کوئی ایسا مسلمان نہ مل رہا ہو جس کو اپنی وصیت پر گواہ بنائے تو دو کافروں کو گواہ بنالے چاہے وہ کسی بھی دین سے تعلق رکھتے ہوں۔اہل کتاب ہوں یا بت پرست ان کی گواہی اس صورت میں جائز ہے۔ کسی کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف صرف سفر میں وصیت کے بارے میں ہی جائز ہے اس کے علاوہ جائز نہیں۔

شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان شخص دقوق علاقہ میں مرگیا اور کوئی مسلمان اپنی وصیت پر گواہ بنانے کے لیے نہ ملا تو اس نے اہل کتاب کے دو آدمیوں کو گواہ بنا دیا، وہ دونوں اس کا ترکہ لے کر کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اس کی وصیت اور ترکہ کے بارے میں ان کو بتایا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ والے معاملہ کے بعد نہیں ہوا تو ان دونوں سے قسمیں اُٹھوائیں اور ان کی گواہی کو جاری کردیا اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ "ذوا عدل منکم" کا مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کے خاندان یا قبیلے کے لوگ یا اس کے خاندان اور قبیلے کے علاوہ دو لوگ گواہ ہوں اور یہی حسن، زہری اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ کافر کی گواہی کسی حکم میں بھی جائز نہیں ہے۔(اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ اگر تم نے سفر کیا ہو زمین میں پھر پہنچے تم کو مصیبت موت کی) پھر تم نے ان دونوں کو وصیت کی ہو اور اپنا مال ان کو دے دیا ہو اور ان دونوں پر تمہارے بعض وارث خیانت کی تہمت لگائیں تو اس میں حکم یہ ہے کہ (تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ کھڑا کرو ان دونوں کو بعد نماز کے) اور "من صلۃ" ہے۔اس سے عصر کی نماز مراد ہے۔ یہی شعبی، نخعی، سعید بن جبیر، قتادہ اور اکثر مفسرین رحمہما اللہ کا قول ہے اس لیے کہ تمام دین والے اس وقت کی تعظیم کرتے ہیں اور اس میں جھوٹی قسم سے بچتے ہیں۔

اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے دین والوں کی نماز کے بعد کا وقت مراد ہے کیونکہ وہ کافر لوگ عصر کی نماز کی پروا نہیں کرتے۔(فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ وہ دونوں قسم کھائیں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے) یعنی اگر تمہیں ان گواہوں کے قول اور سچائی میں شک ہو جو تمہارے دین والے نہیں تو ایسا کرو لیکن اگر گواہ مسلمان ہوں تو ان پر قسم نہیں ہے۔(لانشتری ثمنا کہیں کہ ہم نہیں لیتے قسم کے بدلے مال) یعنی ہم اللہ کی جھوٹی قسم نہیں کھا رہے کہ اس کے بدلے کوئی عوض یا مال ہم حاصل کریں یا حق کا انکار کریں۔(وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت بھی ہو) اگرچہ جس کے حق میں گواہی دی گئی ہے وہ ہمارا قریبی

رشتہ دار ہو۔(وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی) یہاں گواہی کی نسبت اللہ کی طرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گواہی کے دینے کا حکم دیا ہے اور اس کے چھپانے کو منع کیا ہے۔(اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ نہیں تو ہم بے شک گناہ گار ہیں)یعنی اگر ہم نے اس کو چھپایا تو ہم گناہ گاروں میں ہو جائیں گے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور تمیم اور عدی کو بلا کر منبر کے پاس ان الفاظ سے قسم اُٹھوائی کہ اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ ان دونوں نے کوئی خیانت نہیں کی اس چیز میں جو ان کو دی گئی انہوں نے اس پر قسم اُٹھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔ پھر برتن ظاہر ہو گیا اور اس کے ظاہر ہونے کے طریقے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ وہ برتن مکہ میں پایا گیا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ جب کافی عرصہ گزر گیا تو انہوں نے اس برتن کو ظاہر کیا تو بنو سہم ان کے پاس پہنچے کہ یہ کہاں سے آیا؟ ان دونوں نے کہا کہ یہ ہم نے حضرت بدیل رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا تو انہوں نے کہا کہ تم نے کہا تھا کہ بدیل نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز نہیں بیچی تھی تو وہ دونوں کہنے لگے کہ اس خریداری پر ہمارے پاس گواہی نہیں تھی تو ہم نے تمہارے سامنے اقرار کرنا نامناسب سمجھا۔ اس لیے چھپالیا تو یہ حضرات ان دونوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: پھر اگر اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب تر ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے یہ دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں خدا کی قسم کھاویں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ راست ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا ورنہ ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے یہ قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد قسمیں متوجہ کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو رہنمائی نہ کریں گے۔

تفسیر ۱۰۷......(فَاِنْ عُثِرَ ان کی خیانت پر مطلع ہو جاؤ۔ عثور کا اصل معنی کسی شے پر گرنا ہے (عَلٰٓى اَنَّهُمَا) یعنی وصی (اسْتَحَقَّآ اِثْمًا) اپنی خیانت اور جھوٹی گواہی کی وجہ سے گناہ کے مستحق ہوئے (فَاٰخَرٰنِ) میت کے اولیاء میں سے (يَقُوْمٰنِ

مَقَامَهُمَامِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ) ان میں سے کہ جن کا حق دبا ہے۔ میں اکثر حضرات کی قرأت تاء کے پیش کے ساتھ مجہول کے صیغہ پر ہے اور علیٰ بمعنی فی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عَلٰی ملک سلیمان" یعنی سلیمان کے ملک میں اور حفص نے "استحق" پڑھا ہے تاء اور حاء کے فتحہ کے ساتھ اور یہی علی اور حسن رحمہما اللہ کی قرأت ہے یعنی ان پر گناہ ثابت ہو گیا۔ (عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت کے) یہ آخران کی صفت ہے۔ یعنی دوسرے دو میت کے قریبی رشتہ دار آخران نکرہ ہے اور اولیان معرفہ یہ اس وجہ سے ٹھیک ہے کہ آخران معنی کے اعتبار سے معرفہ کی طرح ہے کیونکہ اس کے بعد "من الذین" کا لفظ ہے۔ اولیان اولیٰ کا تثنیہ ہے۔ اس کا معنی قریب ترین۔ حمزہ، ابوبکر نے عاصم اور یعقوب سے "الاوّلین" پڑھا ہے جمع کا صیغہ بنا کر تو یہ اس صورت میں "الذین" سے بدل ہوگا اور اس جمع سے بھی مراد میت کے اولیاء ہی ہوں گے اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب قسم اُٹھانے والوں کی خیانت ظاہر ہو تو میت کے قریبی رشتہ داروں میں سے دو آدمی کھڑے ہوں (فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا) یعنی ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ حق ہے۔ (وَمَا اعْتَدَيْنَآ) اپنی قسموں میں (اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ) جب یہ آیت نازل ہوئی تو عمرو بن عاص اور مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہما دونوں حصہ دار کھڑے ہوئے اور عصر کے بعد قسم اُٹھائی تو برتن ان حضرات کو اور میت کے اولیاء کو دے دیا گیا۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا میں نے برتن چھپایا تھا، میں اللہ کی طرف توبہ کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ یہاں قسم اولیاء کی طرف اس وجہ سے منتقل ہوئی کہ ان دونوں وصی حضرات نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے اس کو خریدا ہے اور وصی جب میت کے مال سے کوئی چیز لے اور کہے کہ اس چیز کی میت نے میرے لیے وصیت کی ہے تو انکار کی صورت میں وارث سے قسم لی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی کے قبضہ میں موجود سامان کا دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے اور وہ شخص اقرار کرلے کہ اس کا تھا لیکن میں نے اس سے خرید لیا تھا تو مدعی سے قسم لی جائے گی کہ اس نے یہ چیز اس کو نہیں بیچی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تمیم داری رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ خود فرماتے تھے کہ ہم نے اس برتن کو ہزار درہم کے بدلے میں بیچا تھا اور میں نے اور عدی نے اس کو تقسیم کرلیا۔ پھر جب میں اسلام لایا تو اس کو گناہ سمجھا اور میت کے رشتہ داروں کے پاس آیا اور ان کو خبر دی کہ اتنا ہی مال میرے ساتھی کے پاس بھی ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عمرو اور مطلب رضی اللہ عنہما نے قسم اُٹھائی تو عدی سے پانچ سو درہم لیا گیا اور میں نے بھی پانچ سو درہم واپس کر دیا۔

⑩⑧ (ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ) یہ جو ہم نے دوبارہ قسم اُٹھوانے کا فیصلہ کیا ہے یہ زیادہ مناسب ہے کہ وصی اور تمام لوگ ٹھیک طرح گواہی دیں گے یعنی یہ واقعہ کے مطابق گواہی دینے کا زیادہ قریب طریقہ ہے۔

اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ م بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ یعنی یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ ڈریں قسم کے اُلٹا پڑنے سے مدعی پر کیونکہ جب وہ لوگ ان کی قسم کے بعد قسم اُٹھائیں گے کہ انہوں نے خیانت کی اور جھوٹ بولا تو یہ رُسوا بھی ہوں گے اور تاوان بھی دینا پڑے گا تو اس ڈر سے جھوٹی قسم نہیں اُٹھائیں گے۔ (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) جھوٹی قسم کھانے اور خیانت کرنے سے (وَاسْمَعُوْا) نصیحت کو (وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَا ذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

(ترجمہ) جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو (مع ان کی امتوں کے) جمع کریں گے پھر ارشاد فرمائیں گے کہ تم کو ان امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا وہ عرض کریں گے کہ ظاہری جواب تو ہم کو معلوم ہے لیکن ان کے دل کی ہم کو کچھ خبر نہیں (اس کو آپ ہی جانتے ہیں کیونکہ) آپ بیشک پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے جبکہ میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی تم آدمیوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور جبکہ میں نے تم کو کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل تعلیم کیں۔ اور جبکہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور برص کے بیماروں کو میرے حکم سے اور جبکہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے (یعنی تمہارے قتل و ہلاک سے) باز رکھا۔ جب تم انکے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا کہ یہ بجز کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں۔

(تفسیر) ﴿۱۰۹﴾ ...... (يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ) اور وہ قیامت کا دن ہے (فَيَقُوْلُ) ان پیغمبروں کو (مَا ذَآ اُجِبْتُمْ) یعنی تمہاری اُمت نے تمہیں کیا جواب دیا تھا اور جب تم نے ان کو میری توحید اور اطاعت کی طرف بلایا تو تمہاری قوم نے کیا جواب دیا؟ (قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو علم ہے آپ کو اس سے زیادہ علم ہے اور کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس سوال کی حکمت معلوم نہیں کیونکہ آپ کو تو اس کا ہم سے زیادہ علم ہے اور ابن جریج کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہمارے بعد انہوں نے دین میں کیا باتیں ایجاد کیں اور ان کا انجام کیا ہوا اس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ) یعنی آپ ہی پوشیدہ اور غیب کا علم رکھتے ہیں ہم تو صرف مشاہدہ کا علم رکھتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری

اُمت کے لوگ حوض پر آئیں گے حتیٰ کہ میں ان کو پہچان لوں گا لیکن وہ مجھ سے دور روک دیئے جائیں گے تو میں کہوں گا میرے ساتھی تو کہا جائے گا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی باتیں گھڑ لی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کی بڑی ہولناکیاں اور جھٹکے ہیں کہ ان میں دل اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے تو اس ہولناکی کی وجہ سے جواب دینا بھول جائیں گے پھر جب حواس واپس آ جائیں گے تو اپنی اُمتوں کے خلاف گواہی دیں گے۔

⑪⓪ (اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نعمت کے ذکر سے اس کا شکر کرنا مراد ہے اور آیت میں "نعمتی مفرد" لفظ کے اعتبار سے واحد ہے لیکن معنی جمع کا ہے کہ میرے احسانات کا شکر کریں (وَعَلٰى وَالِدَتِكَ) پھر آگے نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا (اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ) یعنی جبرئیل علیہ السلام سے (تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں رسول بنایا اور تیس سال رسالت کے بعد وہ دُنیا میں رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اپنی طرف زندہ اُٹھالیا۔ (وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ) لکھنا (وَالْحِكْمَةَ) یعنی علم اور سمجھ (وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا) یعنی زندہ ہو کر اُڑ جاتا (فَتَكُوْنُ طَيْرًام بِاِذْنِيْ) تندرست کرتے تھے (وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى) ان کی قبروں سے زندہ کرکے (بِاِذْنِيْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ) جب انہوں نے آپ علیہ السلام کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا (اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ) یعنی معجزات اور واضح نشانیاں جو ابھی ذکر ہوئیں آیت میں (فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ) یعنی جو نشانیاں عیسیٰ علیہ السلام لائے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "ساحر مبین" پڑھا ہے۔ یہاں بھی اور سورۃ ہود اور صف میں بھی تو اس صورت میں یہاں ساحر کا لفظ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹے گا اور سورۃ ہود میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ⑪① اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑪②

ترجمہ: اور جبکہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہیے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں وہ وقت قابل یاد ہے کہ جب حواریین نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریمؑ! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرما دیں آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو۔

تفسیر: ⑪① (وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ) یعنی ان کو الہام کیا اور ان کے دل میں ڈال دیا اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو حکم دیا اور "اِلٰی صلۃ" ہے اور حواری عیسیٰ علیہ السلام کے خاص ساتھی کو کہتے ہیں۔ (اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ

وَبِرَسُوْلِیْ) رسول سے مراد عیسیٰ علیہ السلام پر (قَالُوْٓا) جب میں نے ان کو توفیق دی (اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ)۔

⓬ (اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ) کسائی رحمہ اللہ نے "هل تستطيع" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور "ربک" کو باء کے زبر کے ساتھ اور یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمہ اللہ کی قرأت ہے یعنی کیا آپ کو یہ طاقت ہے کہ اپنے رب سے دُعا اور سوال کریں اور دیگر حضرات نے "يستطيع" کو یاء کے ساتھ اور "ربک" کو باء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ لوگ اللہ کی قدرت میں شک کرنے والے نہیں تھے بلکہ معنی یہ ہے کیا آپ کے رب ایسا دسترخوان اُتاریں گے یا نہیں؟ جیسے آدمی اپنے دوست کو کہتا ہے کہ کیا تو یہ طاقت رکھتا ہے کہ میرے ساتھ کھڑا ہو؟ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کام کی طاقت رکھتا ہے۔ صرف یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ یہ کام تو کرے گا یا نہیں؟ اور بعض نے کہا کہ "يستطيع" "يطيع" کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا کہ اطاع اور استطاع کے ایک ہی معنی ہیں۔ جیسے اجاب اور استجاب کے۔

نزول مائدہ کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سوال

اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کیا آپ کا رب آپ علیہ السلام کے سوال کو قبول کر کے آپ کی اطاعت کرے گا؟ اور آثار میں بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کرے اللہ اس کی اطاعت کرتا ہے اور بعض مفسرین نے آیت کا ظاہری معنی ہی مراد لیا ہے کہ اس قوم سے غلطی سے یہ بات ہوگئی تھی ابھی اللہ تعالیٰ کی معرفت مستحکم نہ ہوئی تھی تو بشریت سے یہ غلطی ہوگئی تو عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی اس غلطی کے وقت اس قول کو بہت بڑا سمجھتے ہوئے فرمایا یعنی اس کی قدرت میں شک نہ کرو (اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ) مائدہ وہ دسترخوان جس پر کھانا ہو۔ یہ فاعلة کے وزن پر ہے۔ "مَادَهٗ يَمِيْدُهٗ" سے یہ بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کو کھانا دے اور اس کو کھلا دے اور مائدۃ کھانے والوں کو کھانے کی دعوت کو کہتے ہیں اور مجازاً کھانے کو بھی مائدۃ کہہ دیتے ہیں کیونکہ وہ بھی دسترخوان پر کھایا جاتا ہے۔

اہل کوفہ کہتے ہیں اس کا نام مائدہ رکھا گیا کیونکہ یہ کھانے والوں پر مائل ہوتا ہے اور اہل بصرہ کہتے ہیں فاعلة کا وزن تو مفعولة کے معنی میں ہے۔ یعنی اس کو کھانے والوں کی طرف مائل کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان (عيشة راضية) یعنی پسندیدہ ہے۔

(قال) عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو جواب میں (اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ) تو اس کی قدرت میں شک نہ کرو اور کہا گیا ہے کہ تم اللہ سے ڈرو اس چیز کے مانگنے سے تو تم سے پہلے کی اُمتوں نے نہیں مانگی تو ان کو ایمان لانے کے بعد نشانیوں کا مطالبہ کرنے سے منع کر دیا۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ⓫ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⓮ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا

عَلَیْکُمْ فَمَنْ یَّکْفُرْ بَعْدُ مِنْکُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جاوے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جاویں عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے۔ کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور بعد میں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جاوے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جاوے اور آپ ہم کو عطا فرما دیجئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم پر نازل کرنے والا ہوں پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہاں والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔

تفسیر: ﴿۱۱۳﴾ (قَالُوْا نُرِیْدُ) یعنی ہم نے یہ سوال اس وجہ سے کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ (اَنْ نَّاْکُلَ مِنْهَا) بطور تبرک نہ کہ ضرورت کی وجہ سے تاکہ اللہ کی قدرت کا یقین ہو جائے۔ (وَ تَطْمَئِنَّ (پرسکون ہو جائیں) قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا) کہ آپ اللہ کے رسول ہیں یعنی ہمارا ایمان و یقین بڑھ جائے اور بعض نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ تیس دن روزے رکھیں جب وہ ان کے بعد افطار کریں گے تو اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا تو انہوں نے تیس دن بعد مائدہ کا سوال کیا اور کہنے لگے کہ ہم جان لیں کہ آپ اپنے اس قول میں سچے تھے کہ تیس روزوں کے بعد جو کچھ ہم اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے وہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیں گے (وَنَکُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ) اللہ کی وحدانیت اور قدرت پر اور آپ کی رسالت اور نبوت پر اور کہا گیا ہے کہ اور رہیں ہم گواہ آپ کے بنی اسرائیل کے سامنے جب ہم ان کی طرف لوٹیں گے۔

﴿۱۱۴﴾ (قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ) اس وقت (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ) بعض حضرات نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے غسل کیا اور ٹاٹ کا لباس پہنا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اپنا سر جھکا لیا اور آنکھیں پست کر لیں اور روتے ہوئے یہ دُعا کی (تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا) یعنی ہم پر لوٹے اللہ کی طرف سے حجت اور واضح نشانی بن کر اور عید خوشی کے دن کو کہتے ہیں۔ اس دن کو عید اس وجہ سے کہتے ہیں کہ رنج سے خوشی کی طرف لوٹتا ہے اور یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ کو عید اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ ہر سال میں لوٹ کر آتے ہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس دن میں یہ اُترے گا ہم اس کو عید بنالیں گے اور ہم اور ہمارے بعد والے لوگ اس دن کی تعظیم کریں گے اور سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہم اس دن میں نماز پڑھیں گے۔ "لِاَوَّلِنَا" سے مراد اس زمانے کے لوگ اور "آخرنا" سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے بعد آئیں گے۔ (وَاٰیَةً مِّنْکَ) جو آپ کیلئے دلالت اور حجت ہو (وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ)

﴿۱۱۵﴾ (قَالَ اللّٰهُ) عیسیٰ علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے (اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْکُمْ) اہل مدینہ، ابن عامر اور عاصم نے "منزّلها" کو شد کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ کئی مرتبہ اُتارا گیا تھا اور باب تفعیل تکرار پر دلالت کرتا ہے اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ

پڑھا ہے۔(فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ) خوان کے اُترنے کے بعد(فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ) اس زمانہ کے لوگوں کو تو انہوں نے خوان کا انکار اور ناشکری کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنزیر بنا دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب منافقین اور اصحاب مائدہ میں سے کافروں اور آل فرعون کو ہوگا۔

نزول مائدہ کا واقعہ

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مائدہ نازل ہوا تھا یا نہیں؟ مجاہد اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نازل نہیں ہوا تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے خوان کے انکار پر وعید بیان کی تو لوگوں کو خوف ہوا کہ کہیں ہم میں سے بعض لوگ کافر نہ ہو جائیں اس لیے وہ لوگ باز آ گئے اور کہنے لگے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے تو وہ نہیں اُتارا گیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سوال کرو گے تو یہ اور صحیح قول جس کی طرف اکثر مفسرین گئے ہیں یہ ہے کہ مائدہ اُتارا گیا تھا کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اور اللہ تعالیٰ اپنی خبر کے خلاف نہیں کرتے اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین سے متواتر خبریں موجود ہیں۔ پھر اس مائدہ کی کیفیت میں اختلاف ہوا ہے تو خلاس بن عمرو نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں گوشت روٹی اترتے تھے اور ان کو کہا گیا تھا کہ جب تک تم خیانت نہ کرو اور اس میں سے کچھ نہ چھپاؤ تو تم پر اُترتا رہے گا لیکن ایک دن بھی نہ گزرا کہ انہوں نے خیانت کی اور چھپا لیا تو ان کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنزیر بنا دیا گیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہا تھا کہ تیس دن روزے رکھو پھر اللہ تعالیٰ سے جو چاہو مانگو تمہیں دے گا تو انہوں نے روزے رکھے اور جب فارغ ہوئے تو کہنے لگے اے عیسیٰ علیہ السلام! اگر ہم کسی کے لیے کام کرتے تو وہ ہمیں کھانا نہ کھلاتا؟ اور اللہ تعالیٰ سے مائدہ کا سوال کیا تو فرشتے مائدہ لائے اس پر سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں وہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو اس سے تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔

کعب احبار فرماتے ہیں کہ مائدہ منکوس شکل میں لایا گیا۔ اس کو فرشتے آسمان و زمین کے درمیان اُڑا کر لے آئے اس پر گوشت کے علاوہ تمام کھانے تھے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مائدہ پر ہر چیز اُتاری گئی سوائے روٹی اور گوشت کے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر جنت کے پھل تھے اور عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمان سے مچھلی اُتاری گئی جس میں ہر چیز کا ذائقہ تھا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر روٹی، چاول اور سبزی تھی اور وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جَو کی روٹیاں اور مچھلیاں اُتاریں اور یہ لوگ باری باری کھاتے رہے یہاں تک کہ سب کا پیٹ بھر گیا اور کھانا بچ گیا اور کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ روٹیاں اور مچھلی اُتاری تو انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور وہ لوگ ایک ہزار سے زائد تھے جب وہ اپنی بستیوں کی طرف لوٹے اور یہ باتیں بتلائیں تو جو لوگ وہاں نہیں گئے تھے وہ ہنسنے لگے اور کہنے لگے تمہارا ناس ہو تمہاری آنکھوں پر جادو کیا گیا ہوگا۔ پس جن لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ

نے بھلائی کا ارادہ کیا تھا ان کو اپنی بصیرت پر قائم رکھا اور جن کی آزمائش کا ارادہ کیا وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے اور شکلیں بگاڑ کر خنزیر بنا دیئے گئے۔ ان میں کوئی بچہ اور عورت نہ تھی۔

تین دن اسی حالت میں رہے پھر ہلاک ہوگئے۔ آگے نہ ان کی نسل چلی اور نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ اسی طرح ہر مسخ شدہ قوم کی آگے نسل نہیں چلی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مائدہ صبح، شام وہ جہاں ہوتے وہیں اُترتا جیسے بنی اسرائیل کے لیے من وسلویٰ اُترتا تھا۔ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب حواریوں نے مائدہ کا سوال کیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے اون کا لباس پہنا اور رونے لگے اور دُعا کی تو سرخ چمڑے کا دسترخوان آسمان سے اُترا جس کے اوپر اور نیچے بادل تھا۔ لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ آہستہ سے نیچے اُتر رہا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے بچھ گیا تو عیسیٰ علیہ السلام رو پڑے اور فرمانے لگے اے اللہ! مجھے شکر گزار بندوں میں بنا۔ اے اللہ! اس کو رحمت بنا سزا نہ بنا اور یہود وہ کھانے دیکھ رہے تھے انہوں نے نہ ان جیسے کھانے پہلے دیکھے نہ ایسی عمدہ خوشبو پہلے کبھی سونگھی تھی تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے اچھے اعمال والا کھڑا ہو اور اس کو کھولے اور اللہ کا نام لے تو حواریوں کے سردار شمعون صفار کہنے لگے کہ اس کام کے ہم سے زیادہ آپ لائق ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے، وضو کیا اور بہت لمبی نماز پڑھی اور بہت زیادہ روئے اور پھر کھانے پر سے رومال ہٹا لیا اور فرمایا اللہ کے نام کے ساتھ جو بہتر رزق دینے والا ہے۔ جب کھولا تو وہ بھنی ہوئی مچھلی تھی نہ اس کے سفنے تھے اور نہ کانٹے اس کے سر کی طرف نمک اور دُم کی طرف سرکہ تھا۔ اس کے اردگرد سبزیوں کی اقسام تھیں گندنے کے علاوہ اور پانچ روٹیاں تھیں ایک پر زیتون، دوسری پر شہد، تیسری پر گھی اور چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر خشک گوشت کے ٹکڑے تو شمعون نے سوال کیا اے روح اللہ! (علیہ السلام) یہ دُنیا کے کھانوں میں سے ہے یا آخرت کے کھانوں میں سے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو نہ دُنیا کے کھانوں میں سے ہے نہ آخرت کے کھانوں میں سے لیکن یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی غالب قدرت سے وجود دیا ہے۔ کھاؤ اس سے جو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تم کو اپنے فضل سے زیادہ دے۔

تو وہ کہنے لگے اے روح اللہ! آپ علیہ السلام اس کھانے کی ابتداء کریں تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ کہ میں اس کو کھاؤں جس نے سوال کیا ہے وہ خود کھائے تو وہ لوگ ڈر گئے تو عیسیٰ علیہ السلام نے فاقہ کش لوگوں اور مریضوں اور برص اور جزام والے لوگوں اور اپاہجوں کو بلایا اور کہا اللہ کے رزق سے کھاؤ تمہارے لیے نعمت ہے اور تمہارے علاوہ کے لیے آزمائش ہے تو ان لوگوں نے کھایا اور تیرہ سو مرد وعورت جن میں فقیر، مریض وغیرہ بھی تھے سیر ہوگئے اور مچھلی ویسی رہی جیسے نازل ہوئی تھی۔ پھر مائدہ آسمان کی طرف اُڑا اور وہ لوگ اس کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ پردہ میں چھپ گیا۔ اس سے جس مریض اور اپاہج نے کھایا تھا وہ تندرست ہوگیا اور جس فقیر نے کھایا غنی ہوگیا اور جنہوں نے نہیں کھایا تھا وہ نادم ہوئے۔ یہ خوان چالیس دن چاشت کے وقت اُترتا رہا۔ جب یہ اُترتا تو غنی، فقیر، بچے، بڑے مرد وعورت سب جمع ہو جاتے اور اس سے کھاتے لیکن جب سایہ لوٹتا تو یہ اُڑ جاتا۔ یہ دسترخوان ایک دن چھوڑ کر اُترتا جس طرح قومِ ثمود کی اونٹنی ایک دن چھوڑ کر دودھ دیتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ

السلام کو وحی کی کہ میرے دستر خوان کو فقراء کے ساتھ خاص کر دیں، اغنیاء کو نہ کھانے دیں۔ یہ بات مال داروں کو ناگوار گزری اور خود بھی شک میں مبتلا ہوئے اور لوگوں کو شک میں ڈالنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ دستر خوان حق ہے جو آسمان سے اُترتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میں نے یہ شرط کی تھی کہ جو شخص دستر خوان کے اُترنے کے بعد انکار کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جیسا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا تو عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا (اگر آپ ان کو عذاب دو تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف کر دیں تو بے شک آپ غالب حکمت والے ہیں) تو ان میں سے تین سو تینتیس کی شکل بگاڑ دی گئی وہ رات کو اپنی بیویوں کے ساتھ سوئے تھے صبح کو سُور بن کر گلیوں اور گندگیوں میں دوڑتے پھرتے تھے اور گندگی کھاتے پھرتے تھے۔ جب لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تو گھبرا کر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور رونے لگے اور ان خنزیروں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو یہ بھی رونے لگے اور عیسیٰ علیہ السلام کے اِردگرد چکر لگانے لگے عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہر ایک کا نام لے کر پکارتے تھے تو وہ اپنے سر سے اشارہ کرتے تھے اور روتے تھے لیکن بات کرنے پر قادر نہ تھے تین دن بعد ہلاک ہو گئے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ خدا کے معبود قرار دے لو تو عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ (توبہ توبہ) میں تو آپ کو (شریک سے) منزہ سمجھتا ہوں مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو اس کا علم ہوگا آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہیں۔

تفسیر ۱۱۶ (وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ)

اذ قال اللہ یاعیسی ابن مریم والاقول کب ہوا

مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ قول کب ہوگا؟ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اُٹھایا اس وقت یہ کہا کیونکہ "اِذ" ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور تمام مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بات اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہیں گے کیونکہ آگے اللہ تعالیٰ نے کہا (یوم یجمع اللہ الرسل) اور اس کے بعد کہا (یوم ینفع الصادقین) تو ان دو سے بالاتفاق قیامت کا دن مراد ہے تو یہاں بھی ایسے ہے اور "اِذ" کبھی "اذا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آیت کریمہ

"ولو تری اذ فزعوا" میں "اذا" کے معنی میں ہے اور قیامت کا ہونا کیونکہ یقینی ہے اس لیے اس کو ماضی کے ساتھ ذکر کردیا جاتا ہے۔
(اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) اس سوال کا مقصد عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو ڈرانا ہے جیسا کہ کوئی شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ کیا تو نے یہ یہ کام کیا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے یہ کام نہیں کیا لیکن صرف اطلاع دینے اور اس کام کے بہت بڑے ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے کہتا ہے۔ اس سے استفہام مقصود نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود عبدیت کا اقرار کریں تو ان کی قوم یہ بات سن لے اور ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو جائے۔ اس بات میں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس کا حکم دیا تھا۔ ابوروق کہتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے اس خطاب کو سنا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور جسم کے ہر بال سے خون کے آنسو نکل پڑے اور اللہ تعالیٰ کو جواب میں عرض کیا۔ (قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ط اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ میرے غیب کو جانتے ہیں میں آپ کے غیب کو نہیں جانتا اور کہا گیا ہے کہ آپ میرے راز کو جانتے ہیں اور میں آپ کے راز کو نہیں جانتا اور ابوروق کہتے ہیں کہ آپ جو کچھ مجھ سے دُنیا میں ہوا اس کو جانتے ہیں اور میں جو کچھ آخرت میں آپ سے ہوگا اس کو نہیں جانتا اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفس نام ہے مکمل چیز اور اس کی حقیقت کا۔ یعنی آپ تو میرے معاملہ کی حقیقت کو جانتے ہیں اور میں آپ کے معاملہ کی حقیقت نہیں جانتا۔ (اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ) جو ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ط وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا تو آپ ان پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں

تفسیر ﴿۱۱۷﴾ (مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ) تنہا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ) اپنی طرف اٹھالیا (کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ) ان کے اعمال کی خبر رکھنے والا (وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ)

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۱۸﴾ (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ)

شبہ اوراس کا ازالہ

اگر یہ اعتراض ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے کافر ہونے کے باوجود ان کی مغفرت کا مطالبہ کیسے کردیا۔

جواب ① مطلب یہ ہے کہ اگر تو ان کو کفر پر قائم ہونے کی حالت میں عذاب دے اور اگر ایمان لانے کے بعد ان کی مغفرت کردے۔ یہ جواب سدی رحمہ اللہ کے قول پر درست ہے کہ یہ سوال قیامت کے دن سے پہلے ہو چکا کیونکہ قیامت میں ایمان نفع نہ دے گا۔

جواب ② یہ دیا گیا ہے کہ یہ قول دو جماعتوں کے متعلق ہے کہ اگر ان میں سے کافروں کو آپ عذاب دیں اور مغفرت کریں ان کی جو ان میں سے ایمان لائے اور کہا گیا ہے کہ یہ مغفرت کو طلب کرنے کے لیے نہیں کہا گیا اگر اس طرح ہوتا تو یوں کہتے "انت الغفور الرّحیم" لیکن یہ تو عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر سر جھکانے اور معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کے لیے کہا ہے اور دوسرا سوال تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو "ان تغفرلھم فانّک انت الغفور لھم فانّک انت الغفور الرّحیم" پڑھتے تھے اور ان کے مصحف میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے اور مشہور قرأت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "ان تغفرلھم فانھم عبادک وان تعذّبھم فانّک انت العزیز الحکیم"

اور بعض نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت کریں تو آپ اپنے ملک میں غالب اور اپنے فیصلہ میں حکیم ہیں۔ آپ کی عزت میں سے کچھ کم نہ ہوگا اور آپ کے حکم سے کوئی چیز خارج نہیں ہے اور آپ کی حکمت' مغفرت وسعت رحمت میں کفار داخل ہوں گے لیکن آپ نے خبر دی کہ کفار کی مغفرت نہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی خبر کیخلاف نہیں کرتے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تلاوت کیا (رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ) اے میرے رب، بے شک ان لوگوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا، پس جو میرے پیچھے چلا پس بے شک وہ مجھ سے ہے) اور عیسیٰ علیہ السلام کا قول "ان تعذّبھم فانّھم عبادک الخ" تلاوت کیا اور اپنے ہاتھ اُٹھائے اور کہا اے اللہ! میری اُمت اور رو پڑے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو کہا اے جبرئیل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ حالانکہ تیرا رب خوب جانتا ہے ان سے پوچھو کس چیز نے آپ کو رُلایا ہے تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا تھا اس کی خبر دی تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرئیل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان کو کہہ دو کہ آپ کی اُمت کے بارے میں عنقریب ہم آپ کو راضی کریں گے اور آپ کو رُسوا نہ کریں گے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۔ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۰﴾

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماویں گے کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آوے گا ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں یہ بڑی بھاری کامیابی ہے اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

(تفسیر) ﴿۱۱۹﴾ (قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ) نافع نے یوم کو میم کے زبر سے پڑھا ہے اور یہ اصل میں "فی یوم" تھا فی کو حذف کر کے یوم کو زبر دیا گیا اور باقی حضرات نے یوم کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ "ھذا" کی خبر ہے یعنی سچوں کو دُنیا میں نفع دے گا ان کا سچ آخرت میں اور اگر وہ جھوٹ بولیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے اعضاء بول پڑیں گے جس کی وجہ سے وہ رسوا ہو جائیں گے اور کہا گیا ہے کہ صادقین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین کو ان کا ایمان نفع دے گا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو گفتگو کرنے والے غلطی نہ کریں گے۔

❶ عیسیٰ علیہ السلام ان کا واقعہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔

❷ اللہ کا دشمن ابلیس اور وہ اللہ کے فرمان (وقال الشیطان لما قضی الامر اور کہے گا شیطان جب معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا) میں مذکور ہے تو اس دن اللہ کا دشمن سچ بولے گا اور اس سے پہلے جھوٹا تھا تو اس کا سچ اس کو نفع نہ دے گا اور عیسیٰ علیہ السلام دُنیا و آخرت میں سچے ہیں تو ان کا سچ ان کو نفع دے گا۔ (لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ)

﴿۱۲۰﴾ (لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ)

سُوْرَةُ الْاَنْعَام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ سورت مکی ہے اس کی ایک سو پینسٹھ آیات ہیں یہ مکہ میں رات کو ایک مرتبہ مکمل نازل کی گئی، اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے انہوں نے مشرق و مغرب کے درمیان کا خلا پُر کر دیا تھا ان کی تسبیح، تحمید، تجید کی گنگناہٹ تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبحان ربّی العظیم ...... سبحان ربّی العظیم" کہتے ہوئے سجدہ میں چلے گئے اور مرفوع روایت ہے کہ جس شخص نے سورۃ انعام پڑھی تو یہی ستر ہزار فرشتے اس دن اور اس کی رات اس کے لیے رحمت کی دُعا کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں نازل ہوئی سوائے چھ آیات کے کہ یہ مدنی ہیں۔ "وما قدروا الله حق قدره" سے تین آیات اور "قل تعالوا" سے "لعلکم تتقون" تک۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

(ترجمہ) تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں کو اور نور کو بنایا پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(تفسیر) ① (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ) کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ توریت کی پہلی آیت ہے اور توریت کی آخری آیت (وقل الحمدلله الذی لم يتخذ ولداً اور آپ کہہ دیجئے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اولاد نہیں بنائی) ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ابتداء حمد سے کی اور فرمایا "الحمدللّٰه الّذی خلق السّمٰوٰت والارض" اور اس کو ختم بھی حمد کے ساتھ کیا اور کہا "وقضی بینهم بالحق مخلوقات کے درمیان وقیل الحمد لله ربّ العلمین" (بعض نے کہا اس کا مطلب ہے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کی بندوں کو سکھانے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ صرف آسمان و زمین کو ذکر کیا اس لیے کہ یہ مخلوقات میں سب سے بڑے ہیں بندوں کی نگاہ میں اور ان دونوں میں کئی عبرتیں اور منافع ہیں

بندوں کے لیے۔(وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ) یہاں جعل خلق کے معنی میں ہے۔ واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں بھی ظلمات اور نور مذکور ہیں وہ کفر اور ایمان ہیں۔ سوائے اس آیت کے کیونکہ اس میں رات اور دن مراد ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنایا اندھیرا اور اُجالا یعنی کفر اور ایمان اور کہا گیا ہے کہ ظلمات سے جہالت اور نور سے علم مراد ہے اور قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یعنی جنت اور جہنم کو بنایا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین سے پہلے اور تاریکی کو اُجالے سے پہلے اور جنت کو جہنم سے پہلے پیدا کیا۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ ڈال دیا تو جس کو وہ نور پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جس سے چوک گیا وہ گمراہ ہوگیا۔(ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ)

یعنی اس کے بیان کے بعد بھی یہ کافر لوگ اپنے رب کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ عدل کا اصل معنی شے کے برابر کسی دوسری شے کو بنانا۔ یعنی اللہ کے برابر غیر اللہ کو بناتے ہیں اور بعض نے کہا نضر بن شمیل نے کہا کہ باء عن کے معنی میں ہے یعنی اپنے رب سے اعراض کرتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس آیت کے تحت بڑا لطیف معنی ہے جیسے کوئی کسی کو کہے کہ میں نے تم پر اتنے احسانات کیے پھر تم نے میرے احسانات کی ناشکری کی۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ❷ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ❸

ترجمہ: وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت معین کیا اور دوسرا معین وقت خاص اللہ ہی کے نزدیک ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے ظاہر احوال کو بھی جانتے ہیں۔ اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں

تفسیر ❷ (هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ) یعنی آدم علیہ السلام کو۔ تمام لوگوں کو یہ خطاب اس وجہ سے کیا کہ وہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق کیلئے زمین سے مٹی لینے کا واقعہ

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو زمین کی طرف بھیجا کہ اس کا کچھ حصہ لائیں تو زمین نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے کہ تو میرا کوئی حصہ کم کرے تو جبرئیل علیہ السلام خالی ہاتھ واپس لوٹ گئے اور کچھ نہ لیا اور کہا اے میرے رب! اس نے آپ کی پناہ لی ہے۔ پھر میکائیل علیہ السلام کو بھیجا تو وہی معاملہ ہوا پھر موت کے فرشتے کو بھیجا۔ اس نے اللہ کی پناہ مانگی تو اس نے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ اس کے حکم کی مخالفت کروں تو زمین سے مٹی لی اور سرخ، سیاہ اور سفید مٹی کو ملا دیا۔ اسی وجہ سے بنی آدم کے رنگ مختلف ہوگئے پھر اس کو میٹھے، نمکین اور کڑوے پانی سے گوندھا تو اس وجہ سے ان

کے اخلاق مختلف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو کہا کہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام نے زمین پر رحم کیا اور تو نے رحم نہیں کیا تو اس مٹی سے میں جن کو پیدا کروں گا ان کی روح بھی تو اپنے ہاتھ سے نکالنا۔ (ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ پھر مقرر کر دیا ایک وقت اور ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک)

ثم قضی اجلاً کی تفسیر

حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے اجل سے مراد ولادت سے موت تک کا وقت ہے اور دوسرے اجل سے موت سے دوبارہ اُٹھنے تک کا اور وہ برزخ ہے اور یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور انہوں نے فرمایا کہ ہر ایک کے لیے دو مدتیں ہیں ایک مدت پیدائش سے موت تک اور دوسری موت سے بعثت تک۔ پس اگر نیک، متقی اور رشتوں کو جوڑنے والا ہو تو اس کی بعثت کی مدت سے زندگی کی مدت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اور اگر گناہ گار رشتوں کو توڑنے والا ہو تو اس کی عمر کی مدت میں کمی ہو جاتی ہے اور بعثت کی مدت میں اضافہ اور مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی مدت دُنیا کی اور دوسری آخرت کی ہے اور عطاء رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "ثم قضی اجلاً" سے مراد نیند ہے کہ اس میں روح قبض کی جاتی ہے اور پھر بیداری کے وقت لوٹا دی جاتی ہے۔ "واجلٌ مسمّی عنده" سے موت کا وقت مراد ہے۔ (ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ)

③ (وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ) یعنی آسمانوں اور زمین کا معبود اللہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا (اور وہی ہے آسمان میں معبود اور زمین میں معبود) اور محمد بن جریر رحمہ اللہ نے کہا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ آسمانوں میں ہے تمہارے پوشیدہ اور ظاہر کو زمین میں جانتا ہے اور زجاج فرماتے ہیں کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی اور وہ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَهْرَکُمْ اللہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ اور ظاہر کو آسمانوں اور زمین (وَیَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو)۔ جو تم خیر اور شر کو جانتے ہو

وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا کَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ④ فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ⑥ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ⑦

(ترجمہ) اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں سو انہوں نے اس سچی کتاب کو بھی جھوٹا بتلایا جبکہ وہ ان کے پاس پہنچی سو جلدی ہی ان کو خبر مل جاوے گی اس چیز کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو

ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی۔ اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے۔

تفسیر ❹ (وَمَا تَاْتِیْهِمْ) یعنی مکہ والوں کے پاس (مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ) جیسے چاند کا ٹکڑے ہونا وغیرہ اور عطاء فرماتے ہیں کہ قرآن کی آیات مراد ہیں (اِلَّا کَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ) یعنی اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں۔

❺ (فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ) قرآن کو اور کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں (لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ) یعنی ان کے استہزاء کی خبر اور اس کا بدلہ یعنی عنقریب اپنے استہزاء کا انجام جان لیں گے جب ان کو عذاب دیا جائے گا۔

❻ (اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ)

قرن کی تفسیر

یعنی پہلی اُمتیں اور قرن لوگوں کی جماعت اس کی جمع قرون آتی ہے اور کہا گیا ہے کہ زمانے کی ایک مدت کو قرن کہتے ہیں۔ بعض نے وہ مدت اسی سال بعض نے ساٹھ سال بعض نے چالیس اور بعض نے تیس سال بتائی ہے اور سو سال کو بھی قرن کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن بشر مازنی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ ایک قرن زندہ رہیں گے تو وہ سو سال زندہ رہے۔ ان تمام اقوال کے مطابق معنی یہ ہے کہ اہل قرآن کو (مَکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ) یعنی ان کو وہ کچھ دیا جو تمہیں نہیں دیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو عمر میں مہلت دی جیسے نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد و ثمود کو کہا جاتا ہے مکنته ومکنت له۔ (وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا) یعنی بارش کو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "مدراراً" کا معنی یہ ہے کہ ضرورت کے وقت میں لگاتار برستی تھی اور باری تعالیٰ کا قول (مالم نمکن لکم) خطاب تکوین ہے۔ اپنے قول (الم یروا) خبر سے خطاب کی طرف رجوع کیا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول (حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بهم) ہے اور اہل بصرہ فرماتے ہیں ان کی خبر دی۔ (الم یروا) اس میں محمدؐ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے پھر ان کو ان کے ساتھ خطاب کیا۔ (وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ہم نے اس کو پیدا کیا اور اس کی ابتداء کی)

❼ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث اور عبداللہ بن ابی اُمیہ اور نوفل بن خویلد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ کہنے لگے اے محمد! ہم آپ پر تب تک ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے

یہ لکھا ہوا نہ لائیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور چار فرشتے گواہ ہوں جو بتائیں کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے اور آپ اس کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ جو ان کے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔

(فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ) یعنی اس کا معائنہ کر کے اپنے ہاتھ سے چھولیں۔ آیت میں صرف چھونے کا ذکر ہے معائنہ کا نہیں کیونکہ چھونے سے معائنہ کی بنسبت زیادہ علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ جادو کا اثر آنکھوں سے دیکھی جانے والی چیز پر تو ہو جاتا ہے لیکن چھونے والی چیز پر نہیں ہوتا۔ (لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ) مطلب یہ ہے کہ ان کو کوئی چیز نفع نہ دے گی کیونکہ ان کے بارے میں میرے علم میں یہی ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪

ترجمہ: اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جو اب اشکال کر رہے ہیں اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزا کیا گیا ہے پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب سے آ گھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے آپ فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔

تفسیر: ⑧ (وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ) یعنی عذاب واجب ہو جائے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کفار کے معاملہ میں طریقہ رہا ہے کہ جب وہ کسی نشانی کا مطالبہ کریں اور وہ اُتاری جائے اس کے بعد بھی ایمان نہ لائیں تو عذاب کے ذریعے ان کو جڑ سے اُکھاڑ دیا جاتا ہے (ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ) یعنی نہ ان کو کوئی مدت میعاد دی جائے گی اور نہ ہی مہلت دیئے جائیں گے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم فرشتہ اُتارتے پھر وہ ایمان نہ لاتے تو ان پر جلدی عذاب آ جاتا اور آنکھ جھپکنے کی مہلت نہ دی جاتی اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لقضی الامر" یعنی قیامت قائم ہو جاتی اور ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر فرشتہ اپنی صورت میں ان کے پاس آتا تو وہ سب مر جاتے۔

⑨ (وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا) یعنی اگر ان کی طرف کوئی فرشتہ بھیجتے (لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا) کیونکہ وہ فرشتہ کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے اور دو فرشتے داؤد علیہ السلام کے پاس دو مردوں کی صورت میں آئے (وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ) یعنی ان پر معاملہ مشتبہ کر دیتے تو ان

کو پتہ نہ چلتا کہ یہ فرشتہ ہے یا آدمی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اہل کتاب جنہوں نے اپنے دین میں فرقے کئے اور کلمات کو ان کی جگہ سے پھیرا تو اللہ نے ان پر معاملہ مشتبہ کردیا جوانہوں نے اپنے اوپر مشتبہ کیا تھا۔ اور زہری رحمہ اللہ نے (للبسنا) شد کے ساتھ پڑھا ہے تکریر اور تاکید کی بنا پر۔

⑩ (وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ) جیسا کہ آپ علیہ السلام کے ساتھ ہنسی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے (فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ) ان کے استہزاء کے بدلے عذاب نے۔

⑪ (قل) اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان جھٹلانے والوں اور ہنسی کرنے والوں کو (سیروفی الارض) عبرت حاصل کرنے کے لیے (ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ) ان کے معاملہ کی جزاء کیا ہوئی؟ اور کفر اور تکذیب نے ان کو کیسے ہلاک کردیا۔ اس آیت میں کفار مکہ کو پہلی اُمتوں کے عذاب سے ڈرایا جارہا ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬

(ترجمہ) آپ کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملک ہے آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز جمع کریں گے اس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کرلیا ہے سو وہ ایمان نہ لاویں گے اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں اور وہی ہے بڑا سننے والا بڑا جاننے والا۔

(تفسیر) ⑫ (قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) اگر جواب دیں تو ٹھیک ورنہ آپ خود کہہ دیں (قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ) فیصلہ کیا (عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفقت کا اظہار ہے ان لوگوں کے لیے جو اس سے پیٹھ پھیر رہے ہیں تاکہ وہ اس پر متوجہ ہوں اور خبر ہے کہ اللہ بندوں پر مہربان ہے جلدی سزا نہیں دیتا اور توبہ اور رجوع کو قبول کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور ایک تحریر لکھی جو اللہ کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا میری رحمت میرے غصہ سے سبقت لے گئی ہے۔ (رواہ البخاری)

اللہ تعالیٰ کی سو رحمتوں میں سے ایک رحمت دنیا کیلئے ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے لیے سو رحمتیں ہیں ایک رحمت جن، انسانوں، جانوروں اور حشرات کے درمیان تقسیم کردی۔ پس اسی کی وجہ سے ایک دوسرے پر شفقت اور رحم کرتے

ہیں اور اسی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر شفیق ہیں اور ننانوے رحمتیں اللہ نے مؤخر کردی ہیں ان کے ذریعے اپنے بندوں پر قیامت کے دن رحم کریں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے ان میں ایک عورت تھی جس کے پستان سے دودھ نکل رہا تھا وہ قیدیوں میں جس چھوٹے بچے کو پاتی تو اس کو پکڑ کر اپنے ساتھ چمٹا لیتی اور دودھ پلا دیتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی تو ہم نے عرض کیا نہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس عورت کے اپنے بچے پر رحم کرنے سے زیادہ رحم کرتے ہیں (لَيَجْمَعَنَّكُمْ) اس میں لام قسم کا ہے اور نون تاکید کا ہے۔ یعنی اللہ کی قسم اللہ تم کو ضرور اکٹھا کرے گا (اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ) قیامت کے دن میں اور کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تم کو تمہاری قبروں میں قیامت کے دن تک جمع کرے گا (لَا رَيْبَ فِيْهِ ۚ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ)۔

⑬ (وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ) قرار پکڑتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ مراد وہ چیز ہے جو ساکن اور متحرک ہوتی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان "سرابيل تقيكم الحر" میں مطلب یہ ہے کہ وہ تمہیں گرمی اور سردی سے بچاتی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ سکون کو ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں نعمت زیادہ ہے اور محمد بن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس چیز پر سورج طلوع اور غروب ہو وہ "ساكن الليل والنهار" ہے اور اس سے مراد زمین کی تمام چیزیں ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اسی کے لیے ہے جس پر رات اور دن گزرتے ہیں۔ (وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۗ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰

ترجمہ آپ کہیے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو کہ کھانے کو دیتے ہیں اور ان کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا کسی کو معبود قرار دوں۔ آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جس شخص سے اس روز عذاب ہٹا دیا جاوے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا اور وہ صریح کامیابی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچاویں تو اس کا دور کرنے والا اسوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچاویں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر ⑭ (قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے آباء واجداد کے دین کی طرف بلایا گیا

تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا کسی کو میں اپنا رب اور معبود اور مددگار بناؤں؟ (فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ) یعنی ان کا خالق اور ایجاد کرنے والا ہے۔ (وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ) یعنی وہ رزق دیتا ہے اس کو رزق نہیں دیا جاتا۔ جیسا کہ خود دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں ان سے کسی رزق کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔ (قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ) یعنی اس اُمت میں سے اور اسلام یہاں اللہ کے حکم کے آگے سر جھکانے کے معنی میں ہے (وَلَا تَكُوْنَنَّ) یعنی مجھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تو ہرگز نہ ہو (مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)۔

⑮ (قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ) کہ اس کے غیر کی عبادت کروں (عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ) یعنی قیامت کے دن کے عذاب سے۔

⑯ (مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ) یعنی جس سے وہ عذاب ٹال دیا گیا۔ حمزہ اور کسائی اور ابوبکر نے عاصم اور یعقوب سے روایت کر کے "يَصْرِفْ" یاء کے زبر اور راء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی جس سے اللہ عذاب ٹال دے تو اس پر رحم کیا اور باقی حضرات نے یاء کے پیش اور راء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ (يَوْمَئِذٍ) یعنی قیامت کے دن (فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ) یعنی واضح نجات۔

⑰ (وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ) خیر اور نقصان میں سے۔

اللہ کے احکام کی حفاظت کرنے والے کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر کسریٰ نے ہدیہ کیا تو آپ علیہ السلام بالوں کی ایک رسی ڈال کر اس پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے سوار کیا اور تھوڑا سا چلے پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے لڑکے! میں نے کہا میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اللہ کی حفاظت کر وہ تیری حفاظت کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کر اللہ کو اپنے سامنے پائے گا تو اللہ کو پہچان آسودگی میں وہ تجھے پہچانے گا سختی اور تنگی میں اور جب تو سوال کرے تو صرف اللہ سے سوال کر اور جب تو مدد طلب کرے تو صرف اللہ سے مدد طلب کر اور تحقیق قلم جاری ہو چکا ان چیزوں پر جو آگے ہوں گی اگر تمام مخلوق کوشش کرے کہ تجھے نفع دے اس چیز کا جو اللہ نے تیرے لیے فیصلہ نہیں کیا تو وہ اس پر قادر نہیں ہیں اور اگر تمام مخلوق کوشش کرے کہ تجھے وہ نقصان دے جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر نہیں لکھا تو وہ اس پر قادر نہیں۔ اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ تو صبر کرے یقین کے ساتھ تو ایسا کر اگر طاقت نہیں رکھتا تو صرف صبر کر کیونکہ ناپسند چیز پر صبر کرنے میں بہت بڑی بھلائی ہے اور بیشک کشادگی تکلیف کے ساتھ آتی ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی آتی ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ شَهِيْدٌۢ بَيْنِیْ وَ بَيْنَكُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ

اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ط قُلْ لَّآ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ م اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳

ترجمہ: اور وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں آپ کہیے کہ سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے آپ کہیے کہ میرے تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تا کہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا ہے سو وہ ایمان نہ لاویں گے۔

تفسیر: ⑱ (وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ) وہ غالب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ تدبیر میں منفرد ہے۔ مخلوق کو اپنی تدبیر پر مجبور کرتا ہے۔ فوق عبادہ یہ غلبہ کی صفت ہے جو تنہا اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کے معنی میں قدرت کے معنی سے زیادتی ہے۔ اس کا معنی دوسرے کو مراد کے پہنچنے سے روکنا (وَهُوَ الْحَكِيْمُ) اپنے کاموں میں (الْخَبِيْرُ) اپنے بندوں کے اعمال کی۔

⑲ (قُلْ اَىُّ شَىْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ہمیں وہ شخص دکھائیں جو یہ گواہی دے کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ آپ کی تصدیق کرتا ہو اور ہم نے آپ کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے بھی پوچھا ہے۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں آپ کا تذکرہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری (قُلْ اَىُّ شَىْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً) (اگر وہ اس کا جواب دیں ورنہ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ م بَيْنِىْ وَ بَيْنَكُمْ) جو کچھ میں کہتا ہوں وہ میرے لیے حق ہونے کی اور تمہارے اوپر باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ (وَاُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْ م بَلَغَ) یعنی قیامت تک عجم اور دیگر قوموں تک پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہنچاؤ اگر چہ ایک آیت ہو اور بنی اسرائیل سے باتیں نقل کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے مجھ پر جھوٹ بولا جان بوجھ کر وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ عبدالرحمٰن اپنے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تر و تازہ رکھیں اس بندہ کو جس نے میری بات سنی پھر اس کو یاد کیا اور آپ سے پہنچایا۔ پس بہت سے فقہ کو اُٹھانے والے جو خود فقیہ نہیں ہیں اور بہت سے فقہ کو اُٹھانے والے اس شخص کی طرف جو ان سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان پر کینہ نہیں کرتا مسلمان کا دل ہمیشہ اللہ

کے لیے عمل کو خاص کرنا اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور اُن کی جماعت کو لازم پکڑنا کیونکہ اُن کی دُعا ان کے علاوہ کو بھی گھیر لیتی ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں انسانوں اور جنوں میں سے جس تک قرآن پہنچ گیا تو قرآن اس کے لیے نذیر ہے۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس شخص تک قرآن پہنچ گیا گویا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان سے سنا (اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى) اس لئے کہ تانیث جمع کو لاحق ہو جاتی ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول (واللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا) ہے اور فرمایا فما بال القرون الاولی قُلْ لَّآ اَشْهَدُ تو کہہ دے اے محمد آپ گواہی دیں تو میں تو گواہی نہ دوں گا) کہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے (قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ)

⑳ (اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ) توریت اور انجیل (يَعْرِفُوْنَهٗ) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی صفات کے ساتھ (كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ) بچوں کے درمیان سے (اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ) جو لوگ نقصان میں ڈال چکے۔ یعنی غبن فاش۔

یہ نقصان اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کا ٹھکانہ جنت اور جہنم میں بنایا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جہنمیوں کے جنتی ٹھکانے دیں گے اور جہنمیوں کو جنت والوں کے جہنمی ٹھکانے۔ اور یہ خسارہ ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ㉒ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ㉓ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (۲۴)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ اور کون بے انصاف ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلاوے ایسے بے انصافوں کو رستگاری نہ ہوگی اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم ان تمام خلائق کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے (بواسطہ یا بلاواسطہ توبیخ کے طور پر) کہیں گے کہ (بتلاؤ) تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے ذرا دیکھو تو کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئیں۔

تفسیر ㉑ (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا) ظلم سے مراد کفر ہے۔ کذباً سے مراد اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے (اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ) کو (اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ) کافروں کو۔

㉒ (وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا) یعنی عابد اور معبود سب کو قیامت کے دن۔ یعقوب نے یہاں اور سورۃ سباء میں "یحشرھم" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور حفص نے ان کی موافقت سورۃ سباء میں کی ہے اور باقی حضرات نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ (ثُمَّ نَقُوْلُ

لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ) کہ وہ تمہاری سفارش کریں گے تمہارے رب کے سامنے۔

㉓ (ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ) حمزہ، کسائی اور یعقوب نے "یکن" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ فتنہ افتتان کے معنی میں ہے تو فعل کو مذکر لانا جائز ہے اور باقی حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فتنة" کے مؤنث ہونے کی وجہ سے اور ابن کثیر، ابن عامر اور حفص نے عاصم رحمہما اللہ سے "فتنتهم" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کو "كَانَ" کا اسم قرار دیا ہے اور باقی حضرات نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کو خبر بنایا ہے اور کان کا اسم "اَنْ قَالُوْا" کو بنایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فتنہ سے مراد ان کی معذرت ہے۔ بعض علماء نے فتنہ کا ترجمہ تجربہ سے کیا ہے چونکہ ان کے اندرونی خیال کو ظاہر کرانے کا ایک تجربہ ہوگا۔ اس لئے جواب کو تجربہ فرمایا زجاج کا قول ہے کہ یہ لفظ اس جگہ ایک لطیف معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بعض محب محبوب پر شیفتہ فریفتہ ہوتے ہیں لیکن جب اس شیفتگی اور عشق میں ان پر مصائب آتے ہیں تو وہ محبوب سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ پھر اس وقت ان کو یہ کہا جاتا ہے کہ تمہارا عشق بس اتنا ہی ہوا کہ دکھ پڑا تو عشق بھول گیا۔ قیامت کے دن بتوں کی محبت سے بھی کافر اسی طرح بیزاری کریں گے۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ. حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "ربّنا" کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ "منادیٰ مضاف ہے اور باقی حضرات نے زیر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ "واللّٰهِ" کی صفت ہے اور کہا گیا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا منظر اور اہل توحید سے درگزر کا معاملہ دیکھیں گے تو آپس میں کہنے لگیں گے کہ آؤ ہم شرک کو چھپا لیتے ہیں تاکہ اہل توحید کے ساتھ نجات پا جائیں تو کہیں گے (اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ) تو ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے خلاف ان کے اعضاء کفر کی گواہی دیں گے۔

㉔ (اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ) باطل عذر کر کے اور شرک سے بیزاری ظاہر کر کے (وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ) یعنی جن بتوں کو خدا بنایا کرتے تھے وہ ان سے چلے گئے کیونکہ وہ تو ان کی شفاعت اور مدد کی اُمید رکھتے تھے قیامت کے دن ان سب اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ㉕ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ㉖

ترجمہ: اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں ان پر بھی ایمان لاویں یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آرہی ہیں اور یہ لوگ اس سے اوروں کو

بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔

تفسیر ㉕ (وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ اور شیبہ ربیعہ کے بیٹے اور اُمیہ اور اُبی خلف کے بیٹے اور حارث بن عامر۔

قرآن مجید کو کان لگا کر سنتے تھے تو انہوں نے نضر کو کہا اے ابوقتیبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا معلوم نہیں کیا کہتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کو حرکت دے رہے ہیں اور پہلے لوگوں کی کہانیاں پڑھ رہے ہیں جیسے میں تمہیں پہلی اُمتوں کے قصے سناتا ہوں۔ اس نضر کو پہلی اُمتوں کے بہت سے واقعات یاد تھے تو ابوسفیان نے کہا میرا خیال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض باتیں حق ہیں تو ابوجہل کہنے لگا ہرگز تو کسی چیز کا اقرار نہ کر اور ایک روایت میں ہے کہ موت ہم پر اس اقرار سے زیادہ آسان ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً) کنان کی جمع ہے جیسے "اَعِنَّۃ" عنان کی جمع ہے (اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا) بہرہ پن اور بوجھ اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو پلٹتے ہیں بعض کو ہدایت کے لیے کھول دیتے ہیں اور بعض کے اوپر پردے ڈال دیتے ہیں تو وہ اللہ کا کلام نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی ایمان لاتے ہیں (وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ آیت سے مراد معجزات اور دلائل ہیں۔ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ) یعنی ان کے قصے اور اساطیر اسطورۃ اور اساطرۃ کی جمع ہے۔

㉖ (وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ) یعنی لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے روکتے ہیں (وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ) یعنی اور خود دور ہوتے ہیں۔

ینهون عنه وینأون عنه کا شان نزول

محمد بن حنفیہ اور سدی وضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ کفار مکہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن سے روکتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ علیہ السلام سے دور ہوتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی کہ لوگوں کو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے سے روکتے تھے اور خود ایمان سے دور ہوتے تھے حتیٰ کہ مروی ہے کہ مشرکین کے سردار جمع ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ آپ ایک خوبصورت نوجوان لے لیں اور ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے دیں تو ابوطالب نے کہا تم نے انصاف نہیں کیا۔ کیا میں تمہیں اپنا بچہ دے دوں کہ تم اس کو قتل کر دو اور تمہاری اولاد کی پرورش کروں؟ اور روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان کی طرف بلایا تو انہوں نے کہا اگر قریش مجھے عار نہ دلاتے تو میں ایمان لا کر آپ کی آنکھوں کو ضرور ٹھنڈا کرتا لیکن جب تک زندہ رہوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتا رہوں اور چند اشعار کہے:

اللہ کی قسم وہ سب جمع ہو کر بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتے — یہاں تک کہ میں مٹی میں دفن ہو جاؤں

آپ اپنی ذمہ داری کو پورا کریں آپ پر کوئی پریشانی نہ ہو — اور اس بات سے خوش ہو جائیں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں

آپ نے مجھے دعوت دی اور میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں اور تحقیق آپ نے سچ کہا اور آپ وہاں امین ہیں
اور آپ نے مجھ پر ایسا دین پیش کیا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ مخلوق کے تمام ادیان میں سے بہتر دین
اگر ملامت اور برا بھلا کہا جانے کا خوف نہ ہوتا تو آپ مجھے اس دین کا واضح مطیع پاتے

(وَاِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ) یعنی ان کے افعال کا وبال ان ہی پر لوٹے گا۔ (وَمَا یَشْعُرُوْنَ)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ㉗ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ㉘ وَقَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ㉙ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ㉚

ترجمہ: اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ وہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جاویں گے تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جاویں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتاویں اور ہم ایمان والوں سے ہو جاویں بلکہ جس چیز کو اس کے قبل دبایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آ گئی ہے اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھی بھیج دیئے جاویں تب بھی یہ وہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جینا اور کہیں نہیں صرف یہی فی الحال جینا ہے اور ہم زندہ نہ کیے جاویں گے اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جاویں گے اور اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے۔ وہ کہیں گے بیشک قسم اپنے رب کی اللہ تعالیٰ فرماوے گا تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو

تفسیر ㉗ (وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ) کہا گیا ہے کہ آگ پر پیش کیے جائیں گے اور "لَوْ" کا جواب محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں تو بڑا عجیب منظر دیکھیں گے۔ (فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ) دُنیا کی طرف (وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ)

㉘ (بَلْ بَدَا لَهُمْ) یعنی معاملہ ویسا نہیں جیسا یہ کہتے ہیں کہ اگر ان کو واپس بھیج دیا جائے تو وہ ایمان لائیں گے بلکہ ظاہر ہو گیا ان کے لیے (مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ) دُنیا میں اپنا کفر اور گناہ (وَلَوْ رُدُّوْا) دُنیا میں ان کے کفر اور معصیت کی طرف اور ما کانوا یخفون سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خصوصی اوصاف جو اہل کتاب جانتے تھے مگر ان صفات کو چھپاتے تھے۔ مبرد کا قول ہے کہ ما کانوا یخفون کو مبتدا متضمن شرط اور بدالھم کو خبر متضمن جزا کے ہے۔ نضر بن شمیل نے کہا بدالھم کا معنی ہے بداعنھم پھر فرمایا (ولو ردوا) یعنی لوٹا دیئے جاتے۔ دنیا کی طرف (لعادوا لما) تو وہ لوٹ آئے جس سے ان کو روکا گیا (نُهُوْا عَنْهُ) یعنی کفر (وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ) اس قول میں کہ اگر ہمیں دوبارہ بھیج دیا جائے تو ہم اپنے رب کی

آیات کو نہ جھٹلائیں گے اور ایمان لائیں گے۔

㉙ (وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ) یہ ان کے مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے انکار کی خبر دی۔

㉚ (وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ) اس کے حکم پر اور اس کے فیصلہ پر اور بعض نے کہا کہ اپنے رب پر پیش کیے جائیں گے (قَالَ) ان کو اور کہا گیا ہے کہ جہنم کے داروغہ اللہ کے حکم سے یہ کہیں گے (اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ) یعنی دوبارہ اُٹھنا اور عذاب حق نہیں ہے؟ (قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا) کہ یہ حق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں کئی جگہ مجلس لگے گی، ایک مجلس میں اقرار کریں گے، دوسری میں انکار کریں گے، ان کا یہ قول ایک مجلس میں ہوگا اور "واللّٰہ ربّنا ما کنّا مشرکین" والا قول دوسری مجلس میں ہوگا۔ (قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ)

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ㉛ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ㉜ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ㉝

ترجمہ: بیشک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان پر دفعۃً آ پہنچے گا۔ کہنے لگیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی کمر پر لادے ہوں گے خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو لادیں گے اور دنیوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو ولعب کے ہوں گے اور پچھلا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر: ㉛ (قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ) یعنی اپنے آپ کو تباہ کیا اللہ کی طرف لوٹنے کے انکار کرنے کے ساتھ اور بعث بعد الموت کے انکار کرتا ہے۔ (حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس) ندامت کو نداء کے ذریعے ذکر کیا گیا ہے مبالغہ پیدا کرنے کے لیے۔ سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گویا کہ وہ کہہ رہے ہوں گے اے حسرت یہ تیرا وقت ہے (عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا کیسی کوتاہی ہم نے اس میں کی) یعنی کہنا ماننے میں اور کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے دُنیا میں آخرت کا عمل چھوڑ دیا اور محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "فیها" کی هاء "صفقة" بمعنی سودے کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی جب ان پر ظاہر ہوا کہ ہم نے آخرت کو دُنیا کے بدلے بیچ کر خسارہ کا سودا کیا تو کہنے لگے اے افسوس کہ اس سودے میں ہم نے کوتاہی کی۔ آیت میں "صفقة" کے ذکر کو چھوڑ دیا گیا کیونکہ "قد خسر" اس پر دلالت کر رہا ہے اس لیے کہ خسران صرف بیع کے سودے میں ہوتا ہے حسرة یہ ندامت سے سخت

ہے(وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ) اپنے بوجھ اور اپنے گناہ۔ سدی اور دیگر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمن جب اپنی قبر سے نکالا جائے گا تو اس کا استقبال اچھی صورت اور عمدہ خوشبو والی چیز کرے گی اور اس سے پوچھے گی کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا نہیں۔ تو وہ کہے گی میں تیرا نیک عمل ہوں مجھ پر سوار ہو جا۔ تحقیق دُنیا میں، میں نے بہت لمبا عرصہ تجھ پر سواری کی۔ پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان (جس دن ہم متقین کو جمع کریں گے رحمٰن کی طرف وفد بنا کر) کا یعنی سوار کر کے اور بہرحال کافر تو اس کا استقبال بدصورت چہرے والی اور انتہائی بدبودار چیز کرے گی اور کہے گی کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا نہیں وہ کہے گی میں تیرے گندے اعمال ہوں دُنیا میں بہت لمبا عرصہ تو مجھ پر سوار رہا اب میں تجھ پر سواری کروں گی۔ یہی معنی ہے اللہ کے فرمان۔(اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وہ اُٹھائیں گے بوجھ اپنی پیٹھوں پر) کا۔(اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ بوجھ برا انہوں نے اٹھایا۔

㉜ (وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ) باطل اور دھوکہ اس کو بقا نہیں (وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ) ابن عامر رحمہ اللہ نے "وَلَدَارُ الاٰخرة" پڑھا ہے اور "وار کعوا اٰخرة" کو دار کی طرف مضاف کیا گیا اور شے کو اس کی ذات کی طرف مضاف کیا جا سکتا ہے۔ جب دونوں لفظوں میں مختلف ہوں جیسے قرآن میں ہے "وحبّ الحصيد" اور لوگوں کا قول ربیع الاوّل، مسجد الجامع۔ دُنیا کو قریب ہونے کیوجہ سے دنیا کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا اس کے گھٹیا ہونے کی وجہ سے دنیا کہا گیا اور آخرت نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ دُنیا کے بعد ہے۔(خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ) کہ آخرت افضل ہے دُنیا سے۔ اہل مدینہ، ابن عامر اور یعقوب رحمہما اللہ نے "افلا تعقلون" تاء کے ساتھ پڑھا ہے یہاں اور سورۃ اعراف، سورۃ یوسف، سورۃ یٰسین میں اور ابوبکر رحمہ اللہ نے ان کی موافقت سورۃ یوسف میں کی ہے اور حفص رحمہ اللہ نے سورۃ یٰسین کے علاوہ تمام جگہ موافقت کی ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ تمام جگہ پڑھا ہے۔

㉝ (قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخنس بن شریق اور ابوجہل بن ہشام کی ملاقات ہوئی تو اخنس نے ابوجہل کو کہا اے ابوالحکم محمد بن عبداللہ کے بارے میں بتا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا؟

کیونکہ یہاں میرے علاوہ کوئی تیری بات سننے والا نہیں ہے۔ تو ابوجہل کہنے لگا اللہ کی قسم! بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے اور انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن اگر "قُصی" کی اولاد جھنڈا، پانی پلانے کی خدمت، چوکیداری، مجلس مشورہ اور نبوت سب کچھ لے گئی تو باقی قریش کے قبیلوں کے لیے کیا بچے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ناجیہ بن کعب کہتے ہیں کہ ابوجہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ ہم آپ پر تہمت نہیں لگاتے اور نہ آپ کو جھٹلاتے ہیں صرف آپ کا وہ دین جھٹلاتے ہیں جس کو آپ علیہ السلام لائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ (ہم کو معلوم ہے کہ آپ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں) کہ آپ جھوٹے ہیں (فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ نافع اور کسائی نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ اور تکذیب یہ ہے کہ تو کسی کی جھوٹ کی طرف نسبت کرے اور اور اس کو کہے کہ تو نے جھوٹ کہا ہے اور

کذب یہ ہے کہ تو کسی کو جھوٹا پائے۔عرب کہتے ہیں اجد بت الارض واخصبتها جب تو زمین کو خشک سال اور بنجر پائے۔
لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں) یعنی وہ چھپ کر آپ کی تکذیب نہیں کرتے کیونکہ آپ کا سچا ہونا تو ان کو معلوم ہے وہ تو میری وحی اور میری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔جیسا کہ فرمایا (وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم)

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾

(ترجمہ) اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد کو پہنچی۔اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کر و اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ ہدایت پر جمع کر دیتا سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے۔

(تفسیر) ﴿٣٤﴾ (وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ) ان کو بھی ان کی قوموں نے ایسے ہی جھٹلایا جیسے آپ علیہ السلام کو قریش نے۔(فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا) ان لوگوں کو عذاب دینے کے ساتھ جنہوں نے جھٹلایا۔(وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ) اور جو اس نے فیصلہ کر دیا اس کو توڑنے والا کوئی نہیں اور اس نے اپنی کتاب میں اپنے انبیاء کی مدد کا فیصلہ لکھ دیا ہے اور فرمایا (ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين انهم لهم المنصورون) وان جندنا لهم الغالبون اور فرمایا (انا لننصر رسلنا) اور فرمایا (كتب الله لاغلبن انا ورسلى) اور حسن بن فضل فرماتے ہیں اس کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔(وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ) اور من صلہ ہے جیسے تو کہے اصابنا من مطر

﴿٣٥﴾ (وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ) یعنی اگر ان کا آپ ایمان لانے سے اعراض کرنا آپ علیہ السلام پر گراں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے ایمان لانے کی بڑی خواہش تھی اور وہ جب کوئی نشانی مانگتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو وہ نشانی دکھا دیں شاید وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى) تو ایسا کر لیں (اور اگر اللہ چاہتا تو جمع کر دیتا سب کو سیدھی راہ پر) تو سب ایمان لے آتے (فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ) یعنی اس حرف کے ساتھ اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان (ولو شاء الله لجمعهم على الهدى) ہے اور جو کفر کرے گا وہ اللہ کے علم میں پہلے سے ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھاویں گے پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جاویں گے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بیشک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرماویں لیکن ان میں اکثر بے خبر ہیں اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں ہم نے دفتر (لوح محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (سب کو لکھ دیا ہے) پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جاویں گے۔

تفسیر: ﴿۳۶﴾ (اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ) یعنی مؤمنین جو نصیحت کو سنتے اور اس کی اتباع کرتے ہیں تو ان کو نفع دیتی ہے نہ کہ وہ لوگ جن کے کانوں پر اللہ نے مہر کر دی ہو۔ (وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ) یعنی کفار کو۔ (اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ)۔ پھر ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کریں گے۔

﴿۳۷﴾ (وَقَالُوْا) یعنی قریش کے سردار (لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ) کہ اس نشانی کے اُتارنے میں ان پر کیا مصیبت ہوگی۔

﴿۳۸﴾ (وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ)

امم امثالکم کی تفسیر

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کی اقسام ہیں جو اپنے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔ یعنی حیوان کی ہر جنس ایک اُمت ہے۔ پس پرندے ایک اُمت ہیں اور حشرات الگ اُمت اور رکھیاں الگ اُمت اور درندے الگ اُمت ہیں۔ ہر ایک اپنے نام سے پہچانی جاتی ہے جیسے آدم علیہ السلام کی اولاد انسان اور ناس کے لفظ سے پہچانی جاتی ہے۔ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اگر کتے اُمتوں میں سے ایک اُمت نہ ہوتے تو میں ان کے قتل کا حکم دیتا۔ پس تم ان میں سے بالکل سیاہ کو قتل کر دو اور کہا گیا ہے کہ "امم امثالکم" کا مطلب یہ ہے کہ بعض بعض سے سمجھ حاصل کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ تمہاری طرح اُمت ہے پیدائش اور موت اور دوبارہ اُٹھنے میں اور عطاء فرماتے ہیں کہ تمہاری طرح اُمت ہیں توحید اور معرفت میں۔ ابن قتیبہ رحمہ

اللہ فرماتے ہیں کہ تمہاری طرح اُمت ہیں غذا اور رزق تلاش کرنے میں اور ہلاکت سے بچنے میں (مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ) لوح محفوظ میں (مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حشر سے موت مراد ہے

قیامت کے دن کافر بھی مٹی ہوجانے کی تمنا کرے گا

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کو یعنی درندوں، چوپایوں، پرندوں وغیرہ کو جمع کریں گے پھر سینگ والے جانور سے بغیر سینگ والے کو مارنے کا بدلہ لیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم مٹی ہوجاؤ اس وقت کافر تمنا کریں گے اے کاش! میں مٹی ہوجاتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب حق کو اس کا حق قیامت کے دن دیا جائے گا یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کے لیے سینگ والی سے بدلہ لیا جائے گا۔

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

(ترجمہ) اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں تو وہ بہرے اور گونگے ہورہے ہیں طرح طرح کی ظلمتوں میں ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں بے راہ کردیں اور وہ جس کو چاہیں سیدھی راہ پر لگادیں۔ آپ کہیے کہ اپنا حال تو بتلاؤ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا خدا کے سوا کسی اور کو پکاروگے اگر تم سچے ہو بلکہ اسی کو پکارنے لگو پھر جس کے لئے تم پکارو اگر چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو سب کو بھول بھال جاؤ۔ اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے ہوچکے ہیں پیغمبر بھیجے تھے سو ہم نے ان کو تنگ دستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑجاویں سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے لیکن ان کے قلوب تو سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کرکے دکھلاتا رہا۔

(تفسیر) ﴿۳۹﴾ (وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ) نہ خیر کی بات سنتے ہیں اور نہ بولتے ہیں (فِی الظُّلُمٰتِ) کفر کے اندھیروں میں (مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ) اور وہ اسلام ہے۔

﴿۴۰﴾ (قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ) کیا تم دیکھتے ہو؟ یہاں کاف تاکید کے لیے ہے اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب "ارایتک" کا لفظ بولتے ہیں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ ہمیں خبر دو قراء اھل مدینہ ارایتکم و ارایتم و ارایت دونوں ہمزہ کے ساتھ پڑھتے

ہیں کسائی ان دونوں ہمزوں کے محذوف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد آپ ان مشرکوں سے کہہ دیں بھلا بتاؤ تو (اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ) موت سے پہلے (اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَۃُ) یعنی قیامت کا دن (اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ) اپنے سے عذاب ہٹانے کے لیے (اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ) مراد یہ ہے کہ اضطراری حالت میں کفار اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں جیسے ان کے بارے میں خبر دی ہے۔ واذا غشیھم موج کا لظلل دعوا اللہ مخلصین لہ الدین

㊶ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ) یعنی صرف اللہ کو پکارتے ہو اس کے غیر کو نہیں پکارتے (فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ) یہاں قبولیت دُعا کے لیے اپنے چاہنے کی قید لگائی ہے اسی طرح تمام کام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں (وَتَنْسَوْنَ) چھوڑ دیتے ہو (مَا تُشْرِکُوْنَ)

㊷ (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَاَخَذْنٰھُمْ بِالْبَاْسَآءِ) سختی اور بھوک میں (وَالضَّرَّآءِ) بیماریوں میں (لَعَلَّھُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ) یعنی توبہ کریں اور عاجزی کریں۔ ”تضرع“ کا معنی ذلت کے ساتھ سوال کرنا۔

㊸ (فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَھُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا) یعنی کیوں نہیں ایمان لائے کہ ان سے عذاب دور کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ ایک قوم جو انتہائی سخت دل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جان اور مال میں سختی کی لیکن وہ نہ جھکے اور نہ گڑگڑائے۔ پس یہی ہے اللہ کا فرمان (وَلٰکِنْ قَسَتْ قُلُوْبُھُمْ وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ) یعنی ان کا کفر اور گناہ۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝۴۴ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۵ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝۴۶

ترجمہ: پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو کہ تمام عالم کا پروردگار ہے آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دیدے آپ دیکھیے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر بھی یہ اعتراض کرتے ہیں۔

تفسیر: ㊹ (فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِہٖ) یعنی جو ان کو نصیحت کی گئی تھی اور جو احکام دیے گئے تھے ان کو چھوڑ دیا۔ (فَتَحْنَا عَلَیْھِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ) ابو جعفر نے ”فتحنا“ کو شد کے ساتھ تمام قرآن میں پڑھا ہے اور ابن عامر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے جب اس کے بعد جمع ہو اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا ترجمہ استدراج اور مکر کے

ہوں گے مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آزمائش اور سختی کے بدلے نرمی اور صحت کو دیا (حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا) یہ اکڑنے کی خوشی تھی جیسے قارون دُنیا کے ملنے پر خوش ہوا تھا۔ (اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً) ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ایمان لائے جس پر وہ تھے اور جو کچھ دنیا میں ان کو دیا گیا تھا اس پر متعجب ہونے لگے...... (فَاِذَا ھُمْ مُّبْلِسُوْنَ) ہر خیر سے ناامید ہو گئے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مبلس شرمندہ غمگین کو کہتے ہیں۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اس کی پسندیدہ چیزیں دے رہا ہے اور وہ بندہ گناہوں پر ڈٹا ہوا ہے تو یہ استدراج ہے پھر آپ علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی "فَلَمَّا نسوا ما ذُكِّرُوْا به (الآية"

㊺ (فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا) مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب کے ساتھ جڑ سے اکھاڑ دیئے گئے تو ان میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹنے پر اپنی تعریف کی ہے کیونکہ یہ اللہ کے رسولوں پر نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حمد ذکر کر کے مؤمنین کو تعلیم دی کہ وہ اللہ کی اس بات پر تعریف کریں کہ وہ ان کو ظالموں سے کافی ہو گیا۔ اور محمدؐ اور آپ کے ساتھی بھی اپنے رب کی حمد کریں جب وہ مکذبین کو ہلاک کر دے۔

㊻ (قُلْ اَرَءَیْتُمْ) اے مشرکو! (اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ) حتیٰ کہ تم کچھ بھی نہ سن سکو (وَاَبْصَارَكُمْ) حتیٰ کہ بالکل کوئی چیز نہ دیکھ سکو (وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ) حتیٰ کہ تم کچھ بھی نہ سمجھ سکو اور دُنیا کی جن چیزوں میں مہارت ہے ان کو بھی نہ پہچان سکو (مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ)

سوال۔ یاتیکم بہ فرمایا بہ میں ہ ضمیر مفرد ہے جبکہ ماقبل میں کان، آنکھ، عقل، تین اشیاء کا ذکر ہے۔ ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں۔

جواب۔ یہ المذکور کی تاویل میں ہے کہ ان میں سے ایک چیز بھی چلی جائے تو وہ بھی کوئی نہیں لاسکتا۔

جواب۔ ہ ضمیر کا مرجع سمع کی طرف راجع ہے جو اولاً ذکر کیا ہے باقی اس کے تحت شامل ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے (واللہ ورسولہ أحق أن یرضوہ) یہاں پر ضمیرہ واحد ہے جبکہ ماقبل مرجع اللہ اور رسول دو ہیں لیکن یہاں پرہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں اور اللہ کی رضا میں رسول کی رضا کو شامل کیا گیا (اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ ھُمْ یَصْدِفُوْنَ) ہم نبوۃ و توحید پر دلیل کیلئے کیا کیا علامات بیان کرتے ہیں۔ تکذیب کرنے والے اس سے اعراض کرتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ㊼ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ㊽ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ㊾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا

يُوْحٰى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے خواہ بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی ہلاک کیا جاوے گا اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈراویں پھر جو شخص ایمان لے آوے اور درستی کرلے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاویں ان کو عذاب لگتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ دائرے سے نکلتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خداتعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کرلیتا ہوں آپ کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہوسکتے ہیں سو کیا تم غور نہیں کرتے اور ایسے لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جاویں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا اس امید پر کہ وہ ڈر جاویں۔

تفسیر ⑰ (قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً) کہ تم اس کو اترتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رات اور دن کو آئے۔ (هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ) ظالم سے مراد مشرک ہیں۔

⑱ (وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ) عمل فَلَا خَوْفٌ جس وقت جہنم والے ڈر رہے ہوں گے (عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ) جب وہ جہنم والے غمگین ہوں گے۔

⑲ (وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ) کس سے مراد پہنچنا۔ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ یعنی کفر کرتے تھے۔

⑳ (قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ) جب مشرکین نے نشانیوں کے مطالبات کیے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ علیہ السلام ان کو کہہ دیں کہ (قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ) یعنی اس کے رزق کے خزانے کہ جو تم مانگو تمہیں دیدوں۔ (وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ) کہ تمہیں پچھلی اگلی سب باتوں کی خبر دے دوں (وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ) یہ اس وجہ سے کہا کہ فرشتہ ان باتوں پر قادر ہوتا ہے جن پر انسان قادر نہیں ہوتا اور وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جو انسان نہیں دیکھ سکتا۔ مراد یہ ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات میں نے نہیں کی کہ جس کی وجہ سے تم میری بات کا انکار کرو (اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ) یعنی جو تمہارے پاس میں لاتا ہوں وہ اللہ کے حکم سے ہے اور یہ بات عقلاً محال بھی نہیں ہے کیونکہ اس پر واضح دلائل موجود ہیں۔ (قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کافر اور مؤمن اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں گمراہ اور ہدایت یافتہ اور کہا گیا ہے جاہل اور عالم۔ (اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ) یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔

㉑ (وَاَنْذِرْ بِهِ) آپ قرآن کے ذریعے سے ان کو ڈرائیں (الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا) ان کو جمع کرے گا اور پھر

اٹھائے گا(اِلٰی رَبِّهِمْ) بعض نے کہا کہ یخافون سے مراد یعلمون ان کو خوف اپنے اعمال کی وجہ سے تھا اور وہ اس خوف کو جانتے بھی تھے۔ (لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ) اللہ کے سوا کوئی نہیں (وَلِیٌّ) کوئی قریبی جو ان کو نفع پہنچائے وَّ لَا شَفِیْعٌ اور نہ کوئی شفیع (لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ) ان چیزوں سے جن سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا سب کی سفارش کی نفی کر دی ہے حالانکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء سفارش کریں کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہ کر سکیں گے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں اور آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے۔

تفسیر ﴿۵۲﴾ (وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ) ابن عامر نے (بالغداۃ) غین کے پیش اور دال کے سکون اور اس کے بعد واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں بھی اور سورۃ الکہف میں بھی اور دیگر حضرات نے غین اور دال کے زبر اور دال کے بعد الف کے ساتھ پڑھا ہے۔

لاتطرد الذین سے کون لوگ مراد ہیں: سلمان اور خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری اور ان کے قبیلہ کے مؤلفہ قلوب آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال، صہیب اور عمار و خباب رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھے جو کہ غریب مؤمنین میں سے تھے۔ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ان کو دیکھا تو ان کو حقیر سمجھا اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کسی اونچی جگہ بیٹھتے اور ہم سے ان لوگوں اور ان کے جبوں کی بدبو کو دور کر دیتے تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھتے اور آپ سے دین حاصل کرتے۔ ان حضرات نے اون کے جبے پہنے ہوئے تھے جس سے پسینے کی بدبو آ رہی تھی۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مؤمنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ ہمارے لیے الگ نشست گاہ بنائیں تاکہ عرب ہمارے مرتبہ کو پہچان لیں کیونکہ آپ کے پاس وفد آتے رہتے ہیں اور ہمیں حیاء آتی ہے کہ ہمیں عرب ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں۔ جب ہم آپ کے پاس آئیں تو آپ علیہ السلام ان کو اپنے پاس سے کھڑا کر دیا کریں۔ جب ہم فارغ ہو لیں تو اگر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ بیٹھ جائیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے۔ انہوں نے کہا آپ علیہ السلام اس بات پر ایک تحریر ہم کو لکھ دیں، آپ علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کے لیے بلایا اور یہ ضعفاء مؤمنین بھی ایک طرف بیٹھے تھے کہ اچانک جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ

تحریر پھینک دی اور ہمیں بلایا اور آپ علیہ السلام یہ فرمار ہے تھے (سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ)

تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھتے تھے پھر جب آپ علیہ السلام کا قیام کا ارادہ ہوتا تو ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدواۃ والعشی یریدون وجھہ) آپ علیہ السلام اپنے آپ کو روکے رکھئے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں اس کی رضا کو چاہتے ہیں) تو اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھتے اور ہم آپ کے اتنے قریب ہو جاتے کہ ہمارے گھٹنے آپ علیہ السلام کے گھٹنے کو چھو جاتے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کا وقت ہوتا تو ہم آپ علیہ السلام کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے تو آپ علیہ السلام بھی مجلس سے کھڑے ہو جاتے اور فرماتے تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تب تک موت نہیں دی جب تک یہ حکم نہ دے دیا کہ میں اپنی اُمت کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھوں تمہارے ساتھ زندگی ہے اور تمہارے ساتھ موت ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ ایک دن ہماری ملاقات کا مقرر کر دیں، ایک دن ان کی ملاقات کا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایسا نہ کروں گا تو انہوں نے کہا کہ ایک ہی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ رہیں اور ان کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریش نے کہا اگر بلال اور ابن اُم عبد رضی اللہ عنہما نہ ہوتے تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "غداۃ" اور "عشی" سے صبح اور عصر کی نماز مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ پانچوں نمازیں مراد ہیں۔ کیونکہ کچھ غریب مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اس پر کچھ بڑے لوگوں نے کہا کہ جب ہم نماز میں شریک ہوں تو ان لوگوں کو آپ پیچھے کر دیا کریں یہ ہمارے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد حقیقت دعا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ یعنی اپنی عبادت کے بدلے صرف اللہ کو چاہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے ثواب کے طالب ہیں۔ (مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ) وہ نہ آپ علیہ السلام کے معاملے کے مکلف ہیں اور نہ آپ علیہ السلام ان کے معاملہ کے اور بعض نے کہا کہ ان کا رزق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ نہیں کہ ان سے اُکتا جائیں۔

کہ آپ علیہ السلام ان کو دور کرنے لگیں کہ آپ کا رزق ان کے ذمہ ہے (فتطردھم) جواب ہے باری تعالیٰ کا قول ہے (ماعلیک من حسابھم من شیء) پس ہو جائیں گے آپ بے انصافوں میں) کا اور باری تعالیٰ کا قول فتکون من الظالمین جواب ہے باری تعالیٰ کے قول ولا تطرد کا ان میں سے ایک نفی کا جواب ہے اور دوسرا نہی کا۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ

الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا ۭبِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

ترجمہ: اور اسی طور پر ہم نے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں کہ یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح رکھے تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔

تفسیر: ۞ (وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ) مراد یہ ہے کہ مالداروں کو فقراء کے ذریعے اور شریفوں کو کمینوں کے ذریعے آزمایا ہے اور یہ آزمائش اس طرح ہے کہ اگر کوئی شریف کسی کمینے کو ایمان میں سبقت کرتے ہوئے دیکھ لے تو اس وجہ سے وہ اسلام لانے سے رُک جاتا ہے۔ یہ اس کی آزمائش ہے۔ (لِيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا) تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا (اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ) یہ استفہام ہے لیکن معنیٰ میں خبر ہے۔ یعنی اللہ خوب جانتے ہیں کہ کس کو اسلام کی ہدایت دیں تو وہ شکر کرے گا۔

جنت میں داخلے کے وقت مالدار لوگوں سے سبقت کرنے والے کون لوگ ہیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں غریب مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا اور ان میں سے بعض دوسروں کی آڑ لے کر اپنے جسم کو چھپا رہے تھے اور ایک قاری ہم کو تلاوت سنا رہے تھے کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم پر کھڑے ہوگئے تو قاری خاموش ہوگیا تو آپ علیہ السلام نے سلام کیا اور پوچھا کیا کررہے ہو؟ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک قاری ہم پر قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم اللہ کی کتاب کو توجہ سے سن رہے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میری اُمت میں سے وہ لوگ بنائے جن کے بارے میں مجھے حکم دیا کہ میں ان کے ساتھ اپنے آپ کو روکوں۔ پھر آپ علیہ السلام ہمارے درمیان میں بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ فرمایا تاکہ سب ایک حلقہ بنالیں اور سب کے چہرے آپ علیہ السلام کے سامنے واضح ہوجائیں تو میں نے دیکھا کہ میرے سوا اس مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو نہ پہچانتے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن مکمل نور کے ساتھ خوش ہو جاؤ تم لوگ جنت میں مالدار لوگوں سے آدھا دن پہلے داخل ہوگے اور یہ آدھا دن پانچ سو سال کی مقدار ہوگا۔

واذا جاءک الذین یؤمنون سے کون لوگ مراد ہیں

۞ (وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ) عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انہی لوگوں

کے بارے میں نازل ہوئی جن کو دور کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو دیکھتے تھے تو سلام میں پہل کرتے تھے اور عطاء فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، بلال، سالم، ابوعبیدہ، مصعب بن عمیر، حمزہ، جعفر، عثمان بن مظعون، عمار بن یاسر، ارقم بن ابی ارقم، ابوسلمہ بن عبدالاسد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءً ام بِجَهَالَةٍ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلال اور حرام کو نہ جانتا ہو اور اس ناواقفیت سے گناہ کر بیٹھا ہو اور بعض نے کہا کہ اس گناہ کے نقصان سے ناواقف ہو اور بعض نے کہا کہ وہ جاہل یوں ہے کہ گناہ کو عبادت پر ترجیح دی اور جلدی کی تھوڑی چیز کی وجہ سے بعد میں آنے والی کثیر چیز کو چھوڑ دیا۔

(ثُمَّ تَابَ مِنْ م بَعْدِهٖ) اپنے گناہ سے رجوع کرلے (وَاَصْلَحَ) اور اپنے عمل کو نیک کرلے بعض نے کہا کہ خالص توبہ کرے۔ (فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) ابن عامر، عاصم اور یعقوب رحمہما اللہ نے "انّه من عمل فانه غفور" میں دونوں جگہ الف پر زبر پڑھی ہے اور اس کو رحمۃ سے بدل بنایا ہے۔ یعنی لکھ دیا ہے اللہ نے اپنے اوپر کہ جو کوئی کرے تم میں سے الخ۔ پھر دوسرے کو پہلے سے بدل بنایا ہے اور اہل مدینہ نے پہلے کو فتحہ دیا ہے اور دوسرے کو زیر دے کر نیا جملہ بنایا ہے اور دیگر حضرات نے دونوں پر زیر پڑھی ہے اور نیا جملہ بنایا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿55﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿57﴾

ترجمہ: اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جاوے آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے خیالات کا اتباع نہ کروں گا کیونکہ اس حالت میں تو بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔

تفسیر 55 (وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ) یعنی جس طرح اس صورت میں ہم نے اپنے دلائل واضح کیے مشرکین پر اسی طرح ہم آیتوں کو بیان کریں گے یعنی ہر اس حق بات میں آپ کے لیے دلائل بیان کریں گے جس کا باطل لوگ انکار کریں گے (وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ) یعنی مجرموں کا طریقہ۔ اہل مدینہ نے "لتستبين" کو تاء کے ساتھ اور سبیل المجرمین کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ یعنی تاکہ ہم پہچان لیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجرموں کا

راستہ اور حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہما اللہ نے "لیستبین" کو یاء کے ساتھ اور سبیل کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے لتستبین کو تاء کے ساتھ اور سبیل کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی واضح ہو جائے راستہ اور سبیل کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے مذکر کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "وان یروا سبیل الرّشد لایتخذوہ سبیلا" اور مؤنث کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لِمَ تصدّون عن سبیل اللّٰہ من امن بہ وتبغونھا عوجا"

⑯ (قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَ کُمْ) بتوں کی عبادت کرنے اور فقراء کو دھتکارنے میں (قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ) یعنی اگر میں نے ایسا کیا تو میں نے حق راستہ کو چھوڑ دیا اور غلط راستہ پر چل پڑا۔

⑰ (قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ)۔ بیانٌ بصیرت اور برہان پر۔ مِّنْ رَّبِّیْ وَکَذَّبْتُمْ بِهٖ جس کو میں لایا۔ (مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ) بعض نے کہا کہ وہ عذاب کو جلدی طلب کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول مذکور ہے (ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ اگر یہ حق ہے تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر) اور بعض نے کہا اس سے قیامت مراد ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (قیامت کو جلدی چاہتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں لاتے)...... (اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط یَقُصُّ) دیگر حضرات نے "یقضی" پڑھا ہے قاف کے سکون اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ۔

قضیت سے ہے یعنی حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا (وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ) اور فصل قضاء میں ہوتا ہے اور یاء کو حذف کیا الف اور لام کے ثقیل ہونے کی وجہ سے جیسے باری تعالیٰ کا قول (صال الجحیم) ہے اور بالحق نہیں کہا اس لئے کہ حق مصدر کی صفت ہے گویا کہ فرمایا یقضی القضاء الحق ۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ⑤⑧ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ⑤⑨ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑥⓪

(ترجمہ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اللہ ہی کے پاس میں خزانے کا مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ

سب کتاب مبین میں ہیں اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تا کہ میعاد معین تمام کر دی جاوے پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو ہتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر ⑤⑧ (قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ) میرے ہاتھ میں (مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ) یعنی عذاب (لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ) یعنی میں عذاب دے کر تمہیں ہلاک کر کے تم سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ)

⑤⑨ (وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ) غیب کی کنجیاں یعنی اس کے خزانے۔ مفتح کی جمع ہے۔

مفاتیح الغیب کی مختلف تفسیریں

مفاتیح الغیب کی تفسیر میں مفسرین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔ عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ نے خبر دی ہے کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیب کی چابیاں پانچ ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ رحم میں کیا ہے اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کل کیا ہونا ہے اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور بارش کب آئے گی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ کس زمین میں اس کی موت آئے گی اور قیامت کب قائم ہوگی اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غیب کی چابیوں سے زمین کے خزانے مراد ہیں اور عذاب نازل ہونے کا علم اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثواب اور عقاب میں سے کیا پوشیدہ ہے وہ مراد ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے سوائے غیب کی چابیوں کے علم کے

(وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ)

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "البر" سے جنگل اور چٹیل میدان مراد ہیں اور "البحر" سے شہر اور بستیاں۔ ان دونوں میں جو چیز بھی ہوتی ہے اللہ اس کو جانتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے معروف معنی مراد ہیں یعنی جنگل اور سمندر۔ (وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا) یعنی جتنے پتے درختوں سے گرتے ہیں اور جو باقی رہتے ہیں ان کی تعداد کو جانتا ہے (اور اللہ تعالیٰ ان پتوں کو بھی جانتا ہے جو زمین پر گرے ہوئے ہیں کہ کب میں پلٹیں گے (وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ) بعض نے کہا کہ وہ دانہ جو زمین میں پوشیدہ ہے۔ بعض نے کہا وہ دانہ جو زمین کی تہہ پہاڑ کے نیچے چھپا ہوا ہے (وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رطب سے مراد پانی اور "یابس" سے مراد جنگل ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں اُگتی ہیں اور نہیں اُگتی وہ مراد ہیں۔ بعض نے کہا ہر چیز مراد ہے۔ (اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ) یعنی سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

⑥⓪ (وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ) یعنی جب تم رات کو سوتے ہو تو تمہاری روح کو قبض کر لیتا ہے۔ (وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ) یعنی دن میں تم کو بیدار کرتا ہے (لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى) یعنی زندگی کی مدت

پوری ہو(ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ) آخرت میں(ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۞ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۞ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۞

ترجمہ اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتے ہیں یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آ پہنچتی ہے اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جاویں گے خوب سن لو کہ فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے اس حالت میں نجات دے دیتا ہے کہ تم اس کو پکارتے ہو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے کہ اگر آپ ہم کو ان سے نجات دے دیں تو ہم ضرور حق شناسی والوں سے ہو جائیں۔

تفسیر ۶۱ (وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً) یعنی وہ فرشتے جو بنی آدم کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ حافظ کی جمع ہے اس کی نظیر (وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین) ہے (حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ) حمزہ نے "توفّاہ" پڑھا ہے (رُسُلُنَا) یعنی ملک الموت کے مددگار فرشتے اس کو قبض کر کے ملک الموت کو دیتے ہیں وہ اس کی روح نکال لیتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ملک الموت کے مددگار اس کے حکم سے خود روح قبض کر لیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ آیت میں "رُسُل" سے ملک الموت مراد ہے ایک کے لیے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے اور یہ بات احادیث میں آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کے سامنے دُنیا کو چھوٹے سے دسترخوان کی طرح کر دیا ہے وہ دُنیا کے تمام کونوں سے آسانی سے روح قبض کر لیتا ہے اور جب روحیں زیادہ ہوں تو ان کو بلاتے ہیں وہ ان کی دعوت کو قبول کر لیتی ہیں (وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ)۔ کوتاہی نہیں کرتے۔

۶۲ (ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ) یعنی فرشتے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ انسان مراد ہیں جو مرنے کے بعد اپنے حقیقی مالک کی طرف پہنچائے جاتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ آیت مؤمن و کافر سب مرنے والوں کے بارے میں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کا بھی مولیٰ ہے اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "انّ الکافرین لا مولیٰ لھم" تو اس میں تطبیق کیسے ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مولیٰ بمعنی مالک کے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے مالک ہیں اور جہاں کافروں سے مولیٰ کی نفی کی گئی ہے وہاں مولیٰ بمعنی مددگار کے ہے یعنی ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت میں صرف مؤمن مراد ہیں کہ وہ اپنے مولیٰ کے پاس پہنچائے جائیں گے اور کفار ان کے تابع ہیں (اَلَا لَهُ الْحُكْمُ) نہ کہ اس کی مخلوق کا (وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ) یعنی جب حساب لے گا تو اس کا حساب بہت جلد ہوگا کیونکہ وہ حساب کے لیے غور و فکر کا محتاج نہیں ہے۔

63 (قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ) یعقوب نے تخفیف کے ساتھ اور اکثر حضرات نے شد کے ساتھ پڑھا ہے (مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ) یعنی ان کی سختیوں اور ہولناکیوں سے۔ وہ لوگ جب جنگل یا سمندر میں سفر کررہے ہوتے اور راستہ بھول جاتے اور ہلاکت کا خوف ہوتا تو اللہ کے ساتھ اعتقاد کو خالص کر کے اس کو پکارتے تو اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے دیتے۔ (تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً) ابوبکر نے عاصم رحمہما اللہ سے "خيفة" خاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں بھی اور سورۃ الاعراف میں بھی اور باقی قراء نے دونوں جگہ خاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں (لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ) شکر نعمت کو پہچاننا اس کا حق ادا کرنے کے ساتھ۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ 64 قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ 65

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو آپ کہیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو ٹھہراوے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھاوے۔ آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جاویں۔

تفسیر 64 (قل الله ينجيكم منها) اہل کوفہ اور ابوجعفر نے ينجيكم تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے (قل من ينجيكم) اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (ومن كل كرب) کرب کہتے ہیں انتہائی غم کو جو انسان کے نفس کو پہنچتا ہے (ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ) یعنی یہ مشرکین خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کو وہ سختی کے وقت پکارتے ہیں تو وہ ان کو نجات دیتا ہے، پھر بھی اس کے ساتھ ان بتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جن کے بارے میں ان کو علم ہے کہ وہ ان کو نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان۔

65 (قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ) حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آیت اہل ایمان کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ایک جماعت نے کہا کہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ یعنی چیخ، پتھر، ہوائیں اور طوفان جیسے قومِ عاد، ثمود اور قومِ لوط اور قومِ نوح کے ساتھ کیا ہے۔ (اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ) یعنی زلزلے اور دھنسا دینا جیسے شعیب کی قوم اور قارون کے ساتھ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اوپر سے عذاب ظالم حکمران اور نیچے سے عذاب برے غلام۔ (او يلبسكم شيعاً) یعنی تم میں مختلف فرقے ملا دے اور تم میں مختلف خواہشات پھیلا دے۔ (وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ) یعنی تم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔

قل ھو القادر آیت کے نزول پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعوذ پڑھنا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل ھو القادر علٰی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! میں تیری کریم ذات کی پناہ میں آتا ہوں۔ پھر پڑھا "او من تحت ارجلکم" تو فرمایا میں تیری ذات سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر پڑھا "او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم بأس بعض" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آسان ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے حق میں تین دعائیں مانگیں دو قبول کر دی گئیں ایک نہیں

عامر بن سعد بن وقاص اپنے والد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو معاویہ کی ایک مسجد سے گزرے تو آپ علیہ السلام اس مسجد میں داخل ہوئے اور آپ علیہ السلام نے دو رکعتیں پڑھیں اور ہم نے بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ پڑھیں تو آپ علیہ السلام نے اپنے رب سے بڑی لمبی دعا کی۔ پھر فرمایا، میں نے اپنے رب سے تین دعائیں مانگیں۔ میں نے دعا مانگی کہ میری اُمت کو غرق کر کے ہلاک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی اور میں نے یہ دعا مانگی کہ میری اُمت کو قحط سے نہ ہلاک کرے تو یہ بھی مجھے دے دی اور میں نے یہ دعا مانگی کہ میری اُمت کی آپس میں لڑائی نہ ہو تو اس سے منع کر دیا۔ سلیمان بن بلال رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور یہ حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تین دعائیں مانگی ہیں۔ دو قبول ہوئیں ایک قبول نہیں ہوئی۔ یہ دعا کی کہ اللہ میری اُمت پر ان کے علاوہ کوئی ایسا دشمن نہ مسلط کر دے جو ان پر غالب ہو یہ قبول ہوئی اور یہ دعا کی کہ ان کو قحط سے نہ ہلاک کرے یہ قبول ہوئی اور یہ دعا کی کہ ان کی آپس میں لڑائی نہ ہو تو یہ قبول نہیں ہوئی۔ (اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ)

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: اور آپ کی قوم اس کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ یقینی ہے آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں ہر چیز کے وقوع کا ایک وقت ہے اور جلدی ہی تم کو معلوم ہو جاوے گا اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری

آیات میں عیب جوئی کرر ہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا لیکن ان کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں۔

تفسیر ⑯ (وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ) یعنی قرآن کو اور بعض نے کہا عذاب کو (وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ) نگہبان اور بعض نے کہا تم پر مسلط نہیں کہ تم انکار کرو یا اقرار تم پر اسلام لازم کر دوں۔ میں تو بس پیغام پہنچانے والا ہوں۔

⑰ (لِكُلِّ نَبَاٍ) پہلی اُمتوں کی خبروں میں سے خبر (مُّسْتَقَرٌّ) تاکہ اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے اور اس کا حق یا باطل ہونا معلوم ہو جائے چاہے دُنیا میں یا آخرت میں (وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ)۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ نے جو خبر دی ہے اس کا وقت اور جگہ متعین ہے۔ اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر قول اور فعل کی حقیقت ہے یا تو دُنیا میں یا آخرت میں جو دُنیا میں ہے اس کو عنقریب تم جان لو گے اور جو آخرت میں ہے وہ عنقریب تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔

⑱ (وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا) یعنی قرآن کا استہزاء کر کے (فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ) ان کو چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ نہ بیٹھیں (حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ) ابن عامر نے نون کے فتح اور سین کے شد کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے نون کے سکون اور سین کی تخفیف سے پڑھا ہے۔ (فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ) یعنی جب بھول کر آپ ان کے ساتھ بیٹھ جائیں تو جب یاد آئے فوراً کھڑے ہو جائیں۔

⑲ (وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "واذا رأيت الذين يخوضون في آياتنا فاعرض عنهم" تو مسلمان کہنے لگے ہم مسجد حرام میں کیسے بیٹھیں؟ اور بیت اللہ کا طواف کیسے کریں کیونکہ یہ تو ہمیشہ آیات میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم ان لوگوں کو نہ روکیں گے تو ہمیں گناہ کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (وما على الذين يتقون) جھگڑنے سے "من حسابهم" یعنی جھگڑنے والوں کے گناہ سے۔ "من شيء" (وَلٰكِنْ ذِكْرٰى لیکن ان کے ذمہ نصیحت کرنی ہے یعنی ان کو قرآن سے وعظ کریں اور ذکر اور ذکریٰ ایک ہے، مراد ہے ذکرهم وهم ذکری۔ تو یہ محل نصب میں ہے (لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ) جھگڑنے سے۔ جب تم ان کو وعظ کرو گے۔ آیت میں مسلمانوں کو اتنی رُخصت دی ہے کہ ان کے ساتھ نصیحت کرنے کے لیے بیٹھ سکتے ہیں تاکہ وہ حیاء کریں اور اس کام سے باز آ جائیں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

يَكْفُرُوْنَ ⑦⓪ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑦①

ترجمہ: اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جاوے یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے ان کے لئے نہایت تیز پانی پینے کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں کہ وہ نہ ہم کو نفع پہنچاوے اور نہ وہ ہم کو نقصان پہنچاوے اور کیا ہم الٹے پھر جاویں بعد اس کے کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کر دی ہے جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو۔ اس کے کچھ ساتھی بھی تھے۔ کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس آ آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ پورے مطیع ہو جائیں پروردگار عالم کے۔

وذر الذين اتخذوا دينهم لعباً ولهوًا کی تفسیر

تفسیر: ⑦⓪ (وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا) یعنی ان کفار کو چھوڑ دیں جنہوں نے اللہ کی آیات کو سنا اور ان کے ساتھ استہزاء کیا اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لیے عید مقرر کی ہے تو ہر قوم نے اپنی عید کو کھیل اور تماشا بنا دیا اور مسلمانوں کی عید نماز، تکبیرات اور اچھے کام کرنا ہے جیسے جمعہ، فطرانہ اور قربانی (وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ) قرآن سے وعظ کرے (اَنْ تُبْسَلَ کہ وہ تسلیم نہ ہو۔ نَفْسٌ بمعنی ہلاک بِمَا كَسَبَتْ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ وہ ہلاک ہو جائیں اور قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ قید کیے جائیں اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جلا دیا جائے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں پکڑا جائے اور معنی یہ ہے کہ ان کو نصیحت کریں کہ وہ ایمان لے آئیں تاکہ کوئی نفس اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک نہ ہو اور اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں (تُبسل) بدلہ دیا جائے۔ اور بعض نے کہا ہے رسوا کیا جائے۔ اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں رہن رکھا جائے اور ابسال کی اصل حرام کرنا ہے اور ''البسل'' حرام ہونا۔ پھر ہر اس سختی کی صفت بنائی گئی ہے جس سے بچا جائے۔ (ليس لها اس نفس کیلئے (من دون الله ولی) اس سے مراد قریبی دوست (ولا شفيع) جو آخرت میں سفارش کرے (وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ) یعنی فدیہ دے (لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ

شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ م بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ)

۷۱ (قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا) اگر ہم ان کی عبادت کریں (وَلَا يَضُرُّنَا) اگر ہم ان کو چھوڑ دیں یعنی بت نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان (وَنُرَدُّ عَلٰى اَعْقَابِنَا) شرک کی طرف مرتد ہو کر (بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ) یعنی ہماری مثال اس شخص کی طرح ہوگی جس کو شیاطین نے گمراہ کر دیا ہو۔ (فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا) ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ اس شخص کی طرح ہے کہ وہ بھٹکتا ہوا متحیر پھر رہا ہو اس کی سمجھ میں نہ آتا ہو کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔ (لَهٗ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا) یہ اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے کہ جس شخص کے دوست ہوں کچھ اس کو متعدد خداؤں کی طرف بلاتے ہوں اور کچھ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو جنگل میں راستہ بھول جائے اس کے دوست اس کو سیدھے راستے کی طرف بلائیں اور جن اس کو اپنی طرف بلائیں تو وہ اس وقت حیران و پریشان ہوگا۔ اگر جنوں کے پاس جاتا ہے تو ہلاک ہو جائے گا اور اگر ان دوستوں کی طرف جاتا ہے جو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں تو نجات پا جائے گا۔ (قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى) بتوں کی عبادت سے روکتی ہے۔ گویا کہ فرمایا تو یہ نہ کر کیونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس کے سوا کوئی ہدایت نہیں دیتا۔ (وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۷۲ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۷۳

ترجمہ: اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اسی سے ڈرو اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بافائدہ پیدا کیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ (حشر) تو ہو جا پس وہ ہو پڑے گا۔ اس کا کہنا بااثر ہے اور جب کہ صور میں پھونک ماری جاوے گی ساری حکومت خاص اسی کی ہوگی۔ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا اور وہی ہے بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا۔

تفسیر: ۷۲ (وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ) یعنی ہمیں نماز قائم کرنے اور تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے (وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ)۔ حساب کے لیے موقف میں جمع کیے جاؤ گے۔

۷۳ (وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ) بعض نے کہا کہ باء لام کے معنی میں ہے کہ حق کو ظاہر کرنے کے لیے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا سب کو اس طرح پیدا کرنا اس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے۔ (وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ)۔ کن فیکون یہ راجع ہے آسمان و زمین کی تخلیق کی طرف۔ یہاں خلق بمعنی قضاء اور قدر کے ہے مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان میں ہر چیز اللہ کے فیصلے اور تقدیر کے تحت ہے۔

کن فیکون کی تفسیر

جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ کن فرمایا تو فیکون وہ ہو گیا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ قیامت کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں یہ قیامت کے جلدی وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب سب کو فرمائیں گے مو تو اسب مر جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اُٹھو تو سب اُٹھ جائیں گے۔ (قَوْلُهُ الْحَقُّ) یعنی جو وہ وعدے کرتا ہے وہ سچ ہے اور ضرور ہوگا۔ (وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ) یعنی بادشاہوں کی بادشاہی اس دن ختم ہو جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "مالک یوم الدین" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "والامر یومئذ للّٰہ" ہر وقت میں اللہ ہی کا حکم ہے لیکن اس دن خاص طور پر اسی کا حکم چلے گا اس کے علاوہ کسی کا حکم نہیں چل سکے گا اور صُور سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔

مجاہد کا قول ہے کہ صور سینگ کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ اہل یمن کی لغت میں ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا اور پوچھا صُور کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کیسے خوش عیشی کی زندگی گزاروں حالانکہ صُور والا اس کو منہ میں لے کر اور کان لگا کر اور پیشانی جھکا کر بیٹھا ہے کہ اس کو کب حکم دیا جائے گا؟ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تم کہو "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" (عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ) یعنی جو چیزیں بندوں سے پوشیدہ ہیں یا ان کے مشاہدہ میں ان سب کو جانتا ہے اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ (وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ)۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾

(ترجمہ) اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے۔ بیشک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تاکہ وہ عارف ہو جائیں اور تاکہ کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں۔ پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

(تفسیر) ﴿۷۴﴾ (وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ) یعقوب رحمہ اللہ نے (آزر) پیش کے ساتھ یعنی (آزرُ) پڑھا ہے اور معروف قرأت نصب کے ساتھ ہے۔ آزر عجمی نام ہے غیر منصرف ہے اس لیے اس پر جر نہیں آسکتی۔

آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے یا چچا کا

محمد بن اسحاق، ضحاک، کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آزر اور تارخ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے جیسے اسرائیل اور یعقوب دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کے نام ہیں اور مقاتل بن حیان اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد کا لقب ہے اور اس کا نام تارخ تھا اور سلیمان تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آزر گالی اور عیب ہے کیونکہ ان کی زبان میں اس کا معنی ٹیڑھا ضدی شخص ہے اور بعض نے کہا اس کا معنی بوڑھا کمزور آدمی ہے اور سعید بن میتب اور مجاہد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ آزر بت کا نام تھا اس صورت میں آزر محل نصب میں ہوگا۔ اصل عبارت یوں تھی "اتتخذ آزر اِلٰھًا" یعنی کیا تو آزر کو معبود بناتا ہے۔

(اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْ اَرٰکَ وَقَوْمَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ)

⑮ (وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرٰهِیْمَ) جیسے ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دین میں بصیرت عطا فرمائی۔ (مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) ملکوت میں تاء مبالغہ کے لیے زیادہ کی گئی ہے جیسے جبروت، رحموت، رھبوت میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یعنی آسمان اور زمین کی تخلیق اور مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین کی نشانیاں مراد ہیں۔ اس کی صورت یہ بنی کہ ابراہیم علیہ السلام کو چٹان پر کھڑا کر کے ان کے لیے آسمانوں اور زمین کے عجائبات کھول دیئے گئے اور انہوں نے عرش اور زمینوں کے نیچے تک اور اپنا جنت میں ٹھکانہ دیکھ لیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور بعض نے یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے کہ جب تمام چیزیں ابراہیم علیہ السلام پر منکشف ہوگئیں تو انہوں نے ایک شخص کو بے حیائی کا کام کرتے دیکھا، اس پر بددُعا کی وہ ہلاک ہوگیا۔ پھر دوسرے کو دیکھا اس پر بددُعا کی وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ پھر تیسرے کو دیکھا بددُعا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! (علیہ السلام) آپ کی دُعا قبول ہوتی ہے آپ میرے بندوں کو بددُعا نہ کریں کیونکہ میرا اپنے بندوں سے تین طرح کا معاملہ ہے۔ ① وہ مجھ سے توبہ کریں اور میں قبول کرلوں۔ ② میں اس کی اولاد میں سے کوئی پیدا کردوں جو میری عبادت کرے۔ ③ وہ مر کر مجھ تک آئے اگر چاہوں تو معاف کردوں اور اگر چاہوں تو اس کو سزا دوں۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "ملکوت السمٰوٰت" سورج چاند اور ستارے ہیں اور "ملکوت الارض" پہاڑ، درخت اور سمندر ہیں۔ (وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ) معنی پر عطف ہے اور اس کا معنی ہم اس کو آسمان وزمین کی سلطنتیں دکھائیں تاکہ ان کے ذریعے استدلال کرے اور یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے۔

نمرود کا واقعہ

⑯ (فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ کَوْکَبًا) مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی ولادت نمرود بن کنعان کے

زمانہ میں ہوئی۔ نمرود دُنیا میں پہلا شخص ہے جس نے سر پر تاج رکھا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلایا اور اس کے کئی کاہن اور نجومی تھے۔ انہوں نے اس کو کہا کہ تیرے شہر میں اس سال ایک بچہ پیدا ہوگا جو زمین والوں کا دین تبدیل کردے گا اور تیری اور تیری سلطنت کی ہلاکت اسی کے ہاتھ سے ہوگی۔ اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ بات پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں پائی تھی۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نمرود نے خواب دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا اور اس نے سورج اور چاند کی روشنی بالکل ختم کردی تو وہ اس خواب سے بہت زیادہ گھبرا گیا تو اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو بلایا اور اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ ایک بچہ اس سال تیرے ملک میں پیدا ہوگا۔ تیری اور تیرے گھر والوں اور تیری سلطنت کی ہلاکت اس کے ہاتھوں ہوگی۔ تو اس نے حکم دیا کہ جو لڑکا اس سال پیدا ہو اس کو ذبح کردیا جائے اور حکم دیا کہ مرد اپنی عورت کے قریب نہ جائیں اور ہر دس لوگوں پر ایک نگران مقرر کردیا۔ جب عورت کو حیض آتا تو وہ نگران چلا جاتا کیونکہ وہ لوگ حالت حیض میں جماع نہ کرتے تھے۔ پھر جب عورت حیض سے پاک ہوتی تو وہ نگران اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان حائل ہوجاتا تو آزر آئے تو بیوی کو دیکھا کہ اس وقت حیض سے پاک ہوئی ہے تو اس سے جماع کیا جس سے ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ نمرود نے ہر حاملہ عورت کو اپنے پاس قید کرالیا لیکن ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کو قید نہ کراسکے کیونکہ ان کی عمر بہت چھوٹی تھی اور جسم سے حاملہ ہونا معلوم بھی نہ ہوتا تھا اور سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نمرود مردوں کو عورتوں سے الگ کرنے کے لیے تمام مردوں کا ایک لشکر بنا کر شہر سے باہر لے گیا کہ اگر شہر میں ہوں گے تو کہیں بچہ نہ پیدا ہوجائے۔ کچھ مدت بعد اس کو شہر میں کوئی ضروری کام پڑا۔ آزر کے سوا کوئی قابل اعتماد شخص نہ ملا تو ان کو کہا کہ میں ایک کام سے آپ کو شہر بھیجتا ہوں لیکن آپ اپنے گھر نہ جانا، انہوں نے کہا کہ میں اپنے دین کے باقی رہنے پر اس سے زیادہ حریص ہوں، جب وہ شہر گئے اور نمرود کا کام کرلیا تو عیال کی خبر گیری کے لیے گھر بھی گئے وہاں صبر نہ ہوسکا اور ان کی اہلیہ حاملہ ہوگئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اُم ابراہیم علیہ السلام کو حمل ہوا تو نمرود کو کاہنوں نے کہا گزشتہ رات وہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں آگیا ہے تو اس نے بچوں کے قتل کا حکم دیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی ولادت قریب ہوئی تو ان کی والدہ ڈر کے مارے شہر سے دور ایک خشک گھاس میں گئیں اور وہاں ان کو جنم دیا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان کو وہیں گھاس پر رکھ آئیں اور واپس آکر ولادت کی خبر اپنے خاوند کو دی اور جگہ بتادی تو آزر گئے اور اس نے وہاں جا کر بچہ کو لے کر ایک سرنگ کھود کر ابراہیم علیہ السلام کو اس میں رکھ کر اس سرنگ کے منہ پر پتھر رکھ دیا کہ کوئی درندہ نہ کھا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کی والدہ دن میں کئی دفعہ چکر لگا کر آپ علیہ السلام کو دودھ پلا جاتی تھیں۔ ابوروق کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے ایک دن ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک انگلی سے پانی ایک سے شہد ایک سے کھجور اور ایک سے دودھ اور ایک سے گھی چاٹ رہے ہیں۔

محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ آزر نے اُم ابراہیم سے حمل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا بچہ پیدا ہوا تھا وہ مر گیا اور ابراہیم علیہ السلام کا جسم ایک ماہ میں ایک سال جتنا بڑھ رہا تھا۔ صرف پندرہ ماہ آپ علیہ السلام غار میں رہے اور والدہ کو کہا اب مجھے باہر نکال دیں، انہوں نے نکالا تو آپ علیہ السلام نے آسمانوں اور زمین میں غور وفکر کیا اور کہا کہ بے شک جس نے مجھے پیدا کیا اور رزق دیا، کھلایا اور پلایا وہی میرا رب ہے۔ اس کے سوا میرا کوئی معبود نہیں۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا اور ستارے دیکھے تو کہا یہ میرا رب ہے پھر اس کو دیکھتے رہے جب وہ چھپ گیا تو کہا میں غائب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر سورج طلوع ہوا تو یہی کہا۔ پھر اپنے والد کے پاس گئے اور آپ کو استقامت حاصل ہو چکی تھی اور اپنے رب کو پہچان چکے تھے اور اپنی قوم کے دین سے برأت ظاہر کر چکے تھے لیکن ان کو اس کی اطلاع نہیں دی اور والد کو خبر دی کہ میں آپ کا بیٹا ہوں اور ماں نے بھی تصدیق کی اور کس طرح پرورش کی ہے وہ بھی بتایا تو آزر اس سے بہت خوش ہوئے۔ بعض نے کہا کہ غار میں سات سال رہے اور بعض نے تیرہ سال اور بعض نے سترہ سال۔

مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام جوان ہوئے اور وہ ابھی اس گڑھے میں تھے تو اپنی والدہ سے پوچھا میرا رب کون ہے؟ انہوں نے کہا میں۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا آپ کا رب کون ہے؟ انہوں نے کہا تیرا والد آزر۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا میرے والد کا رب کون ہے؟ انہوں نے کہا نمرود۔ پھر پوچھا نمرود کا رب کون ہے؟ تو والدہ نے کہا خاموش ہو جا۔ آپ علیہ السلام خاموش ہو گئے تو والدہ نے جا کر اپنے خاوند کو کہا کہ میرا خیال ہے کہ جس لڑکے نے زمین والوں کے دین کو تبدیل کرنا ہے وہ آپ کا بیٹا ہے اور ساری بات ان کو بتادی تو آزر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بھی وہی سوال و جواب کیے۔ اس کے بعد کہا کہ مجھے اس گڑھے سے نکالیں تو وہ ان کو نکال کر غروب شمس کے بعد اپنے ساتھ لے گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے اونٹ، گھوڑے، بکریوں کو دیکھا تو ان کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہیں؟ والد نے بتایا تو آپ علیہ السلام کہنے لگے کہ ان کا بھی خالق اور رب ضرور ہوگا۔ پھر دیکھا تو مشتری ستارہ طلوع ہو چکا تھا اور بعض نے کہا زہرہ۔ یہ رات مہینے کی آخری راتوں میں سے تھی اس لیے چاند دیر سے طلوع ہوا اور ابراہیم علیہ السلام نے چاند سے پہلے ستاروں کو دیکھ کر یہ کلام کی (**فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ**) یعنی رات داخل ہوئی۔ کہا جاتا ہے "**جنّ اللیل واجنّ اللیل وجنّة اللیل واجنّ علیه اللیل یجنّ جنونا وجنانا**" جب رات تاریک ہو اور ہر چیز کو ڈھانپ لے اور جنون اللیل رات کی تاریکی۔ (**رأی کوکبا**) ابوعمرو نے (رأی) راء کے زبر اور الف کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن عامر، حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہما اللہ نے دونوں کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اگر کاف یا ھاء کے ساتھ متصل ہو تو ان دونوں کو ابن عامر رحمہ اللہ زیر دیتے ہیں اور اگر ان کو ساکن ملا ہوا ہو تو راء کو زیر اور ہمزہ کو زبر دیتے ہیں اور دیگر حضرات ان دونوں کو زبر دیتے ہیں۔ (**قال هذا ربی**) اس قول سے ابراہیم علیہ السلام کی کیا مراد تھی۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کو ظاہری معنی پر جاری کیا ہے اور کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اس وقت تک رہنمائی طلب کر رہے تھے اور توحید کے طالب تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دن کو توفیق دی اور ان کو راہ دکھائی تو اس قول نے ان کو نقصان نہیں دیا اور ویسے بھی یہ بات انہوں نے بچپن کے زمانہ میں کہی تھی۔ اس وقت وہ مکلف نہ تھے اس لیے یہ قول کفر نہیں

ہےاور دیگر مفسرین رحمہما اللہ نے اس قول کا انکار کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو رسول بنانا ہوتا ہے وہ ہر وقت اللہ کی توحید کا قائل اور اللہ کو پہچاننے والا ہوتا ہے اور اللہ کے علاوہ ہر معبود سے بری ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام پر ایسے کفریہ قول کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ان باتوں سے محفوظ کیا ہے اور ان کو پاک کیا اور پہلے سے سمجھ دی اور ان کے بارے میں خبر دی۔ (**اذ جاء ربّہ بقلب سلیم**)اور فرمایا (**وکذلک نری ابراھیم ملکوت السماوات والارض**) تیرا کیا خیال ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو سلطنتیں دکھائیں تاکہ ان کو یقین حاصل ہو جائے بعد جب ان کو یقین حاصل ہوا تو ستارے کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے اس کو عقیدہ بنالیا؟ یہ ایسی بات ہے جو کبھی نہیں ہوسکتی، پھر اس کے کئی تاویلات کی گئی۔

ایک یہ ابراہیم علیہ السلام نے اس قول سے یہ ارادہ کیا کہ قوم کو ڈھیل دیں تاکہ ان کی غلطی ان پر واضح ہو جائے۔اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ تمام امور ان ستاروں کے سپرد ہیں تو ان کو یہ خیال دلایا کہ ابراہیم علیہ السلام بھی ان چیزوں کی تعظیم کرتے ہیں جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں اور اسی سے ہدایت تلاش کرتے ہیں جس سے وہ تلاش کرتے ہیں۔ جب وہ ستارہ غروب ہوگیا تو ان کو ستاروں کا نقص وعیب دکھایا تاکہ ان کے دعویٰ کی خطاء واضح ہو جائے۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے حواری بتوں کی عبادت کرنے والی قوم پر آیا تو ان کی تعظیم ظاہر کی تو بت پرستوں نے اس کا اکرام کیا اور کئی معاملات میں اس کی تصدیق کی۔ یہاں تک کہ ایک دن دشمن نے حملہ کیا تو لوگ حواری سے مشورہ کرنے آئے تو اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم اس بت سے مدد مانگو یہ ہماری مدد کرے گا تو وہ اس کے اردگرد جمع ہو کر آہ وزاری کرنے لگے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ تو نفع نقصان نہیں دیتے تو ان کو دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں تو انہوں نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کا خوف دور کر دیا تو وہ سب اسلام لے آئے، کہ تم ان ستاروں کی تعظیم کرتے ہو اور عبادت کرتے ہو حالانکہ ان میں تو عیب موجود ہے تو یہ کیسے معبود ہوسکتے ہیں؟

❷ تاویل یہ ہے کہ یہ قول استفہام تھا کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ اور یہ استفہام ڈانٹ کے لیے ہے کہ کیا اس جیسی چیز رب ہوسکتی ہے؟ جیسے باری تعالیٰ کا قول(**افائن متّ فھم الخالدون**) ہے یعنی کیا وہ ہمیشہ رہیں گے؟ اور اس کو ڈانٹ کے طور پر ذکر کیا ہے ان کے فعل کا انکار کرنے کے لیے۔یعنی کیا اس جیسی چیز اب ہوسکتی ہے۔یعنی یہ میرا رب نہیں ہے۔ ❸ تاویل ان پر استدلال قائم کرنا ہے۔فرمایا یہ میرا رب ہے تمہارے گمان کے مطابق۔جب وہ غائب ہوگیا تو فرمایا اگر یہ معبود ہوتا تو غائب نہیں ہوتا۔جیسا کہ فرمایا(**ذق انک انت العزیز الکریم**) یعنی تیرے نزدیک اور تیرے گمان میں اور جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے کہا(**وانظر الی الٰھک الّذی ظلت علیه عاکفا لنحرقنّه**) مراد تیرا معبود ہے تیرے گمان کے مطابق۔

❹ تاویل۔وجہ اس میں عبارت مقدر ہے۔اصل عبارت وہ کہتے ہیں یہ میرا رب ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (**واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل ربّنا تقبّل منّا**) یعنی وہ کہتے ہیں(**ربّنا تقبّل منّا**) (**فلمّا افل قال لا اُحبّ الآفلین**)اور جن میں دوام نہ ہو۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب میں بڑا ہے سو جب وہ غروب ہو گیا آپ نے فرمایا اے میری قوم بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔ اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کی۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے۔ اور میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا ہاں لیکن اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے کیا تم پھر خیال نہیں کرتے۔

تفسیر: ﴿۷۷﴾ (فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ) بازغا کا معنی ہے طالعا (قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ) "لئن لم یهدنی ربی" کی تشریح بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ اگر مجھے اللہ ہدایت پر ثابت قدم نہ رکھتا، ہدایت نہ دیتا یہ معنی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بغیر ہدایت کے کسی نبی کو نہیں بھیجتے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام جب بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں تو ایمان پر ثابت قدمی کا سوال کرتے ہیں۔

﴿۷۸﴾ (فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ) یعنی چاند اور ستارے سے بڑا ہے یہاں "هذا" کہا ہے "هذه" نہیں کہا حالانکہ شمس مؤنث ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شمس کا معنی مراد لیا تھا یعنی روشنی اور نور رہے دوسرا یہ کہ اس کی روشنی ستاروں اور چاند سے زیادہ ہوتی ہے۔

(پھر جب وہ غائب ہو گیا (فلما افلت غروب ہو گیا) قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ)۔

﴿۷۹﴾ (اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)

﴿۸۰﴾ (وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ) جب ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کی طرف واپس آ گئے اور آپ اتنے نوجوان ہو گئے تھے کہ والد کو ذبح کرنے والوں کا خوف نہ رہا تو اپنے ساتھ کام پر لگا دیا۔ آزر بت بناتے اور ابراہیم

علیہ السلام کو دیتے کہ ان کو بیچ آؤ تو ابراہیم علیہ السلام آواز لگاتے کون شخص ایسی چیز خریدے گا جو نہ اس کو نفع دے گا اور نہ نقصان تو ان سے کوئی بت نہ خریدتا اور ابراہیم علیہ السلام ان کو نہر پر لے جا کر ان کا سر پانی میں ڈبو کر کہتے کہ پانی پی لو یہ کام قوم سے استہزاء کے لیے کرتے تھے اور ان کی گمراہی کو واضح کرنے کے لیے جب ان کے استہزاء کی خبر قوم میں پھیل گئی تو وہ آپ علیہ السلام سے اپنے دین کے بارے میں جھگڑنے لگے۔(قال اتحاجونّی فی اللّٰہ) اہل مدینہ اور ابن عامر رحمہما اللہ نے نون کی تخفیف سے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے نون کی شد کے ساتھ۔ دونوں میں سے ایک کو دوسرے میں ادغام کرتے ہوئے اور جنہوں نے بغیر شد کے پڑھا ہے تو انہوں نے ایک نون کو تخفیف کی غرض سے حذف کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کیا تو مجھ سے اللہ کی توحید میں جھگڑا کرتا ہے؟ حالانکہ اللہ نے مجھے توحید اور حق کی ہدایت دی ہے۔(وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ) ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ بتوں سے ڈر کیونکہ ہمیں خوف ہے کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچادیں۔ مثلاً جنون وغیرہ تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کو یہ جواب دیا تھا جس شرک میں تم مبتلا ہو اس کے روکنے سے میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔(اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْـًٔا) یہ پہلے کلام سے استثناء منقطع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لیکن اگر میرا رب کسی چیز کو چاہے اس کے علاوہ تو جو وہ چاہے وہ ہو جائے گا۔(وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا احاطہ کرلیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا) اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کرلیا ہے۔(اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ)

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿81﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿82﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿83﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿84﴾

(ترجمہ) اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سو ان دو جماعتوں میں سے اس کا زیادہ مستحق کون ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے۔ ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں بیشک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے اور ہم نے ان کو (ایک بیٹا) اسحاق علیہ السلام دیا اور (ایک پوتا) یعقوب علیہ السلام دیا ہر ایک کو (طریق حق کی) ہم نے ہدایت کی اور (ابراہیم علیہ السلام سے) پہلے زمانہ میں ہم نے نوح علیہ السلام کو

ہدایت کی اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے داؤد علیہ السلام کو اور سلیمان علیہ السلام کو اور ایوب علیہ السلام کو اور یوسف علیہ السلام کو اور موسیٰ علیہ السلام کو اور ہارون علیہ السلام کو (طریق حق کی ہدایت کی) اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزادیا کرتے ہیں۔

تفسیر ⑧١ (وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ) یعنی بتوں سے حالانکہ نہ وہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں اور نہ نقصان دیتے ہیں اور نہ نفع۔ (وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا) حالانکہ وہ غالب ہے اور ہر چیز پر قادر ہے پھر بھی تم نہیں ڈرتے (فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ) میں اور میرے دین والے مطمئن ہیں یا تم۔ (اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ)

⑧٢ (اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ) اپنے ایمان میں شرک کو نہیں ملایا (اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ)

وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کی تفسیر

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ بہت گراں گزری اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے کیا تم نے وہ نہیں سنا جو لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا (يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ) (اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا، بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے)

⑧٣ (وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ) حتیٰ کہ جب ان سے جھگڑا ہوا تو دلیل میں غالب آگئے (نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ) علم کے ساتھ اہل کوفہ اور یعقوب رحمہما اللہ نے درجات کو یہاں اور سورۃ یوسف میں تنوین کے ساتھ پڑھا ہے یعنی درجے بلند کرتے ہیں ہم جس کے چاہیں علم اور سمجھ اور فضیلت اور عقل کے ساتھ جیسا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے درجات بلند کیے حتیٰ کہ وہ ہدایت پاگئے اور توحید کی دلیل میں اپنی قوم پر غالب رہے۔ (اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ)

⑧٤ (وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ) ہم نے توفیق دی اور سیدھا راستہ دکھایا اور نوح علیہ السلام کو ہم نے ہدایت کی ان سب سے پہلے) یعنی ابراہیم علیہ السلام سے پہلے (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ) یعنی نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد مراد نہیں کیونکہ ان میں یونس اور لوط علیہما السلام کا بھی تذکرہ ہے اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔ (دَاوٗدَ) یہ داؤد بن ایشا ہیں (وَسُلَيْمٰنَ) یعنی داؤد علیہ السلام کے بیٹے۔

(وَاَيُّوْبَ) یہ ایوب بن اموص بن رازح بن روم ابن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (وَيُوْسُفَ اور یوسف) یہ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام پر (وَمُوْسٰى اور موسیٰ) یہ موسیٰ بن عمران بن یصھر بن فاھث ابن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام (وَهٰرُوْنَ) یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں ان سے ایک سال بڑے تھے (وَكَذٰلِكَ)

یعنی جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کوان کی توحید پر بدلہ دیا کہ ان کے درجات بلند کیے اوران کوایسی اولاد دی جو نبی اور متقی تھی اسی طرح (نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ) ان کی نیکی پر۔ان انبیاء علیہم السلام کا آیت میں ذکران کے زمانے کی ترتیب پر نہیں ہے۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ اور نیز زکریا علیہ السلام کواور یحییٰ علیہ السلام کواور عیسیٰ علیہ السلام کواور الیاس علیہ السلام کو (اور یہ) سب (حضرات) پورے شائستہ لوگوں میں تھے اور نیز (ہم نے طریق حق کی ہدایت کی) اسماعیل علیہ السلام کواور یسع علیہ السلام کواور یونس علیہ السلام کواور لوط علیہ السلام کواور (ان میں سے) ہر ایک کو (ان زمانوں کے) تمام جہانوں والوں پر (نبوت سے) ہم نے فضیلت دی اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کواور کچھ اولاد کواور کچھ بھائیوں کو (طریق حق کی ہم نے ہدایت کی) اور ہم نے ان (سب) کومقبول بنایا اور ہم نے ان کوراہ راست کی ہدایت کی۔اللہ کی ہدایت وہ یہی دین ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کو ہدایت کرتا ہے اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے اور یہ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب (آسمانی) اور حکمت (کے علوم) اور نبوت عطا کی تھی سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے ایسے بہت لوگ مقرر کردیے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں۔

تفسیر ﴿۸۵﴾ (وَزَكَرِيَّا) یہ زکریا بن اذن ہیں (وَيَحْيٰى) زکریا علیہ السلام کے بیٹے ہیں (وَعِيْسٰى) مریم بنت عمران کے بیٹے ہیں (وَاِلْيَاسَ) اس سے کون مراد ہیں اس میں مفسرین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں ان کے دو نام تھے۔یعقوب اور اسرائیل کی طرح اور صحیح قول یہ ہے کہ الیاس، ادریس علیہم السلام کے علاوہ نبی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السلام کا ذکر نوح علیہ السلام کی اولاد میں کیا ہے اور ادریس علیہ السلام تو نوح علیہ السلام کے والد کے دادا ہیں۔الیاس علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے الیاس بن بشیر بن فنحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران (علیہم السلام)

﴿۸۶﴾ (كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَاِسْمٰعِيْلَ) یہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں (وَالْيَسَعَ) یہ اخطوب بن عجوز کے بیٹے ہیں اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "الیسع" کو لام کی شد اور یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یہاں بھی اور سورۃ ص میں بھی (وَيُوْنُسَ) یہ یونس بن متی ہیں (وَلُوْطًا) یہ لوط بن ہاران ابراہیمؑ کے بھتیجے ہیں (وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ) ان کے زمانہ کے جہان والوں پر۔

㊲ (وَمِنْ اٰبَآءِ هِمْ) یہاں "من تبعیض" کے لیے ہے کیونکہ بعض انبیاء علیہم السلام کے آباء مشرک تھے (وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ) یہاں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کی اولاد مراد ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کی اولاد نہ تھی اور بعض انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں کافر بھی تھے۔ (وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)

㊳ (ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ) اللہ کا دین ہے (يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا) یعنی جن کا ہم نے نام لیا (لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

㊴ (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ) یعنی جو کتابیں ان پر اُتاری گئیں (وَالْحُكْمَ) یعنی علم اور فقہ (وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ) یعنی اہل مکہ (فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ) یعنی انصار اور اہل مدینہ یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قوم سے وہ اٹھارہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے یہاں تذکرہ کیا ہے اور ابورجاء عطاردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر زمین والے انکار کریں گے تو ہم نے آسمان والوں یعنی فرشتوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کے منکر نہیں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝

ترجمہ یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے (صبر کی) ہدایت کی تھی سو آپ بھی انہی کے طریق پر چلئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر جاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی جبکہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی آپ کہیے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے وہ ہدایت ہے جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے۔

تفسیر ㊵ (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمْ) یعنی ان کی سنت اور سیرت پر۔ اقتدہ میں ھاء وقف کی ہے۔ حمزہ، کسائی اور یعقوب رحمہما اللہ ھاء حالتِ وصل میں حذف کر دیتے ہیں اور باقی حضرات وصل اور وقف دونوں صورتوں میں اس کو ثابت رکھتے ہیں (قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ)

⑨① (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ یعنی ان نے اس کی تعظیم کا حق ادا نہیں کیا اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے اس کا حق وصف بیان نہیں کیا۔ (اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کی تفسیر

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی آیا جس کو مالک بن صیف کہا جاتا تھا اور مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے لگا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل کیا کیا تو توریت میں یہ بات نہیں پاتا کہ اللہ تعالیٰ فربہ عالم کو ناپسند کرتے ہیں اور یہ یہودی بھی موٹا شخص تھا تو وہ غصہ ہو گیا اور کہنے لگا اللہ نے کسی انسان پر کچھ نہیں اُتارا۔

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت فنحاص بن عازوراء کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس نے یہ بات کہی تھی۔ جب مالک بن صیف کی بات یہودیوں نے سنی تو اس کو ڈانٹا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے توریت موسیٰ علیہ السلام پر نازل نہیں کی؟ تو تو نے یہ بات کیوں کی؟ تو مالک بن صیف کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غصہ دلا دیا تھا اس لیے میں نے یہ کہہ دیا تو یہود نے کہا جب بھی تجھے غصہ آئے گا تو تو اللہ پر ناحق باتیں کہے گا۔ اس لیے اس کو حبر کے مرتبہ سے اُتار دیا اور کعب بن اشرف کو اپنا بڑا عالم بنا دیا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہود نے کہا تھا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ نے آپ علیہ السلام پر کتاب اُتاری ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ تو وہ کہنے لگے اللہ کی قسم اللہ نے آسمان سے کوئی کتاب نہیں اُتاری تو یہ آیت نازل ہوئی (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ)۔ (قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ) آپ ان سے کہہ دیں کس نے اُتاری وہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے لیے) یعنی توریت (تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا) یعنی توریت کو الگ الگ لکھتے ہو پھر جو چاہتے ہو ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتیں چھپاتے ہو مثلاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور رجم کی آیت ابن کثیر اور ابو عمرو نے "یجعلونه ، ویبدونها، ویخفونها" کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان (وما قدروا الله) کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے قول (قل من انزل الكتاب الذی جاء به موسى) کی وجہ سے۔

(وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا) اکثر مفسرین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ خطاب یہود کو ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تم کو وہ باتیں سکھائیں جن کو تم نہ جانتے تھے (اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آنے والے تھے اس کا علم ان کو دے دیا تھا لیکن انہوں نے اس کو ضائع کر دیا کوئی نفع نہ اُٹھایا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمت یاد دلا رہے ہیں۔ ان کو محمد کی زبان سے تعلیم دی گئی (قُلِ اللّٰهُ) یہ اللہ تعالیٰ کے قول (قل من نزل الكتاب الذی جاء به موسىٰ) کی طرف لوٹ رہا ہے پس اگر وہ آپ کو جواب دیں تو ٹھیک ورنہ آپ

کہہ دیں (اللہ) یعنی آپ کہیں اللہ نے اتاردی ہے۔ اُتاری (ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾

ترجمہ: اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص کہ یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور تم اللہ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔

تفسیر: ﴿٩٢﴾ (وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابوبکر نے عاصم سے "لینذر" یاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی کتاب ڈرائے (اُمَّ الْقُرٰى) مکہ کا نام اُم القریٰ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ زمین مکہ کے نیچے سے بچھائی گئی ہے۔ تو یہ زمین کی اصل ہوئی جیسے ماں اپنی نسل کے لیے اصل ہوتی ہے اور یہاں مراد مکہ والے ہیں (وَمَنْ حَوْلَهَا) یعنی تمام دُنیا والے (وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ) اس کتاب پر (وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ) پانچوں نمازوں سے (یُحَافِظُوْنَ) یعنی مؤمن ہمیشہ پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں۔

﴿٩٣﴾ (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا) اور یہ گمان کرے کہ اللہ نے اس کو نبی بنا کر بھیجا ہے (اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ)

مسیلمہ کذاب کا قتل

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ مسجع کلام کرتا تھا اور کاہن تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور گمان کیا کہ اللہ نے اس کی طرف وحی بھیجی ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دو قاصد بھیجے تو

آپ علیہ السلام نے ان دو سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ نبی ہے؟ تو ان دونوں نے کہا جی۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر قاصد کو قتل نہ کیا جاتا ہوتا تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔

ھمام بن منبہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہمیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے تمام خزانے دیئے گئے تو میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے تو وہ مجھے بڑے ناگوار لگے تو میری طرف وحی کی گئی کہ میں ان کو پھونک ماردوں تو میں نے پھونک ماری تو وہ چلے گئے تو میں نے ان دو کنگنوں کی تعبیر دو ایسے جھوٹوں سے کی ہے جن کے درمیان میں میں ہوں ایک صاحب صنعاء اور دوسرا صاحب یمامہ۔ صاحب صنعاء سے اسود عنسی اور صاحب یمامہ سے مسیلمہ کذاب مراد ہے۔

(وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ) بعض نے کہا کہ یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا اور آپ علیہ السلام جب اس کو "سمیعا بصیراً" لکھواتے تو یہ "علیمًا حکیمًا" لکھتا اور جب "علیمًا حکیمًا" لکھنے کا کہتے تو "غفوراً رحیمًا" لکھتا۔ جب آیت "ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین" نازل ہوئی تو آپ نے لکھوائی تو عبداللہ کو انسان کی تخلیق بڑی عجیب لگی تو کہنے لگا "تبارک اللہ احسن الخالقین" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو لکھ لے اسی طرح نازل ہوئی ہے تو عبداللہ کو شک ہوا اور سوچنے لگا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو میری طرف بھی وحی کی گئی ہے جیسے ان کی طرف کی جاتی ہے تو اسلام سے مرتد ہو گیا اور مشرکین کے ساتھ جاملا۔ پھر فتح مکہ سے پہلے اسلام لے آیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "مرّ الظھران" جگہ پر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت سے استہزاء کرنے والے مراد ہیں یہ ان کے قول "لو نشاء لقلنا مثل ھذا" کا جواب ہے (وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ) موت کے سکرات میں یہ غمرۃ کی جمع ہے ہر چیز کا بڑا حصہ۔ اس کی اصل ایسی چیز جو اشیاء کو ڈھانپ لے۔ پھر اس کو سختیوں اور ناپسندیدہ چیزوں میں استعمال کیا جانے لگا (وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ) عذاب دینے کے لیے اور ان کے منہ اور پیٹھ کو مارنے کے لیے اور بعض نے کہا روح قبض کرنے کے لیے (اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ) یعنی اپنی روحوں کو مجبوراً نکالو کیونکہ مؤمن کی روح تو اپنے رب کی ملاقات کے لیے خوش ہو رہی ہوتی ہے اور "لَوْ" کا جواب محذوف ہے کہ اگر آپ ان کو اس حال میں دیکھ لیں تو بڑا عجیب منظر دیکھیں۔ (اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ) قرآن پر ایمان لانے سے تکبر کرتے ہو اور اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

ترجمہ اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ تم سب سے گیا گزرا ہوا۔

تفسیر ⑨④ (وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی) اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ قیامت کے دن کفار کو کہیں گے تم اکیلے آئے ہو نہ تمہارے پاس مال ہے اور نہ بیوی اور نہ اولاد اور نہ خادم۔ فرادی فردان کی جمع ہے جیسے سکاری سکران کی اور کسالی کسلان کی۔ اعرج نے اس کو ''فردی'' پڑھا ہے بغیر الف کے ''سکری'' کی طرح (کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ) ننگے بدن، ننگے پاؤں، لاغر کمزور (وَّتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ) اور چھوڑ آئے اپنے پیچھے مال، اولاد، خادم (وَرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ) دُنیا میں (وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَ کُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا) کیونکہ مشرکین کا گمان تھا کہ وہ بتوں کی عبادت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے شریک ہیں اور اس کے پاس ان کے سفارشی ہوں گے۔ (لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ)۔ اہل مدینہ، کسائی اور حفص رحمہما اللہ نے عاصم رحمہ اللہ سے نون کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ تمہارے درمیان کے تعلقات ٹوٹ گئے اور نون کے پیش کے ساتھ یعنی تمہارا تعلق ٹوٹ گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قول (وتقطعت بھم الاسباب) کی مثل ہے یعنی تعلقات اور البین کا لفظ اضداد میں سے ہے کبھی ملانے اور کبھی جدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ⑨⑤ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ⑨⑥ وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ⑨⑦ وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَھُوْنَ ⑨⑧

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو وہ جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکال لاتا ہے (جیسے نطفہ سے آدمی پیدا ہوتا ہے) اور وہ بے جان (چیز) کو جاندار (چیز) سے نکالنے والا ہے (جیسے آدمی کے بدن سے نطفہ ظاہر ہوتا ہے) اللہ یہ ہے (جس کی ایسی قدرت ہے) تو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو وہ (اللہ تعالیٰ) صبح کا نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے اور سورج اور چاند (کی رفتار) کو حساب سے رکھا ہے یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے بڑے علم والا ہے اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے) لئے ستاروں کو پیدا کیا تا کہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں خشکی میں اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو

بیشک ہم نے (یہ) دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تم (سب) کو (اصل میں) ایک شخص سے پیدا کیا پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی بیشک ہم نے دلائل (توحید وانعام کے) خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

تفسیر ⑨⑤ (اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى) خلق کا معنی پھاڑنا۔ (الفلق) پھاڑنا۔ حسن، قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دانہ سے خوشہ کو اور گٹھلی سے پودا کو پھاڑ کر نکالتا ہے۔ "حبّ حبۃ" کی جمع ہے جس چیز کی بھی گٹھلی نہ ہو اس کو "حبّ" کہا جا سکتا ہے جیسے گندم، جو، چاول وغیرہ۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں خشک دانہ اور خشک گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اسی سے سبز پتے نکالتا ہے۔ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "نویٰ نواۃ" کی جمع ہے ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا دانہ نہ ہو جیسے کھجور، شفتالو وغیرہ۔ یعنی دو سوراخ جو ان دونوں میں ہیں یعنی پودوں سے پھاڑتا ہے اور پودوں کو ان سے نکالتا ہے اور گٹھلی کو کھجور سے پھاڑتا ہے اور کھجور کا درخت گٹھلی سے نکالتا ہے اور (النّوی نواۃ) کی جمع ہے وہ ہر چیز جس کا دانہ (بیج) نہ ہو جیسے کھجور، شفتالو وغیرہ۔ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں (فالق الحبّ والنّوی) یعنی دانہ (بیج) اور اس کی گٹھلی کو پیدا کرنے والا ہے۔ (يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ) حق سے پھر رہے ہو۔

⑨⑥ (فَالِقُ الْاِصْبَاحِ) وہ ظلمت شب یا دن کی روشنی میں عمود صبح کو چیر کر نکالنے والا ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں دن کو پیدا کرنے والا ہے۔ الاصباح مصدر ہے اقبال کی اور ادبار کی طرح۔ بمعنی روشن کرنا اور اس سے صبح مراد ہے۔ یعنی دن کا ابتدائی ظاہر ہونے والا حصہ۔ مراد یہ ہے کہ وہ صبح کو ظاہر اور واضح کرنے والا ہے۔ (وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا) جس میں مخلوق آرام کرتی ہے اور اہل کوفہ رحمہما اللہ نے وجعل کو ماضی اور (اللیل) کو منصوب پڑھا ہے مصحف کی اتباع کرتے ہوئے اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے (فلق الاصباح) اور (وجعل اللیل سکنا) پڑھا ہے۔ (وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا) یعنی سورج اور چاند کو متعین حساب پر مقرر کیا ہے کہ وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے اور الحسبان مصدر ہے الحساب کی طرح اور بعض نے کہا ہے کہ حساب کی جمع ہے۔ (ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ)۔

⑨⑦ (وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ) یعنی ان کو تمہارے لیے پیدا کیا (لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ) اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو کئی فوائد کے لیے پیدا کیا۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ سمندری سفر کرنے والے اور بیابان میں سفر کرنے والے رات کو اپنی منزل کا تعین ان کے ذریعے کرتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ آسمان کی خوبصورتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح) اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ شیطان کو بھگانے کے کام آتے ہیں۔ (کما قال اللہ تعالٰی وجعلناها رجومًا للشیاطین) ...... (قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ)

⑨⑧ (وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ) یعنی آدم علیہ السلام سے فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ پھر ایک تو تمہارا ٹھکانہ ہے اور ایک امانت رکھی جانے کی جگہ ہے) ابن کثیر اور اہل بصرہ نے مستقر کو قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تم میں سے ٹھکانہ پکڑنے والے ہیں اور تم میں امانت رکھنے والے اور باقی حضرات نے قاف کے فتحہ کے ساتھ۔

مستقر اور مستودع کی تفاسیر

مستقر اور مستودع کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

① عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مستقر رحم میں پیدائش کے وقت تک اور مستودع قبر میں بعث تک۔

② سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستقر ماؤں کے رحم میں اور مستودع باپ کی پشت میں یہی عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

ابن جبیر فرماتے ہیں کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کیا تو نے شادی کرلی ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں تو فرمایا کہ جو امانت تیری پیٹھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو عنقریب باہر نکال دے گا۔

③ اُبی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مستقر آباء کی پشت میں اور مستودع ماؤں کے رحموں میں۔

④ بعض نے کہا ہے مستقر رحم میں اور مستودع زمین کے اوپر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ونقرّ فی الارحام ما نشاء)

⑤ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مستقر دُنیا میں زمین کے اوپر اور مستودع آخرت میں اللہ کے پاس اور اس پر اللہ تعالیٰ کا قول (ولکم فی الارض مستقرّ ومتاع الیٰ حین) دلالت کرتا ہے۔

⑥ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں المستقر قبر میں اور المستودع دُنیا میں اور وہ فرماتے تھے اے ابن آدم! تو اپنے گھر والوں میں امانت ہے اور عنقریب تو اپنے ساتھی سے جا ملے گا۔

⑦ بعض نے کہا ہے المستودع قبر اور المستقر جنت اور جہنم کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے بارے میں فرمایا ہے (حسنت مستقرًا ومقاما) اور جہنمیوں کے بارے میں فرمایا (ساء ت مستقرًا ومُقاما)...... (قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ)

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے آسمان (کی طرف) سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھے میں سے خوشے ہیں جو (مارے بوجھ کے) نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور (اسی پانی سے ہم نے) انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار (کے درخت پیدا کئے جو کہ) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور (بعضے) ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے (ذرا ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے (پھر) اس کے پکنے

کو دیکھوان میں (بھی) دلائل (توحید کے موجود ہیں ان کولوگوں کے لئے جو ایمان (لانے کی فکر) رکھتی ہیں۔

تفسیر 99 (وَهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ) پانی سے (نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ) پانی سے اور بعض نے کہا نبات سے (خَضِرًا سبز کھیتی) یعنی سرسبز جیسے العور اور الاعور ہے یعنی جو تر و تازہ اور سرسبز ان میں سے جو اُگتا ہے جَو اور گندم وغیرہ سے۔ (نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا) یعنی آپس میں ملے ہوئے جیسے گندم، جو اور چاول وغیرہ کی خوشوں میں دانے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ (وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ) طلع کا معنی کھجور کا ابتدائی پھل۔ قنوان قنو کی جمع ہے بمعنی ٹہنی سے صنو اور صنوان کی مثل ان دونوں کی کلام میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ (دَانِيَةٌ) کھانے والے کے قریب کہ کھڑا بیٹھا ہر شخص ان کو لے سکے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بھرے ہوئے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں چھوٹے زمین سے لگے ہوئے، اس میں اختصار ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ کھجور کے بعض گچھے قریب ہیں اور بعض دور یہاں صرف قریب کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ دور خود ذہن کی طرف سبقت کرتا ہے اس لیے ذکر کی ضرورت نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (سرابیل تقیکم الحرّ) یعنی سردی اور گرمی سے۔ ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔ (وجنات من اعناب) یعنی ہم نے اس سے باغات نکالے اور اعمش نے عاصم رحمہ اللہ سے (وجنّات) پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول (قنوان) پر عطف ہے اور اکثر قراء اس کے خلاف ہیں۔ (والزّیتون والرّمّان) یعنی زیتون اور انار کے درخت۔ (وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ) یعنی انگور اور انار کے درخت (مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے پتے مشابہ اور پھل مختلف ہیں کیونکہ زیتون کے پتے انار کے پتوں سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ دیکھنے میں ملتے جلتے اور ذائقے میں مختلف۔ (اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے ثاء اور میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں دونوں جگہ اور سورۃ یٰسین میں کہ یہ ثمار کی جمع ہے اور باقی حضرات ثاء اور میم کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ ثمرۃ کی جمع ہے جیسے بقرۃ کی جمع بقر۔ (اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿100﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿101﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿102﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿103﴾

ترجمہ: اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں محض بلاسند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہیں ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان

کرتے ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بی بی تو ہے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو تم لوگ اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز (حقیقی) ہے۔ اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہ ہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔

تفسیر ۱۰۰ (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ) یعنی کافر اللہ کا شریک جنوں کو بناتے ہیں (وَخَلَقَهُمْ) یعنی جنوں کو پیدا کیا ہے۔

زنادقہ کی تردید

کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت زندیق لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ تخلیق میں ابلیس کو شریک بناتے تھے اور کہتے تھے اللہ نور اور لوگوں اور چوپایوں کا خالق ہے اور ابلیس تاریکی، درندوں، سانپوں، بچھوؤں کا خالق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول (وجعلوا بينه وبين الجنّة نسبا) کی طرح ہے اور ابلیس جنوب میں سے ہے۔ (وخرقوا) راء کی شد کے ساتھ تکثیر کے معنی کی بناء پر اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی انہوں نے گھڑ لیا (وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ م بِغَيْرِ عِلْمٍ) جیسے یہود نے کہا عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے اور نصاریٰ نے کہا مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور کفار مکہ نے کہا فرشتے اللہ کے بیٹے ہیں (سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ)

۱۰۱ (بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) ان دونوں کو بغیر کسی مثال کے پیدا کیا۔ (اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ) اور وہ کیسے اس کیلئے اولاد کو منتخب کرتے ہیں۔ (وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ) حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔ (وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ)

۱۰۲ (ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ) یعنی اس کی اطاعت کرو (وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ) اس کی حفاظت اور تدبیر کر کے۔ (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ)

رؤیت باری تعالیٰ کا ثبوت اور معتزلہ کی تردید

ان جیسی آیات کے ظاہر سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن نہیں۔

اور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی "رؤیت عیانا" ثابت ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (كلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مؤمنین نے اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن نہ دیکھنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کافروں کو یہ عار نہ دلاتے کہ اس دن تمہارے سامنے پردہ ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی (للذين احسن الحسنىٰ ان لوگوں

کے لیے جنہوں نے نیکی کی حسنیٰ (جنت) ہے اور زیادتی) اور زیادتی کی تفسیر فرمائی کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی زیارت ہے۔
جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عنقریب اپنے رب کو آمنے سامنے دیکھو گے۔

۱۰۳ (لا تدرکه الابصار) ادراک کا معنی ہوتا ہے شے کی حقیقت پر مطلع ہونا اور اس کی حقیقت کا احاطہ کرنا اور رؤیت کا معنی ہوتا ہے دیکھنا، مشاہدہ کرنا اور کبھی دیکھنا بغیر ادراک کے بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بیان کیا (فلما تراء الجمعان قال اصحاب موسی انا لمدرکون) پس جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم پکڑے گئے) کہا ہر گز نہیں۔ (لاتخاف درکا و لا تخشی تو نہ خوف کر پکڑے جانے کا اور نہ ڈر) تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ادراک کی نفی کی ہے اور رؤیت کو ثابت کیا ہے تو یہ بات ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے بغیر ادراک اور احاطہ کے دیکھ لیں جیسا کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے لیکن اس کی ذات کا احاطہ کوئی اپنی معرفت سے نہیں کر سکتا خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ولا یحیطون به علماً اور وہ نہیں احاطہ کر سکتے اس کا علم کے ذریعے) ثبوت علم کے ساتھ احاطہ کی نفی کی۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی آنکھیں اس کے احاطہ سے عاجز آ گئی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دُنیا میں آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آخرت میں دیکھا جائے گا۔ (وھو یدرک الابصار) یعنی اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹ سکتی ہے۔ (وھو اللطیف الخبیر) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "اللطیف" اپنے اولیاء پر ان کے بارے میں باخبر ہے اور امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں (اللطیف) کا معنی اپنے بندوں پر نرمی کرنے والا ہے اور بعض نے کہا ہے (اللطیف) کسی چیز کو نرمی کے ساتھ پہنچانے والا اور بعض نے کہا ہے (اللطیف) وہ ذات جو بندوں کو ان کے گناہ بھلا دے تاکہ وہ شرمندہ نہ ہوں اور (اللطف) کی اصل اشیاء میں باریک بینی۔ (وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ)

قَدْ جَآءَ كُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۱۰۴ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۱۰۵

ترجمہ: اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ سب کو پہنچا دیں اور تاکہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کر دیں۔

تفسیر: ۱۰۴ (قَدْ جَآءَ كُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے پاس آ چکیں نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے، یعنی واضح دلائل جن کے ذریعے تم ہدایت کو گمراہی سے اور حق کو باطل سے دیکھ سکو۔ (فَمَنْ اَبْصَرَ) پھر جس نے دیکھ لیا اور اس پر ایمان لایا

(فَلِنَفْسِهٖ) سواپنے واسطے اس کا عمل اور اس کا نفع اس کے لیے ہے (وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا) اور جو اندھا رہا سواپنے نقصان کو) یعنی جو ان نشانیوں سے اندھا رہا ان کو نہ پہچانا اور ان کی تصدیق نہ کی تو اس کا نقصان اس کی ذات کو ہوگا (وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ) کہ تمہارے اعمال شمار کرتا رہوں میں تو رسول ہوں میرا کام اپنے رب کے پیغامات کو پہنچا دینا ہے۔ اللہ تمہارے اعمال پر نگہبان ہے اس پر تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں رہتا۔

⑩⑤ (وَکَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ)، ہم ان کی تفصیل کرتے اور ہر صورت میں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ کہیں) بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تاکہ وہ نہ کہیں (وَلِیَقُوْلُوْا) اور بعض نے کہا ہے لام لام عاقبت ہے یعنی ان کے معاملہ کا انجام یہ ہوگا کہ وہ کہیں گے (دَرَسْتَ) یعنی آپ نے کسی سے پڑھا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اہل کتاب کی کتابوں کو پڑھا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (فالتقطه آل فرعون لیکون لهم عدوًا وّحزنا) اور یہ بات معلوم ہے کہ آل فرعون نے اس کو اس لیے نہیں اُٹھایا تھا لیکن ان کے اُٹھانے کا انجام یہ ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تاکہ اہل مکہ کہیں جب آپ ان پر قرآن پڑھیں کہ آپ نے اس کو یسار اور جبر سے سیکھا ہے یہ دو رومی غلام تھے اور ان سے سیکھ کر آپ ہم پر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

یہ ان کے قول درست الکتاب ادرس درسا و دراست سے مشتق ہے اور فرا د رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں آپ نے یہود سے سیکھا ہے اور ابن کثیر اور ابو عمرو نے پڑھا ہے (دارست) الف کے ساتھ سین کے زبر اور تاء کے سکون کے ساتھ۔ یعنی یہ پرانی خبریں جو آپ ہمیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ مٹ چکی ہیں یہ اہل عرب کے قول درس الاثر یدرس دروسا سے مشتق ہے۔ (وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ) یعنی قرآن اور بعض نے کہا ہے نصرف الآیات لقوم یعلمون۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مراد اس کے اولیاء ہیں جن کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے اور بعض نے کہا ہے یعنی آیات کا پھیر۔ تاکہ ان کے ذریعے ایک قوم بد بخت ہو اور دوسری قوم نیک بخت ہو جس نے کہا کہ آپ نے یہ کسی سے پڑھا ہے تو وہ بخت ہو۔ پس جس نے کہا کہ آپ نے یہ کسی سے پڑھا ہے تو وہ بد بخت ہے اور جس کے لئے حق واضح ہو گیا تو وہ نیک بخت ہے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ⑩⑥ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکُوْا ط وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ ⑩⑦ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًام بِغَیْرِ عِلْمٍ ط کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑩⑧

(ترجمہ) آپ خود اس طریقہ پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر مختار ہیں اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے

ہیں پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔

تفسیر ۱۰۶ (اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ) یعنی قرآن پر عمل کریں (لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ) ان سے نہ جھگڑیں۔

۱۰۷ (وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا) یعنی اگر چاہتا تو سب مؤمن ہوتے (وَمَاجَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ مشرکین کی اللہ کے عذاب سے حفاظت کریں آپ تو صرف مبلغ بنا کر بھیجے گئے ہیں (وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ) ۱۰۸ (اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا)

ولاتسبوا الذین کا شان نزول

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ "انکم وما تعبدون من دون اللّٰه حصب جهنم" نازل ہوئی تو مشرکین کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ علیہ السلام کے رب کی اشعار میں برائی کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے بتوں کو برا بھلا کہنے سے منع کر دیا اور قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسلمان کافروں کے بتوں کو برا بھلا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو روک دیا کہ کہیں وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر سب وشتم نہ شروع کر دیں۔

اور سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو قریش کہنے لگے کہ ہم ابو طالب کے پاس چلتے ہیں اور ان کو کہتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو ہم سے روکے کیونکہ ہمیں اس سے شرم آتی ہے کہ آپ کے مرنے کے بعد ہم ان کو قتل کریں تو عرب کہیں کہ ان کا چچا رُکاوٹ تھا، اس کے مرتے ہی انہوں نے بھتیجے کو قتل کر دیا تو اس مقصد کے لیے ابو سفیان، ابو جہل، نضر بن حارث، اُمیہ اور اُبی دونوں خلف کے بیٹے، عقبہ بن ابی معیط اور عمرو بن عاص اور اسود بن ابی البختری ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے اے ابو طالب! آپ ہمارے بڑے اور سردار ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہمارے خداؤں کو تکلیف دیتے ہیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کو بلا کر اس سے منع کریں کہ وہ ہمارے خداؤں کا تذکرہ نہ کیا کریں، ہم ان کو اور ان کے خدا کو چھوڑ دیں گے تو ابو طالب نے آپ علیہ السلام کو بلایا اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ کی قوم چاہتی ہے کہ آپ ان کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیں تو یہ آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیں گے ان لوگوں نے انصاف کی بات کی ہے آپ ان کی یہ بات قبول کر لیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں تو کیا تم مجھے ایک ایسا کلمہ دے سکتے ہو جس کو اگر تم کہہ لو تو پورے عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم تمہارے قریب ہو جائیں گے تو ابو جہل کہنے لگا ہاں تیرے باپ کی قسم! ایسے دس کلمے کہہ دیں گے اور پوچھنے لگا وہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہہ دو تو انہوں نے انکار کر دیا تو

ابوطالب کہنے لگے بھتیجے اس کے علاوہ کوئی بات کہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے چچا! میں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں کہتا۔ اگر چہ یہ سورج کو لا کر میرے ہاتھوں میں رکھ دیں تو وہ کہنے لگے کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رُک جائیں ورنہ ہم آپ کو اور جو آپ کو حکم دیتا ہے اس کو سب وشتم کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس سے مراد بت ہیں (فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا) ظلم اور سرکشی میں حد سے بڑھتے ہوئے (بِغَيْرِ عِلْمٍ) بغیر علم۔

یعقوب نے "عَدْوًا" کو دال اور عین کی پیش اور واؤ کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ اپنے رب کو برا بھلا نہ کہو تو مسلمان ان کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رُک گئے۔ آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے سے نہی ہے کیونکہ ان کے معبودوں کو برا بھلا کہنا سبب بنے گا اللہ تعالیٰ کے سب وشتم کا۔ (كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ) جیسے ان مشرکوں کے لیے بتوں کی عبادت اور شیطان کی اطاعت مزین کردی ہے اسی طرح ہر گروہ کے لیے ان کے اچھے برے عمل مزین کردیے ہیں (ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ اور ان کو بدلہ دیں گے بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: اور ان (منکر) لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس کوئی نشانی آ جاوے تو وہ (یعنی ہم) ضرور ہی اس پر ایمان لے آویں گے آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ نشانیاں جس وقت آ جاویں گی یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لاویں گے

تفسیر: ﴿۱۰۹﴾ (وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ)

آیت وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ کا شانِ نزول

محمد بن کعب قرظی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قریش کہنے لگے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لاٹھی تھی اس کو پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور یہ خبر دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے تو آپ ایسی کوئی نشانی ہمارے پاس لائیں تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کیا چیز پسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارے لیے صفا پہاڑ کو سونا بنا دیں اور ہمارے کچھ مُردے زندہ کردیں تاکہ ہم ان سے پوچھیں کہ آپ جو کہہ رہے ہیں وہ حق ہے یا باطل اور ہمیں فرشتے دکھائیں جو آپ علیہ السلام کے حق میں گواہی دیں تو آپ علیہ السلام

نے فرمایا اگر میں ان میں سے کچھ باتیں کردوں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ تو کہنے لگے جی ہاں اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کردیا تو ہم سب آپ کا اتباع کریں گے اور مسلمانوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان چیزوں کو ان پر اُتار دیں تا کہ یہ ایمان لے آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا مانگنے کے لیے کھڑے ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اللہ تعالیٰ صفا کو سونے کا بنا دیں لیکن اگر انہوں نے تصدیق نہ کی تو ان کو عذاب دوں گا اور اگر آپ چاہیں تو ان کو چھوڑ دوں تا کہ ان کے لوگ توبہ کرلیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے لوگ توبہ کرلیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔(واقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم) یعنی انہوں نے اللہ کی قسمیں کھائیں یعنی قسموں کی جتنی تاکید پر قادر تھے اتنی تاکید سے قسمیں کھائیں۔ کلبی اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اللہ کی قسم کھاتا ہے تو یہ اس کی پختہ قسم ہے۔(لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ) جیسے ان سے پہلی اُمتوں کے پاس آئی ہے (لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے آپ کہہ دیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور اللہ ہی ان کے نازل کرنے پر قادر ہے اور تم کو اے مسلمانو! اور تمہیں کیا خبر ہے (وَمَا يُشْعِرُكُمْ)اور تمہیں کیا معلوم اس کے مخاطب کون لوگ۔ مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا ہے ان مشرکین کو خطاب ہے جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں اور بعض نے کہا ہے مؤمنین کو خطاب ہے اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ وہ نشانیاں آئیں گی تو یہ لوگ ایمان لے ہی آئیں گے)۔

(انها اذا جاء ت لایؤمنون) آیت کے متعلق ابن کثیر اور اہل بصرہ اور ابوبکر نے عاصم رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے کہ (انها) الف کی زیر کے ساتھ ہے ابتداء کی بناء پر اور ان حضرات نے کہا ہے کہ (وما یشعر کم) پر کلام مکمل ہوگئی تھی، پھر جنہوں نے کہا کہ یہ خطاب مشرکین کے لیے ہے انہوں نے اس کا معنی یہ کیا ہے اور اے مشرکو! تمہیں کیا خبر ہے کہ اگر وہ نشانیاں آجائیں گی تو تم ایمان لے آؤ گے؟ اور جنہوں نے کہا کہ یہ خطاب مؤمنین کیلئے ہے انہوں نے اس کا معنی یہ کیا ہے "اے مؤمنو! تمہیں کیا خبر ہے کہ اگر وہ نشانیاں آجائیں تو یہ مشرکین ایمان لے آئیں گے؟ اس لیے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرتے تھے کہ اللہ سے دُعا کریں کہ جو نشانیاں یہ مانگ رہے ہیں ان کو دکھا دیں تا کہ وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے (وما یشعر کم) سے ان کو خطاب کیا ہے۔ پھر ابتداء کرتے ہوئے فرمایا (انها اذا جاء ت لا یؤمنون) یہ آیت مخصوص قوم کے بارے میں ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کردیا تھا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور دیگر حضرات نے (انّها)

الف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ خطاب مؤمنین کیلئے ہے۔ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ یہ مخصوص قوم کے بارے میں ارشاد فرمایا اور یہ اللہ کا فیصلہ تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (انها) بعض حضرات نے الف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور کہا ہے کہ یہ خطاب مؤمنین کو ہے۔ بعض حضرات نے لَا يُؤْمِنُوْنَ کو صلہ قرار دیا ہے۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ کے

ماموصلہ کا۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے مؤمنین کی جماعت کہ جب آیات یا معجزات آ بھی جائیں تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بعض نے کہا کہ انہا لعل کے معنی میں ہے اور یہی قرأت ابی بن کعب کی ہے۔ یعنی تم کو کیا معلوم کہ ظہور معجزہ کے بعد مشرکین کی کیا رفتار ہے۔ شاید وہ ایمان نہ لائیں۔ بعض حضرات کے نزدیک لایؤمنون کے بعد اویؤمنون محذوف ہے۔ یعنی تم کو نہیں معلوم کہ معجزہ آنے کے بعد یہ ایمان نہیں لائیں گے یا لائیں گے۔

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔

تفسیر: ۱۱۰ (وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ)

کفارِ مکہ کی مزید ہٹ دھرمیاں

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یعنی ہم ان کے اور ایمان کے درمیان رُکاوٹ ہیں۔ اگر ہم ان کی منہ مانگی نشانیاں دے دیں تو بھی وہ ایمان نہ لائیں گے جیسے پہلی مرتبہ نہیں لائے یعنی اس سے پہلے چاند کے ٹکڑے ہو جانا اور بعض نے کہا کہ جس طرح یہ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور دیگر معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لائے تو اب کیسے لاسکتے ہیں؟ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پہلی مرتبہ سے مراد دُنیا ہے یعنی اگر ان کو آخرت سے دُنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تو بھی ہم ان کے دل اور آنکھیں ایمان سے اُلٹ دیں گے جیسے وہ دُنیا میں مرنے سے پہلے ایمان نہیں لائے۔ (وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ)۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم ان کو رسوا کر دیں گے اور ان کو ان کی گمراہی میں سرگرداں چھوڑ دیں گے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات (غیبیہ) کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو کر دیتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے اگر خدا چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۱۱﴾ (وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ) اور وہ ان کو اپنے سامنے دیکھ لیں (وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى) ہم ان کو زندہ کر دیں اور وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں جیسے ان کا مطالبہ ہے (وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا) اہل مدینہ اور ابن عامر رحمہما اللہ نے قبلا کو قاف کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی آمنے سامنے اور باقی حضرات نے قاف اور باء کے پیش کے ساتھ اور بعض نے کہا یہ قبیل کی جمع ہے یعنی "قبیلہ ای" فوج اور بعض نے کہا مقابلہ کے معنی میں ہے ان کے قول اتیتک قبلاً لادبراً کی طرح ہے جب اس کے سامنے آئے۔ (مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایسے کام نہ کر سکتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افتراء پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے۔ اور تا کہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جاویں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تا کہ اس کو پسند کر لیں اور تا کہ مرتکب ہو جاویں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔

تفسیر ﴿۱۱۲﴾ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا) اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے یعنی جس طرح اس قوم کے ذریعے ہم نے آپ کی آزمائش کی اسی طرح آپ سے پہلے ہر نبی کے لیے دشمن بنائے۔ شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

شیاطین انس وجن کا بیان

عکرمہ، ضحاک، سدی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے شیطان ایسے جو انسانوں کے ساتھ اور

جنوں کے شیطان ایسے جو جنوں کے ساتھ اور انسانوں میں سے کوئی شیطان نہیں کیونکہ ابلیس نے اپنے لشکر کو دو حصے کر دیا ہے۔ ایک جماعت ان میں سے انسانوں کی طرف اور ایک جماعت جنوں کی طرف بھیجی اور یہ دونوں جماعتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اولیاء کی دشمن ہیں اور یہ دونوں جماعتیں آپس میں ملتی ہیں اور ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھی کو یوں گمراہ کیا تو بھی اس کو اس طریقہ سے گمراہ کر اور یہی ان کی ایک دوسرے کی طرف وحی ہے۔

قتادہ، مجاہد اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ انسانوں میں سے بھی شیاطین ہیں جیسا کہ جنوں میں سے شیطان ہیں اور شیطان ہر سرکش چیز کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شیطان جب کسی انسان کو گمراہ کرنے سے تھک جاتا ہے تو سرکش انسان کی طرف جاتا ہے اور اس کو ابھارتا ہے کہ وہ اس انسان کو گمراہ کرے اس پر دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو اللہ کی پناہ انسانوں اور جنوں کے شیاطین سے مانگتا ہے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں اور یہ جنوں کے شیاطین سے زیادہ برے ہیں۔

مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسانوں کے شیطان زیادہ نقصان دہ ہیں مجھ پر جنوں کے شیاطین سے کیونکہ جب میں تعوذ پڑھتا ہوں تو جنوں کا شیطان بھاگ جاتا ہے اور انسانوں کا شیطان میرے پاس آتا ہے اور مجھے گناہوں کی طرف لے جاتا ہے (یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا) زخرف ایسے قول کو کہتے ہیں جس پر باطل کا خوبصورت لبادہ چڑھایا جاتا ہے لیکن اس کا کوئی معنی نہیں ہوتا۔ یعنی یہ شیاطین بنی آدم کے برے اعمال کو مزین کرتے ہیں اور ان کو دھوکہ دیتے ہیں (وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْهُ) یعنی ان کے دل میں وسوسہ نہ ڈالتے (فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ)

⑬ (وَلِتَصْغٰی اِلَیْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ) یعنی اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور الصغو مائل ہونا۔ کہا جاتا ہے صغو فلان معک یعنی مائل ہوا اور اس کا فعل صغی یصغی، صغا و صغی یصغی اور یصغو اصغو ہے ای حاء زخرف القول کی طرف لوٹ رہی ہے وَلِیَرْضَوْهُ وَ لِیَقْتَرِفُوْا اور وہ اس کو پسند بھی کر لیں اور کیے جائیں تا کہ وہ کمائیں۔ مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ)

کہا جاتا ہے اقترف فلان مالاً جب وہ مال کمائے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (ومن یقترف حسنة) اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی تا کہ وہ جو گناہ کرتے ہیں وہ کر لیں۔

اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ⑭ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ⑮ وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ⑯ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ⑰

ترجمہ تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کیے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے واقفیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ اور آپ کے رب کا کلام واقفیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سن رہے ہیں خوب جان رہے ہیں اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں بالیقین آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں۔

تفسیر ⑪④ (اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا) اس میں عبارت محذوف ہے یعنی اے محمد آپ ان کو کہیں کیا اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں) جو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ آپ ہمارے اور اپنے درمیان کوئی منصف بنائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ جواب دیا (وَھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا) اس میں امر اور نہی واضح ہیں اور بعض نے کہا مفصلاً کا معنی ہے پانچ پانچ اور دس دس آیتیں نازل کیں (وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ) یعنی یہود اور نصاریٰ کے علماء جن کو ہم نے تورات اور انجیل دی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے مراد ہیں اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے اہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہما مراد ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے (یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ) ابن عامر اور حفص رحمہما اللہ نے "منزّل" کو شد کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ تنزیل باب سے ہے کیونکہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا گیا ہے اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ انزل باب سے پڑھا ہے (مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ) شک کرنے والوں میں سے کہ وہ اس کو جانتے ہیں۔

⑪⑤ (وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ) اہل کوفہ اور یعقوب نے "کلمۃ" کو مفرد اور باقی حضرات نے کلمات جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور کلمات سے مراد امر، نہی، وعدہ، وعید ہیں۔ (صِدْقًا وَّعَدْلًا) یعنی وعدوں اور وعید میں سچی ہے اور امر و نہی میں انصاف والی ہے (لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کی قضاء کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور اس کے حکم کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں اور اس کے وعدہ کا خلاف نہیں (وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ) بعض نے کہا ہے کہ کلمات سے قرآن مراد ہے کہ اس کو کوئی نہ تبدیل کرسکتا ہے اور نہ اس میں کمی یا زیادتی کرسکتا ہے۔

⑪⑥ (وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ) اللہ کے دین سے کیونکہ اکثر دُنیا والے گمراہ ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین سے جھگڑا کیا تھا کہ تم جس کو خود ذبح کرتے ہو اس کو کھاتے ہو اور جس کو اللہ مار دے اس کو نہیں کھاتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر مُردار کے کھانے میں آپ

علیہ السلام ان کی اطاعت کریں گے تو آپ کو بہکا دیں گے (اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ) یعنی ان کا موجودہ دین تو صرف گمان اور خواہشات ہے کوئی بصیرت نہیں (وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ) یعنی جھوٹ بولتے ہیں۔

⑪⑦ (اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ)

بعض نے کہا ہے کہ حرف صفت کو ہٹانے کی وجہ سے نصب کی جگہ ہے یعنی لمن یقتل اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا محل مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے اور اس کے لفظ استفہام کے ہیں اور معنی یہ ہے کہ تیرا رب ہی خوب جانتا ہے یعنی لوگوں کو کہ اس کے راستے سے کون گمراہ ہو رہا ہے۔ (وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ) یعنی اللہ تعالیٰ گمراہ اور ہدایت یافتہ فریق کو خوب جانتے ہیں تو ہر ایک کو وہی بدلہ دیں گے جس کا وہ مستحق ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ⑪⑧ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ ⑪⑨ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ⑫⓪

ترجمہ: سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جاوے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو اور تم کو کون امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جاوے تو حلال ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی اپنے غلط خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب سزا ملے گی۔

تفسیر: ⑪⑧ (فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ) یعنی جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ) کیونکہ وہ لوگ چوپایوں کی کئی اقسام کو حرام قرار دیتے تھے اور مُردہ جانوروں کو حلال سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ نے حلال کیا اس کو حلال سمجھو اور جس کو حرام کیا اس کو حرام سمجھو۔

⑪⑨ (وَمَا لَكُمْ) یعنی کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے تم (اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ) یعنی ذبح کیا ہوا جانور (وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ) اہل مدینہ، یعقوب اور حفص نے (فصل اور حرم) دونوں میں زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل کی ہے جو تم پر حرام کیا ہے۔ لقولہ (اسم اللہ) اور ابن کثیر، ابن عامر، یعقوب اور ابو عمرو نے فاء کے پیش اور حاء کے پیش اور صاد اور راء کی زیر کیساتھ پڑھا ہے۔ مجہول کا صیغہ۔ اللہ تعالیٰ کے قول (ذکر) کی وجہ سے اور حمزہ، کسائی اور

ابوبکر نے (فصل) زبر کے ساتھ اور (حرم) پیش کے ساتھ حرام جانوروں کی تفصیل سے اشارہ ہے "حرّمت علیکم المیتة والدم" آیت کی طرف۔ (اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ) یعنی ان چیزوں کے کھانے پر مجبور ہو جاؤ تو اس وقت حلال ہیں۔ (وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ)۔ اہل کوفہ نے یاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا قول (لیضلوا) سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ کے قول (یضلوک عن سبیل الله) کی وجہ سے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے عمرو بن لحی اور اس کے علاوہ مشرکین مراد ہیں جن نے بحیرہ اور سائبہ کو حلال بتایا اور اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا اور دیگر حضرات نے زبر کیساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول (من یضل) کی وجہ سے (بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ) جب وہ ان جانوروں کے کھانے سے رک گئے جن پر اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور مردار کھانے کی طرف بلائے کے (اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ) جو حلال سے تجاوز کر کے حرام کھاتے ہیں۔

⑫⓪ (وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ) یعنی تمام گناہ چھوڑ دو کیونکہ کوئی بھی گناہ ان دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو ظاہر ہوگا یا چھپا ہوا۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ کی تفسیر

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر گناہ وہ ہے جو انسان اپنے اعضاء سے کرتا ہے اور باطن گناہ وہ ہے جو وہ دل میں نیت کرتے ہیں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا ظاہر اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہری گناہ زنا کا اعلان کرنا اور باطن سے مراد چپکے سے زنا کرنا کیونکہ عرب زنا کو بہت پسند کرتے تھے ان کے شرفاء تو چپکے سے زنا کرتے تھے اور غیر شریف لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اس زنا کو ظاہر کر دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حرام کر دیا ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظاہر گناہ محارم سے نکاح کرنا اور باطن گناہ زنا ہے اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر اثم ننگا ہو کر طواف کرنا اور باطن گناہ زنا۔
اور حیان نے کلبی رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے کہ ظاہر اثم مردوں کا دن میں بیت اللہ کا ننگے طواف کرنا اور باطن اثم عورتوں کا رات کو ننگے طواف کرنا (اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ) آخرت میں (بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ)۔ جو دنیا میں انہوں نے کمائی کی۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ⑫① اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑫②

ترجمہ: اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں تا کہ یہ تم سے (بیکار) جدال کریں اور اگر (خدانخواستہ) تم ان لوگوں کی اطاعت (عقائد و افعال میں) کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔ ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے ایک

ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں سے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال مستحسن معلوم ہوا کرتے ہیں۔

تفسیر ⑫ (وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ) ذبح کے وقت جان کر یا بھول کر تسمیہ چھوڑ دینے کی صورت میں ذبیحہ کا حکم۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت مُردہ جانوروں اور جو ان کے حکم میں ہیں ان کی حرمت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں وہ جانور مراد ہیں جن کو وہ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اہل علم کا اس صورت میں اختلاف ہے کہ اگر مسلمان اللہ کا نام ذبح کے وقت نہ ذکر کرے تو کیا حکم ہے؟ ایک جماعت کا قول ہے کہ چاہے نام لینا بھول گیا ہو یا جان بوجھ کر نہ پڑھے دونوں صورتوں میں یہ جانور حرام ہے۔ یہی امام شعبی اور ابن سیرین رحمہما اللہ کا قول ہے۔ ان حضرات نے اسی آیت کے ظاہری معنی سے استدلال کیا ہے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ دونوں صورتوں میں مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے۔ یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے اور یہی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اگر مسلمان نے جان بوجھ کر تسمیہ چھوڑ دی تو جانور حلال نہ ہوگا اور اگر بھول کر چھوڑ دی تو حلال ہے۔ خرقی نے امام احمد رحمہ اللہ کے شاگردوں سے نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اصحاب رائے کا بھی یہی قول ہے جنہوں نے اس جانور کو مباح قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ آیت میں مُردہ جانور اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں وہ مراد ہیں کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے فسق کہا ہے اور فسق غیر اللہ کا نام لینے ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے جیسا کہ اسی سورت کے آخر میں کہا "او **فسقا اهل لغير الله به**" اور ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک قوم نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ہاں ایک قوم ہے جنہوں نے شرک سے نئی جان چھڑائی ہے وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ کا نام لے کر کھالو۔ اگر جانور کے حلال ہونے کے لیے تسمیہ شرط ہوتی تو اس کے پائے جانے میں جب شک ہو تو گوشت ممنوع ہوتا۔ جیسا کہ اگر جانور میں یہ شک ہو جائے کہ اس کو ذبح کیا گیا ہے یا نہیں تو وہ جانور ممنوع ہوتا ہے (وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ) اس جھگڑا کا واقعہ یہ ہے کہ مشرکین کہنے لگے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتائیں کہ جب بکری مر جاتی ہے تو اس کو کون مارتا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ اس کو مارتا ہے تو کہنے لگے کیا آپ کا یہ گمان ہے کہ جس کو آپ اور آپ کے ساتھی ماردیں وہ حلال ہے اور جس کو کتا، شکرا، چیتا ماردے وہ حلال ہے؟ اور جس کو اللہ ماردے وہ حرام ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ) مُردار کھانے میں (اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ) زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں واضح دلیل ہے کہ جو حلال چیز کو حرام قرار دے یا حرام کو حلال قرار دے وہ مشرک ہے۔

⑫ (اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ) نافع نے (میتًا) اور لحم اخیه میتا) اور (والارض المیتة احیینا ها) ان میں شد

کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تخفیف کے ساتھ۔ یعنی کفر کی وجہ سے مُردہ تھا ہم نے ایمان کے ذریعے اس کو زندہ کر دیا۔

(وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا) تا کہ تم اس کے ذریعے سے روشنی حاصل کرو۔ (يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ) راستے کے ارادہ پر۔ بعض نے کہا کہ نور سے مراد اسلام ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (يخرجهم من الظلمات الى النور نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف) اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روشنی اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے مؤمن کے لیے واضح دلیل ہے کہ اس کی روشنی میں عمل کرتا ہے اسی سے دلیل لیتا ہے (كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ یہاں المثل صلہ ہے گویا کہ وہ اندھیرے میں ہے لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا) یعنی کفر کی تاریکیوں میں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت دو متعین شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر ان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "جعلنا له نورًا" سے مراد حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور "كمن مثله في الظلمات" سے ابو جہل بن ہشام مراد ہے۔

اور ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابو جہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور عکرمہ اور کلبی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ عمار بن یاسر اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) یعنی کفر اور معصیت۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان نے ان کے لیے بتوں کی عبادت کو مزین کر دیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تا کہ وہ لوگ وہاں شرارتیں کیا کریں اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔ اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جاوے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنا پیغام بھیجتا ہے عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے یہ جرم کیا ہے خدا کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی اور سزائے سخت ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں۔

ابو جہل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اوجھڑی ڈالنا اور حضرت حمزہؓ کا اس سے بدلہ لینا

تفسیر: اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گوبر سے بھری اوجھڑی ڈالی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے لوٹ رہے تھے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کمان تھی، آپ کو اس وقت یہ خبر ملی آپ اس وقت ایمان نہ لائے یہ خبر سنتے ہی

غصہ میں ابوجہل کے پاس گئے اور اپنی کمان ابوجہل کو ماری تو وہ گڑگڑانے لگا کہ اے ابویعلیٰ آپ کو پتہ نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا دین لائے ہیں؟ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں، ہمارے آباء واجداد کی مخالفت کرتے ہیں تو حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم سے زیادہ بے وقوف کون ہے؟ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

۱۲۳ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا) جیسا کہ مکہ کے فساق مکہ کے سردار ہیں اسی طرح ہم ہر بستی کے گنہگار اس کے سردار بناتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے کہ رسولوں کے پیروکار ہر بستی کے کمزور لوگ ہوا کرتے ہیں جیسا کہ نوح علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا ہے "انؤمن لک واتّبعک الارذلون" اور ان کے فاسق لوگوں کو ان کے بڑے اور سردار لوگ بنایا۔ (لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا) ان لوگوں نے مکہ کے ہر راستے پر چار آدمی بٹھائے ہوئے جو لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکتے تھے اور کہتے تھے اس شخص سے بچنا کیونکہ یہ نجومی، جادوگر، جھوٹا ہے۔ "نعوذ باللّٰہ من ذلک" (وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ) کہ ان کے مکر کا وبال ان پر آئے گا۔

۱۲۴ (وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ) یعنی جو رسولوں کو نبوت دی گئی ہے وہ ہمیں دی جائے۔

و اذ جاء تھم ایۃ کا نزول کس کے حق میں ہوا

اس کا پس منظر یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ کہنے لگا اگر نبوت حق ہوتی تو میں اس کا زیادہ حق دار تھا کیونکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں بڑا ہوں اور مال میں زیادہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس نے کہا تھا ہم سے بنوعبد مناف مرتبہ میں مزاحم تھے حتیٰ کہ ہم دونوں ہم مرتبہ تھے اب وہ کہیں گے کہ ہم میں نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے اللہ کی قسم ہم نہ اس پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کی اتباع کریں گے مگر یہ کہ ہمارے پاس بھی اس کی طرح وحی آجائے تو ٹھیک ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "واذا جاء تھم آیۃ" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر حجت۔ وہ کہتے ہیں یعنی ابوجہل "لن نؤمن حتّی نؤتی مثل ما اُوتی رسل اللّٰہ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ) ابن کثیر اور حفص نے "رسالتہ" مفرد پڑھا ہے اور باقی حضرات نے "رسالاتہ" جمع۔ یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ کون رسالت کا زیادہ مستحق ہے۔ (سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيْدٌ م بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ) بعض نے کہا کہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ

ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔

يشرح صدره للاسلام کی تفسیر اور علامات

تفسیر ﴿۱۲۵﴾ (فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ) یعنی اس کا دل کھول دیتا ہے اور اس کو روشن کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اسلام کو قبول کر لیتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرح صدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے تو سوال کیا گیا کہ کیا اس کی کوئی علامت ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا اور دھوکے کے گھر (دُنیا) سے کنارہ کش ہونا اور موت کی تیاری کرنا موت آنے سے پہلے (وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا) ابن کثیر رحمہ اللہ نے "ضیقًا" کو یہاں اور سورۃ فرقان میں بغیر شد کے پڑھا ہے اور باقی نے شد کے ساتھ اور یہ دونوں لغتیں فصیح ہیں جیسے "هین هيّن و لين ليّن"...... "حرجًا" اہل مدینہ اور ابوبکر نے راء کے کسرہ اور باقی نے راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں بھی فصیح ہیں۔ یعنی اس کے دل کو بالکل تنگ کر دیتا ہے کہ ایمان داخل نہ ہو سکے اور کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اتنا تنگ کہ خیر کے لیے اس میں کوئی سوراخ نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے ذکر کو سنتا ہے تو اس کا دل تنگ ہو جاتا ہے اور جب بتوں کی عبادت کا ذکر ہو تو راحت محسوس کرتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا اور کنانہ قبیلہ کے ایک دیہاتی سے پوچھا کہ تمہاری لغت میں "حرجة" کا کیا معنی ہوتا ہے تو اس نے کہا کہ ایک ایسا درخت جو درختوں کے اتنے گھنے جھنڈ میں ہوتا ہے کہ نہ اس تک کوئی چرواہا پہنچ سکے اور نہ کوئی وحشی جانور اور نہ کوئی اور چیز تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی طرح منافق کی طرف کوئی خیر نہیں پہنچ سکتی۔ (كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے "یصعد" کو بغیر شد کے اور صاد کے سکون کے ساتھ اور ابوبکر نے عاصم رحمہ اللہ سے "یصاعد" الف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے عین اور صاد کی شد کے ساتھ "یصّعّد" پڑھا ہے۔ یعنی اس پر ایمان لانا ایسے مشکل ہے جیسے آسمان پر چڑھنا مشکل ہے اور الصعود کی اصل مشقت ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول "سارهقه صعودًا" ہے یعنی مشکل گھاٹی۔ (كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رجس سے مراد شیطان ہے کہ شیطان کو مسلط کر دے گا۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجس جس میں خیر نہ ہو اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں رجس سے مراد عذاب اور بعض نے کہا نجاست مراد ہے۔ مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو فرماتے اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں رجس اور نجس سے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجس دُنیا میں لعنت اور آخرت میں عذاب ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ان کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اور جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کریں گے اے جماعت جنات کی تم نے انسانوں (کے گمراہ کرنے) میں بڑا حصہ لیا جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ (اقراراً) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آ پہنچے جو آپ نے ہمارے لئے متعین فرمائی تھی (یعنی قیامت) اللہ تعالیٰ (سب کفار جن وانس سے) فرماویں گے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے بیشک آپ کا رب بڑی حکمت والا بڑا علم والا ہے۔

تفسیر: ﴿۱۲۶﴾ (وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا) یعنی جو ہم نے بیان کیا اور بعض نے کہا وہ راستہ جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ دین جو آپ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے بالکل سیدھا ہے کہ اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں۔ (قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ)

﴿۱۲۷﴾ (لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ) یعنی جنت۔ اکثر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سلام اللہ تعالیٰ ہیں اور دار سے مراد جنت ہے۔

لهم دار السلام کی تفسیر

اور بعض نے کہا سلام سلامتی ہے۔ یعنی ان کے لیے آفات سے سلامتی کا گھر ہے۔ یعنی جنت کو دار السلام اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جو بھی اس میں داخل ہوگا ہر قسم کی تکالیف سے محفوظ ہو جائے گا اور بعض نے کہا اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ اس کے تمام حالات سلام کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ ابتداء میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "ادخلوها بسلام اٰمنین"...... "والملائكة يدخلون عليهم من كلّ بابٍ سلام عليكم" وقال "لايسمعون فيها لغواً ولا تاثيما الاقيلا سلامًا سلاما"

(تحیتهم فیها سلام)(سلام قولا من رب رحیم)......(وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)حسین بن فضیل فرماتے ہیں کہ ان کو دنیا میں ولی بنایا اپنی توفیق سے اور آخرت میں ان کو جزا دی جائے گی۔

۱۲۸ "وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ" حفص نے "یحشرهم" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ " جَمِيْعًا "یعنی جنوں اور انسانوں کو قیامت کے موقف میں جمع کرے گا اور کہے گا۔" يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ "جن سے مراد شیاطین ہیں (قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ) سے یعنی تم نے گمراہ کر کے بہت سے انسان اپنے ساتھ ملا لیے۔(وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ)یعنی شیطانوں کے وہ انسان دوست جنہوں نے ان کی اطاعت کی ہے۔(رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ)کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسانوں نے جنوں سے نفع یوں حاصل کیا کہ جب کوئی انسان جنگل بیابان میں سفر کرتا اور وہاں پڑاؤ ڈالتا اور جنوں کا خوف ہوتا تو وہ کہتا میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں آتا ہوں اس کی قوم کے بے وقوفوں کے شر سے تو وہاں آسانی سے رات گزارتا اور جنوں نے نفع یہ اُٹھایا کہ وہ کہنے لگے کہ ہم جنوں کے ساتھ انسانوں کے بھی سردار ہو گئے کہ وہ ہماری پناہ مانگتے ہیں۔تو وہ اپنی قوم میں مرتبہ میں بڑھ گئے اور خود کو عظیم سمجھنے لگے۔یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان"وانه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجنّ فزادوهم رهقًا"

اور بعض نے کہا کہ انسانوں نے جنوں سے یہ نفع اُٹھایا کہ وہ ان کو جادو اور کہانت وغیرہ بتاتے تھے اور جنوں نے فائدہ یہ حاصل کیا کہ انسان ان کے بدلے میں ان کی اطاعت کرتے تھے گمراہی اور معاصی کے اُمور میں جو ان کے لیے مزین کیے گئے تھے۔محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ایک دوسرے کی اطاعت کرتا اور ایک دوسرے کی موافقت کرتا ہے۔(وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا)یعنی قیامت اور بعث(قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ)تمہارا ٹھکانہ(خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ)اس استثناء میں ان کا اختلاف ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ کے قول "خالدين فيها ما دامت السموات والارض الّا ماشاء ربّک" میں۔بعض نے کہا کہ اتنا عرصہ مراد ہے جو ان کے دوبارہ زندہ کرنے اور جہنم میں بھیجنے کے درمیان ہے۔یعنی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے مگر اتنی مدت اور بعض نے کہا کہ استثناء کا تعلق عذاب سے ہے کہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے سوائے اس کے کہ اللہ عذاب کی اقسام میں سے جو چاہے دے گا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ استثناء کا تعلق اس قوم سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہ اسلام لے آئیں گے اور آگ سے نکالے جائیں گے۔اس صورت میں ماشاء اللہ میں "مَا مَنْ" کے معنی میں ہوگا۔(اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ)وہ دلوں کے اندر کو جاننے والا ہے کہ تم نیک ہو متقی پرہیزگار ہو۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۱۲۹ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۱۳۰

ترجمہ: اور اسی طرح ہم بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب اے جماعت جنات اور

انسانوں کے کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم سے میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر (جرم کا) اقرار کرتے ہیں اور ان کو دنیوی زندگانی نے بھول میں ڈال رکھا ہے اور یہ لوگ مقرر ہوں گے کہ وہ کافر تھے۔

تفسیر ⑫⑨ (وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ) بعض نے کہا یعنی جیسے ہم نے نافرمان جن وانس کو ذلیل کیا حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے سے نفع اُٹھایا۔ اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیں گے اور ظالم سے ظالم کے ذریعے بدلہ لیں گے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ جس نے ظالم کی مدد کی اللہ اس ظالم کو اسی پر مسلط کر دے گا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم ان میں سے بعض کو بعض کا دوست بنا دیں گے۔ پس مؤمن جہاں بھی ہو مؤمن کا دوست ہوگا اور کافر کافر کا دوست ہے جہاں بھی ہو اور معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے ہم ان میں سے بعض کو بعض کے آگے پیچھے لگا دیں گے۔ موالاۃ سے ہے اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی ہم ظالم انسانوں کو ظالم جنوں کا اور ظالم جنوں کو ظالم انسانوں کا دوست بنا دیں گے اور ان کو ایک دوسرے کے سپرد کر دیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کی تفسیر کے بارے میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کا معاملہ ان کے بہترین لوگوں کے سپرد کرتے ہیں اور جب کسی قوم کے بارے میں شر کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کا معاملہ ان کے برے لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں یعنی حکمران برے لوگ ہوتے ہیں۔

⑬⓪ (يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ)

جنات میں رسول مبعوث ہوئے ہیں یا نہیں

اس میں اختلاف ہے کہ جنوں میں رسول بھیجے گئے ہیں کہ نہیں؟ ضحاک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا بالکل کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ نے فرمایا "الم یاتکم رسل منکم" کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول انسانوں میں سے یا جنوں میں سے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے رسول جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجے جاتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس سب کی طرف بھیجے گئے ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول انسانوں میں آئے ہیں اور جنوں میں ڈرانے والے آئے ہیں رسول نہیں آئے۔ پھر آیت پڑھی "ولوا الی قومھم منذرین" کہ جنوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام سنی اور جنوں کو تبلیغ کی اس صورت میں "رسل منکم" کا تعلق صرف انسانوں سے ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا (یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان نکلتے ہیں ان دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے) حالانکہ یہ تو کھارے سمندر سے نکلتے ہیں نہ کہ میٹھے سے۔ (وجعل القمر فیھن نوراً) یہ ایک ہی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔

(يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ) تمہارے اوپر پڑھتے ہیں ایتِیْ میری کتابیں (وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا) قیامت کے دن سے (قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا) کہ انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا۔ مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اقرار اس وقت ہوگا جب

ان کے اعضاء ان کے خلاف شرک اور کفر کی گواہی دیں گے (وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا) حتیٰ کہ ایمان نہیں لائے (وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ)۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لئے درجے ملیں گے ان کے اعمال کے سبب اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور آپ کا رب بالکل غنی ہے رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھا لیوے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کرے جیسا کہ تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ وہ بیشک آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔

تفسیر: ﴿۱۳۱﴾ (ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ) یعنی یہ جو ہم نے آپ علیہ السلام پر رسولوں کے واقعات اور ان کی تکذیب کرنے والوں کا عذاب بیان کیا اس لیے کہ آپ کا رب بستیوں کو ان ان کے ظلم و شرک کی وجہ سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے کہ "وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ" ان کو ڈرایا نہ گیا ہو حتیٰ کہ ان کی طرف رسولوں کو بھیجتا ہے جو ان کو ڈراتے ہیں۔ اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں کہ ان کو ڈرایا نہ گیا ہو۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیج دیں اور بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ بغیر تنبیہ اور بغیر تذکیر کے ان کو ہلاک نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ سنت جاری کی ہے گناہ کے بعد ہی پکڑتا ہے اور گناہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب کسی کو حکم دیا جائے اور وہ حکم نہ مانے یا کسی کام سے روکا جائے اور وہ نہ رُکے اور یہ سب کچھ رسولوں کے ڈرانے کے بعد ہو سکتا ہے۔

﴿۱۳۲﴾ (وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا) یعنی ثواب اور عقاب دُنیا میں جو انہوں نے عمل کیے اس کے مطابق ہوگا۔ بعض کو بہت سخت عذاب اور بعض کو بہت زیادہ ثواب ہوگا (وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ) ابن عامر نے "تعملون" تاء کے ساتھ اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

﴿۱۳۳﴾ (وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ) اپنی مخلوق سے (ذُو الرَّحْمَةِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اپنے اولیاء اور اطاعت کرنے والوں پر (اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ) تم کو ہلاک کر دے۔ یہ اہل مکہ کو وعید ہے (وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ) تمہارے علاوہ مخلوق کو جو زیادہ فرمانبردار ہو (كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ) یعنی تمہارے پچھلے آباء واجداد سے نسل در نسل۔

⑬⑭ (اِنَّ مَاتُوْعَدُوْنَ) یعنی حشر اور قیامت کے آنے کا جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے (لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ)۔ یعنی اس سے چھوٹنے والے نہیں ہیں یعنی جہاں بھی تم ہو گے موت تمہیں آئے گی۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ⑬⑤ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ط سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ⑬⑥ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَافَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ⑬⑦

ترجمہ آپ یہ فرما دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم کا انجام کار کس کے لئے نافع ہوگا۔ یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی فلاح نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہاں کو برباد کریں اور تاکہ ان کے طریقہ کو مخبوط کر دیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یونہی رہنے دیجئے۔

تفسیر (قُلْ اے محمد آپ کہہ دیجئے يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ) ابوبکر نے عاصم سے "مکاناتکم" جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی جہاں بھی ہو۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس حالت پر تم ہو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس پر تم ہو اسی پر عمل کرتے رہو۔ آدمی جو جب وہ کسی حالت پر ہو اور اس پر ثابت قدم رہنے کا حکم کیا جائے تو کہا جاتا ہے "علی مکانتک یا فلان" یعنی اپنی حالت پر ثابت قدم رہ اور یہ امر وعید میں مبالغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کہہ دیں جو تم کرتے ہو کرتے رہو۔ "انّی عامل" جو مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے۔ "فسوف تعلمون من تکون له عاقبة الدّار" یعنی جنت۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے یکون یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں اور سورۃ القصص میں اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے "العاقبة" کے مؤنث ہونے کی وجہ سے۔

⑬⑤ (اِنِّىْ عَامِلٌ) جو مجھے میرے رب نے حکم دیا (فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ) مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس نے کفر کیا یا شرک کیا وہ نیک بخت نہ ہوگا۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ضحاک رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ وہ کامیاب نہ ہوگا۔

⑯ (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا)

کھیتوں میں اور چوپالوں میں مشرکین بتوں کا حصہ بھی رکھتے ہیں

مشرکین اپنی کھیتیوں، مویشیوں اور پھلوں اور تمام اموال میں اللہ تعالیٰ کا حصہ رکھتے تھے اور بتوں کا بھی حصہ رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا وہ مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے اور جو بتوں کے نام پر جو متعین کرتے وہ بتوں کے خدام کیلئے مقرر کرتے اگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حصہ میں سے بتوں کے حصہ میں گر جاتی اس کو نہ اُٹھاتے اور کہتے اللہ ان چیزوں سے غنی ہے اور اگر بتوں کے حصہ سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حصہ میں گر جاتی تو اس کو اُٹھا لیتے اور کہتے یہ محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کچھ کمی ہو جاتی یا سارا حصہ ہلاک ہو جاتا تو اس کی پرواہ نہ کرتے اور اگر بتوں کا حصہ ہلاک ہو جاتا یا کمی ہو جاتی تو اس کو اللہ تعالیٰ کے حصہ سے پورا کر لیتے۔ (فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ) زاء کے پیش کے ساتھ اور باقی حضرات نے زاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دولغتیں ہیں اور اس کا معنی غیر حقیقی بات۔ (وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا) یعنی بتوں کا (فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى لِشُرَكَآئِهِمْ) اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے نہیں کہا کہ وہ بتوں کا حصہ اللہ تعالیٰ کے حصہ سے پورا کریں اور اللہ کا حصہ بتوں کے حصہ سے پورا نہ کریں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قحط آتا تو اللہ تعالیٰ کے حصہ کو کھا جاتے اور جو بتوں کا حصہ ہوتا اس کو نہ کھاتے، سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔

⑰ (وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ) جیسا کہ کھیتی اور مویشیوں کی حرمت ان کے لیے مزین کی گئی اسی طرح اکثر مشرکین کے لیے مزین کر دیا (قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیاطین نے ان کے لیے بیٹیوں کے قتل کو مزین کر دیا۔ شیاطین کو شرکاء کہا کیونکہ انہوں نے ان کی اطاعت کی اللہ کی نافرمانی کرنے میں۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے شرکاء ان کے معبودوں کے خادم ہیں جنہوں نے کفار کے لیے اولاد کے قتل کو مزین کر دیا تو مشرکین یہ دُعا کرتے تھے کہ اگر اتنے بیٹے پیدا ہوئے تو ایک کو ذبح کر دوں گا جیسا کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ پر قسم کھائی تھی اور ابن عامر رحمہ اللہ نے "زُيِّنَ" زاء کے پیش اور یاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "قتل" مرفوع ہے۔ "اولادھم" منصوب ہے۔ "شرکاء ھم" منصوب کے ساتھ مقدم ہونے کی بناء پر۔ گویا کہ فرمایا ہے کہ بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء کا ان کی اولاد کو قتل کرنا مزین کیا گیا ہے۔ فعل اور فاعل کے درمیان مفعول ہے یعنی الاولاد کے ذریعے فاصلہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

فزججته متمکنا زجّ القلوص ابی مزاده

یعنی زج ابی مزادہ القلوص تو فعل یعنی قتل کو الشرکاء کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس کو نہیں کیا تھا لیکن

کیونکہ انہوں نے اس کو مزین کیا ہے اور اس کی طرف بلایا ہے تو گویا کہ انہوں نے خود یہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ”لیردوھم“ تا کہ وہ ان کو ہلاک کردیں۔ ”ولیلبسوا علیھم“ تا کہ وہ ان پر خلط کردیں۔ ”دینھم“

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تا کہ ان پر ان کے دین میں شک کو داخل کردیں یہ اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے شیطان کی تلبیس کی وجہ سے اس سے پھر گئے۔ (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَافَعَلُوْهُ) اگر اللہ چاہتے تو ان کو محفوظ کرتے جس کی وجہ سے کھیتی اور مویشی کو حرام نہ کرسکتے اور اولاد کو قتل نہ کرتے (فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ)

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

ترجمہ: اور وہ اپنے خیال (باطل) پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مواشی ہیں اور (مخصوص) کھیت ہیں جن کا استعمال ہر چیز کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور (کہتے ہیں کہ یہ مخصوص) مواشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کردی گئی ہے اور (مخصوص) مواشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ سب باتیں) محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر (کہتے ہیں) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دیے دیتا ہے اور وہ (یوں بھی) کہتے ہیں کہ جو چیز ان مواشی کے پیٹ میں (سے نکلتی) ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (پیٹ کا نکلا ہوا بچہ) مردہ ہے تو اس سے (منتفع ہونے کے جواز ہیں (مرد وعورت) سب برابر ہیں ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیے دیتا ہے بلاشبہ وہ بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔

تفسیر: ﴿۱۳۸﴾ (وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ) یعنی حرام ہے۔ یعنی جو کھیتی اور مویشی اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے خاص کی ہے وہ حرام ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مویشیوں سے بحیرۃ، سائبۃ، وصیلۃ، حام مراد ہیں۔ (لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ) یعنی مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں (وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا) یعنی حام کی پیٹھ پر سوار نہ ہوتے تھے (وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا) یعنی ان کو بتوں کے نام کے ساتھ ذبح کرتے ہیں۔ ابووائل کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ان پر نہ حج کرتے ہیں اور نہ کوئی نیکی کا کام۔ اس لیے کہ یہی عادت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر خیر کے کام پر لیا جاتا ہے تو یہاں اللہ کے ذکر سے فعل خیر مراد لیا ہے۔ (افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ)

﴿۱۳۹﴾ (وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا) ہماری عورتوں پر ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بحیرہ اور سائبہ کے بچے ہیں کہ جو بچہ زندہ پیدا ہوتا وہ صرف مردوں کے لیے ہوتا عورتیں

نہ کھاسکتیں اور جو مُردہ پیدا ہوتا اس کو مرد وعورت سب کھاتے۔ (الخالصة) میں ھاء تاکید کے لیے ہے جیسے "عامة، علامة، نشابة" میں۔ اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تانیث کی ہے اور کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خالص اور خالصۃ ایک ہیں جیسے وعظ وموعظۃ۔

وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً ابن عامر اور ابوجعفر رحمہما اللہ نے "تکن" تاء کے ساتھ "میتة" پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ فعل کو تانیث کی علامت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس لیے کہ "المیتة" لفظ کے اعتبار سے مؤنث ہے اور ابوبکر نے عاصم رحمہما اللہ سے "تکن" تاء کے ساتھ اور "میتة" زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اور نہ ہو مگر مُردہ بچہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے "وان یکن" یاء کے ساتھ اور "میتة" پیش کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ "میتة" سے مرادمیت ہے۔ یعنی جو پیٹوں میں ہے اگر وہ مُردہ ہو اور دیگر حضرات نے "وان یکن" یاء کے ساتھ "میتة" زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کو "ما" کی طرف لوٹایا ہے یعنی "وان یکن ما فی البطون میتة" اس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ) فیھا نہیں کہا۔ اور مراد یہ ہے کہ مرد اور عورتیں اس میں شریک ہوتے ہیں۔ (سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ) یعنی ان کے وصف کے بدلہ میں یا ان کے اللہ پر جھوٹے وصف بیان کرنے پر۔ (اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ)

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو (حلال) چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے اور وہی (اللہ پاک) ہے جس نے باغات پیدا کیے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں (جیسے انگور) اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور پر کی ہوتی ہیں اور زیتون اور انار جو (انار انار) باہم (زیتون زیتون باہم) ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور (کبھی ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آوے اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے وہ اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو اور حد سے مت گزرو یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۴۰﴾ (قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ) ابن عامر اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے "قتلوا" کو تاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یہ کثرت کا معنی دے اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ (سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ) یہ آیت قبیلہ ربیعہ، مضر اور بعض دوسرے عرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو فقر اور قید کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے اور بنو کنانہ ایسا نہ

کرتے تھے۔ (وَحَرَّمُوْا مَارَزَقَهُمُ اللّٰهُ) یعنی بحیرۃ، سائبۃ، حام، وصیلۃ کو (افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ) کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس کا اللہ نے حکم دیا ہے (قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ)۔

⑭ (وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ) یعنی اُٹھے ہوئے اور غیر مرفوع۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ معروشات وہ جو زمین پر پھیل جائیں مثلاً انگور، تربوز وغیرہ اور غیر معروشات جو تنے پر کھڑے ہو جائیں جیسے کھجور، کھیتی اور تمام درخت اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں سے انگور مراد ہیں کہ بعض کو سہارا دے کر کھڑا کیا جاتا ہے اور بعض انگوروں کو ایسے چھوڑ دیا جاتا ہے (وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ) اور پیدا کئے اس میں (مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ) پھلوں میں مٹھاس وکھٹاس اچھے اور خراب (وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا) دیکھنے میں (وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ) ذائقے میں جیسے دو انار دیکھنے میں رنگ ان کا ایک ہو لیکن ذائقہ مختلف ہوگا (كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ) اہل بصرہ، ابن عامر اور عاصم رحمہما اللہ نے "حصادہ" کو حاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے حاء کے کسرہ کے ساتھ اور دونوں کا معنی ایک ہے جیسے صرام اور صرام اور جذار اور جذار کا۔

وآتو حقه يوم حصاده کی تفسیر

اس حق کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس، حسن جابر بن زید اور سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ اس سے فرض زکوٰۃ یعنی عشر اور عشر کا نصف مراد ہے اور علی بن حسین رحمہ اللہ، عطار، مجاہد، حماد اور حکم رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے جس کے دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔

ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ جھاڑو ہے اور ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنبل کے گرے ہوئے خوشے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ پھل کاٹنے کے وقت ایک خوشہ کو لٹکا دیتے تھے تو اس سے گزرنے والا کھاتا تھا۔

یزید بن اصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ جب پھل کاٹتے تو ایک ٹہنی مسجد کی ایک طرف لٹکا دیتے تو مسکین آتا اس کو لاٹھی مارتا جو پھل گرتا اس کو لے لیتا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حق ابتداء میں واجب تھا عشر کے وجوب کی وجہ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ مقسم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے قرآن مجید میں موجود تمام نفقات کی فرضیت منسوخ ہو گئی ہے۔

وَلَا تُسْرِفُوْا کی تفسیر میں مختلف اقوال

(وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ) بعض نے کہا ہے کہ اسراف سے سارا مال دینا مراد ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ ثابت بن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ نے پانچ سو کھجوروں کا پھل کاٹا اور ایک ہی دن میں تقسیم کر دیا اور گھر والوں کے لیے کچھ نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے جا خرچ نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ اتنا مال نہ دو کہ خود فقیر بن بیٹھو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص سارا مال دے اور گھر والوں کے لیے کچھ نہ رکھے تو اس نے اسراف کیا کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اپنے عیال سے ابتداء کر۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ صدقہ سے نہ رُکو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بخل اور مال روکنے میں اتنا اسراف نہ کرو کہ واجب صدقات سے بھی رُک جاؤ۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسراف وہ ہے کہ جس سے اللہ کے حق میں کوتاہی ہوتی ہو۔ اگر ابو قبیس پہاڑ سونے کا کسی آدمی کا ہو اور وہ سارا اللہ کے راستے میں خرچ کردے تو وہ اسراف کرنے والا نہیں اور اگر ایک درہم یا ایک مد اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرے تو وہ اسراف کرنے والا ہے۔

ابن وہب نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ خطاب بادشاہوں کو ہے ان کو کہا ہے کہ تم اپنے حق سے زیادہ نہ لو۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ: اور مواشی جو اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو بلاشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے

تفسیر: ﴿۱۴۲﴾ (وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا) یعنی وہ چھوٹے اونٹ جو بوجھ نہ اُٹھا سکیں (كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ) یعنی اس کے آثار قدم پر نہ چلو کھیتی اور مویشی حرام کرنے میں۔ (اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ) اب "حمولة" اور فرش کو بیان کر رہے ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: (اور یہ مواشی) آٹھ نر و مادہ (پیدا کئے) یعنی بھیڑ (اور دنبہ) میں دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ (ان سے) کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو۔

تفسیر: ﴿۱۴۳﴾ (ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ) اس پر نصب الحمولۃ اور الفرش سے بدل ہونے کی بنا کی وجہ سے ہے۔ یعنی چوپایوں سے آٹھ قسموں کو پیدا کیا (مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ) مذکر اور مؤنث تو مذکر ایک قسم ہے اور مؤنث ایک قسم۔ اور عرب ایک کو زوج کہتے ہیں جب وہ دوسرے سے جدا نہ ہو سکتا ہو۔

"ضأن" اون والی بھیڑ۔ اس کی مؤنث "ضائنة" اور جمع "ضوائن" ہے۔ "ومن المعز اثنین" ابن کثیر اور ابن عامر رحمہما اللہ اور اہل بصرہ نے "من المعز" عین کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے سکون کے ساتھ اور "المعز" اور

"المعزی" جمع ہے اس کے الفاظ سے اس کا کوئی واحد نہیں ہے۔ یہ بالوں والی بکری اور "الماعز" کی جمع "معزی" ہے اور "الماعز" کی جمع "مواعز"۔ "قل" اے محمد!" ء الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ" یعنی بھیڑ اور بکری کے نر کو اللہ نے حرام کیا ہے (اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ) بھیڑ اور بکری کی مادہ (اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ) بچہ دان دونوں مادہ کے (کیونکہ رحم تو صرف مذکر یا مونث پر مشتمل ہوتا ہے) بتلاؤ مجھ کو سند زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو تم نے حرام کیے ہیں ان کی علم سے تفسیر کرو۔ اگر تم سچے ہو)۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کیا ہے۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ط قُلْ ءَ الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّا اَجِدُ فِىْ مَآ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور اونٹ میں دو قسم اور گائے (بھینس) میں دو قسم آپ کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔ کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس (تحریم و تحلیل) کا حکم دیا تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹ تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو (جنت کا راستہ آخرت میں) نہ دکھلاویں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔ پھر جو شخص بے تاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (قدر ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

تفسیر ﴿۱۴۴﴾ (وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ط قُلْ ءَ الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ) وہ لوگ کہتے تھے "ھٰذہ انعام و حرث و حجر" اور کہتے تھے جو ان چوپایوں کے پیٹوں میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے ہماری عورتوں پر حرام ہے اور ان لوگوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلۃ اور حام کو حرام کیا۔ وہ ان میں سے بعض کو مردوں اور عورتوں پر حرام کرتے تھے اور بعض کو صرف عورتوں پر، جب اسلام آیا وہ لوگ مختلف قسم کے جانور حرام کیا کرتے تھے جب اسلام آیا اور احکام ثابت ہوئے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرنے آئے اور ان کا متکلم مالک بن عوف ابوالاحوض جشمی تھا۔ وہ کہنے لگے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ان اشیاء کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو ہمارے آباء کیا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کئی قسم کے جانور بغیر بنیاد کے حرام کر دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو ان آٹھ قسموں کو کھانے اور نفع اُٹھانے کے لیے پیدا کیا ہے تو یہ حرمت کہاں سے آئی؟ نر ہونے کی وجہ سے یا مادہ ہونے کی وجہ سے؟ تو اس سوال کو سن کر مالک بن عوف حیران رہ گیا اور جواب نہ دے سکا کیونکہ اگر وہ کہتا کہ یہ حرمت نر ہونے کی وجہ سے آئی ہے تو اس کا تقاضا تھا کہ تمام نر حرام ہونے چاہئیں اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت آئی ہے تو تمام مادہ حرام ہونے چاہئیں۔ اسی طرح بچہ دانی میں موجود بچہ کو حرام کرنے کی وجہ سے رحم کا اس پر مشتمل ہونا ہے تو نر اور مادہ سب حرام ہونے چاہئیں کیونکہ رحم سب پر مشتمل ہوتا ہے اور پانچویں یا ساتویں بچہ کو حرام قرار دینا کہاں سے نکالا اور یہ بات مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مالک! تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ تو وہ کہنے لگا آپ بات کریں میں سنتا ہوں (اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ) بعض نے کہا اس سے عمرو بن لحی اور اس کے بعد والے اس کے پیروکار مراد ہیں (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ) پھر آگے بیان کیا کہ حرام و حلال تو وحی کے ذریعے پتہ چلتا ہے تو فرمایا۔

⑭⑤ (قُلْ لَّآ اَجِدُ فِىْ مَآ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا) مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ پھر کون سی چیز حرام ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ) جو وہ کھاتا اور کھلاتا ہے۔ (اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً)

(اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا) "میتة" ابن عامر اور ابو جعفر رحمہما اللہ نے یکون یاء کے ساتھ "میتة" پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی مگر یہ کہ وہ مُردہ واقع ہوا اور ابن کثیر اور حمزہ رحمہما اللہ نے "تکون" یاء کے ساتھ "میتة" زبر کے ساتھ اسم مؤنث کی تقدیر پر ہے۔ یعنی مگر یہ کہ ہو نفس یعنی وہ جسم مُردار اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ "میتة" زبر کے ساتھ۔ یعنی مگر یہ کہ وہ کھانا مُردار ہو۔ "دما مسفوحا" یعنی بہایا ہوا بہنے والا یا بہتا ہوا خون) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو خون زندہ جانور سے اور جو رگوں سے ذبح کے وقت نکلے اس میں جگر اور تلی داخل نہیں کیونکہ جما ہوا خون ہیں اور شرع میں مباح ہیں اور جو خون گوشت کے ساتھ ملا ہوا ہو وہ بھی حرام نہیں کیونکہ وہ بہتا نہیں۔

عمران بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے ابو مجاز سے اس خون کے بارے میں سوال کیا جو گوشت کے ساتھ ملا ہوا ہو اور اتنی مقدار جو اس میں خون کی سرخی دیکھی جاتی ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ حلال ہے آیت میں بہنے والا خون حرام کیا گیا ہے۔ اور ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں رگ یا گودہ میں خون ہو تو کوئی حرج نہیں ہے مگر بہنے والا خون اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو مسلمان رگوں میں یہود کی اتباع کرتے۔ (اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ) وہ جانور جو اللہ کے نام کے علاوہ پر ذبح کیا جائے۔ بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ حرمت انہی اشیاء پر بند ہے یہی بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس میں مُردار، منخنقہ، موقوذۃ اور وہ چیزیں جو سورۃ مائدہ کے ابتداء میں ذکر کی گئیں یہ سب داخل ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ حرام نہیں اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ حرمت ان اشیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ کتاب کی نص سے جو چیزیں حرام کی گئی ہیں ان میں سے بعض اس آیت میں ذکر کی گئی ہیں

اور بعض کی حرمت سنت سے ثابت ہوئی ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے کے کھانے سے منع کیا اور ہر پنجے سے شکار کرنے والے پرندے کے کھانے سے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درندوں میں سے ہر کچلی والا حرام ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حرمت کا ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کی حرمت یا حلت کے بارے میں کوئی صراحت وارد نہیں ہوئی تو اگر شریعت نے اس کے قتل کا حکم دیا جیسے آپ علیہ السلام نے فرمایا، پانچ چیزوں کو حرم اور حل میں قتل کیا جائے یا شریعت نے اس کے قتل سے منع کیا ہے۔جیسا کہ آپ علیہ السلام نے چیونٹی کے قتل سے منع کیا ہے تو ایسی چیزیں حرام ہیں اور جو اس کے علاوہ ہیں تو اکثر عرب کی عادت کو دیکھا جائے گا کہ اکثر عرب اس کو کھاتے ہیں تو حلال ہے اور جس کو اکثر عرب نہیں کھاتے تو وہ حرام ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "قل احلّ لکم الطیّبات" سے عرب کو مخاطب کیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ جس کو عرب پسند کریں گے وہ حلال ہے۔(فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ)

اللہ تعالیٰ نے ان حرام کردہ چیزوں کو اضطرار کے وقت مباح قرار دیا ہے جبکہ حد سے تجاوز نہ کریں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَاحَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْمَااخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

ترجمہ اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری (کے اجزاء) میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو (حکما یا جو ہڈی سے ملی ہو ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں

تفسیر ۱۴۶ (وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ) مویشی اور پرندوں میں سے جس کی انگلیوں میں خلاء نہ ہو جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ۔

قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر پنجہ والا پرندہ اور کُھر والا مویشی اور اس کو بعض مفسرین رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے کُھر کو ناخن کا نام دیا ہے استعارہ کی بناء پر۔

(وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی ان کی چربی) یعنی پیٹ کی چربی اور وہ پردوں کی چربی اور دونوں گردوں کی چربی ہے۔(اِلَّا مَاحَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ) مگر وہ چربی جو پیٹ کے اندر پشت اور پہلو سے معلق ہو۔(اَوِ الْحَوَايَآ)۔اس کا واحد "حاویة" اور "حویة" ہے یعنی سمٹی ہوئی آنتوں پر جو چربی ہے۔پر (اَوْمَااخْتَلَطَ بِعَظْمٍ) یعنی چکی کی چربی یہ ساری استثناء میں داخل ہیں اور حرمت خاص ہے پیٹ اور گردوں کی چربی کے ساتھ۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ

عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح کے دن کہ اللہ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے شراب، مُردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) مُردار کی چربی کے بارے میں آپ علیہ السلام کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو لگایا جاتا ہے اور لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور چمڑوں کو تیل لگایا جاتا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں یہ حرام ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ یہود کو ہلاک کرے کہ اللہ تعالیٰ نے جب چربی کو حرام کیا تو وہ اس کو پگھلا کر بیچ دیتے اور اس کی قیمت کھالیتے (ذٰلِکَ جَزَیْنٰھُمْ) یہ حرمت ان کیلئے سزا کے طور پر ہے (بِبَغْیِھِمْ) یعنی ان کے ظلم کی وجہ سے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، سود کھایا اور باطل طریقے سے لوگوں کے مال کو حلال سمجھا۔ (وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ) جو ہم نے ان پر حرام کیا اس کی خبر دیتے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْرَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: پھر اگر یہ آپ کو کاذب کہیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا۔

تفسیر: ﴿۱۴۷﴾ (فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْرَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ) کہ تم سے عذاب کو مؤخر کر دیا (وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ) جب اس کا (عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ) وقت آجائے گا۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآاَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَاحَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ: یہ مشرک یوں کہنے کو ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر سکتے اسی طرح جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی (رسولوں کی) تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا آپ کہئے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔

تفسیر: ﴿۱۴۸﴾ (سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا) جب ان کو حجت لازم ہوگی اور اپنے شرک کے باطل ہونے کا یقین ہو جائے گا (لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآاَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَاحَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ) بحیرۃ، سائبۃ وغیرہ سے انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کے قول "لو شاء اللہ ما اشرکنا" کو اپنے شرک پر قائم ہونے کی دلیل بنائیں اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ ہمارے اور ہمارے اعمال کے درمیان رُکاوٹ بن جائیں کہ ہم ان کو نہ کر سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ان افعال واعمال سے راضی نہ ہوتے اور ہمیں اس کا حکم نہ دیا ہوتا اور ہم سے یہ نہ چاہتے ہوتے تو ہمارے درمیان حائل ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے

ہوئے فرمایا۔ (کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ) پہلی اُمتوں کے کفار میں سے (حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا) ہمارا عذاب۔

منکرین تقدیر نے اس آیت سے استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں مشرکین نے جب کہا ''اگر اللہ چاہتے تو ہم شرک نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کردی ہے اور ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ''کذلک کذب الّذین من قبلهم'' ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے قول ''لوشاء الله ما اشرکنا'' میں ان کی تکذیب نہیں کی بلکہ یہ بات تو ان کی سچی تھی لیکن تکذیب ان کے اس قول کی تھی کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور ہمارے ان کاموں پر راضی ہے۔ جیسا کہ سورۃ اعراف میں خبر دی ہے۔ ''واذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا علیها آباء نا والله امرنا بها'' تو تردید ان کی اس میں تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''قل ان الله لا یامر بالفحشاء'' ہے اور اس پر دلیل کہ اللہ تعالیٰ کی تردید ان کے قول ''لو شاء الله ما اشرکنا'' میں نہیں تھی بلکہ جو ہم نے ان کا قول نقل کیا اس پر تھی۔ اللہ تعالیٰ کا قول ''کذلک کذّب الّذین من قبلهم'' ہے شد کے ساتھ۔

اگر یہ ان کے قول ''لو شاء الله ما اشرکنا'' میں ان کے جھوٹ کی خبر ہوتی تو اللہ تعالیٰ ''کذب الّذین من قبلهم'' بغیر شد کے فرماتے کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے لیکن یہاں تو ان کی طرف تکذیب کی نسبت کی ہے اور حسن بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر انہوں نے یہ بات اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے لیے ذکر کی ہوتی اور اس کی معرفت میں کمی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کا اس طرح عیب نہ بیان کرتے بلکہ یوں فرماتے ''ولو شاء الله ما اشرکوا'' اور فرمایا ''وما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء الله'' اور مؤمن بھی یہ بات کہتے ہیں لیکن انہوں نے یہ بات تکذیب کرتے ہوئے اور اللہ کی معرفت کے بغیر جھگڑے کے لیے کہی۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول ''وقالوا لو شاء الرّحمٰن ما عبدناهم'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مالهم بذلک من علم ان هم الاّ یخرصون'' اور بعض نے کہا ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ بات تو حق کرتے تھے لیکن یہ اس کو اپنا عذر اور اپنے ایمان چھوڑنے پر حجت بناتے تھے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی ہے کیونکہ اللہ کا حکم اس کی مشیت وارادہ سے الگ چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا ارادہ کرنے والے ہیں لیکن اپنے ارادہ کی تمام چیزوں کا حکم نہیں دیتے اور بندہ پر لازم ہے کہ اس کے حکم کا اتباع کرے، اس کی مشیت سے نہ معلق ہو کیوں کہ اس کی مشیت کسی کا عذر نہیں ہے۔ (قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ) یعنی اللہ کی طرف سے کتاب وحجت۔ (فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا) تا کہ جو تم اللہ پر شرک اور اپنی حرام کردہ چیزوں کی حرمت کا دعویٰ کرتے ہو وہ ظاہر ہو جائے۔ (اِنْ تَتَّبِعُوْنَ) یعنی جس پر تم ہو اس میں اتباع نہیں کرتے۔ (اِلَّا الظَّنَّ) بغیر علم ویقین کے اٹکل پر چلتے ہو۔ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ.

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْشَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۝ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ

نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: آپ کہیے کہ پس پوری حجت اللہ ہی کی رہی پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ پر لے آتا آپ کہئے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر (باقاعدہ) شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان (مذکورہ) چیزوں کو حرام کر دیا ہے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو اس شہادت کی سماعت نہ فرمایئے اور (اے مخاطب) ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت کرنا جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں آپ (ان سے) کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو ہم ان کو اور تم کو رزق (مقدر) دیں گے اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہو اور خواہ پوشیدہ ہو۔ اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر اس کا تم کو تاکیدی حکم ہے تاکہ تم سمجھو۔

تفسیر ﴿۱۴۹﴾ (قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ) اپنی مخلوق پر جو دلیل بیان کی ہے وہ پوری ہے اور دلیل کتاب، رسول اور بیان کے ذریعے سے۔ (فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ) کافر کا ایمان اگر وہ چاہتا تو اس کو ہدایت دیتا۔

﴿۱۵۰﴾ (قُلْ هَلُمَّ) "هَلُمَّ" واحد، تثنیہ اور جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ) تم اپنے گواہوں کو لے آؤ جو اس بات کی گواہی دیں (اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا) ہذا کا اشارہ ماقبل حرام کردہ اشیاء کی طرف ہے کہ انہوں نے جو اپنے اوپر اشیاء حرام کیں وہ آکر دعویٰ کریں کہ واقعی اللہ نے ان پر حرام کی ہیں (فَاِنْ شَهِدُوْا) اگر وہ گواہی دیں تو وہ جھوٹی گواہی دیں گے (فَلَا تَشْهَدْ) اور تم (مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ) یعنی شرک کرتے ہیں۔

﴿۱۵۱﴾ (قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا) مشرکین نے سوال کیا کہ اللہ نے کون سی چیز کو حرام کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"قل تعالوا اتل" میں تم پر وہ پڑھتا ہوں جو تم پر تمہارے رب نے حقیقی اور یقینی طور پر حرام کیا ہے، وہ گمان اور جھوٹ نہیں جسے تم گمان کرتے ہو۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ اللہ تعالیٰ کے قول "حرّم ربّکم علیکم الّا تشرکوا به شیئًا" کا کیا معنی ہے کیونکہ حرام تو شرک ہے نہ کہ شرک کا چھوڑنا؟ تو جواب یہ ہے کہ "انّ" کا محل رفع ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ ہے کہ تم شرک نہ کرو اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا محل نصب ہے اور اس کے نصب کی وجہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم پر

حرام کیا ہے کہ تم شرک کرو اور "لا" صلہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "ما منعک ان لاتسجد" یعنی سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا اور بعض نے کہا ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کے قول "حرّم ربّکم" پر مکمل ہوگئی تھی۔ پھر فرمایا تم پر لازم ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، یہ اُبھارنے کے طریقہ پر ہے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز ہے کہ معنی پر محمول ہو یعنی میں تم پر شرک کی حرمت کی تلاوت کرتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ معنی یہ ہو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ شرک نہ کرو۔

(وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ) (نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ) یعنی فقر کے خوف سے بیٹیوں کو زندہ دفن نہ کرو کیونکہ تمہیں اور ان کو میں رزق دیتا ہوں (وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ)

❶ ماظہر سے علانیہ اور ما بطن سے پوشیدہ گناہ ہیں۔ جاہلیت والے اعلانیہ زنا کو برا سمجھتے تھے اور چھپکے سے کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں صورتوں کو حرام قرار دیا ہے۔

❷ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر سے مراد شراب اور باطن سے زنا مراد ہے۔ (وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ) اللہ تعالیٰ نے مؤمن اور معاہد (جس سے معاہدہ ہوگیا ہو) کے قتل کو حرام کیا ہے مگر حق پر قتل کرسکتے ہیں۔ یعنی قصاص، ارتداد یا ایسا زنا جس کی سزا رجم ہو تو قتل مباح ہوجاتا ہے۔

مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین امور کی بناء پر

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی ایسے شخص کا خون حلال نہیں جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں مگر تین صورتوں میں سے ایک کی وجہ سے ❶ شادی شدہ شخص زنا کرے ❷ جان کے بدلے جان ❸ اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہوجائے "ذٰلِكُمْ" جو میں نے ذکر کیا۔ "وَصّٰكُمْ بِهٖ" تم کو یہ حکم دیا ہے "لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ" (تم کو یہ حکم کیا ہے تا کہ تم سمجھو)

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

(ترجمہ) اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحب ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ ہم کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کیا کرو تو انصاف سے کہا کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو اس کو پورا کیا کرو ان (سب) کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم یاد رکھو (اور عمل کرو)

یتیم کے مال کے کھانے کا کیا حکم ہے

تفسیر ⑮ (وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ) یعنی جس میں اس کے مال کا نفع اور اضافہ ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مال میں تجارت کرنا مراد ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احسن طریقہ یہ ہے کہ اس کے مال سے تجارت کرے اور نفع میں سے خود کچھ نہ رکھے۔ (حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ) شعبی اور مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بالغ ہو جائے کہ اس کی نیکیاں اور گناہ لکھے جانے لگیں۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سمجھ دار ہو جائے اور قوت والا ہو جائے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اشد" کا اطلاق اٹھارہ سال سے تیس سال تک کی عمر پر ہوتا ہے اور بعض نے کہا چالیس سال تک اور بعض نے ساٹھ سال تک اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں بیس سال۔ اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تیس سال اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تینتیس سال۔ اور الاشد شد کی جمع ہے قد اور اقد کی طرح اور وہ جوانی کی قوت اور عمر کا مضبوط ہونا اور اسی سے "شد النہار" ہے جب دن خوب نکل آئے اور بعض نے کہا ہے کہ "بلوغ اشد" یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد اس سے سمجھداری محسوس ہو۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور سمجھدار ہو تو اس کا مال اس کے حوالہ کر دو۔ (وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ) (لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا) ماپ اور تول کے پورا کرنے میں کہ دینے والے کو اتنی مقدار کا مکلف بنایا جو اس پر واجب ہے زیادہ کو لازم نہیں تا کہ اس پر تنگی نہ ہو اور صاحب حق کو اپنے حق سے کم لینے کا مکلف نہیں بنایا تا کہ اس پر تنگی نہ ہو بلکہ ہر ایک کو اس کی گنجائش کے مطابق حکم دیا (وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا) فیصلہ اور گواہی میں سچ بولو (وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى) جس پر فیصلہ کیا جا رہا ہے یا جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے وہ قریبی رشتہ ہی کیوں نہ ہو (وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ) حمزہ، کسائی اور حفص رحمہما اللہ نے "تذکرون" ذال کی تخفیف کے ساتھ پورے قرآن میں پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکمات میں سے ہے تمام کتب میں نازل ہوئی۔ اس میں سے کوئی حکم منسوخ نہیں ہے اور تمام بنی آدم پر یہ چیزیں حرام تھیں، یہ کتاب کی اصل ہیں جو ان پر عمل کرے گا جنت میں داخل ہوگا اور جو ان کو چھوڑ دے گا جہنم میں داخل ہوگا۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ⑮ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑯

ترجمہ اور یہ (بھی کہہ دیجئے) کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو۔ کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (اس راہ کے

خلاف کرنے سے) احتیاط رکھو پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جاوے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو تا کہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لاویں۔

تفسیر ⑮ (وَاَنَّ هٰذَا) یعنی جو ان دو آیتوں میں تم کو حکم کیا ہے (صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "و ان" کو الف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے استئناف کی بناء پر اور دیگر حضرات نے الف کے زبر کے ساتھ۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ میں تم پر تلاوت کرتا ہوں کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اور ابن عامر اور یعقوب رحمہما اللہ نے نون کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ (وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ) اس دین کے علاوہ دین جیسے یہودیت، نصرانیت وغیرہ اور بعض نے کہا خواہشات اور بدعات مراد ہیں (فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ) یعنی اس کے پسندیدہ دین سے (ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ)

صراط مستقیم کی وضاحت

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکیر کھینچی، پھر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس لکیر کے دائیں اور بائیں کئی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ راستے ہیں ان میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہے جو اس کی طرف بلا رہا ہے۔ پھر آیت پڑھی (وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ)

⑮ (ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ) اگر یہ اعتراض ہو کہ "ثم اتینا" کیوں کہا ہے کیونکہ "ثم" تو کسی چیز کے بہت بعد میں آنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تو قرآن کے آنے سے بہت پہلے دی گئی تھی؟ تو جواب یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ پھر میں نے تمہیں خبر دی کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی تو "ثم" کو خبر مؤخر ہونے کے لیے لایا گیا ہے نزول مؤخر ہونے کے لیے نہیں۔ (تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ)"الذی احسن" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے نیک کام کرنے والے مراد ہیں اس صورت میں "الذی"، من کے معنی میں ہوگا کہ جس شخص نے ان کی قوم میں سے نیک کام کیا کیونکہ ان میں اچھے اور برے کام کرنے والے ہر قسم کے لوگ تھے۔ اس قول پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں لفظ "علی الذین احسنوا" ہے اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دے کر ان کی فضیلت کو مکمل کیا نیک کام کرنے والوں پر اور محسنین سے انبیاء علیہم السلام اور مؤمنین مراد ہیں اور بعض نے کہا "الذی احسن" سے موسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہیں اور "الذی" ما کے معنی میں ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کو کتاب دی ان پر نعمت کو مکمل کرنے کے لیے ان کے عبادت، رسالت کی تبلیغ اور احکام کو ادا کرنے میں نیک ہونے کی وجہ سے اور بعض نے کہا ہے کہ "الاحسان علم" کے معنی میں ہے اور "احسن عَلِم" کے معنی میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر علم وحکمت کی نعمت پورا کرنے کے لیے۔ یعنی ہم نے ان کو کتاب اس پر زیادہ دی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام پر میرا احسان مکمل کرنا ہے۔ (وَ تَفْصِيْلًا) بیان کردی (لِّكُلِّ شَيْءٍ) ہر چیز کی تفصیل جن کا

شریعت دین میں جاننا ضروری ہے (وَّهُدًى وَّرَحْمَةً) یہ توراۃ کی صفت ہے (لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تاکہ وہ دوبارہ اُٹھنے پر ایمان لائیں اور ثواب اور عذاب کی تصدیق کریں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو کبھی تم یوں کہنے لگتے کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے یا یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ پر ہوتے سو اب تمہارے ہاں تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آچکی ہے سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتلاوے اور اس سے روکے ہم ابھی ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے۔

تفسیر ﴿۱۵۵﴾ (وَهٰذَا كِتٰبٌ) یعنی قرآن (اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ) اس کے احکام پر عمل کرو (وَاتَّقُوْا) اطاعت کرو (لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ)

﴿۱۵۶﴾ (اَنْ تَقُوْلُوْا) "یبیّن اللّٰہ لکم ان تضلّوا" یعنی تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو اُتارا ہے، تمہاری گمراہی کو ناپسند کرتے ہوئے "ان تقولوا" کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اے اہل مکہ تم یہ کہنے سے بچو۔ تاکہ تم نہ کہو (اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا) یعنی یہود و نصاریٰ (وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ) یعنی ہم ان کو نہ جانتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم پر ہم نے قرآن اس لیے اُتارا کہ تم یہ نہ کہو کہ بے شک کتاب تو ہم سے پہلے لوگوں پر ان کی زبان میں اُتاری گئی تھی تو ہم نے اس کے احکام نہ پہچانے اور اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل رہے تو تم یہ عذر نہ کرسکو۔

﴿۱۵۷﴾ (اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ) کفار کی ایک جماعت نے یہ بات کہی تھی کہ اگر جو کتاب یہود و نصاریٰ پر نازل ہوئی ہم پر اُترتی تو ہم ان سے بہتر ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ) اور ہدایت اور رحمت اور نعمت (فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (وَصَدَفَ) بمعنی اعراض کرنا (عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ) برا عذاب بدلے میں (بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ) جو اعراض کرتے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْيَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْيَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: یہ لوگ صرف اس حکم کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آویں یا ان کے پاس آپ کا رب آوے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آوے جس روز آپ کے رب کی بڑی نشانی آ پہنچے گی کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو آپ فرما دیجئے کہ تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۵۸﴾ (هَلْ يَنْظُرُوْنَ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے اور قرآن کا انکار کرنے کے بعد وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں (اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ) تاکہ ان کی روح قبض کریں اور بعض نے کہا عذاب کے ساتھ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "یاتیھم" یاء کے ساتھ یہاں اور النحل میں پڑھا ہے اور باقی حضرات نے تاء کے ساتھ۔ (اَوْيَاْتِيَ رَبُّكَ) بغیر کسی کیفیت کے تاکہ قیامت کے اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ کر دے (اَوْيَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ) یعنی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے اور اسی کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

(يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ) یعنی اس نشانی کے ظاہر ہونے کے وقت ایمان نفع نہ دے گا (اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا) مطلب یہ ہے کہ کافر کا ایمان اور فاسق کی توبہ قبول نہ ہوگی (قُلِ انْتَظِرُوْٓا) اے اہل مکہ (اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ) تمہارے عذاب کی۔

قیامت کی چند علامات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت نہ قائم ہوگی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔ جب سورج طلوع ہو جائے گا اور اس کو لوگ دیکھ لیں گے تو سارے ایمان لے آئیں گے اور یہ وہ وقت ہے کہ کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ کشادہ کرتے ہیں تاکہ دن کو برے کام کرنے والے توبہ کر لیں اور دن کو ہاتھ کشادہ کرتے ہیں تاکہ رات کو برے کام کرنے والا توبہ کر لے۔ یہ سلسلہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورج کے

مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیں گے۔ زر بن حبیش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں صفوان بن عسال، مرادی رضی اللہ عنہم کے پاس آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ نے مغرب میں ایک دروازہ بنایا ہے توبہ کے لیے جس کی چوڑائی کی مسافت ستر سال ہے۔ وہ دروازہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک سورج اس کی جانب سے طلوع نہ ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول (**یوم یاتی بعض آیات ربک لاینفع نفسا ایمانها لم تکن امنت من قبل**) اور ابو حازم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں جب نکلیں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا نیک کام نہ کیے ہوں۔ ❶ دجال ❷ چوپایہ ❸ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

(ترجمہ) بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں پس ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے پھر ان کا کیا ہوا ان کو جتلا دیں گے۔

(تفسیر) ﴿۱۵۹﴾ (اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "فارقوا" الف کے ساتھ یہاں اور سورۃ روم میں پڑھا ہے۔ یعنی اپنے دین سے نکل گئے اور اس کو چھوڑ دیا اور باقی حضرات نے "فرّقوا" شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اللہ کا دین ایک ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کا دین حنیف ان لوگوں نے اس کے مختلف دین بنا کر یہودی اور نصرانی بن گئے۔ اس مطلب پر آیت کا یہ حصہ دلالت کر رہا ہے (وَكَانُوْا شِيَعًا) یعنی مختلف فرقے یہود و نصاریٰ وغیرہ ہو گئے۔

وَكَانُوْا شِيَعًا سے کون سے فرقے مراد ہیں

یہ مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہما اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے اس اُمت کے بدعتی اور شبہ میں پڑنے والے لوگ مراد ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) جن لوگوں نے دین کو چھوڑا اور بہت سے فرقے ہو گئے وہ اس اُمت کے بدعتی اور شبہات میں پڑنے والے لوگ ہیں۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور بڑی بلیغ نصیحت کی جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل کانپ گئے۔ کہنے والے نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو الوداع کہنے والے کی نصیحت کی طرح نصیحت ہے۔ آپ ہمیں وصیت کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے اور سننے اور اطاعت کرنے کی اگرچہ حبشی غلام ہو کیونکہ جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت زیادہ

اختلاف دیکھے گا تو تم لازم پکڑو میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو اس کو داڑھوں سے مضبوطی سے تھام لو اور بچو دین میں نئی ایجاد ہونے والی چیزوں سے کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹے گی، سارے جہنم میں ہوں گے سوائے ایک کے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا وہ کون سا فرقہ ہے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آپ علیہ السلام نے فرمایا جو اس راستہ پر ہو جس پر میں اور میرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھی سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور تمام اُمور میں سے برے ترین نئی ایجاد کی ہوئی چیزیں ہیں۔ اسی حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مرفوع نقل کیا ہے۔ (لَسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ) یعنی آپ کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس کو جہاد کی آیات نے منسوخ کر دیا ہے۔ یہ تاویل ان حضرات کے قول پر ہے جن کے نزدیک ان سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور جن کے نزدیک آیت سے خواہشات کے پیچھے چلنے والے مراد ہیں تو انہوں نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ان سے بری ہیں وہ آپ علیہ السلام سے بری ہیں عرب کہتے ہیں اگر تو نے اس طرح کیا تو تو مجھ میں سے نہیں ہے اور میں تجھ سے نہیں ہوں۔ یعنی ہم میں سے ہر ایک دوسرے سے بری ہے۔ (اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ) سزا اور بدلہ دینے میں (ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ) جب وہ قیامت میں لائے جائیں گے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا. وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ⑯۰ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا. وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ⑯۱ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑯۲ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ⑯۳

(ترجمہ) جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے (اقل درجہ) ملیں گے اور جو شخص برے کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتلا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے مستحکم طریقہ ہے ابراہیم کا جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں

وہ اعمال جن پر دس گنا ثواب ملتا ہے

(تفسیر) ⑯۰ (مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا) یعنی اس کے لیے اس کی مثل دس نیکیاں ہیں (وَمَنْ جَآءَ

بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک اپنے اسلام کو اچھا کر لے تو جو نیکی وہ کرے گا تو اس کے لیے اس کی دس مثل سے سات سو گنا تک لکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لے گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کوئی نیکی لائے تو اس کے لیے اس کے مثل دس ہے اور میں بڑھا دوں گا اور جو کوئی برائی لاتا ہے تو اس برائی کی مثل سزا پائے گا یا میں معاف کر دوں گا اور جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا تو میں اس سے ایک گز قریب ہو جاؤں گا اور جو مجھ سے ایک گز قریب ہوگا تو میں اس سے دونوں ہاتھ کے درمیانی فاصلہ کی بقدر قریب ہو جاؤں گا اور جو میرے پاس چل کر آئے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آؤں گا اور جو مجھے ملے زمین کے بھراؤ کے بقدر گناہوں کے ساتھ لیکن میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں اس کی مثل مغفرت کے ساتھ اس کو ملوں گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت میں صدقات کے علاوہ نیکیاں مراد ہیں کیونکہ صدقات سات سو گنا تک دُگنے کیے جاتے ہیں۔

⑯ (قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. دِیْنًا قِیَمًا) اہل کوفہ اور شام نے "قِیَمًا" قاف کی زیر اور یاء کے زبر کے ساتھ بغیر شد کے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے قاف کی زبر اور یاء کی زیر کے ساتھ مشدد پڑھا ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔ اور وہ سیدھا درست اور اس کا منصوب ہونا اس بناء پر ہے کہ اصل عبارت "هدانی دینا قیما" ہے کہ مجھے دین قیم کی ہدایت دی۔ (مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا. وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ)

⑯ (قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ) بعض نے کہا "نسک" سے حج اور عمرہ کا ذبیحہ مراد ہے اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نسک" سے حج مراد ہے اور بعض نے کہا دین مراد ہے (وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) یعنی وہ مجھے موت و حیات دیتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "محیای" نیک عمل کے ساتھ اور "مماتی" جب میں ایمان پر مر جاؤں گا۔ "للہ رب العالمین" اور بعض نے کہا ہے میری اطاعت میری زندگی میں اللہ کے لیے ہے اور میرے مرنے کے بعد میری "جزاء اللہ رب العالمین" کی طرف ہے۔ اہل مدینہ نے "محیای" یاء کے سکون کے ساتھ اور "مماتی" یاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور اکثر حضرات کی قرأت "محیایَ" یاء کے زبر کے ساتھ ہے تاکہ دو ساکن جمع نہ ہو جائیں۔

⑯ (لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس اُمت میں سے پہلا مسلمان ہوں۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ⑯ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ

15

۔اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ کیا میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا پھر وہ تم کو جتلادیں گے جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر (بعض چیزوں میں) رتبہ بڑھایا تا کہ ظاہراً تم کو آزماوے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا (بھی) ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا (بھی) ہے۔

تفسیر: ﴿۱۶۴﴾ (قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سید اور معبود (وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ) پس منظر یہ ہے کہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے لگے آپ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ کہنے لگا تم میرے پیچھے چلو میں تمہارے گناہ اُٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا) یعنی جو نفس کچھ لاتا ہے تو اس کا گناہ جرم کرنے والے پر ہے اور بوجھ نہ اُٹھائے گا (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) یعنی ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ ایک کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی۔ ایک شخص دوسرے کا پھر تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ جتلائے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔)

﴿۱۶۵﴾ (وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) یعنی پہلی اُمتوں سے یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت تمہیں ان کے بعد زمین کا وارث بنایا ہے تمہیں ان کا خلیفہ و نائب بنایا، اسی زمین میں تم ان کے نائب ہو اور ان کے بعد زمین آباد کرتے ہو اور خلائف خلیفۃ کی جمع ہے جیسے "وصائف وصیفة" کی جمع ہے اور جو شخص کسی کے جانے کے بعد آئے وہ اس کا خلیفہ ہے کیونکہ وہ اس کے پیچھے آیا ہے۔ (وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ) یعنی تمہارے احوال ایک دوسرے کے خلاف کردیئے تو تم میں سے بعض کو خلق، رزق، معاش، قوت اور فضل میں بعض پر بلند کردیا (لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ) یعنی اپنے دیئے ہوئے رزق میں تمہارا امتحان کرے یعنی مال دار، فقیر، شریف، گھٹیا، آزاد، غلام سب کا امتحان کرے۔ تاکہ تم سے ثواب وعقاب کو ظاہر کردے۔ (اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ) تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اس لیے کہ ہر آنے والی چیز تیز اور قریب ہے۔ بعض نے کہا ہے دُنیا میں ہلاک ہونا مراد ہے۔ (وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے دشمنوں کو جلد سزا دینے والا اپنے اولیاء کو بہت بخشنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ

ساری سورت مکی ہے سوائے پانچ آیتوں کے۔ ان میں سے پہلی ''واسالهم عن القرية الّتی كانت'' ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥

ترجمہ: الٓمّٓصٓ یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعے سے ڈرائیں سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونا چاہئے اور یہ نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو اور تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا یا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے سو جس وقت ان پر عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے بجز اس کے اور کوئی بات نہیں نکلی تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے تھے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے۔

تفسیر: ② (كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ) یعنی قرآن (فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرج شک کے معنی میں ہے اور خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد اُمت ہے اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرج کا معنی تنگی ہے معنی یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ آپ رسول بنائے گئے اس کی وجہ سے دل تنگ نہ ہو۔ (لِتُنْذِرَ بِهٖ) یعنی کتاب اتاری گئی ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے ڈرائیں (وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ) کتاب پر ایمان لانے والوں کو۔

③ (اِتَّبِعُوْا) یعنی آپ علیہ السلام ان سے کہیں کہ چلو اسی پر (مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ

اَوْلِیَآءَ) یعنی اللہ کے علاوہ دوست نہ بناؤ جن کی اطاعت کرو اللہ کی نافرمانی میں (قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ) ابن عامر رحمہ اللہ نے "یتذکرون" یاء اور تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

4 (وَکَمْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا) عذاب کے ساتھ "کَمْ" کثرت کے معنی دیتا ہے اور "رُبَّ قلّت" کا معنی دیتا ہے۔ (فَجَآءَ ھَا بَاْسُنَا بَیَاتًا رات اَوْھُمْ قَآئِلُوْنَ) "قیلولۃ" مصدر سے ہے۔ اصل عبارت "فجاء ھا باسنا لیلا وھم نائمون اونھاراً وھم قائلون" قیلولہ کرر ہے ہوں گے۔ "او نائمون ظھیرۃ" "قیلولۃ" آدھے دن میں آرام کرنا اگرچہ نیند نہ آئے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس ہمارا عذاب آیا اور ان کو اُمید نہ تھی، رات کو یا دن کو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "او" عذاب کو پھیرنے کے لیے ہے یعنی ایک مرتبہ رات کو اور ایک مرتبہ دن کو۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ بعض بستی والوں کو ہم نے رات کو ہلاک کیا اور بعض کو دن کے وقت ہلاک کیا یعنی ان کے ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ پہلے کہا ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، پھر اس کے بعد عذاب آنے کا کیا معنی؟ تو جواب یہ ہے کہ "اَھْلَکْنَا" کا معنی ہے کہ ان کی ہلاکت کا ہم نے فیصلہ کیا تو ان پر ہمارا عذاب آیا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ "فجاء ھا باسنا" یہ اللہ تعالیٰ کے قول "اھلکناھا" کا بیان ہے جیسے کہنے والا کہتا ہے "اعطیتنی فاحسنت الیّ" اس قول اور اس کے اس قول "احسنت الیّ فاعطیتنی" میں کوئی فرق نہیں ہے ان میں سے ایک دوسرے سے بدل ہے۔

5 (فَمَا کَانَ دَعْوٰھُمْ) یعنی ان کا قول اور پکار اور تضرع و عاجزی اور الدعویٰ کبھی ادعاء بمعنی دعاء کے ہوتا ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں عرب کہتے ہیں "اللھمّ اشرکنا فی صالح دعوی المسلمین" یعنی ان کی دُعاؤں میں (اِذْجَآءَ ھُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ) مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب کے ردّ کرنے پر قادر نہ ہوئے اور ان کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے جنایت کا اعتراف کر لیا لیکن اس اعتراف نے ان کو نفع نہ دیا۔

6 (فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ) یعنی اُمتوں سے کہ انہوں نے رسولوں کو کیا جواب دیا یہ سوال توبیخی ہے یہ جاننے کے لیے سوال نہیں ہے۔ یعنی ہم ان سے سوال کریں گے ان کے بارے میں جو ان کو رسولوں نے پہنچا دی ہیں۔ (وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ) پیغام پہنچانے کے بارے میں۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْھِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا کُنَّا غَآئِبِیْنَ 7 وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ 8 وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ بِمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ 9

ترجمہ: پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے روبرو بیان کر دیں گے اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔ اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ

ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرنے لگے

تفسیر ⑦ (فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْہِمْ بِعِلْمٍ) یعنی ہم ان کو اپنے علم سے خبر دیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے خلاف ان کا اعمال نامہ بولے گا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھٰذَا کِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ (وَّمَا کُنَّا غَآئِبِیْنَ) رسولوں سے جو انہوں نے پہنچایا اور اُمتوں سے جو انہوں نے جواب دیا۔

⑧ (وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ) یعنی سوال کے دن۔

قیامت کے دن وزن اعمال کا ہوگا یا صاحب اعمال کا؟

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ فیصلہ اسی دن انصاف کے ساتھ ہوگا اور اکثر حضرات نے فرمایا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اعمال کا وزن ترازو کے ساتھ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک ترازو لگائیں گے اس کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔ ہر پلڑا مشرق و مغرب کے درمیان جتنا بڑا ہوگا اس وزن کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اعمال کے صحیفوں کا وزن کیا جائے گا۔

ہم تک روایت پہنچی ہے کہ ایک آدمی پر ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے۔ پھر اس کے لیے ایک کاغذ نکالا جائے گا جس پر "اشھد ان لا الٰہ الاّ اللّٰہ واشھد ان محمّدًا عبدہ و رسولہ" لکھا ہوا ہوگا تو وہ تمام دفتر ایک پلڑے میں اور وہ کاغذ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ دفتر اُڑنے لگیں گے اور وہ کاغذ کا ٹکڑا بھاری ہو جائے گا۔ (رواہ الامام ابن ماجہ) اور بعض نے کہا صاحب عمل کو تولا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں روایت پہنچی کہ قیامت کے دن لمبے قد موٹے جسم والا شخص لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس مچھر کے پَر کے برابر وزن نہ ہوگا اور بعض نے کہا خود عمل کو تولا جائے گا۔ یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے تو اچھے اعمال کو اچھی شکل میں اور برے اعمال کو بری شکل میں لایا جائے گا اور ترازو میں رکھ دیا جائے گا۔ اعمال کے وزن کی حکمت دُنیا میں اپنے بندوں کا امتحان لینا ہے کہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں اور آخرت میں ان کے خلاف حجت قائم کرنا ہے۔ (فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد اس کی نیکیاں ہیں (فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)

⑨ (وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ بِمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ اس شخص کی تولیں بھاری ہوں گی جس نے دُنیا میں حق کا اتباع کیا اور اس شخص کی تولیں ہلکی ہوں گی جس نے دُنیا میں باطل کا اتباع کیا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ "موازینہ" جمع ہے حالانکہ ترازو تو قیامت کے دن ایک ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ اس جمع سے ایک مراد ہے جیسے "یاایّھا الرّسل" میں رسل جمع ہے لیکن مراد ایک ہے اور بعض نے کہا ہر بندے کا الگ ترازو ہوگا۔ بعض نے کہا کہ میزان دو پلڑوں دو گواہوں اور ایک زبان پر مشتمل ہے اور وزن ان کے مجموعہ سے مکمل ہوگا اس لیے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ⑩ وَلَقَدْ

خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫

ترجمہ: اور بیشک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگی پیدا کیا۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو اور ہم نے تم کو پیدا کیا ہے پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کون امر مانع ہے جبکہ میں تجھ کو حکم دے چکا کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔

تفسیر: ⑩ (وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ) "تمکین" سے مراد مالک بنانا اور قدرت دینا ہے۔ (وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ) یعنی ایسے اسباب جن کے ذریعے تم اپنی زندگی معاش حاصل کرتے ہو جیسے تجارت، مزدوری، کھانے، پینے، "معایش معیشة" کی جمع ہے۔ (قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ)

⑪ (وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمہارے آباء واجداد کو پیدا کیا۔ پھر تمہاری ماؤں کے رحموں میں تمہاری صورتیں بنائیں۔ قتادہ، ضحاک، سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "خلقناکم" سے آدم علیہ السلام مراد ہیں اور "صوّرناکم" سے ان کی اولاد مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "خلقناکم" آدم علیہ السلام کو۔ "ثمّ صوّرناکم" آدم کی پشت میں، جمع کے لفظ سے ذکر کیا ہے اس لیے کہ وہ ابوالبشر ہیں تو ان کی تخلیق میں ان لوگوں کی بھی تخلیق ہے جو ان کی پشت سے نکلیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ "خلقناکم" آدم علیہ السلام کی پشت میں "ثمّ صورنا کم میثاق" کے دن جب تم کو چیونٹیوں کی طرح نکالا تھا اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے تم کو مردوں کی پشتوں میں پیدا کیا اور عورتوں کے رحموں میں تمہاری صورتیں بنائیں اور یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان کو رحم میں پیدا کیا پھر اس کی صورت بنائی تو اس کے کان، آنکھ، انگلیوں کی شکل دی اور بعض نے کہا ہے تمام آدم ہیں ان کو پیدا کیا اور ان کی صورت بنائی اور "ثمّ" واؤ کے معنی میں ہے۔ "ثمّ قلنا للملائکة اسجدوا لآدم" اگر اعتراض ہو کہ فرشتوں کو سجدہ کا حکم بنو آدم کی تخلیق سے پہلے تھا تو اللہ تعالیٰ کے قول "ثمّ قلنا" کی کیا توجیہ ہوگی کیونکہ "ثمّ" تو ترتیب اور تراخی کے لیے آتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جن حضرات نے خلق اور تصویر کا تعلق صرف آدم علیہ السلام سے کیا ہے ان کے قول پر تو کلام بالکل درست ہے اور جن نے اس کا تعلق اولادِ آدم علیہ السلام سے کیا ہے تو ان کی طرف سے کئی جواب ہیں، ان میں سے ایک "ثمّ" واؤ کے معنی میں ہے یعنی اور ہم نے فرشتوں کو کہا تو یہ واؤ ترتیب اور تعقیب کے لیے نہ ہوگی اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ پھر تمہیں خبر دی کہ ہم نے فرشتوں کو کہا تم سجدہ کرو اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں تقدیم و

تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "ولقد خلقناکم" یعنی آدم علیہ السلام کو "ثمّ قلنا للملائکۃ اسجدوا"...... "ثمّ صوّرناکم" (ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا) یعنی فرشتوں نے (اِلَّآ اِبْلِیْسَ لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ مگر ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں)

⑫ (قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ) اللہ تعالیٰ نے اے ابلیس! (تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا) "الّا تسجد" میں لاء زائد ہے جیسے "وحرامٌ علٰی قریۃ اھلکنا ھا انھم لا یرجعون" میں لا زائد ہے (قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ) اور آگ مٹی سے بہتر اور روشن ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلا قیاس ابلیس نے کیا اور اس میں غلطی کی۔ پس جو شخص دین میں اپنی رائے سے قیاس کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو شیطان کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورج کی عبادت قیاس کے ذریعے کی گئی۔ محمد بن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس خبیث نے یہ گمان کیا کہ آگ کو مٹی پر فضیلت ہے یہ نہ سمجھا کہ فضیلت اس شے کو حاصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ فضیلت دیں اور اللہ تعالیٰ نے مٹی کو آگ پر فضیلت دی ہے۔ حکماء فرماتے ہیں کہ مٹی کو آگ پر کئی اعتبار سے فضیلت حاصل ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں کہ مٹی کی خاصیت وزن، وقار، بردباری، صبر ہے۔ یہ چیزیں آدم علیہ السلام کے لیے داعی بنیں توبہ، تواضع، تضرع کی طرف جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا اور ہدایت دی اور توبہ قبول کی اور آگ کی خاصیت ہلکا پن، طیش، جرأت، بلند ہونا ہے اور یہی چیزیں ابلیس کی شقاوت کے بعد سبب بنیں تکبر اور گناہ پر ڈٹے رہنے کا تو اس کو ورثہ میں لعنت اور شقاوت ملی۔

اور اس لیے کہ مٹی اشیاء کو جمع کرنے کا سبب ہے اور آگ ان کو متفرق کرنے کا اور اس لیے کہ مٹی زندگی کا سبب ہے اس لیے کہ درختوں اور پودوں کی زندگی اس کے ذریعے ہے اور آگ ہلاکت کا سبب ہے۔

قَالَ فَاہْبِطْ مِنْہَا فَمَا یَکُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَکَبَّرَ فِیْہَا فَاخْرُجْ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ⑬ قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ⑭ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ⑮ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَہُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ⑯ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمْ مِّنْ ۢ بَیْنِ اَیْدِیْہِمْ وَمِنْ خَلْفِہِمْ وَعَنْ اَیْمَانِہِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِہِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَہُمْ شٰکِرِیْنَ ⑰

(ترجمہ) حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر سو نکل بیشک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگے وہ کہنے لگا کہ مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی کہنے لگا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں اکثروں کو احسان ماننے والا نہ پائے گا۔

تفسیر ⑬ (قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا) جنت سے۔ بعض نے کہا آسمان سے زمین کی طرف اُتر۔ پھر اس کو زمین سے سمندر کے جزیروں کی طرف نکال دیا اس کا تخت سبز سمندر میں ہے اب وہ زمین میں ڈرتے ہوئے چپکے سے چور کی طرح داخل ہوتا ہے اس بوڑھے کی طرح جس پر پرانے کپڑے ہوں جن میں لوٹ رہا ہو، یہاں تک کہ اس سے نکل جائے۔ (فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ) امر کی مخالفت کر کے یہاں جنت میں اور یہ مناسب نہیں کہ جنت اور آسمان میں متکبر، اللہ کے امر کی مخالفت کرنے والا رہے۔ ذلیل اور گھٹیا لوگوں میں سے ہے۔

⑭ (قَالَ) ابلیس اس وقت کہا (اَنْظِرْنِيْ) مجھے مہلت دیجئے اور موت نہ دیجئے (اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ) یعنی نفحہ اخیرہ تک قیامت کے وقت تک۔ اس خبیث کا ارادہ تھا کہ وہ موت کا ذائقہ نہ چکھے۔

⑮ (قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ) اس مہلت کی مدت دوسری آیت میں بیان کی گئی ہے (معلوم وقت کے دن تک) یعنی نفحہ اولیٰ تک جس وقت تمام مخلوق مرجائے گی۔

⑯ (قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ) "ما" میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے یہ استفہام ہے یعنی کس چیز کے ساتھ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے؟ پھر نئی کلام شروع کی اور کہا "لَاَقْعُدَنَّ لهم" اور بعض نے کہا ہے کہ "ما" جزاء ہے یعنی اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ان کے لیے بیٹھوں گا اور بعض نے کہا ہے "ما" مصدر کی ہے قسم کی جگہ ہے۔ اصل عبارت تیرے مجھے گمراہ کرنے کی وجہ سے میں ان کے لیے بیٹھوں گا۔ جیسے اس کا قول ہے "بما غفرلی ربّی" یعنی میرے رب کے مجھے معاف کرنے کی وجہ سے اور معنی یہ ہے تیری مجھ پر قدرت اور میری سلطان کو نافذ کرنے کی وجہ سے اور ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی وجہ سے جو آپ نے میرے دل میں گمراہی ڈالی جو میرے آسمان سے اُترنے کا سبب بنی۔ "اغویتنی" یعنی تو نے مجھے ہدایت سے گمراہ کیا اور بعض نے کہا ہے تو نے مجھے ہلاک کیا اور بعض نے کہا ہے تو نے مجھے رُسوا کیا۔ "لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ" یعنی میں بنو آدم کے لیے آپ کے سیدھے راستے یعنی اسلام پر بیٹھوں گا۔ میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر)

⑰ (ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ) علی بن طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "من بین ایدیھم" سے مراد آخرت ہے کہ ان کو آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا کروں گا۔ "من خلفھم" سے مراد ان کو دُنیا میں رغبت دلاؤں گا۔ (وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ) ان کو دین میں شبہ ڈالوں گا (وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ) ان کو معاصی کی شہوت دلاؤں گا۔

من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم کی مختلف تفاسیر

عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "من بین ایدیھم" ان کی دُنیا کی طرف سے یعنی دُنیا کو ان کے دلوں میں مزین کردوں گا "ومن خلفھم" آخرت کی جانب سے۔ میں کہوں گا کہ نہ دوبارہ اُٹھنا ہے نہ کوئی جنت اور جہنم ہے۔ "وعن ایمانھم" ان کی نیکیوں کی جانب سے "وعن شمائلھم" ان کی برائیوں کی جانب سے اور حکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "من

بین ایدیھم" دُنیا کی جانب سے اس کو ان کے لیے مزین کیا گیا ہے۔"ومن خلفھم" آخرت کی جانب سے ان کو باز رکھے گا۔"وعن ایمانھم"حق کی جانب سے ان کو روکے گا۔"وعن شمائلھم" باطل کی جانب سے اس کو ان کے لیے مزین کرے گا۔قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے سامنے سے ان کے پاس آئے گا اور ان کو خبر دے گا کہ دوبارہ اُٹھنا اور جنت دجہنم نہیں ہے۔"ومن خلفھم" دُنیا کے اُمور ان کے لیے مزین کرے گا اور ان کو اس کی طرف بلائے گا۔"وعن ایمانھم"ان کی نیکیوں کی جانب سے ان کو ان سے سست کرے گا۔"وعن شمائلھم"ان کے لیے گناہ اور نافرمانیاں مزین کردیں اور ان کو اس کی طرف بلایا۔اے ابن آدم! وہ تیرے پاس ہر جانب سے آئے گا لیکن وہ تیرے اوپر سے نہ آئے گا، وہ یہ طاقت نہیں رکھتا کہ تیرے اور اللہ کی رحمت کے درمیان حائل ہو جائے۔مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں"من بین ایدیھم وعن ایمانھم"ایسی جگہ سے کہ وہ دیکھ سکیں گے اور"من خلفھم وعن شمائلھم"ایسی جگہ سے کہ وہ دیکھ نہ سکیں گے اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "حیث لایبصرون" کا معنی یہ ہے کہ ان کو علم نہ ہوگا کہ وہ خطا کررہے ہیں۔(وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ)۔اگر یہ اعتراض ہو کہ اس خبیث کو یہ بات کیسے معلوم ہوگئی؟ تو جواب یہ ہے کہ اس نے محض گمان کیا تھا جو درست ہو گیا،اللہ تعالیٰ نے یہی بات فرمائی کہ(ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ)

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ⑳

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے جہنم کو بھر دوں گا اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدمؑ تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو پھر جس جگہ سے چاہو دونوں آدمی کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ کبھی ان لوگوں کے شمار میں آ جاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتا ہے۔پر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کردے اور کہنے لگا تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر محض اس وجہ سے کہ دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے ہو جاؤ۔

تفسیر ⑱ (قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا) یعنی عیب دار ہو کر ذام شدید عیب کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے "ذامہ یذامہ، ذاما فھو ملذوم و ذامہ یذیمہ ذاما فھو مذیم سَارَ یَسِیْرُ سیرا" کی طرح۔اور مدحور دور کیا ہوا دھتکارا ہوا۔کہا جاتا ہے "دحرہ یدحرہ دحراً" جب اس کو دور کردے اور دھتکار دے۔ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "مذؤما"

یعنی مبغوض۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مذءوْمًا مدحورا" یعنی لعنتی بدبخت اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنت اور ہر خیر سے دور۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "مذءوْمًا" نا اُمید (لَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ) بنی آدم میں سے (لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ)۔ لام قسم کا لام ہے (مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ) تمہاری اور تیری اولاد اور کفار کی اولاد جو بھی آدم کی ذریت ہو ان سب کو۔

⑲ (وَ يٰآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ)

⑳ (فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ) وسوسہ وہ بات جو شیطان انسان کے دل میں ڈال دے (لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا) یعنی تا کہ ان دونوں کو ظاہر کردے جو پوشیدہ تھی ان کی شرمگاہ۔ کہا گیا ہے کہ اس میں لام لام عاقبت ہے ابلیس نے اس لیے وسوسہ نہیں ڈالا تھا لیکن اس کے وسوسہ کا انجام یہ ہوا کہ ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوّا وّحزنا" ہے۔ آگے اس کا وسوسہ بیان کیا ہے (وَقَالَ) ابلیس نے آدم و حوا علیہما السلام سے کہا (مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ) یعنی تمہارے فرشتے بننے کو ناپسند کیا کہ تم کو خیر اور شر معلوم ہو جائے گا (اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ) یعنی تمہیں موت نہ آئے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے (هل ادلك على شجرة الخلد)

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾

ترجمہ اور ان دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ یقین جانیے میں آپ دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ سو ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا۔ پس ان دونوں نے جو درخت کو چکھا دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے ممانعت نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔

تفسیر ㉑ (وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ) یعنی قسم کھائی یہ اس مفاعلہ باب سے ہے جو ایک کے ساتھ خاص ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے اللہ کی قسم کھا کر ان کو دھوکہ دیا اور کبھی مومن کو اللہ کا نام لے کر دھوکہ دیا جاتا ہے اور کہا میں تم سے پہلے پیدا ہوا ہوں اور تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں تم میری اتباع کرو، میں تمہیں صحیح رہنمائی کروں گا۔ ابلیس پہلا شخص ہے جس نے اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھائی اور آدم علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے نام کی جو بھی قسم کھائے گا وہ سچ ہی بولے گا تو اس کے دھوکہ میں آ گئے۔

㉒ (فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ) یعنی ان کو دھوکہ دیا۔ کہا گیا ہے کہ "مازال ابليس يدلّ فلانا بالغرور" یعنی اس کو دھوکہ دیتا رہا اور چکنی چپڑی جھوٹی باتیں کرتا رہا۔ بعض نے کہا کہ ان کو طاعت کے مرتبہ سے معصیت کی طرف اُتار دیا اور "تدلّی" کا معنی

اوپر سے نیچے لانا ہی ہوتا ہے۔ اور تدلیہ ڈول کو کنویں میں لٹکانا۔ کہا جاتا ہے تد کی بنفسہ ودعا غیرہ اور ازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی اصل "تدلية العطشان البئر" (پیاسوں کو کنویں پر لانا) سے ہے تاکہ وہ پانی سے سیراب ہوں اور پانی نہ ہو تو "تدلّی بالغرور" یہ ہوا کہ خیر خواہی ظاہر کرے اور اندر دھوکہ اور کھوٹ چھپایا ہوا ہو۔ (فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کھانے کو چبانے سے پہلے ان کو سزا مل گئی وہ یہ کہ ان کے لباس گر گئے اور ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھ لی جو پہلے چھپی ہوئی۔ وہب فرماتے ہیں کہ ان کا لباس نور کا تھا۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظفر بوٹی کے کپڑے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہنائے تھے۔ جب ان دونوں سے لغزش ہوئی تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں تو ان کو شرم آئی۔ (وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ) یہ انجیر کے پتے تھے حتیٰ کہ کپڑے جیسے بنالیے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں پتوں پر پتے رکھنے لگے تاکہ اپنا ستر ڈھانپ لیں۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آدم علیہ السلام کا قد لمبا تھا۔ گویا کہ وہ کھجور کے درخت ہیں اور سر کے بال بہت زیادہ تھے۔ جب چوک ہوگئی اور شرمگاہ کھل گئی تو آپ خوف سے جنت میں بھاگنے لگے تو جنت کے درختوں میں سے ایک نے آپ کو آپ کے بالوں سے جکڑ لیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو کہا مجھے چھوڑ دے اس نے کہا میں نہ چھوڑوں گا تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی۔ اے آدم علیہ السلام کیا مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا نہیں اے میرے رب لیکن مجھے آپ سے شرم آرہی ہے (وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ) یعنی اس کے کھانے سے۔

(وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ) اس کو تمہارے درمیان عداوت ہے۔ محمد بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پکارا اے آدم آپ علیہ السلام نے اس درخت کو کھایا حالانکہ میں نے آپ کو منع کیا تھا؟ تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے حوا نے کھلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حوا علیہا السلام سے پوچھا کہ کیوں کھلایا ہے؟ تو انہوں نے کہا مجھے سانپ نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سانپ کو کہا تو نے کیوں حکم دیا؟ اس نے کہا مجھے ابلیس نے کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حواء جیسے تو نے درخت کا خون نکالا تو بھی ہر ماہ خون بہائے گی اور اے سانپ میں تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا تو اپنے پیٹ اور چہرے سے چلنا جو تجھے دیکھے گا تیرا سر کچل دے گا اور اے ابلیس تو ملعون اور مردود ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت اور رحم نہ کریں

گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جاوے گا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم بعضے دوسرے بعضوں کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ایک وقت تک فرمایا کہ تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر پیدا ہونا ہے۔ اے اولاد آدمؑ کی ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ یہ لوگ یاد رکھیں۔

تفسیر ㉓ (قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا) وہ تمہیں معصیت کے ذریعے سے ضرر پہنچائے گا۔ (وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ) ہلاک ہونے والے

㉔ (قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ)

㉕ (قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ) یعنی زمین میں زندگی گزارو گے (وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ) یعنی زمین میں اپنی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ ابن عامر، حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "تخرجون" تاء کے زبر کے ساتھ یہاں اور زخرف میں پڑھا ہے۔ یعقوب رحمہ اللہ نے یہاں موافقت کی ہے اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے زیادہ کیا ہے "وکذلک تخرجون" الروم کی ابتداء میں اور باقی حضرات نے تاء کے پیش اور راء کے زبر کے ساتھ ان میں پڑھا ہے۔

㉖ (يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ) یعنی تمہارے لیے پیدا کی (لِبَاسًا) یہاں لباس کے لیے "انزلنا" کہا ہے حالانکہ لباس تو زمین کی نباتات سے بنتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نباتات آسمان کے پانی سے ہوتے ہیں۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اُتارے لباس کے اسباب۔ بعض نے کہا زمین کی تمام برکات آسمان کی طرف منسوب ہیں جیسا کہ فرمایا "وانزلنا الحديد" حالانکہ لوہا تو زمین سے نکلتا ہے۔

آیت لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ کا شان نزول

اس آیت کے نزول کا سبب یعنی شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت میں لوگ بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے اور کہتے ہیں جن کپڑوں میں اللہ کی نافرمانی کی اس میں طواف کیسے کریں تو مردون کو اور عورتیں رات کو طواف کرتیں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں عورت طواف کرتی اور اپنی شرم گاہ پر ہاتھ رکھ کر کہتی، آج کے دن یہ ساری یا تھوڑی ظاہر ہو جائے، جو حصہ اس کا ظاہر ہوگا میں اس کو نہ ڈھانپوں گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم دیا۔ اور فرمایا (قد انزلنا عليكم لباساً يوارى سوآتكم) تمہاری شرمگاہ ڈھانپے اس کا واحد "سوأة" ہے شرمگاہ کا نام سوأۃ (برائی) رکھا گیا ہے کیونکہ ہر شخص اس کے ظاہر ہونے کو برا سمجھتا ہے۔ پس تم ننگے طواف نہ کرو۔ (يُوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ) تو تم ننگے طواف نہ کرو (وَرِيْشًا) ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، ضحاک اور سدی رحمہما اللہ کے قول میں اس سے مال مراد ہے کہا جاتا ہے "تریش الرّجل" جب وہ مال دار ہو جائے۔ اور بعض نے کہا جمال یعنی خوبصورتی مراد ہے یعنی وہ کپڑے اُتارے جن سے تم خوبصورتی حاصل کرتے ہو اور بعض نے کہا لباس مراد ہے۔

(وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ) اہل مدینہ، ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ نے "ولباس" سین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لباسا" پر عطف کرتے ہوئے اور دیگر حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر (خیر) ہے اور "ذلک" کو کلام میں صلہ بنایا ہے۔ اس لیے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "ولباس التقویٰ خیر" پڑھا ہے اور "لباس التقویٰ" میں اختلاف ہوا ہے۔

لباس التقوی کی تفسیر میں مختلف اقوال

① قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ سے ایمان مراد ہے۔ ② حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں حیاء مراد ہے کیونکہ وہ تقویٰ پر اُبھارتی ہے۔ ③ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نیک عمل مراد ہے۔ ④ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اچھے اخلاق، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا لباس اللہ کا خوف ہے۔ ⑤ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ تقویٰ کا لباس اس کے صاحب کے لیے بہتر ہے۔ جب وہ خوبصورتی کے لیے پیدا کیے ہوئے لباس کو لے۔ ⑥ ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں تقویٰ کا لباس وہی پہلا لباس ہے اس کا اعادہ کیا ہے یہ خبر دینے کے لیے کہ تنگیر کا ڈھانپنا طواف میں ننگا ہونے سے بہتر ہے۔ ⑦ زید بن علی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا لباس وہ آلات جن سے جنگ میں بچاؤ ہو سکے جیسے زرہ، خود، کلائیاں، پنڈلیاں۔ ⑧ بعض نے کہا اون کا لباس اور وہ کھردرے کپڑے جن کو پرہیزگار لوگ پہنتے ہیں۔ (ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اے اولاد آدم کی شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے۔ جیسا کہ اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کرادیا ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی ان سے اتروادیا تاکہ ان کو ان کا پردہ کا بدن دکھلائی دینے لگے وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو عادۃً نہیں دیکھتے ہو ہم شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیا خدا کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے۔

تفسیر ㉗ (یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ اے اولاد آدم نہ گمراہ کرے تم کو شیطان۔(کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ) یعنی تمہارے آباء آدم وحواء علیہما السلام کو فتنہ میں مبتلا کیا، پھران دونوں کو اس سے نکال دیا۔(مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا) یعنی اے بنی آدم شیطان تم کو دیکھتا ہے (اِنَّهٗ یَرٰىکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ) اس کا لشکر۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ اور اس کی اولاد اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن اور شیاطین کا قبیلہ مراد ہے (مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ) مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دشمن تجھے دیکھے اور تو اس کو نہ دیکھے تو یہ سخت نقصان دہ ہے مگر جن کو اللہ بچالے۔(اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ) زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان پر مسلط کردیا کہ ان کی سرکشی میں اضافہ کرتے ہیں۔جیسا کہ فرمایا ہے "انّا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزّھم ازّا"

㉘ (وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا ننگے طواف کرنا مراد ہے۔عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں شرک مراد ہے اور "فاحشة" ہر اس برے فعل کو کہتے ہیں جو قباحت کی انتہاء تک پہنچ چکا ہو۔(قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا) یہاں کچھ عبارت مقدر ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب وہ برا کام کرتے ہیں اور ان کو روکا جائے تو کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے آباء کو پایا تھا اور جب کہا جائے کہ تمہارے آباء نے یہ کام کہاں سے لیا تو کہتے ہیں (وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ)

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ ㉙ فَرِیْقًا هَدٰى وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ㉚

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو تم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح پیدا کیا تھا اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہوگے بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے ان لوگوں نے شیطانوں کو رفیق بنالیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔

تفسیر ㉙ (قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہنے کا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں توحید کا اور مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ انصاف کا (وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ)

واقیموا وجوھکم عند کل مسجد کی تفسیر

مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جہاں بھی ہو نماز میں کعبہ کی طرف متوجہ رہو اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب

یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آ جائے اور تم کسی مسجد کے پاس ہو تو اسی میں نماز پڑھ لو یہ نہ کہو کہ میں اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھوں گا اور بعض نے کہا کہ اپنے سجدوں کو خالص اللہ کے لیے بناؤ (وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اور پکارو اس کو اس کی عبادت کرو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر طاعت وعبادت کو جیسا کہ تم کو پہلے پیدا کیا دوسری بار بھی پیدا ہو گے) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی تخلیق کی ابتداء مؤمن اور کافر کے اعتبار سے کی۔ جیسا کہ خود فرمایا (هو الذی خلقكم فمنكم كافر ومنكم مؤمن) پھر قیامت کے دن اسی طرح لوٹائیں گے جیسا کہ ان کو پیدا کیا تھا کہ بعض مؤمن بعض کافر۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس حالت پر مرے تھے اسی پر اُٹھائے جائیں گے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بندہ اسی چیز پر اُٹھایا جائے گا جس پر مرا تھا مؤمن اپنے ایمان پر اور کافر اپنے کفر پر۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اپنے ان اعمال پر لوٹیں گے جو ان کے بارے میں ہیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسا تمہارے بارے میں لکھا گیا ہے تم ویسے ہو گے۔ محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کی تخلیق اللہ نے شقاوت پر کی۔ اسی کی طرف لوٹے گا اگر اہل سعادت والے عمل کرتا رہے جیسا کہ ابلیس نیک بختوں والے عمل کرتا رہا اور بدبختی کی طرف لوٹ گیا اور جس کی تخلیق کی ابتداء نیک بختی پر ہوئی ہے وہ اس کی طرف لوٹے گا۔ اگرچہ بدبختوں والے عمل کرتا رہے۔ جیسا کہ جادوگر بدبختوں والے عمل کرتے رہے لیکن نیک بخت ہو گئے۔ سہل بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ لوگوں کے سامنے جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جہنمیوں میں سے ہوتا ہے اور بے شک لوگوں کے سامنے جہنمیوں والے عمل کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے اور بے شک اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

حسن اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں جیسا کہ تمہیں دُنیا میں ابتداءً پیدا کیا کہ تم کچھ نہ تھے، اسی طرح تم زندہ ہو کر قیامت کے دن لوٹو گے جیسا کہ ہم نے پہلے پیدا کیا ہم اس کو لوٹائیں گے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو مٹی سے ابتداءً پیدا کیا، مٹی کی طرف وہ لوٹیں گے، اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "منها خلقناكم وفيها نعيدكم" ہے۔

㉚ (فَرِيْقًا هَدٰى) یعنی ان کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی (وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ اس میں دلیل ہے کافر خواہ ضد کی وجہ سے ہو یا انکار کی وجہ سے وہ اپنے کو دین میں حق گمان کرتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ㉛ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ㉜ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ

تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اے اولادِ آدم کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو۔ آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کیلئے ہیں ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھداروں کے واسطے صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں۔ آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کی تم سند نہ رکھو۔

تفسیر: ㉛ (يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ) مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بنو عامر بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ زینت سے مراد کپڑے ہیں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیز شرمگاہ کو ڈھانپ لے اگرچہ ایک عباء ہی کیوں نہ ہو اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زینت ہر وہ چیز جو طواف اور نماز کے لیے شرم گاہ کو ڈھانپ لے۔ (وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنو عامر حج کے ایام میں پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے اور چکنائی بھی نہ کھاتے تھے تو مسلمان کہنے لگے کہ ان کاموں کے ہم زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل کیا کہ کھاؤ گوشت اور چربی اور پیو (وَلَا تُسْرِفُوْا) اس گوشت اور چکنائی کو حرام کر کے جس کو اللہ نے حلال کیا (اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ) جو ایسے کام کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے پہنو لیکن اسراف اور تکبر نہ کرو۔ علی بن حسین بن واقد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سارے علم طب کو آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے اور وہ ہے "کلوا واشربوا"

㉜ (قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ) یعنی طواف کے وقت کپڑے پہننا (وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ) یعنی گوشت اور چکنائی حج کے ایام میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مراد وہ چیزیں ہیں جن کو اہل جاہلیت حرام قرار دیتے تھے جیسے بحیرۃ، سائبۃ وغیرہ۔ (قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ) آپ کہہ دیں یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دُنیا کی زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہیں قیامت کے دن) عبارت محذوف ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ نعمتیں دُنیا میں مؤمنین اور مشرکین سب کے لیے ہیں کیونکہ مشرکین بھی مؤمنین کے ساتھ صاف ستھری چیزوں کے استعمال کرنے میں شریک ہیں اور آخرت میں یہ صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہیں، مشرکوں کا کوئی حصہ نہیں اور بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ یہ نعمتیں ہر غم اور مشقت سے خالص ہو کر قیامت میں مؤمنین کو ملیں گی کیونکہ دُنیا میں تو غم اور مشقت کے ساتھ ملتی ہیں۔ نافع رحمہ اللہ نے "خالصة" پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی آپ کہہ دیں یہ ایمان والوں کے لیے دُنیا میں مشترک

ہے، قیامت کے دن خالص ہے اور دیگر حضرات نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ (كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ)

۳۳ (قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ) یعنی ننگے طواف کرنا۔ "مَا ظَهَرَ" سے مردوں کا دن کو ننگے طواف کرنا اور "مابطن" عورتوں کا رات میں ننگے طواف کرنا۔ بعض نے کہا اعلانیہ اور چھپ کر زنا کرنا مراد ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں اسی لیے تو کھلے اور پوشیدہ برے کاموں کو حرام کیا اور اللہ سے زیادہ کسی کو تعریف پسند نہیں اس لیے اپنی تعریف خود کی (وَالْاِثْمَ) یعنی چھوٹے اور بڑے گناہ کو اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ گناہ مراد ہے جس میں حد جاری نہ ہو۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اثم سے شراب مراد ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے میں نے اثم یعنی شراب کو پیا تو میری عقل چلی گئی۔ اسی طرح اثم یعنی گناہ عقل کو ختم کر دیتا ہے۔

(وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ) ظلم اور تکبر کو (وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا) یعنی حجت اور برہان (وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ) کھیتی اور مویشی کی حرمت میں یہ مقاتل کا قول ہے اور باقی فرماتے ہیں کہ آیت عام ہے بغیر یقین کے دین میں کوئی بھی بات کہنا حرام ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۳۴ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۳۵ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۳۶ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۳۷

ترجمہ: اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی میعاد معین آ جاوے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ اے اولاد آدمؑ کی اگر تمہارے پاس پیغمبر آویں جو تم ہی میں سے ہونگے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے سو جو شخص پرہیز رکھے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو شخص ہمارے ان احکام کو جھوٹا بتلا دیں گے اور ان سے تکبر کریں گے وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلا دے ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ ہے وہ ان کو مل جاوے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آ دیں گے تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر

عبادت کیا کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہوگئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

تفسیر ㉞ (وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ) یعنی مدت اور کھانا، پینا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، عطاء اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی ان پر عذاب اُترنے کا وقت مقرر ہے۔ (فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ) اور ان کا کھانا ختم ہو جائے گا (لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ) جب انہوں نے عذاب مانگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

㉟ (يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ) بعض نے کہا کہ تمام رسول مراد ہیں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یا بنی آدم سے عرب کے مشرکین اور رسل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں (يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے فرائض اور احکام سنائیں (فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ) یعنی شرک سے ڈرے اور نیک عمل کرے۔ (فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ) جس وقت لوگوں پر خوف ہوگا (وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ) جب وہ لوگ غمگین ہوں گے۔

㊱ (وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ) یعنی آیات پر ایمان لانے سے تکبر کیا، تکبر کو ذکر کیا کیونکہ ہر کافر اور تکذیب کرنے والا متکبر ہے (اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ)

㊲ (فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا) اس کے لیے شریک بنائے (اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ) یعنی لوح محفوظ میں جو ان کا حصہ لکھا ہوا ہے اس میں اختلاف ہے۔ حسن اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جو ان کے لیے عذاب لکھا ہوا ہے اور ان کے چہرے سیاہ کرنے اور نیلی آنکھیں کرنے کا جو فیصلہ لکھا ہوا ہے۔ عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص اللہ پر جھوٹ بولے اس کے لیے لکھا ہوا ہے کہ اس کا چہرہ سیاہ ہوگا خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(ویوم القیامة نزی الذین کذبوا علی الله جوھھم مسودة) اور قیامت کے دن آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ان کے چہرے سیاہ ہیں) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدبختی اور نیک بختی لکھ دی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی ان کے اعمال جو انہوں نے کیے ان کو لکھ دیا گیا ہے اور اس پر جو خیر اور شر جاری ہوگا وہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا رزق اور عمل لکھ دیا گیا ہے (حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) یعنی فرشتے کفار کو کہیں گے کہ جن کی تم عبادت کرتے تھے یہ ڈانٹ کا سوال ہے (قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ) یہ اقرار موت کا معائنہ کرنے کے وقت کریں گے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ㊳ وَقَالَتْ

اُوْلٰهُمْ لِاُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ جوفرقے تم سب سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں بھی ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ جس وقت بھی کوئی (کفار کی) جماعت داخل (دوزخ) ہوگی اپنی جیسی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب اس میں سب جمع ہو جاویں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا عذاب (ہم سے) دوگنا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماویں گے کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن (ابھی) تم کو (پوری) خبر نہیں۔ وہ پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ بس پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں سو تم بھی اپنے کردار کے مقابلہ میں عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

تفسیر: ﴿۳۸﴾ (قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ) یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو کہیں گے کہ دوسری جماعتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ) پہلی اُمتوں کے کفار کے ساتھ (كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا) یہاں دینی بہن مراد ہے نہ کہ نسبی۔ تو یہود یہود کو اور نصاریٰ نصاریٰ کو لعنت کریں گے۔ ہر جماعت اپنے دینی بھائیوں کو اور متبعین اپنے قائدین کو لعنت کریں گے۔ یہاں اخ کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ اُمت اور جماعت مؤنث ہیں۔ (حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا) یعنی جہنم میں سب جمع ہو جائیں گے (قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اخریٰ" سے مراد وہ متبعین ہیں جو بعد میں جہنم میں داخل ہوں گے اور اولیٰ سے مراد قائدین ہیں کیونکہ یہ پہلے جہنم میں داخل ہوں گے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر اُمت کے بعد والے لوگ پہلوں کو کہیں گے (رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۥ قَالَ) اللہ تعالیٰ (لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ) کہ تمہارے فریق کیلئے کیسا عذاب ہے اور ابوبکر نے (لایعلمون) یاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی پیروکار نہیں جانتے کہ قائدین کیلئے کیا ہے اور قائدین نہیں جانتے کہ متبعین کیلئے کیا ہے۔

﴿۳۹﴾ (وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ) یعنی قائدین (پچھلوں کو) پیروکاروں کو (فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ) کیونکہ تم نے بھی ہماری طرح کفر کیا تو کفر اور عذاب میں بھی ہم برابر ہوں گے (فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۥ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۥ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۥ وَنُوْدُوْٓا اَنْ

تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾

ترجمہ جولوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں اوران (کے ماننے) سے تکبر کرتے ہیں ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جاوے اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ان کے لئے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کوئی کام نہیں بتلاتے ایسے لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا ہم اس کو دور کردیں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے اور ان سے پکار کر کہا جاوے گا کہ یہ جنت تم کو دی گئی ہے تمہارے اعمال کے بدلے اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا۔ سو تم نے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو مطابق واقع کے پایا وہ کہیں گے ہاں پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مار ہو ان پر ظالموں پر۔

تفسیر ﴿40﴾ (اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ) تاء کے ساتھ ابوعمرو نے بغیر شد کے پڑھا ہے اور یاء کے ساتھ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے اور باقی حضرات نے تاء اور شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ (لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ) نہ ان کی دُعاؤں کے لیے اور نہ اعمال کے لیے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کی روحوں کے لیے کیونکہ وہ خبیث ہیں ان کو آسمان پر نہیں چڑھایا جاتا بلکہ سجین میں لے جایا جائے گا۔ آسمان کے دروازے مؤمنین کی روحوں کے لیے کھولے جائیں گے اور ان کی دُعاؤں اور اعمال کے لیے (وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ) یعنی جب اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل نہ ہو جائے۔ مخیط اور خیاط کا ایک معنی ہے یعنی سوئی مطلب آیت کا یہ ہے کہ وہ کبھی داخل نہ ہوں گے کیونکہ کسی شے کو جب محال شے کے ساتھ معلق کیا جائے تو یہ دلالت کرتا ہے کہ اس کا پایا جانا بالکل ممکن نہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے کروں گا جب تک کوا بوڑھا نہ ہو جائے یا جب تک تارکول سفید نہ ہو جائے، مراد یہ ہوتی ہے کہ میں یہ کام کبھی نہ کروں گا۔ (وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ)

﴿41﴾ (لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ) "غواش غاشية" کی جمع ہے یعنی لحاف۔ مراد یہ آگ ان کو ہر طرف

سے گھیر لے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لھم من فوقھم ظلل من النار ومن تحتھم ظلل" (وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو)

⑫ (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ) یعنی ان کی طاقت کے مطابق اور جس میں کوئی حرج اور تنگی نہ ہو۔ (اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ)

⑬ (وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ) کھوٹ اور دشمنی تھی ہم ان کو بھائی بنادیں کہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے آپس میں کسی سے حسد نہ ہوگا (تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ) حسن رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت کریمہ "ونزعنا مافی صدورھم من غلّ اخوانا علٰی سرر متقابلین" اللہ کی قسم ہم اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اُمید ہے کہ میں، عثمان، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (نکال لیں ہم جو کچھ ان کے دلوں میں خفگی تھی)

پل صراط عبور کرنے کے بعد جنتیوں کے سینوں سے بغض نکال دیا جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمنوں کو جہنم سے بچالیا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر ان کو روکا جائے گا اور ایک دوسرے پر جو ظلم کیے ہوں ان کا بدلہ لیا جائے گا جب ان کی کانٹ چھانٹ اور خوب صفائی ہو جائے گی تو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ وہ مؤمن لوگ جنت کے گھر کا راستہ دُنیا کے گھر سے بھی زیادہ جانتے ہوں گے۔
سدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جنتی لوگ جب جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے تو جنت کے دروازہ پر ایک درخت پائیں گے جس کی جڑ میں دو چشمے ہوں گے ایک سے پئیں گے تو ان کے دل سے کینہ نکال دیا جائے گا، یہی شراب طہور ہے اور دوسرے سے غسل کریں گے تو ان پر نعمتوں کو تروتازگی آجائے گی اس کے بعد نہ ان پر میل آئے گی اور نہ پراگندہ ہوں گے "الی ھذا" یعنی جنت کے راستے کی طرف اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے ہمیں عمل کی ہدایت دی جس کا یہ ثواب ہے۔ "وما کنّا" ابن عامر رحمہ اللہ نے "ما کنّا" بغیر واؤ کے پڑھا ہے۔ "لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ لقد جاء ت رسل ربّنا بالحق" جب جنتی لوگ رسولوں کے وعدوں کو سامنے دیکھیں گے تو یہ کہیں گے۔ (اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ ہدایت کرتا ہم کو اللہ بے شک لائے تھے رسول ہمارے رب کی سچی بات) یہ بات جنتی لوگ کہیں گے جب رسولوں کے کیے ہوئے وعدوں کو اپنے سامنے دیکھ لیں گے (اور آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے بدلے میں اپنے اعمال کے) بعض نے کہا جب وہ جنت کو دور سے دیکھیں گے تو یہ آواز آئے گی اور بعض نے کہا جنت میں پہنچنے کے بعد۔

اہل جنت کو تمام مشکلات سے چھٹکارے کی بشارت کا اعلان

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے یہ دونوں فرماتے ہیں کہ آواز دینے والا آواز دے گا کہ

تمہارے لیے یہ انعام ہے تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی موت نہ آئے گی اور تم جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور تم ہمیشہ ناز و نعم میں رہو گے کبھی فقر نہ آئے گا۔ آیت میں اسی آواز کا ذکر ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کی سند سے اس کو مرفوع بھی نقل کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کے لیے جنت و جہنم میں ٹھکانہ ہے۔ کافر مؤمن کے جہنم کے ٹھکانے کا وارث بنے گا اور مؤمن کافر کے جنت کے ٹھکانے کا وارث بنے گا۔

④④ (وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا) ثواب کا (سچا سو تم نے بھی پایا اپنے رب کے وعدہ کو) عذاب کے وعدہ کو (حَقًّا اس سے مراد سچائی فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ اس سے مراد عذاب حَقًّا ط قَالُوْا نَعَمْ) کسائی رحمہ اللہ نے "نَعِم" کو عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی قرآن میں آیا ہے اور باقی حضرات نے عین کے فتحہ کے ساتھ اور یہ دونوں لغتیں فصیح ہیں۔ (فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ) یعنی ایسی پکار ہوگی جس کو دونوں فریق سن لیں گے (اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ) اہل مدینہ اہل بصرہ اور عاصم نے (ان) کو بغیر شد کے "لعنة" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے "اَن" کو شد اور "لعنة اللّٰه" کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ منصوب ہے ظالمین کی وجہ سے مراد کافرین ہے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۘ ④⑤ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰهُمْ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ④⑥

ترجمہ: جو اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہونگے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔

تفسیر: ④⑤ (الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ) پھیرتے تھے لوگوں کو (عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) اللہ کا کہنا ماننے سے (وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کے لیے نماز پڑھتے تھے اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے عظمت نہیں دی اس کو عظیم جانتے تھے۔ "عِوَج" عین کے کسرہ کے ساتھ دین میں یا زمین ٹیڑھا ہونا اور ہر وہ چیز جو سیدھی کھڑی نہ ہوتی ہو اس کو بھی کہہ سکتے ہیں اور اگر عین پر فتحہ ہو تو کھڑی چیز پر بولا جا سکتا ہے جیسے دیوار نیزہ وغیرہ۔ (وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ)

④⑥ (وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ) یعنی جنت اور جہنم کے درمیان اور بعض نے کہا جہنمیوں کے درمیان دیوار ہوگی اور یہ وہی سور ہے جس کا تذکرہ قرآن میں ہے۔ "فَضُرِبَ بينهم بسور له باب"..... (وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ) اعراف وہی سور ہے جو جنت اور جہنم کے درمیان ہوگا۔

اصحاب الاعراف کی وضاحت اور مصداق

اعراف عرف کی جمع ہے ہر بلند جگہ کو عرف کہتے ہیں اور مرغے کی کلغی کو بھی "عرف الدیک" کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی تمام جسم سے بلند ہوتی ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سور کا نام اعراف اس وجہ سے رکھا گیا کہ اعراف والے لوگوں کو پہچانتے ہوں گے۔

اعراف پر کون لوگ ہوں گے؟ اس کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ حذیفہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی یعنی ان کی برائیاں جنت میں جانے سے رُکاوٹ ہوں گی اور نیکیاں جہنم میں جانے سے۔ یہ لوگ اعراف پر ٹھہرے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ جو چاہیں گے ان کے حق میں فیصلہ کریں گے اور ان کو جنت میں داخل کریں گے اپنے فضل سے اور یہ جنت میں داخل ہونے والے آخری لوگ ہوں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کا قیامت کے دن حساب کیا جائے گا۔ پس جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوئیں، اگرچہ ایک ہی زیادہ ہو تو جنت میں داخل ہوگا اور جس کی برائیاں اس کی اچھائیوں سے بڑھ گئیں اگرچہ ایک ہو تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ پھر یہ آیت پڑھی "**فمن ثقلت موازینہ فاولئک ھم المفلحون ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسھم**" پھر فرمایا کہ ترازو ایک رائی کے وزن کی وجہ سے جھک جاتا ہے یا اُٹھ جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں تو وہ اعراف والوں میں ہوگا تو یہ لوگ صراط پر ٹھہرے رہیں گے پھر وہ جنتیوں اور جہنمیوں کو پہچاننے لگیں گے جب جنت والوں کی طرف دیکھیں گے تو ان کو سلام کریں گے اور جب اپنی آنکھیں جہنمیوں کی طرف پھیریں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب تو ہمیں نہ کر ظالم قوم کے ساتھ نیکیوں والوں کو ایک نور دیا جائے گا جو ان کے آگے اور دائیں چلے گا اور ہر ایک کو نور دیا جائے گا لیکن جب پل صراط پر آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر منافق مرد وعورت کا نور چھین لیں گے۔ جب جنتی لوگ یہ منظر دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! تو ہمارے لیے ہمارا نور مکمل کر دے لیکن اصحاب اعراف سے نور تو نہیں چھینا جائے گا لیکن ان کی برائیاں ان کو روک دیں گی تو ان کے دل میں اُمید رہ جائے گی کیونکہ ان کا نور ختم نہیں ہوا ہوگا تو اسی کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ (لَمْ یَدْخُلُوْھَا وَھُمْ یَطْمَعُوْنَ)

اور ان کو طمع اس نور کی ہوگی جو ان کے سامنے ہے، پھر وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے اور وہ جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوں گے اور شرحبیل بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جو اپنے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے گئے ہوں گے اور مقاتل نے اپنی تفسیر میں اس کو مرفوع نقل کیا ہے کہ اہل اعراف وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے والدین کی نافرمانی کر کے جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا اور شہید ہو گئے تو ان کو جہنم سے آزادی ملی اللہ کے راستے میں قتل ہونے کی وجہ سے اور والدین کی نافرمانی کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے سے روکے گئے تو یہ جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوں گے اور مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے والدین میں سے ایک ان پر راضی ہوگا اور دوسرا راضی نہ ہوگا۔ یہ اعراف

پر رو کے جائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ کردیں۔ پھر یہ جنت میں داخل ہوں گے اور عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ ہیں جو فترت کے زمانہ میں مر گئے اور انہوں نے اپنا دین تبدیل نہیں کیا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مشرکین کے بچے ہیں اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مؤمنین میں سے اہل فضل ہیں جو اعراف پر چڑھیں گے اور اہل جنت اور اہل جہنم پر جھانکیں گے اور دونوں فریقوں کے احوال کا مطالعہ کریں گے۔

(**یعرفون کلابسیماھم**) یعنی جنتیوں کو ان کے چہرے کی سفیدی اور جہنمیوں کو ان کے چہروں کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔(**وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ**) اس میں داخل ہونے کے۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ طمع رکھی ان کو اعزاز دینے کے لیے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس ذات نے ان کے دلوں میں طمع ڈالی وہ ان کو ان کی طمع تک پہنچادے گا۔

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿48﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿49﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿50﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿51﴾

ترجمہ: اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پڑیں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے پکاریں گے کہیں گے تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ رحمت نہ کرے گا۔ ان کو یوں حکم ہوگیا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہوگے۔ اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لئے بندش کر رکھی ہے۔ جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگانی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے جیسا انہوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا۔ اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

تفسیر ④⑦ (وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ) تو اللہ کی پناہ مانگیں گے (قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ) یعنی کافروں کے ساتھ جہنم میں نہ ڈال۔

④⑧ (وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا) جوجہنمی دُنیا میں بڑے لوگ تھے (یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰی عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ) یعنی دُنیا کا مال اور اولاد (وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ) ایمان لانے سے کلبی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ دیوار پر آواز دیں گے اے ولید بن مغیرہ، اے ابوجہل بن ہشام، اے فلاں پھر وہ جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس میں وہ فقیر اور کمزور لوگ ہوں گے جن کا وہ مذاق اُڑاتے تھے جیسے سلمان، صہیب، خباب اور بلال رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دیگر حضرات تو اعراف والے ان کفار کو کہیں گے۔

④⑨ (اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ) یعنی تم نے قسم اُٹھائی تھی کہ یہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ پھر اعراف والوں کو کہا جائے گا (اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ) یہاں ایک دوسرا قول ہے کہ جب اعراف والے جہنمیوں کو یہ باتیں کہیں گے تو وہ کہیں گے کہ اگر یہ لوگ جنت میں داخل ہو گئے ہیں تو تم تو داخل نہیں ہوئے تو ان کو عار دلائیں گے اور قسم کھائیں گے کہ تم جہنم میں داخل ہو گے تو جو فرشتے اعراف والوں کو روکے ہوئے ہوں گے وہ کہیں گے کہ تم ان اعراف والوں کے بارے میں قسم کھا رہے ہو کہ ان کو اللہ کی رحمت نہ پہنچے گی؟ پھر ان اعراف والوں کو کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ نہ ڈر ہے تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے۔

⑤⓪ ⑤① (وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ) اللہ نے جو تم کو جنت کے کھانوں سے رزق دیا کچھ ہم پر بھی کشادگی کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عطاء نے روایت کی ہے کہ جب اعراف والے جنت چلے جائیں گے تو جہنم والوں کو اُمید ہو گی کہ اب ہم پر کشادگی ہو جائے گی تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! بے شک ہمارے رشتہ دار جنت میں ہیں تو ہمیں اجازت دے کہ ہم ان کو دیکھ لیں اور بات کر لیں تو وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو جنت میں دیکھیں گے کہ وہ نعمتوں میں مزے کر رہے ہیں تو ان کو پہچان لیں گے لیکن جنت والے ان کی سیاہی کی وجہ سے ان کو نہ پہچان سکیں گے تو جہنم والے جنت والوں کو ان کے نام لے کر پکاریں گے اور ان کو رشتہ دار ہونے کی خبریں گے اور کہیں گے کہ تھوڑا پانی یا کھانا دے دو۔ (قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ) یعنی پانی اور کھانے کو۔

(الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا) جو شیطان نے ان کے لیے مزین کیا بحیرہ وغیرہ کا حرام کرنا اور بیت اللہ کے اردگرد سیٹیاں اور تالیاں بجانا اور وہ تمام برے افعال جو وہ جاہلیت میں کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے "دینھم" یعنی اپنی عید کو۔ اور دھوکے میں ڈالا ان کو دُنیا کی زندگانی نے سو آج ہم ان کو بھلا دیں گے) آگ میں چھوڑ دیں گے (فَالْیَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا) یعنی جیسے انہوں نے اس دن کی ملاقات کے لیے عمل چھوڑ دیا (وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ)۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ هُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ⑤② هَلْ یَنْظُرُوْنَ

اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝ ⑤③ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ⑤④

ترجمہ اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح کر کے بیان کر دیا ہے ذریعہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آتے ہیں ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے جس روز اس کا اخیر نتیجہ پیش آوے گا اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی سچی باتیں لائے تھے۔ سو اب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کر دے یا کیا ہم پھر واپس بھیجے جا سکتے ہیں تا کہ ہم لوگ ان اعمال کے جن کو ہم کیا کرتے تھے برخلاف دوسرے اعمال کریں بیشک ان لوگوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور یہ جو جو باتیں تراشتے تھے۔ سب گم ہو گیا۔ بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ چھپا دیتا شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں کے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں

تفسیر ⑤② (وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ) یعنی قرآن جس کو مفصل بیان کیا ہے ہم نے خبرداری سے ہماری طرف سے وہ چیز جو ان کی مناسبت ہے (هُدًی وَّرَحْمَةً) یعنی ہم نے قرآن کو ہدایت دینے والا اور رحمت والا بنایا ہے (لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ)

⑤③ (هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تاویل سے جزاء مراد ہے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا انجام مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے امر کا انجام کیا ہوتا ہے یعنی عذاب اور ان کا جہنم میں جانا۔ (یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ) یعنی اس کی جزاء اور ان کا انجام کہنے لگیں گے (یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ) سو اس وقت اعتراف کیا جب ان کو اعتراف نفع نہ دے گا (فَهَلْ لَّنَا) سے آج کے دن (مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ) یا ان کو لوٹا دیں دنیا کی طرف (فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ)۔ یعنی عذاب سے ہلاک کر دیا (وَضَلَّ) اس سے مراد باطل ہے (عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ)

54 (اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ) یعنی چھ دن کی مقدار میں اس لیے کہ دن سورج کے طلوع سے غروب تک کا وقت ہے اور اس وقت نہ سورج تھا نہ آسمان اور نہ ایام۔ بعض نے کہا چھ دن آخرت کے دن کی طرح یعنی ہر دن ہزار سال کے برابر اور بعض نے کہا دُنیا کے دنوں کی طرح۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے ایک لحہ میں پیدا کرنے پر قادر تھے لیکن چھ دن میں پیدا کر کے مخلوق کو تعلیم دی ہے کہ اپنے کاموں میں تحمل و وقار اختیار کرو۔ تحقیق حدیث میں آیا ہے کہ وقار رحمٰن کی طرف سے اور جلدی شیطان کی طرف سے ہے۔ (ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ)

اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کی مختلف تفاسیر

کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ نے "استوىٰ" کا معنی کیا ہے اس نے قرار پکڑا اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے معنی کیا ہے بلند ہوا۔ معتزلہ نے "استواء" کی تاویل "استعلاء" سے کی ہے یعنی غلبہ پایا عرش پر۔ اہل سنت فرماتے ہیں کہ "استواء علی العرش" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بغیر کسی کیفیت کے۔ ہر بندہ پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت پر ایمان لائے اور اس کی حقیقت کا علم اللہ کے سپرد کرے کہ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔ کسی شخص نے مالک بن انس سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "الرحمٰن علی العرش استوىٰ" کے بارے میں سوال کیا کہ اس استویٰ کی کیفیت کیا تھی؟ تو آپ رحمہ اللہ نے کچھ دیر سر جھکایا اور پھر اس کو تھوڑا سا اُٹھایا اور کہا "استواء" کے معنی مجہول نہیں لیکن کیفیت عقل سے باہر ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور میں تجھے گمراہ سمجھتا ہوں پھر اس کے بارے میں حکم دیا اس کو مجلس سے نکال دیا گیا۔ سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک رحمہما اللہ اور ان کے علاوہ اہل سنت کے بہت سے علماء سے مروی ہے کہ صفات متشابہات کو ان کے معنی پر جاری کر دو بغیر کسی متعین کیفیت کے اور لغت میں عرش تخت کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا عرش سے ملک مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے عرش جو بلند ہو اور سایہ کرے۔ اسی سے عرش الکروم ہے۔ "یُغشی اللیل النھار" حمزہ، کسائی اور ابوبکر اور یعقوب رحمہما اللہ نے "یُغَشّی" شد کے ساتھ پڑھا ہے یہاں اور سورۃ الرعد میں اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی رات دن پر آتی ہے اور اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس میں حذف ہے یعنی "یغشی النھار اللّیل" اور کلام کے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے اس کو ذکر نہیں کیا اور دوسری آیت میں ذکر کیا ہے اور فرمایا۔ (یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ) اڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا اور پیدا کیے سورج اور چاند اور تارے ابن عامر رحمہ اللہ نے تمام کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے مبتداء اور خبر کی بناء پر اور باقی حضرات نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح سورۃ النحل ہے عطف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قول "خلق السماوات والارض" پر یعنی ان تمام چیزوں کو تابع پیدا کیا۔ تابعدار اپنے حکم کے سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا) یعنی اسی کی مخلوق ہے کیونکہ اس نے ان کو پیدا کیا اور اسی کے لیے حکم ہے اپنی

مخلوق کو جو چاہے حکم دے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق اور امر میں فرق کیا ہے جو ان کو جمع کرے وہ کافر ہے (تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ) یعنی بلند اور عظیم ہے اللہ۔ بعض نے کہا تبارک تفاعل ہے برکت سے بمعنی بڑھنا اور زیادہ ہونا یعنی برکت اس کے ذکر سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ہر برکت کے ساتھ آیا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں برکت اسی کے پاس سے آتی ہے اور بعض نے کہا ہے بابرکت اور پاک ہے اور بعض نے کہا ہے تبارک اللہ یعنی ہر چیز میں اسی کے نام کے ساتھ برکت حاصل کی جاتی ہے۔ محققین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس صفت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت و دائم ہے نہ زائل ہوگا اور نہ زائل کیا جا سکتا ہے۔ اور برکت کی اصل ثبوت ہے۔ کہا جاتا ہے تبارک اللہ اور متبارک اور مبارک نہیں کہا جاتا۔ اس لیے کہ منقول نہیں ہے۔ "رب العالمین"

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿55﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿56﴾

ترجمہ: تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے بھی (البتہ یہ بات) واقعی (ہے کہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو حد سے نکل جاویں اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو۔ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

تفسیر: 55 (اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا) اپنے کو ذلیل کرتے ہوئے (وَّخُفْیَۃً) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خفیہ دُعا اور اعلانیہ دُعا کے درمیان ستر گنا فرق ہے۔ مسلمان دُعا میں خوب کوشش کرتے تھے مگر ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی۔ صرف سرگوشیاں ان کے رب کے ساتھ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خفیہ دُعا مانگنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے نیک بندے کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے فعل سے راضی ہوئے (جس وقت اس نے اپنے رب کو پکارا چپکے سے) تو فرمایا (اذ نادی ربہ نداءً خفیا) (اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ) بعض نے کہا دُعا میں حد سے گزرنے والے۔ ابو مجاز رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے مرتبوں کا سوال کرتے ہیں۔ ابو نعامہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے اے اللہ! میں تجھ سے جنت کے دائیں طرف سفید محل کا سوال کرتا ہوں جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے اللہ سے جنت کا سوال کر اور اس سے جہنم سے پناہ مانگ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ عنقریب اس اُمت میں ایک ایسی قوم جو پاکی میں اور دُعا میں حد سے تجاوز کرے گی۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں حد سے گزرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ آواز کو دُعا میں بلند کیا جائے اور چیخا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی لڑائی کی تو لوگ ایک وادی پر چڑھے اور تکبیر

کہنے میں آواز کو بلند کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے آپ پر رحم کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم ہر کسی کی سننے والے قریب کو پکار رہے ہو۔ (رواہ البخاری) عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معتدین وہ لوگ ہیں جو مؤمنین کے خلاف ایسی دعائیں کرتے ہیں جو حلال نہیں۔ مثلاً کہتے ہیں اے اللہ! ان کو رسوا کردے اے اللہ! ان پر لعنت کردے وغیرہ۔

۵۶ (وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا) یعنی معاصی کر کے اور غیر اللہ کی اطاعت کی طرف بلا کر زمین میں خرابی مت ڈالو کیونکہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج کر اور شریعت کو بیان کر کے اس کی اصلاح کر چکے ہیں اور یہی حسن، سدی، ضحاک، کلبی رحمہما اللہ کے قول کا معنی ہے۔ عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین میں نافرمانیاں نہ کرو پس اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیں گے اور تمہاری نافرمانیوں کی وجہ سے کھیتی کو ہلاک کر دیں گے اس صورت میں "بعد اصلاحها" کا معنی یہ ہوگا کہ بارش اور فراوانی کے ذریعے اللہ نے اس کی اصلاح کر دی اس کے بعد تم فساد نہ کرو (وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا) یعنی اللہ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی مغفرت اور فضل کی اُمید (اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ) "قريبة" نہیں کہا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں رحمت یہاں ثواب کے لیے ہے تو صفت معنی کی طرف لوٹ رہی ہے لفظ کی طرف نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "واذا حضر القسمة اولو القربٰى واليتامٰى والمساكين فارزقوهم منه" اور منہا نہیں کہا اس لیے کہ اس سے میراث اور مال مراد ہے۔ خلیل بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریب اور بعید کے لفظ میں مذکر، مؤنث، واحد، جمع سب برابر ہیں۔ ابو عمرو بن علاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں القریب لغت میں قرب کے معنی میں ہوتا ہے اور مسافت کے معنی میں بھی۔ عرب کہتے ہیں "هذه امرأة قريبة منك" جب یہ قرابت کے معنی میں ہو اور قریب منک کہتے ہیں جب مسافت کے معنی میں ہو۔

وَهُوَ الَّذِیْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۵۷ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۵۸

ترجمہ: اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں یونہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کر دیں گے تاکہ تم سمجھو اور جو ستھری سرزمین ہوتی ہے اس کی پیداوار تو خدا کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار اور (اگر نکلی بھی تو) بہت کم نکلتی ہے اسی طرح ہم (ہمیشہ) دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے رہتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو قدر کرتے ہیں۔

تفسیر 57 (وَهُوَ الَّذِیْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا) عاصم رحمہ اللہ نے باء اور اس کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور شین کے سکون کے ساتھ یہاں اور الفرقان اور سورۃ النمل میں۔ یعنی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں کیونکہ دوسری آیت میں ہے "الریاح مبشرات" (بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ) اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "نشرا" نون اور زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ پاکیزہ نرم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "والناشرات نشرا" اور ابن عامر رحمہ اللہ نے نون کے پیش اور شین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے نون کے پیش اور شین کے ساتھ پڑھا ہے نشور کی جمع صبور اور صبر اور رسول اور رسل کی طرح یعنی متفرق اور یہ وہ ہوائیں ہیں جو ہر جانب سے چلتی ہیں۔ "بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ" یعنی بارش سے پہلے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ مکہ کے راستہ میں سخت ہوا چلی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِردگرد والوں سے پوچھا کہ ہوا کے بارے میں تم تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا پیغام پہنچا ہے؟ کسی نے جواب نہ دیا تو یہ سوال مجھ تک پہنچا میں قافلہ کے آخر میں تھا میں نے سواری کو زبردستی دوڑایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا اور عرض کیا اے امیر المؤمنین! مجھے خبر پہنچی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہوا کے بارے میں سوال کیا ہے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہوا اللہ کے حکم سے آتی ہے رحمت اور عذاب کے ساتھ آتی ہے۔ اس کو برا بھلا نہ کہو اور اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو۔ اسی روایت کو عبدالرزاق نے معمر عن الزہری سے اپنی سند سے نقل کیا ہے (حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا) بارش کے ساتھ (سُقْنٰهُ) تو ہانک دیتے ہیں ہم اس بادل کو ضمیر السحاب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ "لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ" یعنی ایسے مُردہ شہر کی طرف جو پانی کا محتاج ہے اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی ایسے مُردہ شہر کو زندہ کرنے کے لیے جس میں کوئی نباتات نہ ہوں۔ ایک مردہ شہر کی طرف) جو پانی کا محتاج ہو (فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى) زمین کے بنجر ہونے کے بعد اس کے زندہ کرنے سے استدلال کیا ہے مُردوں کو زندہ کرنے پر (لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ)

ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سب لوگ نفخہ اولیٰ سے مر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ مردوں کی منی کی طرح کی ایک بارش عرش کے نیچے کے پانی سے بھیجیں گے جس کا نام "ماء الحیوان" ہے تو وہ کھیتی کے اگنے کی طرح اپنی قبروں میں اُگ جائیں گے جب ان کے جسم مکمل ہو جائیں گے تو ان میں روح پھونکی جائے گی پھر ان پر نیند ڈال دی جائے گی تو وہ قبروں میں سو جائیں گے پھر دوسرے نفخہ کے ساتھ جمع کیے جائیں گے اور وہ نیند کا خمار اپنے سروں میں محسوس کر رہے ہوں گے اس وقت وہ لوگ کہیں گے (یاویلنا من بعثنا من مرقدنا)

58 (وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ) یہ مثل اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مؤمنوں کے لیے بیان کی ہے۔ مؤمن کی مثال اس پاکیزہ شہر کی سی ہے جس کو بارش کا پانی پہنچے تو اس سے اللہ کے حکم سے نباتات نکلیں۔

• (وَالَّذِیْ خَبُثَ) یعنی شوریلی زمین (لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا) ابوجعفر رحمہ اللہ نے کاف کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور

دیگر حضرات نے کاف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تھوڑی مقدار بڑی مشقت اور تنگی سے۔ پہلی مثال مؤمن کی ہے کہ جب قرآن سنتا ہے اس کو محفوظ کرتا ہے اور اس کو سمجھتا ہے تو اس سے نفع حاصل کرتا ہے اور دوسری کافر کی مثال ہے کہ قرآن کو سنتا ہے لیکن وہ اس میں کوئی اثر نہیں کرتا جیسے بلد خبیث میں بارش کوئی اثر نہیں کرتی (کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ) ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اس ہدایت اور علم کی مثال جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ اس کثیر بارش کی ہے جو کسی زمین کو پہنچے تو اس زمین کا ایک حصہ پاکیزہ ہے جو پانی کو قبول کر کے چارہ اور سبز گھاس اُگاتا ہے اور ایک حصہ اس زمین کا خشک قحط زدہ ہے جو پانی کو روک لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو نفع دیتے ہیں تو لوگ خود پیتے ہیں جانوروں کو پلاتے ہیں اور کاشت کرتے ہیں اور وہ بارش اس زمین کے ایک دوسرے حصے پر برستی ہے وہ چٹیل میدان ہے نہ پانی روکتا ہے اور نہ گھاس اُگاتا ہے تو یہ اس شخص کی مثال ہے جو اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کرے اور جس علم کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا وہ علم اس کو نفع دے وہ خود سیکھے اور سکھائے اور اس شخص کی مثال ہے جو اس علم کی طرف بالکل سر نہ اُٹھائے اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہ کرے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝59 قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝60 قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝61 اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَکُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝62

ترجمہ ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ان کی قوم کے آبرودار لوگوں نے کہا کہ ہم تو کو صریح غلطی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں خدا کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں۔

تفسیر ⑤⑨ (لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ) وہ نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ اور یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کے بعد بھیجا۔ یہ بڑھئی تھے اللہ تعالیٰ نے پچاس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں اور بعض نے کہا دو سو پچاس سال کی عمر میں اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سو سال کی عمر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام اپنے اوپر کثرت سے نوحہ کرتے تھے اس وجہ سے ان کا نام نوح رکھا گیا پھر اس نوحہ کے سبب میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اپنی قوم پر ہلاکت کی بددعا کرنے کی وجہ

سے افسوس کرتے تھے اور بعض نے اپنے بیٹے کنعان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مراجعت کی وجہ سے۔ اور بعض نے کہا ہے اس لیے کہ وہ مجذوم کتے پر گزرے تو کہا اے بدصورت تو دور ہٹ جا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ تو نے میرا عیب نکالا ہے یا کتے کا عیب نکالا ہے؟ (فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ) ابوجعفر اور کسائی رحمہما اللہ نے "من اله غيره" راء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ الالٰہ کی صفت پر ہے اور حمزہ نے سورۃ فاطر میں اس کی موافقت کی ہے۔ "هل من خالق غير الله" اور دیگر حضرات نے راء کے پیش کے ساتھ تقدیم کی بناء پر پڑھا ہے اس کی اصل عبارت "مالكم غيره من اله" ہے۔ (اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ) بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر اگر تم ایمان نہ لائے (عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ)

⑥⓪ (قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ)

⑥① (قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ) کہا آپ علیہ السلام (نوح علیہ السلام) نے اے میری قوم میں ہرگز بہکا نہیں "ليست" نہیں کہا اس لیے کہ ضلالۃ کا معنی ضلال ہے یا فعل کی تقدیم کی بناء پر (وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ)

⑥② (اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ پہنچاتا ہوں تم کو ابوعمرو نے "ابلغكم" کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی ہو یہ ابلاغ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "لقد ابلغتكم" کی وجہ سے۔ اپنے رب کے پیغامات تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم تک تمہارے رب کا پیغام پہنچ چکا ہے۔

اور دیگر حضرات نے شد کے ساتھ تبلیغ سے پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان "بلّغ ما انزل اليك" کی وجہ سے۔ "رسالات ربّی" تاکہ تم جان جاؤ کہ میں نے تبلیغ رسالت تم تک پہنچا دیا ہے۔

(وانصح لكم) نصح یہ ہے کہ اپنے غیر کے لیے بھی اسی خیر کا ارادہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اللہ کا عذاب مجرم قوم سے دور نہیں کیا جاتا۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ⑥③ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ⑥④ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ⑥⑤ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑥⑥ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑥⑦

ترجمہ: اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی۔ تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جاوے سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوحؑ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا اور

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا بیشک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں سو کیا تم نہیں ڈرتے ان کی قوم میں جو آبرو دار لوگ کافر تھے انہوں نے کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں اور ہم بیشک تم کو جھوٹے لوگوں میں سے سمجھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

تفسیر ⑥③ (اَوَعَجِبْتُمْ) الف استفہام کا واؤ عاطفہ پر داخل ہوا ہے (اَنْ جَآءَ كُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں نصیحت۔ اور بعض نے کہا ہے بیان اور بعض نے کہا ہے پیغام۔ (عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ) اللہ کے عذاب سے اگر تم ایمان نہ لائے (وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ)

⑥④ (فَكَذَّبُوْهُ) یعنی نوح علیہ السلام کو جھٹلایا (فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ) طوفان سے بچایا (وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ) یعنی کافر ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے دل اللہ کی معرفت حاصل کرنے سے اندھے ہو گئے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں حق اور ایمان سے اندھے ہو گئے۔ کہا جاتا ہے "اجل عم عن الحق واعمی فی البصر" اور بعض نے کہا "العمی" اور "الاعمٰی الخضر" اور الاخضر کی طرح ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذاب کے اُترنے سے اندھے ہو گئے اور غرق ہو گئے۔

⑥⑤ (وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا) یہ قوم عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھی۔ یہ عادِ اولیٰ ہے۔ ہود علیہ السلام ان کے نسبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے۔ ہود علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے ہود بن عبداللہ بن رباح بن جلود بن عاد بن عوص اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں نسب نامہ یہ ہے کہ ابن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ (قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ) تتقون تخافون کے معنی میں ہے۔

⑥⑥ (قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ) اے ہود (فِىْ سَفَاهَةٍ) حماقت اور جہالت میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ تو ایسے دین کی طرف بلا رہا ہے جس کو تو خود نہیں پہچانتا۔ (وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ) کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ہماری طرف۔

⑥⑦ (قَالَ) ہود علیہ السلام سے فرمایا (يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ)

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ⑥⑧ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ط وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ

فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَاللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَمَاكَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَافَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾

(ترجمہ) تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اور کیا تم اس بات کا تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا (بشر) ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی تا کہ وہ تم کو ڈراوے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا سو خدا تعالیٰ کی (ان) نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم کو فلاح ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہوں گے کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ ہم ان کو چھوڑ دیں اور ہم کو جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو اس کو ہمارے پاس منگوا دو اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر خدا کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے باب میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے آپ ہی ٹھہرا لیا ہے ان کے معبود ہونے کی خدا تعالیٰ نے کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) نہیں بھیجی سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ (تک) کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے نہ تھے۔

(تفسیر) ﴿٦٨﴾ (اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ) خیر خواہ ہوں کہ توبہ کی طرف بلاتا ہوں۔ رسالت پر امین ہوں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کے دن سے پہلے میں تم میں امین تھا۔

﴿٦٩﴾ (اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ) یعنی زمین میں ان کے ہلاک کرنے کے بعد (وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً) یعنی لمبائی اور طاقت۔ کلبی اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے لمبے آدمی کا قد سو گز اور چھوٹے آدمی کا قد ساٹھ گز ہوتا تھا۔ ابو حمزہ ثمالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ستر گز اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسی گز۔ اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر آدمی کی لمبائی بارہ گز تھی اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا سر بڑے گنبد کی طرح تھا۔ (فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ)

انعامات کو اور اس کا واحد الٰی ہے اور الٰی معی اور امعاء اور رقفا اور اقفاء کی طرح ہے اور اس کی نظیر "آناء اللیل" ہے۔ جیسے اناء کا واحد انی وانی ہے۔ (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)

⑳ (قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ) جن بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ان کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کریں۔ اگر کوئی وعدہ عذاب ہے تو لے آؤ۔

⑪ (قَالَ) ھود علیہ السلام نے (قَدْ وَقَعَ) کہ تم پر عذاب پہنچ ہوگیا اور نازل ہوگیا (عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ) کہا تم پر واقع ہو چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور سین زاء سے تبدیل کی گئی ہے۔ "وَّغَضَبٌ" یعنی ناراضگی۔ "اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ" تم نے اس کو رکھا ہے۔ اور غصہ کیوں جھگڑتے ہو، مجھ سے ان ناموں پر کہ رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں ان کے کئی بت تھے جن کی عبادت کرتے تھے اور ان کے مختلف نام رکھے ہوئے تھے۔ (مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ) حجۃ اور برہان مراد ہیں (فَانْتَظِرُوْٓا) عذاب کے آنے کے (اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ)

⑫ (فَاَنْجَيْنٰهُ) ہم نے ھود علیہ السلام کو عذاب کے وقت نجات دی (وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا) یعنی ہم ان کو جڑوں سے اکھاڑ پھینک دیں گے اور ان کو ہلاک کردیں گے (وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ)

عاد کا واقعہ

محمد بن اسحاق اور دیگر نے ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ یمن میں رہتے تھے ان کی رہائش احقاف پر تھی یہ عمان اور حضرموت کے درمیان ریت کے ٹیلے ہیں۔ یہ ساری زمین میں پھیلے اور اپنی طاقت سے زمین والوں کو مغلوب کردیا۔ یہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ ایک بت کو صداء ایک کو صمود اور ایک کو ھباء کہا جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ھود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ یہ ان میں درمیانے نسب والے اور اعلیٰ حسب والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کا حکم دیا اور لوگوں پر ظلم کرنے سے روکا۔ اس کے علاوہ کوئی حکم نہیں دیا تو انہوں نے جھٹلایا اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تین سال تک بارش کو روک لیا جس کی وجہ سے بہت مشقت میں پڑ گئے۔ اس زمانہ میں لوگ عمومی مصیبت کے وقت مکہ میں بیت اللہ کے پاس جا کر دُعا مانگتے تھے خواہ مؤمن ہوں یا مشرک تو مکہ میں بہت سے لوگ مختلف ادیان کے جمع ہوگئے اور سب مکہ کی تعظیم کرتے تھے۔ اس وقت میں عمالقہ قوم آباد تھی۔ ان کی نسل عملیق بن لاذ ابن سام بن نوح علیہ السلام سے چلی تھی۔

اس زمانہ میں مکہ کا سردار عمالقہ قوم کا شخص معاویہ بن بکر تھا اس کی والدہ کلہدۃ تھی جو خیبری کی بیٹی تھی یہ خیبری قوم عاد کا ایک شخص تھا تو جب قحط پڑا تو قوم عاد کہنے لگی کہ اپنا ایک وفد مکہ بھیجو جو تمہارے لیے بارش کی دُعا مانگے تو انہوں نے قیل بن عنز اور نعیم بن ھوال، عقیل بن صندین بن عاد الاکبر، مرثد بن سعد بن عفیر کو یہ مرثد مسلمان تھے لیکن اسلام کو چھپاتے تھے۔ "جلھمۃ"

بنت خیبری معاویہ بن بکر کے ماموں کو بھیجا تو ہر آدمی کے ساتھ اس کی قوم کی ایک جماعت تھی یہاں تک کہ ان کے وفد کی تعداد ستر کو پہنچ گئی۔ جب مکہ آئے تو معاویہ بن بکر کے مہمان ہوئے۔ یہ مکہ میں حرم سے باہر رہتا تھا تو ان کی خوب مہمان نوازی کی کیونکہ یہ اس کے ماموں اور داماد وغیرہ تھے تو یہ ایک مہینہ وہاں رہے شراب پیتے اور معاویہ کی دو لونڈیاں ان کو گانا سناتیں۔ ان کو آتے ہوئے ایک مہینہ لگ گیا اور وہاں ایک مہینہ قیام کیا جب معاویہ نے ان کے لمبے قیام کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ قوم نے ان کو مشکل سے نکلنے کی فریاد کرنے کے لیے بھیجا تھا اور یہ یہاں مزے کر رہے ہیں تو ان کو یہ بات ناگوار گزری اور کہا میرے ماموں اور رشتہ دار وہاں مر رہے ہیں اور یہ یہاں میرے مہمان بنے بیٹھے ہیں۔ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کروں، اگر جانے کا کہتا ہوں تو یہ ناراض ہوں گے کہ یہ ہمیں بوجھ سمجھتا ہے اور اگر کچھ نہیں کہتا تو میری قوم ہلاک ہوتی ہے تو انہوں نے ان گانے والی لونڈیوں کو چند اشعار لکھ کر دیئے کہ یہ ان کے سامنے گاؤ۔

اے قیل اور ہشم اٹھ شاید اللہ بارش سے ہم کو سیراب فرمادے جس سے قوم عاد سیراب ہو ان لوگوں کی تو ایسی حالت ہوگئی کہ سخت پیاس کی وجہ سے بات بھی نہیں کر سکتے نہ بوڑھے کی امید ہے نہ بچے کی۔ پہلے عورتیں عافیت سے تھیں مگر اب عورتیں بھی سخت پیاسی ہوگئیں۔ قوم عاد کو کھانے کیلئے علی الاعلان درندے گشت کر رہے ہیں اور کسی عاد والے کے تیروں کا ان کو اندیشہ نہیں اور تم لوگ یہاں مزے میں سارے دن رات گزار رہے ہو اے وفد والو تمہارا برا ہو تم کو سلامتی اور خوش آمدید نصیب نہ ہو۔

جب انہوں نے گائے تو یہ آپس میں کہنے لگے کہ ہماری قوم نے ہمیں اس مصیبت پر فریاد کرنے کے لیے بھیجا تھا ہم نے دیر کردی ہے تو اب حرم میں داخل ہو کر اپنی قوم کے لیے بارش طلب کرتے ہیں تو مرثد بن سعد بن عفیر جو کہ خفیہ ایمان لا چکے تھے انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم تمہاری دُعا سے بارش نہ ہوگی۔ لیکن اگر تم اپنے نبی کی اطاعت کرلو اور اپنے رب سے توبہ کرلو تو بارش ہوگی، اب انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا اور چند اشعار کہے۔

عاد نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی جس کی وجہ سے پیاسے ہوگئے آسمان پر ایک قطرہ نہیں برساتا ان کا ایک بت ہے جس کو صمود کہا جاتا ہے اور اس کے سامنے صدا اور ہبا بھی ہیں۔ اللہ نے رسول کے ذریعہ سے ہم کو راہ ہدایت دکھائی۔ ہم نے سیدھا راستہ دیکھ لیا اور نابینائی جاتی رہی جو معبود ہود کا ہے وہی میرا معبود ہے۔ اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور اسی سے آس ہے۔

تو وہ لوگ معاویہ بن بکر کو کہنے لگے اس کو ہم سے روک دو یہ ہمارے ساتھ مکہ نہ جائے کیونکہ اس نے ہمارا دین چھوڑ کر ہود علیہ السلام کے دین کی اتباع کی ہے تو ان کے مکہ کی طرف جانے کے بعد مرثد بھی مکہ پہنچ گئے اور دُعا مانگی کہ اے اللہ! میری دُعا صرف میرے حق میں قبول کرنا ان لوگوں کے حق میں قبول نہ کرنا اور قوم عاد کا وفد اپنے سردار قیل بن عنز کے ساتھ دُعا کر رہا تھا کہ اے اللہ! ہمارے وفد کا سردار جو کچھ مانگ رہا ہے وہ ہمیں بھی دے اور قیل بن عنز نے یہ دُعا کی کہ اے اللہ! اگر ہود علیہ السلام سچے ہیں تو ہم پر بارش برسا کیونکہ ہم ہلاک ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تین بادل پیدا کیے سفید اور سرخ اور سیاہ اور قیل کو آواز آئی ان میں سے ایک کو اپنی قوم کے لیے چن لے۔ قیل نے کہا میں سیاہ کو چنتا ہوں کیونکہ اس میں پانی

زیادہ ہوتا ہے تو آواز آئی تو نے اپنی قوم کے لیے راکھ کو چنا ہے ان میں سے کوئی نہ بچے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سیاہ بادلوں کو قوم عاد کو سزا دینے کے لیے بھیج دیا۔ جب وہ بادل قوم عاد پر پہنچے تو وہ خوش ہوگئے اور کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وہ عذاب ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے۔ اس عذاب کو سب سے پہلے قوم عاد کی ایک عورت نے دیکھا اور چیخ مار کر بیہوش ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا کیا دیکھا تو نے؟ اس نے کہا کہ میں نے ہوا دیکھی جس میں آگ کے شعلے تھے اس کے آگے کئی آدمی ہیں جو اس کو کھینچ کر لا رہے ہیں، اس عورت کا نام مھدد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بادل کو سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط کیا۔ اس نے قوم عاد کے تمام افراد ہلاک کر دیئے۔ ھود علیہ السلام اور مؤمنین پہلے سے الگ ہوگئے تھے ان کو ہلکی ہلکی ہوا لگی جو بڑی بھلی معلوم ہوتی تھی اور قوم عاد پر بڑی شدید تھی کہ ان کو زمین سے آسمان کی طرف اُٹھاتی تھی پھر زمین پر پٹختی تھی۔

وہ وفد مکہ سے نکل کر معاویہ کے پاس آیا تو قوم عاد سے تین دن کی دوری پر ایک قوم آباد تھی۔ اس کا ایک شخص اونٹنی پر آیا، ایک تاریک رات میں اور خبر دی تو انہوں نے پوچھا ھود علیہ السلام اور ان کے ساتھی کہاں تھے؟ اس نے کہا سمندر کے ساحل پر گویا ان کو ابھی بھی شک تھا۔ تو ہزیلۃ بنت بکر کہنے لگی اللہ کی قسم اس نے سچ خبر دی ہے اور یہ بات بھی ذکر کی گئی ہے کہ مرثد بن سعد، لقمان بن عاد اور قیل بن عنز نے جب مکہ میں دُعا کی تو ان کو کہا گیا کہ تمہاری دُعا قبول ہوگئی اب اپنے لیے کچھ مانگو، سوائے ہمیشہ زندہ رہنے کے کیونکہ موت تو ہر ایک کو آنی ہے تو مرثد نے دُعا مانگی اے اللہ! مجھے سچائی اور نیکی دے۔ یہ ان کو مل گئی۔ لقمان نے کہا مجھے لمبی عمر دیں، کہا گیا تو خود اختیار کر کتنی ہو؟ اس نے سات گدھوں کی عمر پسند کی ہر گدھ اسی سال زندہ رہا اور ساتویں گدھ کے ساتھ یہ بھی مر گیا اور قیل نے کہا جو چیز میری قوم کو پہنچی مجھے بھی وہی دیں تو کہا گیا کہ ہلاکت؟ اس نے کہا مجھے پرواہ نہیں ان کے بعد زندگی کی مجھے ضرورت نہیں تو اس کو بھی وہی عذاب پہنچا اور ہلاک ہوگیا۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عاد پر سخت آندھی بھیجی جب آندھی ان کے قریب ہوئی تو انہوں نے اونٹوں اور مردوں کو دیکھا کہ وہ آسمان و زمین کے درمیان میں اُڑ رہے ہیں جب ان لوگوں نے یہ دیکھا تو جلدی سے گھروں میں گھس کر دروازہ بند کر لیے تو آندھی نے دروازہ جڑ سے اُکھاڑ دیئے اور ان کو ہلاک کر دیا۔ پھر ان کو گھروں سے نکال دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا تو ان پر سیاہ پرندے بھیجے جنہوں نے ان کو اُٹھا کر سمندر میں ڈال دیا اور روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی کو حکم دیا اس نے ان پر ریت ڈال دی وہ سات راتیں اور آٹھ دن ریت کے نیچے رہے اور وہ ریت کے نیچے آہ آہ کرتے رہے۔ پھر ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان سے ریت ہٹا دی۔ پھر ان کو اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور جب بھی ہوا آتی ہے تو ایک اندازہ و مکیال سے آتی ہے لیکن اس دن داروغہ سے سرکشی کی اور ان پر غالب آ گئی، ان کو بھی پتہ نہ چلا کہ اس کی مقدار کتنی تھی اور حدیث میں ہے کہ ہوا انگوٹھی کے سوراخ جتنی نکلی۔

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ھود علیہ السلام کی قبر اطہر حضر موت میں سرخ ٹیلہ میں ہے اور عبدالرحمٰن بن سابط کہتے

ہیں رکن اور مقام اور زمزم کے درمیان ننانوے انبیاء کی قبر ہے اور ہود، شعیب، صالح اور اسماعیل علیہم السلام کی قبر اسی جگہ میں ہے۔ یہاں تک کہ ساتویں پر آئے اور ہر گدھ اسی (۸۰) سال زندہ رہتا ہے اور ان میں سے آخری لبد تھا جب لبد مر گیا تو لقمان علیہ السلام بھی اس کے ساتھ فوت ہوگئے۔ بہرحال قیل تو اس نے کہا کہ میں وہی اختیار کرتا ہوں جو میری قوم کو پہنچا ہے تو اس کو کہا گیا ہلاکت؟ تو اس نے کہا مجھے پرواہ نہیں ہے ان کے بعد مجھے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں ہے تو جو عذاب قوم عاد پر آیا وہ اس پر بھی آپ تو وہ ہلاک ہوگیا اور روایت کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قوم جب ہلاک ہوجاتی تو وہ نبی علیہ السلام اپنی قوم کے نیک لوگوں کے ساتھ مکہ آتے اور وہاں وفات تک اللہ کی عبادت کرتے رہتے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑦③

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔

تفسیر: ⑦③ (وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا) یہ قوم ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ لیکن مراد یہاں ان کا قبیلہ ہے۔

ابوعمرو بن علاء فرماتے ہیں کہ ثمد کا معنی تھوڑا پانی۔ ان کا نام ثمود ان کے پانی کے کم ہونے کی وجہ سے رکھا گیا۔ ان کی رہائش حجاز اور شام کے درمیان مقام حجر پر تھی۔ (اخاھم صالحا) ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے نسبی بھائی صالح کو بھیجا بھائی مراد نہیں (جو المؤمنون اخوۃ کے زمرہ میں آتا ہے) اور وہ صالح بن عبید بن آصف بن ماسح بن عبید بن خادر بن ثمود۔ (بولا) صالح علیہ السلام (قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ) اونٹنی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے، فضیلت اور تخصیص کی بناء پر جیسا کہ کہا جاتا ہے بیت اللہ۔ "لَكُمْ اٰيَةً" حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ (فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ) تاکہ وہ چارہ وغیرہ کھائے (فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ) نہ اس کو پہنچو برائی کے ساتھ کہ تم اس کی کونچیں کاٹ ڈالو ورنہ (فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ مبَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ⑦④ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ

اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد آباد کیا اور تم کو زمین پر رہنے کو ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو سو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا کہ کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیشک ہم اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کے دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس چیز پر یقین لائے ہوئے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ غرض اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوایئے۔ اگر آپ پیغمبر ہیں۔

تفسیر ﴿۷۴﴾ (وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ م بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ) تم کو جگہ دی اور تم کو بسایا (فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا) یہ لوگ پہاڑوں میں سوراخ کر کے گھر بناتے تھے، گرمیوں میں مٹی کے گھروں میں رہتے اور سردیوں میں پہاڑوں کے گھروں میں اور بعض نے کہا صرف پہاڑ میں گھر بناتے تھے کیونکہ مٹی کے گھر ان کی عمر جتنا عرصہ باقی نہیں رہتے تھے۔ (فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ) عثو سخت ترین فساد کو کہتے ہیں۔

﴿۷۵﴾ (قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ)

(قَالَ الْمَلَاُ) ابن عامر نے واو کے ساتھ پڑھا ہے (الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ) اس سے بڑے لیڈر اور سردار مراد ہیں جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے کو اپنی ذلت سمجھتے تھے (لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا) حضرت صالح علیہ السلام کے متبعین کمزور لوگوں سے عار سمجھتے تھے (لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ) وہی مؤمن لوگ تھے یا کمزور اور غریبوں میں سے صرف مؤمنوں سے کہتے تھے (اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ)

﴿۷۶﴾ (قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ) انکار کرنے والے ہیں۔

﴿۷۷﴾ (فَعَقَرُوا النَّاقَةَ) زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں العقر اونٹ کی کونچیں کاٹنا پھر نحر کو عقر بنایا گیا، اس لیے کہ اونٹ کو نحر کرنے والا اس کو عقر یعنی زخمی کرتا ہے پھر نحر کرتا ہے۔ "وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ" اور العتو باطل میں غلو کرنا کہا جاتا ہے "عتا یعتو عتواً" جب انہوں نے تکبر کیا اور معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور اونٹنی کے بارے میں اس کا حکم چھوڑ دیا اور اپنے نبی کی

تکذیب کی۔ (وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ) وعدہ کیا گیا عذاب کا (اِنْ کُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ)

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے۔ رہ گئے اس وقت صالحؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

تفسیر: ﴿۷۸﴾ (فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ) وہ زمین کا زلزلہ اور اس کی حرکت ہے اور ان کو چیخ اور زلزلہ سے ہلاک کیا گیا۔ "فاصبحوا فی دارھم" بعض نے کہا ہے مراد الدیار ہیں اور بعض نے کہا ہے ان کی سرزمین اور بستی مراد ہے۔ اس لیے دار کو واحد ذکر کیا ہے۔ اگر مکان یا گھر مراد ہوتا تو اس صورت میں یہ جمع کا صیغہ ہوتا۔ "جاثمین" مُردہ اوندھے پڑے ہوئے۔ بعض نے کہا ہے اوندھے منہ مُردہ پڑے تھے۔ پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے)

﴿۷۹﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے اعراض کیا (فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ) اگر یہ اعتراض ہو کہ صالح علیہ السلام نے ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان کو کیسے خطاب کیا؟ ان الفاظ سے لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ تو جواب یہ ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے مقتولین میں سے ہر ایک کا نام لے کر آواز دی تھی اور ان کو کہا تھا کہ ہم نے اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ ان جسموں سے کیا بات کر رہے ہیں جن میں کوئی روح ہی نہیں ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے تم میری بات کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے۔ (رواہ النسائی)

بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ صالح علیہ السلام نے ان مُردہ لوگوں کو خطاب کیا تا کہ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے عبرت بنے۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل یہ ہے کہ "صالح علیہ السلام نے ان سے اعراض کیا اور کہا کہ میں اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا چکا تو ان کو زلزلہ نے آ پکڑا"۔

ثمود کا واقعہ

قوم ثمود کا واقعہ محمد بن اسحاق اور وہب وغیرہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ قوم عاد جب ہلاک ہوگئی اور ان کا معاملہ ختم ہوگیا تو ثمود ان کے بعد زمین میں ان کی خلیفہ بنی تو ان کی تعداد بہت ہوگئی اور لمبی عمریں ہوئیں یہاں تک کہ وہ مٹی کے مکان بناتے تو وہ ان کی زندگی میں منہدم ہو جاتے تو انہوں نے پہاڑوں میں گھر بنانا شروع کر دیئے اور ان لوگوں کی معاش وسیع تھی تو انہوں نے زمین

میں فساد برپا کیا اور غیر اللہ کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان میں صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ یہ عرب قوم تھی صالح علیہ السلام اچھے حسب ونسب والے تھے۔ صالح علیہ السلام جوانی کے زمانہ میں نبی بنا کر بھیجے گئے اور ان کو اللہ کی طرف بلاتے رہے یہاں تک کہ بالکل بوڑھے ہوگئے لیکن صرف چند غریب لوگوں نے آپ علیہ السلام کی اتباع کی۔ جب صالح علیہ السلام نے ان پر تبلیغ میں خوب محنت کی اور ان کو بہت زیادہ ڈرایا تو وہ کہنے لگے کہ ان کو کوئی نشانی دکھائیں جو آپ علیہ السلام کے سچا ہونے کی دلیل ہو تو آپ علیہ السلام نے پوچھا کون سی نشانی چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہماری عید کی طرف نکلیں۔ ان کی عید سال میں ایک بار آتی تھی جس میں یہ اپنے بتوں کی طرف جاتے تھے تو آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ آپ اپنے معبود کو بلائیں ہم اپنے معبودوں کو بلائیں۔ اگر آپ علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی ہم آپ کی اتباع کریں گے اور اگر ہماری دُعا قبول ہوئی تو آپ ہماری اتباع کرنا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے تو وہ اپنے بت لے کر عید کے دن نکلے اور صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے تو انہوں نے اپنے بتوں سے دُعا کی کہ صالح علیہ السلام کی کوئی دُعا قبول نہ ہو۔ پھر ثمود کا سردار جندع بن عمرو بن حراش کہنے لگے اے صالح! (علیہ السلام) ہمارے لیے اس چٹان سے ایک اونٹنی نکال جو بہت پشم والی ہو جو دس ماہ کی حاملہ ہو، بڑے پیٹ والی ہو، بختی اونٹ کے مشابہ نہ ہو اور اس نے پہاڑ کی ایک الگ چٹان کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے نکالیں۔ اگر آپ نے ایسا کردیا تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ پر ایمان لائیں گے۔

صالح علیہ السلام نے ان سے پختہ عہد لیے کہ اگر میں نے ایسا کردیا تو مجھ پر ایمان لے آؤ گے تو وہ کہنے لگے جی ہاں تو صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تو وہ چٹان حاملہ جانور کی طرح آواز نکالنے لگی اور پھر اس کے ایک حصہ نے حرکت کی اور اس سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی بڑے پیٹ والی بہت زیادہ پشم والی جیسی انہوں نے مانگی تھی آگئی اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان کا فاصلہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں یہ سارا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ پھر اس کا بچہ پیدا ہوا جو اسی کی طرح بڑا تھا تو جندع بن عمرو اور اس کی قوم کے چند لوگ ایمان لے آئے اور قوم ثمود کے معزز لوگ بھی ایمان لانا چاہتے تھے مگر ان کو ذواب بن عمر بن لبید اور حباب جو ان کے بتوں کے پجاری تھے اور رباب بن صمغر جو کہ کاہن تھا تو ان لوگوں نے باقی لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیا۔ جب اونٹنی نکلی تو صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ اللہ کی اونٹنی ہے اس کی اور تمہاری پانی پینے کی باری متعین ہے تو وہ اونٹنی اور اس کا بچہ قوم ثمود میں ٹھہر گئے، درختوں سے چرتی اور پانی پیتی، وہ ایک دن کے وقفہ سے پانی پینے آتی اور اپنی باری کے دن اپنا سر کنویں میں ڈالتی اور سارا پانی پی جاتی ایک قطرہ پانی بھی نہ بچاتی۔ پھر سر اُٹھاتی اور ٹانگیں کشادہ کرلیتی، پھر وہ لوگ جتنا چاہتے دودھ نکالتے خود بھی پیتے برتن بھی بھر لیتے پھر وہ جس راستہ سے آئی ہوتی اس کے علاوہ راستے سے چلی جاتی۔ جب قوم ثمود کی پانی کی باری آتی تو وہ جتنا چاہتے پانی پیتے اور اونٹنی کی باری کے دن کے لیے بھی ذخیرہ کرلیتے۔ یہ اونٹنی سائے کے لیے جہاں جاتی وہاں سے پالتو جانور بھاگ جاتے تو ان کے چرواہوں کو یہ بات تکلیف دیتی تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کی اور اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے پر تیار ہوگئے۔ قوم ثمود میں دو عورتیں تھیں۔ ایک ذواب بن عمر کی بیوی اس کا نام عنیزہ بنت غنم بن مجلز تھا، کنیت ام غنم تھی۔ یہ بوڑھی عورت تھی لیکن اس کی بیٹیاں بہت خوبصورت تھیں اور

اس کے پاس مال اور مویشیوں کی فراوانی تھی اور دوسری عورت کا نام صدوف بن محیا تھا یہ بہت خوبصورت عورت تھی اور بڑی مالدار اور اس کے پاس مویشی بہت زیادہ تھے۔ ان دو عورتوں کو صالح سے بہت زیادہ دشمنی تھی اور اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنا ان کو بڑا پسند تھا کیونکہ وہ ان کے جانوروں کو نقصان پہنچا رہی تھی تو ان دونوں نے ایک تدبیر نکالی کہ صدوف نے ثمود کے ایک آدمی حباب کو بلایا کہ تو اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دے تو میں تیری ہو جاؤں گی۔ اس نے انکار کر دیا تو اس نے اپنے چچا زاد بھائی کو بلایا جس کا نام مصدع بن مھرج بن محیا تھا۔ یہ بڑا خوبصورت اور صاحب مال شخص تھا۔ اس پر اپنا آپ پیش کیا تو یہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے پر آمادہ ہوگیا اور عنیزہ بنت غنم نے قدار بن سالف کو بلایا یہ سرخ رنگ نیلی آنکھوں والا چھوٹے قد کا شخص تھا۔ لوگوں کا گمان تھا کہ قدار کسی زانی کی اولاد تھا، سالف کی اولاد نہ تھا لیکن اس کی بیوی سے پیدا ہوا ہے تو عنیزہ نے کہا اگر تو اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دے تو میری جو بیٹی تو چاہے تجھے دے دوں گی۔ یہ قدار اپنی قوم میں غالب شخص تھا۔

ہشام نے اپنے والد سے نقل کیا کہ ان کو عبداللہ بن زمعۃ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور اس کی ٹانگیں کاٹنے والے کے بارے میں فرمایا کہ "اذا انبعث اشقاھا" کہ اس کام کے لیے قوم ثمود میں سے قوت اور غلبہ والا شخص کھڑا ہوا جو ابو زمعۃ رضی اللہ عنہ کی مثل تھا تو قدار بن سالف اور مصدع بن مھرج چل پڑے اور قومِ ثمود کے گمراہ لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملایا تو سات آدمی ان میں سے بھی چل پڑے، وہ اونٹنی جب پانی پر آنے لگی تو قدار اس کے راستے میں چٹان کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا اور مصدع دوسرے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گیا تو وہ اونٹنی مصدع والے راستے سے گزری تو اس نے تیر مارا جو اس کی پنڈلی کے جوڑ میں لگا۔ اتنے میں اُمِ غنم عنیزہ اپنی بیٹی کے ساتھ آگئی اور اس کو کہا کہ قدار کے سامنے چہرہ کھول دے۔ یہ لڑکی عورتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی تو قدار نے یہ دیکھتے ہی اونٹنی پر تلوار سے سخت حملہ کیا جس سے وہ گر گئی اور ایک آواز لگائی جس سے اپنے بچہ کو ڈرا رہی تھی پھر دوسرا اور اس کی گردن پر کر کے اس کو نحر کر دیا اور سارے شہر والے نکل آئے اور اس کا گوشت تقسیم کر کے پکا لیا۔ اونٹنی کے بچہ نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ بھاگ گیا اور ایک پہاڑ کے پاس آیا جس کو صنو کہا جاتا تھا اور بعض نے کہا پہاڑ کا نام قارۃ تھا اور صالح علیہ السلام آئے تو لوگوں نے بتایا کہ اونٹنی کو مار دیا گیا ہے تو آپ علیہ السلام وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اس کا گوشت لے رہے ہیں اور عذر کرنے لگے، اے اللہ کے نبی اس کو فلاں نے قتل کیا ہے، ہمارا کوئی گناہ نہیں تو صالح علیہ السلام نے فرمایا تم اس کے بچہ کو تلاش کرو، اگر وہ مل گیا تو شاید اللہ تعالیٰ تم سے عذاب کو دور کر دیں تو لوگ اس بچہ کو تلاش کرنے نکل پڑے جب اس کو پہاڑ پر دیکھا تو اس کو پکڑنے کے لیے دوڑے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا تو وہ اس بچہ کو لے کر آسمان کی طرف اتنا بلند ہوگیا کہ وہاں تک پرندے بھی نہ پہنچ سکتے تھے تو صالح علیہ السلام بھی وہاں پہنچ گئے۔ جب اس بچہ نے صالح علیہ السلام کو دیکھا تو رونے لگا اور اس کے آنسو بہنے لگے پھر اس نے تین دفعہ آواز نکالی، پھر پہاڑ پھٹا اور وہ اس میں چلا گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام فرمانے لگے کہ ہر آواز ایک دن کی مہلت ہے تو تم اپنے گھروں میں تین دن تک نفع اُٹھا لو یہ وعدہ

چھوٹا نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں نے ہفتے کے ایام کے نام رکھے ہوئے تھے اتوار کا اوّل، سوموار کا اھون، منگل کا دبار، بدھ کا جبار، جمعرات کا مؤنس، جمعہ کا عروبہ اور ہفتے کا نام شبار رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تو صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ جمعرات کی صبح تمہارے چہرے زرد ہوں گے اور عروبہ یعنی جمعہ کی صبح سرخ ہوں گے اور شبار یعنی ہفتے کی صبح سیاہ ہوں گے۔ پھر اتوار کے دن تمہارے پاس عذاب آئے گا۔ جب صالح علیہ السلام نے یہ بات کہی تو وہ نو افراد جنہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا کہنے لگے آؤ صالح علیہ السلام کو بھی قتل کر دیں۔ اگر یہ سچے ہیں تو ان کو ہم اپنے سے پہلے بھیج دیتے ہیں اور اگر جھوٹے ہیں تو ان کو ان کی اونٹنی کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ یہ لوگ رات کو صالح علیہ السلام کو قتل کرنے گئے کہ ان کو قتل کر کے رات سکون سے اپنے گھر گزاریں گے تو فرشتوں نے ان کو پتھروں سے کچل دیا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس نہ پہنچے تو انہوں نے آکر دیکھا کہ ان کے سر کچلے پڑے ہیں تو صالح علیہ السلام کو کہنے لگے کہ آپ نے ان کو قتل کیا ہے تو صالح علیہ السلام کو قتل کرنے لگے تو آپ علیہ السلام کا قبیلہ ہتھیار لے کر آپ علیہ السلام کے دفاع کے لیے آ گیا اور ان کو کہا کہ اللہ کی قسم تم ان کو کبھی قتل نہ کر سکو گے، انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تین دن میں تم پر عذاب آئے گا۔ اگر یہ سچے ہیں تو ان کو قتل کر کے تم اپنے رب کو مزید ناراض کر دو گے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو اپنا مقصد پورا کر لینا تو وہ چلے گئے۔ تو جب جمعرات کی صبح آئی تو ان سب کے چہرے زرد ہو گئے، چھوٹے بڑے مرد وعورت سب کے۔

ایسا لگتا تھا کہ خلوف بوٹی ان پر مل دی گئی ہے تو اس وقت ان کو عذاب اور صالح علیہ السلام کے سچا ہونے کا یقین ہو گیا تو صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کیلئے تلاش کرنے لگے، صالح علیہ السلام اس جگہ سے چلے گئے اور ثمود کی ایک شاخ بنو غنم کے پاس آ گئے اور ان کے سردار نفیل جس کی کنیت ابوھدب تھی کے مہمان ہوئے اس نے آپ علیہ السلام کو چھپا دیا۔ وہ آپ علیہ السلام کے قتل پر قادر نہ ہو سکے۔ یہ شخص مشرک تھا وہ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھیوں کو تکلیفیں دینے لگے تا کہ وہ آپ علیہ السلام کا پتہ بتا دیں تو صالح علیہ السلام کے ایک ساتھی نے ان سے آکر پوچھا کہ وہ ہمیں آپ علیہ السلام کے بارے میں پوچھنے کے لیے تکلیف دے رہے ہیں، کیا آپ علیہ السلام کا پتہ بتا دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں تو انہوں نے بتا دیا وہ ابوھدب کے پاس آئے۔ اس نے کہا ہاں صالح علیہ السلام میرے پاس ہیں لیکن تم ان کو کچھ نہیں کہہ سکتے تو یہ لوگ چلے گئے اور پھر ان کو اپنی پڑ گئی۔ ایک دوسرے کے چہرے کی زردی دیکھ کر پریشان ہوتے تھے اور چیختے تھے۔ دوسرے دن چہرے سرخ ہو گئے۔ گویا کہ ان کو خون سے رنگ دیا گیا ہے تو رونے اور چیخنے چلانے لگے کہ عذاب کا ایک دن گزر گیا ہے۔ تیسرے دن کی صبح چہرے اتنے ایسے سیاہ ہو گئے جیسے ان پر تارکول چڑھا دیا گیا ہو اب وہ چیخنے لگے کہ عذاب آ گیا۔ صالح علیہ السلام اپنے مسلمان ساتھیوں کو لے کر شام کی طرف چل پڑے اور رملۃ فلسطین کے علاقہ میں پڑاؤ ڈالا۔ اتوار کی صبح قوم ثمود نے کفن پہنے خوشبو لگائی اور زمین پر گر گئے اور کبھی آسمان کی طرف دیکھتے اور کبھی زمین کی طرف کہ کس طرف سے عذاب آئے گا جب اتوار کے دن چاشت کا وقت ہو گیا تو آسمان سے ایک چیخ آئی جس میں بجلی وغیرہ کی کڑک اور زمین کی ہر آواز والی چیز کی آواز تھی۔ اس آواز نے ان کے دل پھاڑ دیئے، ان میں سے کوئی چھوٹا یا بڑا زندہ نہ رہا سوائے ایک اپاہج لڑکی کے اس کا نام ذریعہ بنت سالف تھا یہ صالح علیہ السلام سے

شدید دشمنی رکھنے والی کافرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے وقت اس کی ٹانگیں ٹھیک کر دیں تو یہ بڑی تیزی سے اس جگہ سے اور حجاز اور شام کے درمیان وادی قرح تک پہنچ گئی وہاں کے لوگوں کو بتایا کہ میں نے قومِ ثمود کے عذاب کا خود مشاہدہ کیا ہے پھر پانی مانگا، انہوں نے پانی پلایا تو پیتے ہی مرگئی۔

سدی نے قتل ناقہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام کے پاس کے وحی بھیجی تیری قوم عنقریب اونٹنی کو قتل کر دے گی۔ حضرت نے یوم سے یہی بات کہہ دی قوم والوں نے کہا ہم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ حضرت صالح نے فرمایا اس مہینہ میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور آئندہ وہ قتل کرے گا اور اسی کے سبب سے تمہاری ہلاکت ہوگی کہنے لگے اس مہینہ میں ہمارا جو بچہ پیدا ہوگا ہم اس کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ اس مہینہ میں دس لڑکے پیدا ہوئے نو کو تو انہوں نے قتل کر دیا۔ ایک نیل گوں چشم سرخ رنگ والا بچہ بچ گیا اور اس کا بڑھاؤ بہت تیزی سے ہوا۔ مقتول بچوں کے باپ جب اس کو دیکھتے تو کہتے ہمارے بچے بھی اگر زندہ ہوتے تو ایسے ہی ہوتے یہ سوچ سوچ کر ان کو حضرت صالح علیہ السلام پر غصہ آیا کہ یہی شخص ہمارے بچوں کے قتل کا سبب ہے۔ پھر انہوں نے قسم کھا کر باہم معاہدہ کر لیا کہ ہم رات کو جا کر اس کو اور اس کے گھر والوں کو ضرور مار ڈالیں گے۔ پھر مشورہ ہوا کہ ہم کو بستی سے نکل جانا چاہئے لوگ ہم کو جاتے دیکھ کر خیال کریں گے کہ ہم سفر کو جا رہے ہیں۔ ہم باہر جا کر کہیں غار میں چھپ جائیں گے اور صالح جس وقت (رات کو) مسجد کو جائیں گے ہم آ کر ان کو قتل کر دیں گے۔ پھر لوٹ کر غار میں چلے جائیں گے پھر (صبح کو) گھروں کو واپس آ جائیں گے اور کہیں گے ہم تو قتل کے وقت موجود بھی نہ تھے لوگ ہم کو سچا سمجھیں گے۔ کیونکہ ان کا تو یہی خیال ہوگا کہ ہم سفر کو گئے ہوئے تھے۔

حضرت صالح قوم کے ساتھ بستی میں نہیں سوتے تھے بلکہ اپنی مسجد میں جس کو مسجد صالح کہا جاتا تھا جا کر رات گزارتے تھے اور صبح کو آ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے شام ہوتی تو پھر مسجد کو جا کر رات کو وہیں رہتے غرض وہ لوگ جن کے بچے قتل ہوئے تھے۔ بستی سے باہر جا کر ایک غار میں گھس گئے اور اللہ کے حکم سے غار ان پر گر پڑا اور سب مر گئے۔ اسی کو اللہ نے فرمایا ہے

فمكروا مكرا ومكرنا مكرا وهم لايشعرون.

کچھ لوگ جو اس بات سے واقف تھے نکل کر گئے جا کر دیکھا کہ سب لوگ کچلے پڑے ہیں۔ انہوں نے بستی میں آ کر شور مچا دیا اللہ کے بندو! صالح نے بچوں کے قتل پر ہی بس نہیں کیا۔ بلکہ ان لوگوں کو بھی مار ڈالا یہ سن کر بستی والے اونٹنی کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے۔ ابن اسحاق نے کہا اونٹنی کو قتل کرنے کے بعد ان نو آدمیوں نے شب خون مار کر حضرت صالح کو قتل کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔ یعنی قتل ناقہ کا واقعہ حضرت صالح کو قتل کرنے کے معاہدہ سے پہلے ہو چکا تھا۔

سدی وغیرہ کا بیان ہے دسواں بچہ قدار جب قتل ہونے سے بچ گیا تو تیزی سے بڑھنے لگا ایک دن میں اتنا بڑھ جاتا جتنا دوسرے بچے ایک ہفتہ میں بڑھتے ہیں اور ایک ماہ میں اتنا بڑھ جاتا دوسرے بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں جب بڑا ہو گیا تو لوگوں کے ساتھ ایک روز شراب پینے بیٹھا اور شراب بنانے کیلئے پانی کی ضرورت ہوئی اور چونکہ وہ دن اونٹنی کے پانی پینے کا تھا۔ اس لئے پانی نہیں ملا۔ یہ

بات ان لوگوں کو بہت کھلی اور کہنے لگے ہم دودھ کا کیا کریں ہمیں تو اس پانی کی ضرورت ہے جو یہ اونٹنی پی جاتی ہے تاکہ مویشیوں کو پلائیں اور کھیتیاں سینچیں۔ قذار بولا کیا میں تمہارے لئے اس اونٹنی کو قتل کردوں۔ اہل مجلس نے کہا ہاں! چنانچہ سب نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے سفر میں مقام حجر پر پڑاؤ ڈالا تو حکم دیا کہ اس کنویں سے کوئی پانی نہ پئے اور نہ جانوروں کو پلائیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم نے اس پانی سے آٹا گوندھا ہے اور مشکیزوں میں پانی بھرا ہے تو آپ علیہ السلام نے حکم دیا کہ وہ آٹا پھینک دو اور وہ پانی گرادو۔

ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا کہ جب غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حجر سے ہوا تو صحابہ کو حکم دیا تم میں سے کوئی اس (ویران) بستی میں نہ جاتے نہ ان کا پانی پیو ان عذاب یافتہ لوگوں کی طرف سے گزرو تو روتے ہوئے ڈرتے ڈرتے کہیں تم پر بھی وہی عذاب نہ آجائے جو ان پر آیا تھا پھر فرمایا تم اپنے رسول سے معجزات نہ طلب کرو۔ یہ صالح کی قوم تھی جس نے اپنے رسول سے معجزہ طلب کیا تھا تو اللہ نے ایک اونٹنی برآمد کردی جو اس پہاڑی راستہ سے پانی پر جاتی اور (پانی پی کر) اس راستہ سے واپس آتی تھی اور اپنی لوگوں کو ہلاک کردیا جو اس سرزمین میں مشرق سے مغرب لے کر مغرب تک آسمان کے خیمہ کے نیچے رہتے تھے صرف ایک آدمی بچا جس کو ابورغال کہا جاتا تھا یہ قبیلہ ثقیف کا مورث اعلیٰ تھا یہ اس وقت حرم کے اندر تھا اور حرم میں ہونے کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے بچ گیا لیکن جب حرم سے باہر نکلا تو اس پر بھی وہی عذاب آیا جو دوسروں پر آیا تھا اور وہیں دفن ہوگیا۔ دفن ہونے کے وقت اس کے پاس سونے کی ایک سلاخ بھی تھی جو اسی کے ساتھ زمین میں دب گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ابورغال کی قبر بھی دکھائی اور لوگوں نے تلواروں سے (کرید کر) زمین کھود کر سونے کی وہ ڈنڈی برآمد کر لی۔ قوم ثمود میں سے جو لوگ حضرت صالح پر ایمان لائے تھے ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ حضرت صالح ان لوگوں کو لے کر حضرموت چلے گئے۔ حضرموت میں پہنچ کر آپ کی وفات ہوگئی۔ اسی لئے اس بستی کا نام حضرموت ہوگیا پھر ان لوگوں نے ایک بستی بسائی جس کا نام حاصورا ہوا۔ بعض علماء روایت کا قول ہے کہ حضرت صالح کی وفات مکہ میں ہوئی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 58 سال کی تھی آپ صرف بیس سال اپنی قوم میں رہے تھے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَاسَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿81﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا (یعنی) تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر۔ بلکہ تم حد (انسانیت) ہی سے گزر گئے ہو

تفسیر: ﴿80﴾ (وَلُوْطًا) بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ آپ یاد کریں لوط علیہ السلام کو یہ لوط بن ہاران بن تارخ بن اخی

ابراہیم (اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ) یہ سدوم کے رہنے والے ہیں کیونکہ لوط علیہ السلام بابل کے رہنے والے تھے اپنے چچا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سفر ہجرت کیا شام کی طرف تو ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں قیام کیا اور لوط علیہ السلام نے اُردن میں قیام کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سدوم والوں کی طرف رسول بنایا تو انہوں نے ان کو فرمایا (اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ) مردوں کے پاس آنا (مَاسَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ) عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی قوم سے پہلے کوئی نر کسی نر پر کبھی نہیں چڑھا تھا۔

㉑ اِنَّكُمْ اہل مدینہ اور حفص نے (انکم) کاف کی زیر کے ساتھ خبر کی بناء پر پڑھا اور دیگر حضرات نے جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے (لتاتون الرجال) ان کے پچھلے حصوں میں...... (اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ) یعنی مردوں کے پچھلے راستے کی طرف آنا تمہیں عورتوں کے اگلے راستے میں آنے سے زیادہ پسند ہے۔ (بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ) حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے۔

قوم لوط کا ذکر

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے ایسے پھل دار باغات تھے کہ اس وقت ان جیسے باغات کسی کے پاس نہیں تھے تو لوگ ان کے پھل توڑ کر ان کو تکلیف دیتے تھے تو ابلیس ایک بوڑھے دانا کی شکل میں آیا اور ان کو کہا اگر تم ان کے ساتھ یہ برا کام کر دو تو ان سے نجات پا جاؤ گے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو وہ بار بار اصرار کرتا رہا تو انہوں نے ایسا کرنے کی ٹھان لی تو اگلی صبح چند لڑکے پھل توڑنے آئے تو انہوں نے پکڑ کر ان کے ساتھ فعل خبیث کیا تو یہ ان کی عادت بن گئی۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ صرف جوان لڑکوں سے نکاح کرتے تھے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدفعلی کرنے والا پہلا شخص ابلیس ہے کیونکہ ان لوگوں کے شہر بڑے سرسبز تھے تو لوگ وہاں چارہ کی تلاش میں آتے تھے تو ابلیس ایک خوبصورت لڑکے کی صورت میں آیا اور اپنے ساتھ یہ کام کرنے کی دعوت دی تو ان لوگوں نے یہ کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان کو حکم دیا کہ ان پر پتھر برسائے اور زمین کو حکم دیا کہ ان کو دھنسا دے۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ: اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو ہم نے لوطؑ کو اور ان کے متعلقین کو بچا لیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ انہی

لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا (کہ وہ پتھروں کا تھا) سو دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔ اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے تو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور روئے زمین میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی فساد مت پھیلاؤ یہ تمہارے لئے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو۔

تفسیر ⑧② (وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے اَخْرِجُوْهُمْ) یعنی لوط علیہ السلام اور ان کے دین والوں کو (مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ) مردوں کے پاس جانے سے بچتے ہیں۔

⑧③ فَاَنْجَيْنٰهُ...... یعنی لوط علیہ السلام کو (وَاَهْلَهٗٓ) یعنی مؤمنین کو اور بعض نے کہا ان کی دو بیٹیاں مراد ہیں (اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ) یعنی عذاب میں گرفتار ہوئی اور بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ وہ لمبی عمر والے لوگوں میں سے تھی کہ لمبی عمر گزاری اور پھر قوم لوط کے لوگوں کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ اور "من الغابرین" کہا ہے اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ وہ پیچھے رہنے والے مردوں میں سے ہے۔ جب ان کا ذکر مردوں کے ذکر کی طرف ملایا تو (مذکر کا صیغہ) کہا "من الغابرین"

⑧④ (وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا) وھب کا قول ہے کہ گندھک اور آگ کی بارش اور وہ پتھر نشان زدہ تھے۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذاب کے بارے میں "اَمْطَر" کا لفظ اور "رحمت" کے بارے میں مطر کا لفظ بولا جاتا ہے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ

اہل مدین کون تھے

⑧⑤ (وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا) یعنی مدین کی اولاد کی طرف ہم نے بھیجا۔ اور مدین ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ یہ "ایکۃ" والے ہیں۔ شعیب علیہ السلام ان کے نسبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شعیب علیہ السلام بن توبۃ بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام تھے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے نسب نامہ یہ بتایا ہے کہ شعیب بن میکائیل بن یزجر بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام اور میکائیل کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اور بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ شعیب بن یثرون بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا کیونکہ یہ اپنی قوم کو بڑے اچھے انداز میں نصیحت کرتے تھے۔ ان کی قوم کافرہ تھی اور ناپ و تول میں کمی کرتی تھی۔ (قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ) یہ دلیل جو ان کے پاس آئی۔ اگرچہ یہاں ذکر نہیں کی گئی لیکن آئی تھی کیونکہ تمام قوموں کے پاس آنے والی نشانیوں کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اور بعض نے کہا "بینۃ" سے مراد شعیب علیہ السلام کا آنا ہے (فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ) یعنی لوگوں کے حقوق کھا کر ظلم نہ کرو اور ان میں کمی نہ کرو۔ (وَلَا

تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا) یعنی انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے اور انصاف کا حکم دینے سے جو اصلاح ہوئی اس کے بعد فساد نہ کرو اور جس نبی کو کسی قوم کی طرف بھیجا گیا تو وہ اس قوم کی اصلاح ہے (ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ) یعنی جس کا تم کو حکم دیا یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم کم تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا اور اگر تم میں سے بعضے اس حکم پر جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا ہے ایمان لے آئے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ ہمارے درمیان میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کیے دیتے ہیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں۔

تفسیر ⑧⑥ (وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ) ہر راستے پر (تُوْعِدُوْنَ) ڈرانے کی غرض سے (وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) اور مت بیٹھو راستوں پر یہ راستے پر کہ ڈراؤ دھمکیاں دو اور روکو اللہ کے راستے سے اللہ کے دین سے۔ (مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا) بعض نے کہا کہ تم دین میں عیب تلاش کرتے ہو اور سیدھے راستے سے نکلنے کا طریقہ کیونکہ وہ راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور جو شخص شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے کا ارادہ کرتا۔ اس کو کہتے کہ شعیب علیہ السلام جھوٹا ہے وہ تجھے تیرے دین سے نہ پھسلا دے اور مؤمنین کو قتل کی دھمکیاں دیتے تھے (وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ) تمہاری تعداد زیادہ کی (وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ) یعنی لوط علیہ السلام کی قوم کا انجام کیا ہوا۔

⑧⑦ (وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا) یعنی اگر میری رسالت میں تمہیں اختلاف ہے کہ دو فرقے ہوگئے ہو ایک ایمان لانے والوں کا ایک جھٹلانے والوں کا (فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا) جھٹلانے والوں کو عذاب دینے اور ایمان لانے والوں کو نجات دینے کا (وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیبؑ! ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ ؤ شعیب نے جواب دیا کہ ہم تمہارے مذہب میں آ جاویں گے تو گو ہم اس کو (بدلیل وبصیرت) مکروہ ہی سمجھتے ہوں ہم تو اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جاویں اگر (خدانہ کرے) ہم تمہارے مذہب میں آ جاویں (خصوصاً) بعد اس کے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے نجات دی ہو اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جاویں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے ہمارے لئے مقدر کیا ہو ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری (اس) قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اور ان کی قوم کے (ان ہی مذکور) کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو گے تو بیشک بڑا نقصان اٹھاؤ گے پس ان کو زلزلہ نے آ پکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہوگئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہی خسارہ میں پڑ گئے۔

تفسیر ﴿۸۸﴾......(قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ) اس سے مراد شعیب علیہ السلام کی قوم کے سردار تھے جو ایمان نہیں لائے تھے۔ (لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا) ہم اس دین پر لوٹ آ ؤ جس پر ہم ہیں (قَالَ) شعیب علیہ السلام نے کہا (اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ) اگر ہم تمہارے دین پر آنے سے بیزار ہوں تو کیا ہمیں مجبور کرو گے؟

﴿۸۹﴾ (قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ)

اللہ تعالیٰ کے اس سے نجات دینے کے بعد (اَلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّنَا) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم اور مشیت میں یہ بات ہے کہ ہم واپس اسی پر لوٹ جائیں گے تو اس صورت میں اللہ کی قضاء ہم پر جاری ہوگی۔ یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ انہوں نے شعیب علیہ السلام کو دعوت دی کہ ہمارے دین میں واپس لوٹ آئیں اور شعیب علیہ السلام نے بھی یہی کہا کہ ہم اس دین پر نہیں لوٹ سکتے حالانکہ شعیب علیہ السلام تو کبھی بھی ان کے دین پر نہ تھے تو اس قول کا کیا مطلب ہوا؟ جواب یہ ہے کہ آیت میں عود کا لفظ دخول کے معنی میں ہے یعنی آپ ہمارے دین میں داخل ہو جائیں۔ بعض نے کہا کہ عاد صار کے معنی میں ہے کہ تم ہو جاؤ ہمارے دین میں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے کیونکہ پہلے وہ کافر تھے، بعد میں مؤمن ہوئے تو ان کے کافر ساتھیوں نے ان کو واپس بلایا تو ان کی طرف سے شعیب علیہ السلام نے جواب دیا (وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا) (عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا) جو تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو ان کے بارے میں۔ پھر جب شعیب علیہ السلام ان کے ایمان سے نااُمید ہوگئے تو فرمایا (رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ) ہمارے درمیان فیصلہ کیجئے انصاف کے ساتھ (وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ) تو بہتر حاکمین میں سے ہے۔

⓽⓪ (وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا) تم اپنے دین کو چھوڑ دو گے (اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ) خسارہ میں ہوگے۔ عطاء فرماتے ہیں انکار کرنے والے ہوں گے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں عاجز ہوں گے۔

⓽① (فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "رجفة" سے زلزلہ مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جہنم کا دروازہ کھول دیا۔ اس سے سخت گرمی بھیجی جس نے ان کے سانس کو پکڑ لیا کہ اب نہ ان کو سایہ نفع دیتا تھا نہ پانی تو وہ لوگ درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوتے تھے تاکہ ٹھنڈ حاصل کریں لیکن جب داخل ہوتے تو اس کو باہر کھلی فضا سے بھی زیادہ گرم پاتے تو بھاگ کر کھلی جگہ میں نکل جاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں پاکیزہ ہوا بھیجی تو اس نے ان کو سایہ دیا تو وہ ایک دوسرے کو بلا کر اس کے نیچے جمع ہوگئے کیونکہ وہ سائبان کی طرح تھی اور اس میں ٹھنڈک اور خنک ہوا تھی۔ جب سب عورتیں، مرد، بچے جمع ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اسی میں سے آگ کے شعلے برسائے اور زمین بھی جلنے لگی تو وہ جل کر راکھ ہوگئے اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو سات دن کے لیے روک لیا۔ پھر ان پر گرمی کو سات دن کے لیے مسلط کر دیا۔ پھر ان کے لیے دور سے ایک پہاڑ لایا گیا تو اس کے پاس ایک آدمی آیا تو دیکھا کہ اس کے نیچے چشمے اور نہریں ہیں تو وہ سارے اس کے نیچے جمع ہوگئے تو پہاڑ ان پر گر گیا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان (عذاب یوم الظلہ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو اصحاب الایکہ اور اصحاب مدین کی طرف بھیجا۔ اصحاب ایکہ سائبان کے ذریعے ہلاک کیے گئے اور اصحاب مدین چیخ کے ذریعے کہ جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری جس سے سارے ہلاک ہوگئے۔ ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدین کے بادشاہوں کے نام یہ تھے ابوجاد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت۔ شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں ان کا بادشاہ کلمن تھا۔

❾❷ (اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَا) یعنی وہ ان میں رہائش پذیر نہ ہوئے تھے۔ یہ ان کے قول غنیت بالمکان سے مشتق ہے جب تو اس میں رہائش پذیر ہو اور مغانی منازل اس کا واحد مغنی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ گویا کہ انہوں نے اس میں ناز و نعم حاصل نہیں کیے۔ وہاں جنہوں نے جھٹلایا۔ شعیب علیہ السلام کو وہی ہوئے خراب نہ کہ مومنین جیسا کہ وہ کافر تھے۔

"الذین کذبوا شعیبًا کأن لم یغنوا فیھا" ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ وہاں رہتے ہی نہیں تھے وہاں کوئی آبادی ہی نہیں تھی۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے غنیت بالمکان میں نے اس جگہ قیام کیا۔ مغانی مکانات قیام گاہیں اس کا واحد "مغنٰی" آتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی گویا کہ ان کو کوئی نعمت عطا ہی نہیں کی گئی۔ (فِیْھَا اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا ھُمُ الْخٰسِرِیْنَ)

فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ فَکَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّھُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ اس وقت شعیبؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دئے تھے۔ اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جاویں پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور (اس وقت براہ کج فہمی) کہنے لگے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھیں تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو (پیغمبروں کی) تکذیب کی تو ہم نے (بھی) ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آ پڑے جس وقت وہ سوتے ہوں۔

تفسیر ❸❾ (فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ) یعنی جس وقت ان لوگوں کے پاس عذاب آیا تو شعیب علیہ السلام ان سے اعراض کر کے چلے گئے (وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ فَکَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ) اور الاسی غم اور الاسی صبر کرنا۔

❹❾ (وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ) یہاں مقدر ہے یعنی پھر ان لوگوں نے اس نبی کو جھٹلایا (اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا) جب وہ ایمان نہ لائے ہوں۔

بِالْبَاْسَآءِ اور وَالضَّرَّآءِ کی مختلف تفاسیر

(بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "باساء فقر ہے اور "ضرّاء" سے مراد مرض ہے اور یہی معنی ہے ان لوگوں کے قول کا جنہوں نے کہا "باساء" کا تعلق مال سے اور "ضرّاء" کا تعلق جان سے ہے اور بعض نے کہا کہ "باساء" اور "بئوس" کا معنی معیشت کا تنگ ہونا اور "ضرّاء" اور "ضر" کا معنی بری حالت اور بعض نے کہا "باساء" سے مراد غم و پریشانی اور "ضرّاء" سے خشک سالی مراد ہے (لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ) اور توبہ کریں۔

⑮ (ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ) یعنی نعمت، کشادگی، خوشحالی، سرسبزی اور صحت میں اس کو بدل دیا۔ (حَتّٰى عَفَوْا) یعنی ان کی تعداد زیادہ ہوگئی یا ان کے مال زیادہ ہو گئے۔ جب بال زیادہ ہو جائیں تو کہا جاتا ہے "عفا الشعر" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے مال اور اولاد میں اضافہ ہو گیا (وَّقَالُوْا) وہ نرمی اور عیش میں ہونے کے بعد اپنی غفلت سے کہنے لگے۔ (قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ) یعنی زمانہ کی یہ پرانی عادت ہمارے اور ہمارے آباء کے ساتھ چلی آ رہی ہے یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا نہیں ہے لہٰذا تم اسی دین پر چلتے رہو جس پر تمہارے آباء تھے کیونکہ ان تکالیف کی وجہ سے انہوں نے اپنا دین نہ چھوڑا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً (پھر پکڑا ہم نے ان کو اچانک وہ اپنی حالت پر بے خوف تھے) (وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ) عذاب کے اُترنے کی۔

⑯ (وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ) یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات اور "برکۃ" اصل یہ ہے کہ کوئی چیز لگاتار رہے یعنی ہم ان پر لگاتار بارش برساتے اور نباتات اُگاتے اور ان سے قحط اور خشک سالی اُٹھا لیتے۔ (وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ) خبیث اعمال سے۔

⑰ (اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى) جن نے کفر کیا اور جھٹلایا اس حکم سے مکہ والوں اور اس کے اردگرد والے (اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا) ہمارا عذاب (بَيَاتًا) رات رات کو (وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ)

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور کیا ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن

دہرے آپڑے جس وقت کہ وہ اپنے لایعنی قصوں میں مشغول ہوں۔ ہاں تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس (ناگہانی) پکڑ سے بے فکر ہوگئے (سمجھ رکھو کہ) خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا اور ان گذشتہ زمین پر رہنے والوں کے بعد جو لوگ (اب) زمین پر بجائے ان کے رہتے ہیں کیا ان واقعات مذکورہ نے ان کو یہ بات (ہنوز) نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو ان کے جرائم کے سبب ہلاک کر ڈالتے اور ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اس سے وہ سنتے بھی نہیں ان (مذکورہ) بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے لے کر آئے تھے پھر جس چیز کو انہوں نے اول (دہلہ) میں (یکبار) جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں

تفسیر ❾❽ (اَوَ اَمِنَ) اہل حجاز اور اہل شام نے واؤ کو ساکن اور باقی نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ (اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى) یعنی دن کو اور ضحیٰ دن کا ابتدائی حصہ اور سورج کے خوب روشن ہونے کا وقت۔ (وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ) غافل ہوں۔

❾❾ (اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ) اللہ تعالیٰ کا مکر ان لوگوں کو دُنیا کی نعمتیں دے کر ڈھیل دینا ہے۔ عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا پکڑنا اور اس کا عذاب۔

❶⓿⓿ (اَوَلَمْ يَهْدِ) قتادہ اور یعقوب نے "نهد" نون کے ساتھ پڑھا ہے کہ جمع تعظیم کے لیے ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے (لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ) ان کی ہلاکت کے بعد (اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ) یعنی ان کو پکڑلیں اور ہم ان کو سزا دیں (بِذُنُوْبِهِمْ) جیسا کہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو سزا دی ہے (وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ) ایمان کو اور نہیں قبول کرتے نصیحت کو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نطبع" ماقبل سے منقطع ہے کیونکہ "اصبناهم" ماضی ہے اور "نطبع" مستقبل ہے۔

❶⓿❶ (تِلْكَ الْقُرٰى) یہ بستیاں جن کے بسنے والوں کے حالات ہم نے آپ علیہ السلام کو سنائے یعنی قوم نوح و عاد و ثمود اور قوم لوط و شعیب علیہم السلام کے حالات (نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا) کیونکہ ان میں نصیحت ہے (وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ) معجزات و عجائبات (پھر ہرگز نہ ہوا کہ ایمان لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے) یعنی معجزات و عجائب دیکھنے کے بعد بھی اس دین پر ایمان نہ لا سکے جس پر ان کے دیکھنے سے پہلے ایمان نہ لائے تھے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "قد سالها قوم من قبلكم ثم اصبحوا بها كافرين" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی نہیں تھا ان کفار جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے کہ وہ رسولوں کے بھیجنے کے وقت ایمان لے آتے، اس پر جس کی انہوں نے اس سے پہلے تکذیب کی تھی جب ان کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر ان سے میثاق لیا تھا تو انہوں نے زبان سے اقرار کیا اور دل میں تکذیب کو چھپایا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ اگر ہم ان کو ہلاک کرنے کے بعد زندہ کر دیں تو وہ ایمان نہ لائیں گے اس پر جس کی تکذیب انہوں نے اپنی ہلاکت سے پہلے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ولو

رَدّوا لعادوا لمانھوا عنه" کی وجہ سے۔ یمان بن رباب فرماتے ہیں اس معنی پر ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ فرماتے ہیں وہ ان پر ایمان نہیں لانے والے جن کو گزشتہ اُمتوں نے جھٹلایا ہے بلکہ انہوں نے اس کی تکذیب کی جس کی پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "کذلک ما اتی الّذین من قبلھم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون" ہے۔ (كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ) یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلی اُمتوں کے دلوں پر مہر لگا کر ان کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی قوم کے جن کافروں کے بارے میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے ان کے دلوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾

ترجمہ اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا اور موسیٰ نے فرعون کے پاس جا کر (بحکم الٰہی) فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں میرے لئے یہی شایاں ہے کہ بجز سچ کے خدا کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے فرعون نے کہا کہ اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے اگر آپ سچے ہیں بس آپ نے (فوراً) اپنا عصا ڈال دیا سو دفعۃً وہ صاف ایک اژدھا بن گیا۔

تفسیر ﴿١٠٢﴾ (وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ) یعنی میثاق کے دن جس دن تمہیں آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالا تھا اور عہد لیا تھا اس عہد کا پورا کرنا نہ پایا (وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ) یعنی عہد کو توڑنے والے۔

﴿١٠٣﴾ (ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ) یعنی نوح، ھود، صالح اور شعیب علیہم السلام کے بعد (مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا)۔ یعنی اس کا انکار کیا اور ظلم ایک شے کو دوسری کی جگہ رکھنے کو کہتے ہیں اور ان کا ظلم کفر کو ایمان کی جگہ رکھنا تھا (فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ) ہم نے ان کے ساتھ کیسے کیا۔

﴿١٠٤﴾ (وَقَالَ مُوْسٰى) جب فرعون کے پاس گئے (يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ) تیری طرف تو فرعون نے

کہا آپ نے جھوٹ کہا تو موسیٰ علیہ السلام نے جواباً کہا۔

⑩⑤ (حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ) میں اس کا حق دار ہوں کہ اللہ پر صرف حق بات کہوں تو "علٰی" باء کے معنی میں ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے "رنیت بالقوس و رمیت عن القوس" اور "جئت علی حال حال حسنة و بحال حسنة" اس پر اُبی اور اعمش کی قرأت دلالت کرتی ہے "حقیق بان لا اقول" اور ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حریص ہوں اس بات پر کہ اللہ پر صرف حق بات کہوں اور نافع رحمہ اللہ نے "عَلَيَّ" یاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی حق اور واجب ہے مجھ پر تب تو کہ میں اللہ پر صرف حق کہوں۔ (قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ) یعنی عصا (فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ) یعنی ان کا راستہ چھوڑ دے تاکہ وہ ارض مقدس چلے جائیں کیونکہ فرعون ان سے سخت مشقت والے کام کرایا کرتا تھا جیسے اینٹیں بنوانا مٹی ڈھونا وغیرہ۔ تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب یوں دیا۔

⑩⑥ (قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ)

⑩⑦ (فَاَلْقٰى) موسیٰ علیہ السلام نے (عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ)

ثعبان اور جان کی وضاحت

"ثعبان" بڑا اژدھا سانپ۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ دوسری جگہ آیت میں اس کو "جانّ" کہا گیا ہے اور جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ وہ حرکت کرنے میں چھوٹے سانپ کی طرح تھا اور جسم کے اعتبار سے بڑا سانپ تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا سانپ بن گیا۔ اس کا رنگ زرد بالوں والا اس کے جبڑوں کے درمیان اسّی گز کا فاصلہ تھا، زمین سے ایک میل اونچا اُٹھ گیا۔ اس طرح کہ دُم نیچے لگالی اور اپنا نچلا جبڑا بھی زمین پر رکھ لیا اور اوپر والا جبڑا محل کی چھت سے جا لگا اور فرعون کو پکڑنے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ فرعون اس کے خوف سے بھاگا تو پاخانہ بیچ میں نکل گیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس دن چار سو مرتبہ اس کو پاخانہ آیا۔

اور وہ لوگوں پر متوجہ ہوا تو وہ چیخنے لگے اور پچیس ہزار لوگ بھگدڑ سے مر گئے تو فرعون کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام میں آپ علیہ السلام کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے آپ علیہ السلام کو بھیجا ہے کہ اس کو پکڑ لیں، میں آپ پر ایمان لاؤں گا اور بنی اسرائیل کو آپ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دوں گا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا وہ دوبارہ عصا بن گیا۔ پھر فرعون نے کہا کیا کوئی اور نشانی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ⑩⑧ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ⑩⑨ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ⑪⓪ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ⑪① يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ⑪②

ترجمہ اور اپنا ہاتھ باہر نکال لیا سو وہ یکا یک سب دیکھنے والوں کے لئے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے (ضرور) یہ (ہی) چاہتا ہے کہ تم کو ہماری (اس) سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی (ہارون) کو چندے مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا)

تفسیر ⑩⑧ (وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ) یعنی اپنے ہاتھ کو گریبان میں داخل کر کے نکالا اور بعض نے کہا کہ اپنی بغل سے نکالا تو وہ سفید تھا۔ اس میں ایسی روشنی تھی کہ سورج کی روشنی پر غالب آ گئی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کا رنگ گندمی تھا۔ پھر اس ہاتھ کو گریبان میں داخل کیا تو پہلے جیسا ہو گیا۔

⑩⑨ (قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ) یعنی لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے ان کو عصا سانپ لگنے لگا اور گندمی ہاتھ سفید لگنے لگا۔

⑪⓪ (يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ) اے قبطی لوگو! (مِّنْ اَرْضِكُمْ) مصر سے (فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ) یعنی کیا مشورہ دیتے ہو۔ یہ فرعون نے کہا تھا اگرچہ اس کا تذکرہ نہیں ہے اور بعض نے کہا ان سرداروں نے کہا تھا فرعون اور اس کے خواص کو۔

⑪① (قَالُوْٓا) یعنی سردار ڈھیل دے "اَرْجِئْهُ" ابن کثیر، اہل بصرہ اور ابن عامر نے ہمزہ کے ساتھ اور ھاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ پھر نافع، ورش اور کسائی رحمہما اللہ نے ھاء کی زیر کا اتباع کیا ہے اور عاصم اور حمزہ رحمہما اللہ نے ساکن پڑھا ہے اور ابوجعفر اور قالون نے اس کو اختلاس کیا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی اس کو مؤخر کیا ہے اور بعض نے کہا ہے میں اس کو گمان کرتا ہوں۔ (وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ) یعنی سپاہیوں کو بھیج کہ وہ بڑے جادوگروں کو جمع کریں۔ انہوں نے کہا ہے ان مدائن کی طرف مردوں کو بھیج جو ان سے موجود جادوگروں کو تیرے پاس جمع کریں اور جادوگروں کے سردار مدائن الصعید کے آخر میں تھے اگر موسیٰ علیہ السلام ان پر غالب ہو گئے تو ہم ان کی تصدیق کریں گے اور اگر جادوگر غالب آ گئے تو ہم جان جائیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر ہیں۔ (نعوذ باللہ)

⑪② (يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے یہاں اور سورۃ یونس میں "سحار" پڑھا ہے اور سورۃ شعراء میں سب کا اتفاق ہے کہ "سحار" ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ساحر سے مراد وہ جو جادو سیکھا ہو لیکن آگے نہ سکھائے اور "سحار" جو آگے سکھائے اور عملاً جادو کرے اور بعض نے کہا ساحر وہ شخص جس کا جادو کسی وقت چلے اور سحار جس کا جادو دائمی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن اسحاق اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے جب عصا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھی تو سوچا کہ ہم اس سے اسی وقت غالب ہو سکتے ہیں جب کوئی اس سے زیادہ جادو جاننے والا ہو تو اس نے بنی اسرائیل کے کچھ لڑکے "غوصاء" بستی میں بھیجے کہ وہاں ان کو جادو کی تعلیم دی جائے تو وہاں جادوگروں نے ان کو بہت زیادہ جادو سکھایا۔ اُدھر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے

ایک دن کا وعدہ کرلیا اور جادوگروں کو بلوایا تو وہ لڑکے اور ان کے اُستاد سب آ گئے تو فرعون نے پوچھا تم نے کیا کیا؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ ان لڑکوں کو ایسا جادو سکھایا ہے کہ زمین کے جادوگر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ہاں اگر آسمان سے کوئی معاملہ آئے تو یہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر فرعون نے اپنی سلطنت کے تمام جادوگر جمع کروائے۔

فرعون کے جادوگروں کی تعداد

ان جادوگروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہتر تھے دو قبطی اور ستر بنی اسرائیل کے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو مجوسی نینویٰ کے رہنے والے معلم تھے اور ان کے علاوہ ستر جادوگر تھے اور کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بارہ ہزار تھے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار سے زائد تھے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ستر ہزار تھے۔ محمد بن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسّی ہزار تھے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے سردار کا نام شمعون تھا اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جادوگروں کے سردار کا نام یوحنا تھا۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے اگر ہم غالب آئے تو (کیا) ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا۔ فرعون نے کہا ہاں (بڑا انعام ملے گا) اور (مزید برآں) تم (ہمارے) مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ خواہ آپ ڈالیے اور یا ہم ہی ڈالیں موسیٰ نے فرمایا کہ (پہلے) تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کردی اور ان پر ہیبت غالب کردی اور ایک طرح کا بڑا جادو کر دکھلایا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو (وحی کے ذریعہ سے) حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجیے سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے (اژدہا بن کر) ان کے سارے بنائے ہوئے کھیل کو نگلنا شروع کیا۔

تفسیر: ﴿۱۱۳﴾ (وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا) فرعون کو (اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا) اور مال ہے (اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ) اہل حجاز اور حفص رحمہ اللہ نے "ان لنا" خبر کی بناء پر پڑھا ہے اور باقی حضرات نے استفہام کے ساتھ اور سورۃ الشوریٰ میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ استفہام ہے۔

﴿۱۱۴﴾ (قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ) مع مال کے ساتھ میرے ہاں تمہارا بلند مرتبہ ہوگا۔

﴿۱۱۵﴾ (قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ) اپنے عصا اور رسیاں۔

⑪⑥ (قَالَ) موسیٰ علیہ السلام نے (اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ) یعنی لوگوں کی آنکھوں کو اپنے کرتب کی حقیقت پہچاننے سے پھیر دیا اور یہی جادو ہے۔ (وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ) ان پر رعب ڈالا اور ان کو ڈرایا۔ کیونکہ انہوں نے موٹے رسے اور لمبی لکڑیاں ڈالی تھیں تو وہ پہاڑوں کی مثل بڑے سانپ بن گئے اور ساری وادی ان سے بھر گئی اور وہ سانپ ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے۔ یہ میدان ایک میل لمبا اور ایک میل چوڑا تھا۔ لوگوں کو اس میں سانپ اور اژدھے ہی نظر آ رہے تھے۔

⑪⑦ (وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ) جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو وہ اتنا بڑا اژدھا بنا کہ اُفق کو اپنے جسم سے بند کر دیا۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مقابلہ اسکندریہ میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ سانپ کی دُم سمندر تک پہنچ گئی اور اس نے اسّی گز بڑا منہ کھولا (فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ)۔ حفص رحمہ اللہ نے ''تلقف'' لام کے سکون اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی ہو اور دیگر حضرات نے لام کے زبر اور قاف کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ نگلنے لگا۔ (مَا یَاْفِکُوْنَ) جو خیالی جھوٹ انہوں نے بنایا تھا وہ اژدھا ان کے سب عصا اور رسیوں کو ایک ایک کر کے نگل گیا تو بھگدڑ سے پچیس ہزار لوگ مارے گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا تو وہ پہلے جیسا عصا بن گیا۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑪⑧ فَغُلِبُوْا هُنَالِکَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ ⑪⑨ وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ⑫⓪ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑫① رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ⑫② قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَکُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَکْرٌ مَّکَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَافَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ⑫③ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمْ اَجْمَعِیْنَ ⑫④ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ⑫⑤

ترجمہ پس اس وقت حق (کا حق ہونا) ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا و نایا تھا سب آتا جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے (اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ بیشک یہ ایک کارروائی تھی جس پر تمہارا عملدرآمد ہوا ہے اس شہر میں تاکہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو کہ اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ (کچھ پروا نہیں) ہم مر کر اپنے مالک کے پاس ہی جاویں گے۔

تفسیر ⑪⑧ (فَوَقَعَ الْحَقُّ) حسن اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں حق ظاہر ہو گیا۔ (وَبَطَلَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ) یعنی

جادو کیونکہ جادوگر کہنے لگے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کا عمل جادو ہوتا تو ہماری لکڑیاں اور رسیاں باقی بچ جاتیں لیکن وہ تو نہیں تھیں تو وہ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کے حکم سے ہے۔

⑪⑨ (فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ) ذلیل اور مغلوب ہو کر۔

⑫⓪ (وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ) اللہ کے لیے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے سجدہ میں ڈال دیا اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ وہ سجدہ کریں تو انہوں نے سجدہ کیا۔

اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں اتنی تیزی سے سجدہ میں گئے گویا کہ کسی نے ان کو سجدہ میں گرا دیا۔

⑫② ⑫① (قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) فرعون کہنے لگا مجھے مراد لے رہے ہیں تو انہوں نے کہا (رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں کے سردار کو کہا تھا کہ اگر میں غالب آ گیا تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے؟ تو اس نے کہا میں ایسا جادو لایا ہوں کہ کوئی جادو اس پر غالب نہیں ہو سکتا اور اگر آپ علیہ السلام مجھ پر غالب ہو گئے تو میں آپ علیہ السلام پر ایمان لے آؤں گا حالانکہ اس وقت فرعون بھی دیکھ رہا تھا۔ پھر بھی اس نے یہ کہہ دیا۔

⑫③ (قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ) کیا تم ایمان لے آئے۔ حفص رحمہ اللہ نے "آمنتم" جملہ خبریہ پڑھا ہے، یہاں اور سورۃ طٰہٰ اور الشعراء میں اور دیگر حضرات نے استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ "أمنتم به" (قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ) کہ کیا تم نے میری اجازت کے بغیر موسیٰ کی تصدیق کر دی (اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ) یہ ایک سازش تھی جو تم نے اور موسیٰ نے مل کر تیار کی تھی (فی المدينة) تاکہ تم مصر پر غالب آ جاؤ (لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ) میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔

⑫④ (لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ) وہ یہ کہ ہر جانب سے ایک عضو کاٹے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تمہارے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹوں گا۔ (ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ) مصر کی نہر کے کنارے پر۔

⑫⑤ (قَالُوْٓا) یعنی جادوگروں نے فرعون کو کہا (اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ) آخرت میں اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ⑫⑥ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ⑫⑦ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ⑫⑧

(ترجمہ) اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے اے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکالیے اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ کو اور ان کی قوم کو یونہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور وہ آپ کو اور آپ کے

معبودوں کو ترک کیے رہیں فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ہر طرح کا ان پر زور ہے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو (گھبراؤ مت) یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جس کو چاہے مالک (حاکم) بنا دیں اپنے بندوں میں سے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر ⑫⑥ (وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ) یعنی تو ہم سے ناپسند نہیں کرتا اور ضحاک وغیرہ نے فرمایا ہے تو ہم پر عیب نہیں لگاتا اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارا تیرے پر کوئی گناہ نہیں ہے جس پر تو ہمیں عذاب دے۔ (اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا) پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے (رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر ان کو سولی پر چڑھا دیا تھا لیکن دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ فرعون ان پر قدرت نہیں پاسکا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ (لایصلون الیکما بایاتنا أنتما ومن اتبعکما الغالبون) تم دونوں اور تمہارے متبعین ہی غالب رہو گے)

⑫⑦ (وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ) فرعون کو کہنے لگے (اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ) یہاں فساد سے ان کی مراد لوگوں کو فرعون کی عبادت سے ہٹانے کی دعوت دینا ہے (وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ) نہ وہ تیری عبادت کریں گے اور نہ تیرے بتوں کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرعون اپنی ایک گائے کی عبادت کرتا تھا اور جہاں کہیں کوئی خوبصورت گائے دیکھتا تو اس کی عبادت کا لوگوں کو حکم دیتا۔ اس لیے سامری نے ان کے لیے بچھڑا بنایا تھا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گردن پر صلیب لٹکائی ہوئی تھی اس کی عبادت کرتا تھا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے اپنی قوم کے لیے بت بنائے تھے ان کی عبادت کا حکم دیتا تھا اور قوم کو کہتا تھا یہ تمہارے معبود ہیں یعنی میں تمہارا اور تمہارے معبودوں کا رب ہوں کہ ان کو میں نے بنایا ہے اس لیے تو وہ کہتا تھا "انا ربکم الاعلیٰ" ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی اور ضحاک رحمہما اللہ نے "ویذرک والھتک" الف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تیری عبادت چھوڑ دیں گے کیونکہ فرعون کی عبادت کی جاتی تھی وہ کسی کی عبادت نہ کرتا تھا اور بعض نے کہا معبودوں سے سورج مراد ہے کیونکہ وہ لوگ سورج کی عبادت کرتے تھے (قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ) اہل حجاز نے "سَنَقْتُلُ" تخفیف کے ساتھ قتل سے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "تقتیل" سے شد کے ساتھ کثرت کے معنی کی بناء پر پڑھا ہے۔ (وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو اس سال قتل کروا دیتا تھا جس سال کا اس کو کہا گیا تھا کہ اس سال ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تیری بادشاہت ختم کر دے گا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت تک ان کو قتل کرواتا رہا تو اب اس مقابلہ کے بعد بھی کہنے لگا کہ ان پر قتل والا معاملہ پھر شروع کرو تو اس بات کی شکایت بنو اسرائیل نے کی۔

⑫⑧ (قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ) یعنی ملک مصر (يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ) مدد اور کامیابی اور بعض نے کہا نیک بختی اور شہادت اور بعض نے کہا جنت۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْ م بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کی تشریف آوری کے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کردیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا مالک بنادیں گے پھر تمہارا طرزِ عمل دیکھیں گے اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری میں تاکہ وہ (حق بات کو) سمجھ جاویں۔ سو جہاں پر خوشحالی آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے یادرکھو کہ ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے تھے۔

تفسیر ﴿۱۲۹﴾ (قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا) جب جادوگر ایمان لے آئے تو چھ لاکھ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی تو وہ کہنے لگے کہ ہم پر تکلیفیں رہیں (مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا) رسالت ملنے سے پہلے بچوں کو قتل کرنے کی (وَ مِنْ م بَعْدِ مَا جِئْتَنَا) دوبارہ بچوں کو قتل کرنے کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل تو آدھا دن ان سے کام لیتا تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد سارا دن بغیر مزدوری کے کام لیتا تھا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے وہ فرعون کی مٹی سے اس کے لیے اینٹیں بناتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس نے حکم دیا کہ مٹی بھی خود لاؤ۔ (قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ) یعنی ان کے بعد تمہیں مصر میں رہائش دے (فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ)۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے ان کے شہروں اور مالوں کا بنی اسرائیل کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔

﴿۱۳۰﴾ (وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قحط شہر والوں کے لیے اور میووں کا نقصان دیہات والوں کے لیے تھا (لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ) کیونکہ سخت حالات دل کو نرم کردیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرتے ہیں۔

﴿۱۳۱﴾ (فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ) خوش حالی، عافیت، کشادگی (قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ) یعنی ہم اس کے مستحق ہیں اس کو اللہ کا فضل سمجھ کر شکر نہیں کیا (وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ) خشک سالی، آزمائش وغیرہ (يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ) اور کہتے کہ ان کو دیکھنے کی وجہ سے ہمیں تکلیف پہنچی ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور محمد بن مکندر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون کی بادشاہت چار سو سال رہی اور اس کی عمر چھ سو بیس سال تھی اس کو کبھی کوئی مزاج کے خلاف بات بھی نہیں پیش آئی۔ اگر اس مدت میں کبھی بھوک یا

ایک رات کا بخار یا تھوڑی سے جسمانی تکلیف آئی ہوتی تو کبھی رب ہونے کا دعویٰ نہ کرتا (اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ) کہ ان پر جو حالت آئی خشک سالی اور فراوانی اور خیر اور شر کی وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ان کی نحوست وہ ہے جو ان پر فیصلہ کیا اور ان کی تقدیر میں لکھ دیا اور انہی سے ایک روایت ہے کہ ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے اور اسی کی جانب سے ہے۔ یعنی ان پر نحوست ان کے اللہ کا کفر کرنے کی وجہ سے آئی ہے اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بڑی نحوست جو ان کے لیے اللہ کے پاس ہے وہ جہنم کا عذاب ہے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑬۲ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ⑬۳

ترجمہ: اور یوں کہتے (خواہ) کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔ سو تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ۔

تفسیر: ⑬۲ (وَقَالُوْا) یعنی قبطیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا "مهما" کہا "ما" یہ کلمہ شرط اور جزا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ "تأتنا به من آية" علامت۔ (مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا) تاکہ ہمیں ہمارے دین سے ہٹادے (فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ) تصدیق نہ کریں گے۔

فرعون کی قوم پر مختلف قسم کے عذاب نازل ہوئے

⑬۳ (فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ) ابن عباس، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما، قتادہ، محمد بن اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں ان سب کے اقوال آپس میں ملتے جلتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب جادوگر ایمان لے آئے اور فرعون مغلوب ہوگیا تو اس نے اور اس کی قوم نے اسلام لانے سے انکار کردیا اور کفر پر ڈٹ گئے اور شر پھیلانے میں خوب کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر لگاتار کئی نشانیاں بھیجیں اور ان پر قحط اور پھلوں کے نقصان کا وبال آیا لیکن ان چار نشانیوں عصا، ید بیضاء، قحط اور پھلوں کے نقصان کے بعد بھی انہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددعا کی اور کہا اے میرے رب! تیرے بندے فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کی قوم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ توڑا۔ اے میرے رب! ان کو ایسی سزا میں پکڑ جو ان کے لیے سزا ہو اور میری قوم کے لیے نصیحت اور ان کے بعد والوں کے لیے نشانی اور عبرت ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر پانی بھیجا۔ بنی اسرائیل اور قبطیوں کے گھر آپس میں ملے ہوئے اور قریب تھے۔ قبطیوں کے گھر پانی سے اتنے بھر گئے کہ وہ گردن تک پانی میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان میں سے جو بیٹھتا تھا وہ ڈوب جاتا تھا اور ادھر بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک قطرہ بھی پانی کا داخل نہ ہوا اور پانی قبطیوں کی زمینوں میں بھی ٹھہر گیا جس کی وجہ سے وہ نہ کاشت کر سکے اور نہ کوئی دوسرا کام۔ اور

یہ طوفان سات دن رہا ایک ہفتہ کے دن آیا اگلے ہفتہ کے دن تک رہا۔ مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ طوفان سے مراد موت ہے اور وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یمن کی لغت میں طوفان کا معنی طاعون ہوتا ہے۔ ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طوفان سے مراد چیچک ہے دُنیا میں چیچک کا عذاب سب سے پہلے انہی پر آیا تھا اس کے بعد زمین میں باقی رہ گیا۔

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طوفان سے مراد پانی ہے جو ان کی کھیتیوں کے اوپر بلند ہو گیا۔ ابن ظبیان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ طوفان سے مراد اللہ کا امر ہے جس نے ان کا چکر لگایا پھر یہ آیت پڑھی **"فطاف علیها طائف من ربّک وهم نائمون"** کوفہ کے نحوی فرماتے ہیں کہ طوفان مصدر ہے اس کی جمع نہیں آتی جیسے رُجحان اور نقصان ہیں اور اہل بصرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جمع ہے اس کا واحد "طوفانۃ" ہے۔ اس طوفان کے آنے کے بعد ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے رب سے دُعا کریں کہ ہم سے بارش کو دور کر دیں ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دُعا کی، ان سے طوفان ہٹا لیا گیا۔

پھر اس سال اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اتنا چارہ اور فصلیں اور پھل اُگائے کہ اس سے پہلے اتنی فراوانی نہ ہوئی تھی ان کے شہر سرسبز ہو گئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ پانی تو ہمارے لیے نعمت اور خوش حالی تھا۔ پھر بھی ایمان نہ لائے اور ایک مہینہ عافیت سے گزر گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈیوں کو بھیجا، انہوں نے ان کی کھیتیاں اور پھل اور درختوں کے پتے کھا لیے یہاں تک کہ دروازے اور گھروں کی چھتیں اور لکڑیاں اور کپڑے اور سامان اور دروازوں کی لوہے کی میخیں تک کھا گئیں۔ یہاں تک کہ ان کے گھر گر گئے اور ٹڈیاں بھوکی رہنے لگیں کہ کھانے کو کچھ نہ تھا اور بنی اسرائیل کو ان میں سے کوئی تکلیف نہ پہنچی تو وہ چیخنے چلانے لگے اور کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے اپنے رب سے دُعا کریں کہ اگر آپ ہم سے تکلیف کو دور کر دیں تو ہم ضرور آپ پر ایمان لائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام کو خوب عہد و میثاق دیئے تو موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ٹڈیوں کا عذاب دور کر دیا۔ یہ عذاب بھی سات دن ہفتہ کے دن سے ہفتہ تک رہا اور یہ بھی خبر ہے کہ ہر ٹڈی کے سینے پر لکھا ہوا ہوتا تھا "**جندالله الاعظم**" اللہ کا بڑا لشکر اور کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کھلے میدان میں گئے اور اپنے عصا سے مشرق و مغرب کی طرف اشارہ کیا تو ٹڈیاں جہاں سے آئی تھیں وہاں چلی گئیں اور ان کے غلہ جات اور کھیتیوں میں سے کچھ باقی رہ گیا تھا تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں اتنی مقدار کافی ہے ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتے تو انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور اپنے برے اعمال کی طرف لوٹ گئے اور ایک مہینہ عافیت سے رہے۔

قمل کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر "قُمّل" کو بھیجا۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "قُمّل" وہ کیڑا ہے جو گندم سے نکلتا ہے اور مجاہد، سدی، قتادہ اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "قُمّل" چھوٹی ٹڈی جس کے پَر نہ ہوں اور جراد بڑی ٹڈی جس کے پَر ہوں اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ

حمنان ہے یعنی چھوٹی چیچڑی۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جوں ہے اور اسی وجہ سے ابوالحسن نے "القمل" کو قاف کے فتحہ اور میم کے سکون سے پڑھا ہے۔ مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ مصر کے قریب ایک بستی عین شمس کے ایک ٹیلے پر جائیں تو موسیٰ علیہ السلام اس ٹیلہ پر گئے اس کو عصا مارا تو اس پر چیچڑیاں اُمڈ آئیں اور قبطیوں کے باقی پھل اور کھیتیاں بھی کھا گئیں اور زمین تک کو بھی چاٹ لیا اور وہ ان کے کپڑوں میں گھس کر کپڑے اور جسم کو کاٹ دیتی تھیں کوئی کھانا کھا رہا ہوتا تو وہ کھانا چیچڑیوں سے بھر جاتا اور ان پر چیچڑیوں سے بڑی کوئی مصیبت نہ آئی تھی، انہوں نے ان کے بال، چمڑے، پلکیں بھنویں تک لے لیں اور ان کے جسم پر چیچک کی طرح چمٹ گئیں وہ سو نہ سکتے تھے تو وہ چیختے چلاتے موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے کہ ہم توبہ کرتے ہیں اپنے رب سے ہمارے لیے دُعا کریں کہ یہ مصیبت دور کردے تو موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی، یہ چیچڑیاں چلی گئیں لیکن انہوں نے پھر وعدہ توڑا اور اپنے خبیث اعمال کی طرف لوٹ گئے اور کہنے لگے کہ آج سے پہلے ہمیں آپ علیہ السلام کے جادوگر ہونے کا یقین نہ تھا کہ آج تو آپ نے ریت کو کیڑے مکوڑے بنادیا ہے اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم! ہم آپ کا کہنا نہ مانیں گے اور نہ آپ کی تصدیق کریں گے تو وہ عافیت سے ایک ماہ رہے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈک بھیجے جس سے ان کے گھر، صحراء، کھانے اور برتن بھر گئے جو کوئی بھی برتن کا کھانا کھولتا تو اس میں مینڈک ملتے اور آدمی مینڈکوں میں اپنی ٹھوڑی تک ڈوبا رہتا اور اس کو یہ ڈر ہوتا کہ اگر میں نے کسی سے بات کی تو مینڈک میرے منہ میں داخل ہوجائیں گے۔ وہ مینڈک ان کی ہانڈیوں میں کود جاتے، کھانا خراب کردیتے، آگ بجھادیتے، کوئی سونے کے لیے پہلو پر لیٹتا تو اس پر اتنے مینڈک سوار ہوجاتے کہ وہ پہلو نہ بدل سکتا تو اس سے ان کو سخت تکلیف پہنچی۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ مینڈک خشکی کے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو آل فرعون پر بھیجا تو انہوں نے اطاعت کی اور اپنے آپ کو جوش مارتی ہوئی ہانڈیوں اور بھڑکتے ہوئے تندوروں میں ڈال دیتے تو اللہ تعالیٰ ان کی اطاعت سے خوش ہوکر پانی کو ٹھنڈا کردیتے۔ جب آل فرعون نے یہ معاملہ دیکھا تو رونے لگے اور موسیٰ علیہ السلام کو شکایت کی اور کہا کہ اس مرتبہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہیں اب دوبارہ غلطی نہ کریں گے اور بڑے عہد و پیمان لیے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو مینڈک ان سے ہٹالیے۔ یہ بھی سات دن رہے۔ ہفتے سے ہفتہ کے دن تک۔ پھر ایک مہینہ عافیت سے رہے۔ پھر عہد توڑا اور کفر کی طرف لوٹ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب بھیجا تو دریائے نیل خون بن گیا اور ان کے پانی خون بن گئے اور وہ کنوؤں اور نہروں سے پانی نکالتے تو وہ سرخ خون بن جاتا تو انہوں نے فرعون کو شکایت کی اور کہا کہ ہمارے لیے پینے کا پانی نہیں ہے اس نے کہا کہ یہ تمہارا جادو ہے تو قوم کہنے لگی کہ ہمارا جادو کہاں سے آگیا؟ ہم اپنے برتنوں میں پانی نہیں پاتے، صرف خون ہوتا ہے۔ فرعون ایک برتن پر قبطی اور اسرائیلی کو جمع کردیتا تھا جو حصہ قبطی کے سامنے ہوتا وہ خون ہوتا اور جو اسرائیلی کے سامنے ہوتا وہ پانی ہوتا اور وہ مٹکے پر جاتے تو اسرائیلی نکالتا تو پانی ہوتا قبطی نکالتا تو خون ہوتا یہاں تک کہ قبطی عورت پیاس سے بے تاب ہوکر اسرائیلی عورت کے پاس آتی اور کہتی کہ اپنے منہ میں پانی لے کر میرے منہ میں کلی کردے۔

تو اسرائیلی عورت ایسا کرتی جب اس کے منہ میں کلی کرتی تو وہ خون بن جاتا اور فرعون کو پیاس ستاتی تو وہ تر درختوں کو چباتا تو اس کا رس اس کے منہ میں جا کر نمکین کھارا بن جاتا۔ اسی حالت میں سات دن رہے صرف خون پیتے تھے۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو خون ان پر مسلط کیا گیا وہ نکسیر تھا تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور دُعا کا کہا کہ اب ہم ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عذاب دور کر دیا لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ یہ تفصیل ہے اس آیت کی (وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ) اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر عذاب ایک ہفتہ رہتا اور دو عذابوں کے درمیان ایک ماہ کا وقفہ ہوتا۔ (فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ)

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آویں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک وقت خاص تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہم ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے۔

تفسیر: ﴿۱۳۴﴾ (وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ) یعنی جو پچھلی آیت میں عذاب بیان ہوئے ان میں سے کوئی عذاب آتا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رجز سے مراد طاعون ہے۔ یہ ان پانچ عذابوں کے بعد چھٹا عذاب آیا تھا جس سے ایک دن میں شام تک ستر ہزار بندے مر گئے ان کو دفن نہ کیا جا سکا (قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ) یعنی تجھے وصیت کی ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے ساتھ جو تجھے خبر دی ہے اور بعض نے کہا ہے جو آپ کے ساتھ عہد کیا ہے، آپ کی دُعا قبول کرنے کا۔ (لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ) عذاب سے مراد طاعون ہے۔ عامر بن سعد بن ابی وقاص رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو سنا کہ انہوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ تو اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طاعون سزا ہے جو بنی اسرائیل پر بھیجی گئی تھی یا تم سے پہلے لوگوں پر۔ پس جب تم کسی زمین کے بارے میں طاعون کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم کسی زمین میں ہو اور وہاں طاعون آ جائے تو اس سے ڈر کر نہ نکلو۔

⑬⑤ (فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ) یعنی دریا میں غرق ہونے تک (اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ) عہد توڑتے تھے۔

⑬⑥ (فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ) ہم نے ان کو دریا میں (فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ) عذاب کے آنے سے پہلے اور بعض نے کہا کہ ہماری آیات سے اعراض کرتے تھے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ⑬⑦ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ⑬⑧ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑬⑨ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ⑭⓪

ترجمہ اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے اس سرزمین کے پورب اور پچھم کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے تھے کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک (جسم) معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ (منجانب اللہ بھی) تباہ کیا جاوے گا اور (فی نفسہ بھی) ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود تجویز کر دوں حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔

تفسیر ⑬⑦ (وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ) مغلوب تھے اور ذلیل کیے جاتے تھے بیٹوں کو قتل کرنے اور ان کی عورتوں سے خدمت کروا کر۔ یہ قوم بنی اسرائیل ہے (مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا) یعنی مصر اور شام (الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا) پانی اور درختوں اور پھلوں اور خوشحالی اور وسعت دے کر (وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ) یعنی اللہ کا کلمہ پورا ہو گیا اور وہ کلمہ اللہ کا ان سے مدد اور زمین پر قدرت دینے کا وعدہ ہے (بِمَا صَبَرُوْا) ان کے دین پر اور فرعون کے عذاب پر (وَدَمَّرْنَا) ہم نے ہلاک کر دیا (مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ) مصر کی عمارتیں (وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مکان اور محل بنایا کرتے تھے۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ درختوں، پھلوں اور انگوروں سے محل بناتے تھے اور ابوبکر اور ابن عامر رحمہما اللہ نے

"یعرشون" راء کے پیش کے ساتھ یہاں اور النحل میں پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے راء کی زیر کے ساتھ۔

⑬⑧ (وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ عاشوراء کے دن دریا عبور کیا فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ بطور شکر رکھا " فَاَتَوْا" پس وہ گزرے "عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ" مقیم تھے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "یعکفون" کاف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے کاف کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں۔" عَلٰٓی اَصْنَامٍ "بتوں پر "لَّهُمْ" جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہیں اور یہ بچھڑے کے واقعہ کی ابتداء ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ لخم قبیلہ کے تھے اور رقۃ مقام پر رہتے تھے تو بنی اسرائیل نے جب ان کو عبادت کرتے دیکھا تو (قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا) کوئی صورت یا مورتی جس کی ہم عبادت کریں (كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ) یہ بات بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شک کی وجہ سے نہیں کہی تھی اس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے لیے کوئی ایسی چیز بنادیں جس کی ہم تعظیم کریں اور اس کی تعظیم کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور ان کا خیال تھا کہ یہ بات دین کو نقصان نہ دے اور یہ بات انہوں نے سخت جہالت کی وجہ سے کہی تھی (قَالَ) موسیٰ علیہ السلام نے (اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ) اللہ کی عظمت سے جاہل ہو۔

⑬⑨ (اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ) ہلاک کرنے والے ہیں (مَّا هُمْ فِیْهِ) اور تتبیر بمعنی ہلاک کرنا (وَبٰطِلٌ) زائل ہونے والا ہے (مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ)۔

⑭⓪ (قَالَ) موسیٰ علیہ السلام نے (اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ) تمہارے زمانے کے جہان والوں پر۔

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نکلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی جانب تو ہمارا گزر ایک بیری پر ہوا تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے چیزیں لٹکانے کے لیے کوئی جگہ مقرر کردیں جیسا کہ کفار کے لیے ذات انواط تھی کہ کفار اپنے ہتھیار ایک بیری کے ساتھ لٹکا دیتے تھے اور اس کے اردگرد چکر لگاتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر یہ فرمائش ایسے ہے جیسے بنی اسرائیل نے کہا تھا "اجعل لنا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ" البتہ تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے۔

وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ⑭① وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ⑭② وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑭③

ترجمہ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں (کے ظلم وایذا) سے بچالیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو (بکثرت) قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی بیگار اور خدمت کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس (واقعہ) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب کو ان تیس شب کا تتمہ بنایا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہو گیا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت (موعود) پر آئے اور ان کے رب نے ان سے بہت ہی (لطف وعنایت کی) باتیں کیں۔ تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو (خیر) تم بھی دیکھ سکو گے پس اس کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی۔ تجلی نے اس (پہاڑ) کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا بیشک آپ کی ذات منزہ (اور رفیع) ہے میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔

تفسیر ⑭١ (وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ) ابن عامر نے "واذ انجاکم" پڑھا ہے اور اہل شام کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے (مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ) نافع رحمہ اللہ نے تاء کو بغیر شد کے پڑھا ہے قتل سے اور باقی حضرات نے تاء کو شد کے ساتھ پڑھا ہے تقتیل مصدر سے کہ کثرت کے معنی میں ہے۔ (وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ)

⑭٢ (وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً) مکمل ذوالقعدہ (وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ) ذوالحجہ کے دس دن (فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً وَقَالَ مُوْسٰی) دعا کیلئے پہاڑ پر جانے کے وقت (لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ) ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اُبھار کر ان کی اصلاح کرتے رہنا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ ان کے ساتھ نرمی کرنا اور ان کی طرف احسان کرنا (وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ) یعنی جنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی ان کی اطاعت نہ کرنا اور ان کے حکم کی موافقت نہ کرنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا جب وہ مصر میں تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے تو ان کو ایسی کتاب دیں گے جس میں ساری تفصیل ہوگی کہ کیا کام وہ کریں اور کیا چھوڑ دیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کتاب مانگی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ تیس روزے رکھیں، جب تیس دن مکمل ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام کو اپنے منہ سے آنے والی بدبو ناپسند ہوئی تو آپ علیہ السلام نے خرنوب کی لکڑی سے مسواک کر لیا تو فرشتے کہنے لگے ہم آپ علیہ السلام سے کستوری (مشک) کی خوشبو سونگھا کرتے تھے، آپ علیہ السلام نے مسواک کر کے اس کو زائل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ذوالحجہ کے دس دن روزے رکھیں اور فرمایا کہ کیا آپ علیہ السلام کو معلوم

نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو مجھے مشک سے زیادہ پسند ہے ان کی آزمائش ان دس روزوں میں تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ کیا۔

⑭③ (وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ) یعنی اس وقت جس کے بارے میں ہم نے طے کر دیا تھا کہ وہ اپنے رب سے کلام کریں گے اس وقت کلام کیا۔ مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جسم پاک کیا اور کپڑے پاک کیے اپنے رب کے وعدہ کے لیے۔ پس جب طور سینا پہاڑ پر آئے۔

باقی قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار فرسخ دور تاریکی اُتاری اور اس سے شیطان کو بھگا دیا اور زمین کے حشرات کو بھی بھگا دیا اور اس سے دونوں فرشتے الگ ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں کو آسمان میں ٹھہرے ہوئے دیکھا اور عرش کو بالکل واضح دیکھا اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کی اور آپ علیہ السلام سے سرگوشی کی جس کو آپ نے تو سنا لیکن جبرئیل علیہ السلام ساتھ تھے انہوں نے اپنے رب کی کلام کو نہیں سنا اور آپ علیہ السلام کو اپنے سے قریب کیا یہاں تک کہ آپ نے قلم کے چلنے کی آواز سنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب کی کلام بہت لذیذ محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا اشتیاق بڑھ گیا (قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ) زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں اختصار ہے۔ اصل عبارت یہ ہے کہ تو مجھے اپنا آپ دکھا میں تیری طرف دیکھوں۔ اگر یہ سوال ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال کیسے کیا حالانکہ آپ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو دُنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا؟ جواب یہ ہے کہ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوق اتنا غالب ہوا کہ رؤیت کا سوال کر دیا اور بعض نے کہا رؤیت کا سوال اس وجہ سے کیا کہ آپ علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ دُنیا میں رؤیت ممکن تو ہے (قَالَ) اللہ تعالیٰ نے (لَنْ تَرٰىنِيْ) کسی بشر کے لیے یہ طاقت نہیں کہ وہ دُنیا میں میری طرف دیکھے جو میری طرف دُنیا میں دیکھنے کی کوشش کرے گا مر جائے گا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے معبود میں نے تیری کلام کو سنا تو تیری طرف نظر کرنے کا شوق ہوا اور میں تیری طرف دیکھ کر مر جاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ زندہ رہوں اور آپ کو نہ دیکھوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (لن ترانی ولکن انظر الی الجبل)

یہ مدین کا سب سے بڑا پہاڑ تھا۔ اس کو زبیر کہا جاتا تھا۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تو شیطان نے زمین میں غوطہ لگایا اور موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے نیچے سے نکل آیا اور آپ کو وسوسہ ڈالا کہ ابھی آپ علیہ السلام سے شیطان نے کلام کی ہے تو اس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لن ترانی" جن لوگوں نے رؤیت باری تعالیٰ کے امکان کی نفی کی ہے انہوں نے آیت کے ظاہر سے استدلال کیا ہے کہ "لَنْ نفی کی تابید یعنی ہمیشگی کا معنی دیتا ہے۔ لیکن آیت میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ فی الحال یا دُنیا میں آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فی الحال رؤیت کا سوال کیا تھا اور "لَنْ" بھی تابید کے لیے نہیں آتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں خبر دی "لن یتمنوہ ابدا" (وہ اس موت کی تمنا کبھی نہ کریں گے) اور آخرت میں ان کے بارے میں خبر دی کہ وہ موت کی تمنا کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک" اور "یالیتها کانت القاضیة" اور اس رؤیت کے امکان پر یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں ان کی نسبت

جہل کی طرف نہیں کی آپ علیہ السلام کو اتنی بات نہیں معلوم کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اگر ایسا کہتے تو ان مخالفین کی دلیل ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو رویت کو معلق کردیا پہاڑ کے استقرار پر اور اللہ تعالیٰ کی رویت کے وقت پہاڑ کا اپنی جگہ ٹھہرا رہنا کوئی محال نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اس میں اس رویت کی قوت پیدا کردیں اور جس چیز کو غیر محال چیز کے ساتھ معلق کیا جائے وہ بھی محال نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ)

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ کی تفسیر

وہب اور ابن اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے رویت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مویشیوں، بجلیوں اور تاریکی اور گرج اور بجلی کو بھیجا، انہوں نے چار فرسخ کے فاصلے تک اس پہاڑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا جس پر موسیٰ علیہ السلام تھے اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر آئیں تو آسمان دُنیا کے فرشتے موسیٰ علیہ السلام پر گزرے، گائیوں کے ریوڑ کی طرح ان کے منہ سے تسبیح اور تقدیس کی بلند آوازیں آرہی تھیں جیسے سخت بجلی کی آواز۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اُترو تو وہ موسیٰ علیہ السلام پر اُترے ان کی تسبیح اور تقدیس کی بلند آوازیں تھیں تو کمزور بندے عمران کے بیٹے گھبرا گئے ان فرشتوں کو دیکھ کر اور ان کی آوازیں سن کر اور آپ علیہ السلام کے سر اور جسم کے بال کھڑے ہوگئے۔ پھر آپ علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنے سوال پر شرمندہ ہوں، کیا اب مجھے اس جگہ کوئی چیز نجات دے سکتی ہے؟ تو آپ علیہ السلام کو فرشتوں میں سے بہتر اور سردار نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام آپ اپنے سوال پر صبر کریں جو آپ نے دیکھا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اور جو باقی ہے وہ بہت زیادہ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تیسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اُترو تو وہ گدھوں کی مثل اُترے ان کی وجہ سے زمین کانپنے لگی اور سخت آوازیں آنے لگیں ان کے منہ سے تسبیح و تقدیس کی آوازیں آرہی تھیں جیسے بہت بڑا لشکر نعرے لگا رہا ہو ان کے رنگ آگ کے شعلوں کی طرح تھے تو موسیٰ علیہ السلام بہت زیادہ گھبرا گئے اور زندگی سے نااُمید ہوگئے تو بہترین فرشتے نے کہا اے عمران کے بیٹے! اپنی جگہ ڈٹے رہیں حتیٰ کہ وہ چیز دیکھ لیں جس پر آپ علیہ السلام صبر نہ کرسکیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم اُترو تو وہ موسیٰ علیہ السلام پر اُترے تو پہلے والے فرشتوں سے ان کی کوئی مشابہت نہ تھی، ان کے رنگ آگ کے شعلوں کی طرح تھے اور باقی جسم سفید اولوں کی طرح، ان کی آوازیں تسبیح و تقدیس میں اتنی بلند تھیں کہ ان سے پہلے والوں کی آوازیں ان کی آواز کے قرب کو بھی نہ پہنچ سکتی تھیں تو آپ علیہ السلام کے گھٹنے تھک گئے اور دل کانپنے لگے اور بہت زیادہ رونے لگے تو بہترین فرشتے نے کہا اے عمران کے بیٹے! صبر کریں اپنے سوال پر یہ جو کچھ آپ نے دیکھا یہ تھوڑا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانچویں آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم اُترو تو وہ اُترے ان کے سات رنگ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام ان کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے نہ ان جیسے پہلے دیکھے تھے اور ان کی آوازوں جیسی پہلے آوازیں نہیں سنی تھیں تو موسیٰ علیہ السلام کا غم بہت زیادہ

ہو گیا اور بہت زیادہ رونے لگے تو فرشتوں کے سردار نے کہا اے عمران کے بیٹے! اپنی جگہ ٹھہرے رہیں حتیٰ کہ بعض وہ چیزیں دیکھ لیں جس پر آپ صبر نہ کر سکیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چھٹے آسمان والوں کو حکم دیا کہ تم موسیٰ علیہ السلام پر اُترو تو وہ اُترے ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں آگ تھی جس کی روشنی سورج سے زیادہ تھی اور ان کا لباس آگ کے شعلوں کی طرح تھا جب وہ تسبیح و تقدیس کرتے تو ان کی موافقت ان سے پہلے والے آسمان کے فرشتے بھی کرتے تھے، سارے بلند آواز سے یہ تسبیح کہتے "سبوح قدوس ربّ الملائکۃ والرّوح ربّ العزّۃ ابدًا لایموت" ان میں سے ہر ایک کے چار چہرے تھے جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو اپنی آواز ان کے ساتھ تسبیح کہتے ہوئے بلند کی اور روتے رہے اور کہنے لگے اے میرے رب! مجھے یاد رکھ اپنے بندے کو بھول نہ جانا مجھے خبر نہیں کہ اس حالت میں میں چھٹکارا پاسکوں گا یا نہیں؟ اگر نکلتا ہوں تو جل جاؤں گا اور اگر ٹھہرتا ہوں تو مر جاؤں گا تو فرشتوں کے سردار نے کہا اے عمران کے بیٹے! قریب ہے کہ تیرا خوف شدید ہو جائے اور تیرا دل نکل جائے۔ آپ اپنے سوال پر صبر کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کے عرش کو ساتویں آسمان کے فرشتے اُٹھائیں جب عرش کا نور ظاہر ہوا تو اللہ جل جلالہ کی عظمت کی وجہ سے پہاڑ کھل گیا اور تمام آسمانوں کے فرشتوں نے آوازوں کو بلند کیا اور کہنے لگے "سبحان الملک القدوس ربّ العزّۃ ابدًا لایموت" یہ بلند آوازوں سے کہنے لگے تو پہاڑ کانپنے لگا اور اس پر جتنے درخت تھے وہ اُکھڑ گئے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے کہ ان کی روح بھی نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے روح کو بھیجا، اس نے ان کو ڈھانپ لیا اور جس پتھر پر موسیٰ علیہ السلام تھے اس کو پلٹ کر ان پر سائبان بنا دیا تاکہ وہ جل نہ جائیں تو موسیٰ علیہ السلام اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اے میرے رب! میں تجھ پر ایمان لایا اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ تجھے کوئی زندہ آدمی نہیں دیکھ سکتا جس نے تیرے فرشتوں کو دیکھا اس کا دل نکل گیا پس تیری اور تیرے فرشتوں کی عظمت کی کیا نسبت، تو پالنے والوں کا پالنے والا، معبودوں کا معبود بادشاہوں کا بادشاہ ہے، تیرے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی اے میرے رب! میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں، تمام تعریفیں تیرے لیے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے رب کا نور جبل زبیر پر ظاہر ہوا اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حجاب کے نور میں سے بیل کے نتھنے کے برابر نور ظاہر کیا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور کعب احبار رحمہ اللہ کہتے ہیں سوئی کے ناکے کے برابر اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی انگلی کے برابر۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا اسی طرح اور انگوٹھے کو چھوٹی انگلی کے اوپر والے جوڑ پر رکھ کر اشارہ کیا۔ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار نور کے پردوں میں سے ایک درہم کی مقدار ظاہر کیا تو پہاڑ برابر ہو گیا یعنی زمین کے برابر ہو گیا۔

حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے (دکاء) الف ممدودہ کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔ یہاں اور سورۃ کہف میں۔ عاصم رحمہ اللہ نے سورۃ کہف میں موافقت کی ہے اور دیگر حضرات نے (دکاء) الف مقصورہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ پس جس نے

الف مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس کا معنی ہوگا کہ اس کو کوٹا ہوا بنا دیا اور دک اور دق ایک ہیں اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی "دکہ اللہ دکا" اس کو پھاڑ دے گا جیسا کہ فرمایا ہے "اذا دُکت الارض دکّا" اور جنہوں نے الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اس کو زمین کے برابر کر دیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو دکاء بنا دیا اور دکاء ایسی اونٹنی جس کی کوہان نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کو مٹی بنا دیا اور سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہاڑ کو زمین میں گاڑھ دیا۔ یہاں تک کہ وہ سمندر میں چلا گیا اور وہ اس کو بہا لے گیا اور عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ ریت بن گیا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جعله دکّا" یعنی توڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے اور بعض تفاسیر میں واقع ہوا ہے کہ اس کی عظمت کے لیے چھ پہاڑ ہیں تین مدینہ میں واقع ہیں، احد، ودقان، رضوی اور تین مکہ میں۔ ثور، ثبیر اور حراء۔

(وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں غشی کھا کر اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مُردہ حالت میں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جمعرات کے دن یوم عرفہ کو بیہوش ہوئے اور یوم نحر بروز جمعہ کو آپ علیہ السلام کو توریت دی گئی۔ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گرے تو آسمان کے فرشتوں نے کہا ابن عمران اور رؤیت کے سوال کو کیا ہوا؟ اور بعض کتابوں میں ہے کہ آسمان کے فرشتے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے وہ بیہوش تھے ان کو پاؤں سے ہلانے لگے اور کہنے لگے اے حائضہ عورت کے بیٹے! کیا آپ کو رب العزت کی رؤیت کی طمع ہوئی تھی؟ (فَلَمَّآ اَفَاقَ) موسیٰ علیہ السلام کے بیہوشی سے حواس بحال ہوئے تو جان لیا کہ ان ایک ایسے عظیم امر کا سوال کیا تھا جو ان کے لیے مناسب نہ تھا۔ (قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ) کہ تو دُنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں میں بنی اسرائیل میں پہلا شخص ہوں جو آپ پر ایمان لایا۔

قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ (یہی بہت ہے کہ) میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔ تو (اب) جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔

تفسیر: ﴿۱۴۴﴾ (قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ) یعنی میں نے آپ کو اختیار کیا۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ نے "انی" کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح "اخی اشدد" کو۔ اپنے پیغام بھیجنے کا) اہل حجاز نے "برسالاتی" مفرد اور باقی نے جمع پڑھا ہے (وَبِکَلَامِیْ فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ) اللہ کا اس کی نعمتوں پر۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو دیگر رسول بھی بنائے تو موسیٰ علیہ السلام کو "اصطفیتک علی النّاس برسالاتی" کا کہنے کا کیا مطلب ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ رسالت تمام لوگوں کے حق میں عام نہیں ہے تو تمام لوگوں میں سے چند حضرات کو امتیاز دیا ہے یہ ایسے ہے جیسے

کوئی کسی کو کہے کہ میں نے اس بات کے مشورہ میں آپ کو خاص کیا ہے۔ تو یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جہاں میں اور کسی سے مشورہ ہی نہیں کیا۔ اس واقعہ میں یہ بھی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام واپس آ گئے تو نور نے آپ کے چہرے کو ڈھانپا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ کے چہرے کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ آپ وفات تک اسی حالت پر رہے صرف آپ علیہ السلام کی بیوی نے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آپ علیہ السلام کا چہرہ کھول دیا اور ان کو سورج کی شعاع کی طرح کسی چیز نے پکڑا تو انہوں نے ہاتھ چہرے پر پھیر لیا اور سجدہ کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگیں کہ اللہ سے دُعا کریں کہ جنت میں بھی میں آپ علیہ السلام کی بیوی رہوں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر میرے بعد نکاح نہ کیا تو یہ اعزاز ملے گا کیونکہ عورت اپنے آخری خاوند کو ملے گی۔ کعب احبار سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں نیک بخت لوگوں کا تذکرہ دیکھا اور کہا کہ توریت میں میں نے پایا کہ ایک اُمت تمام اُمتوں سے بہتر ہے جو لوگوں کے نفع کے لیے نکالی گئی ہے نیکی کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں اور اللہ پر اور پہلی کتابوں اور آخری کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور گمراہ لوگوں سے جہاد کریں گے یہاں تک کہ کانے دجال سے لڑائی کریں گے۔ اے میرے رب! ان کو میری اُمت بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! (علیہ السلام) وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب توریت میں ایک اُمت کا تذکرہ ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کا شکر کرنے والے ہوں گے جب کسی کام کا ارادہ کریں گے تو کہیں گے ہم یہ کام کریں گے ان شاء اللہ۔ تو اے اللہ! اس اُمت کو میری اُمت بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ پھر عرض کیا کہ اے میرے رب! ایک اُمت کا تذکرہ ہے کہ وہ اپنے کفارے اور صدقات خود کھا سکیں گے حالانکہ پہلے لوگوں کے صدقات آگ سے جلا دیئے جاتے تھے اور ان کی دُعائیں قبول ہوں گی اور سفارش کریں گے ان کی سفارش قبول ہوگی تو اے اللہ! ان کو میری اُمت بنا دے تو اللہ نے فرمایا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔

تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب ایک اُمت کا تذکرہ ہے کہ جب وہ بلندی پر چڑھیں گے تو اللہ اکبر کہیں گے اور جب نیچے اُتریں گے تو اللہ کی تعریف کریں گے، مٹی ان کے لیے پاکی کا ذریعہ ہوگی اور تمام زمین ان کے لیے سجدہ کی جگہ جہاں چاہیں سجدہ کریں، وہ جنابت سے خوب اچھے طریقے سے پاکی حاصل کریں گے اور جب وہ پانی نہ پائیں گے تو مٹی سے پاکی حاصل کرنا ان کے لیے پانی کے حکم میں ہوگا۔ ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے، وضو کے اثر سے تو اس اُمت کو میری اُمت بنا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے ایک اُمت کا تذکرہ پایا کہ ان میں سے کوئی جب نیکی کا ارادہ کرے گا اور نیکی نہ کر سکے گا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر نیکی کر لے گا تو اس کے لیے اس کی دس مثل سے سات سو گنا تک لکھا جائے گا اور جب گناہ کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر گناہ کر لے تو اس کے لیے اس کی مثل گناہ لکھا جائے گا تو ان کو میری اُمت بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔

پھر عرض کیا اے میرے رب! میں نے ایک اُمت کا تذکرہ پڑھا کہ اس پر رحم کیا گیا ہے کہ وہ کتاب کے وارث ہوں گے

ان لوگوں سے جن کو تو نے امتیاز دیا ہے۔ بعض ان میں سے ظالم ہیں اور بعض ان میں سے میانہ روی اختیار کرنے والے اور بعض نیکیوں پر سبقت کرنے والے، میں ان تینوں طبقوں میں سے ہر ایک کو مرحوم (رحمت کیا ہوا) پاتا ہوں تو آپ ان کو میری اُمت بنادیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ پھر عرض کیا اے میرے رب! میں نے ایسی اُمت کا تذکرہ پایا کہ ان کے مصاحف ان کے سینوں میں ہوں گے وہ جنت والوں کے کپڑوں کے رنگ جیسے کپڑے پہنیں گے وہ اپنی صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائیں گے، مساجد میں ان کی آوازیں شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوں گی ان میں سے کوئی ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل نہ ہوگا تو ان کو میری اُمت بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو تعجب ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت کو اتنی خیر مل رہی ہے تو انہوں نے کہا اے کاش! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو راضی کرنے کے لیے تین آیات ان کی طرف وحی کیں۔ "**یا موسٰی ان اصطفیتک علی النّاس برسالاتی وبکلامی**" الی قولہ: "**ساُریکم دار الفاسقین. ومن قوم موسٰی اُمّة یهدون بالحق وبه یعدلون**" تو موسیٰ علیہ السلام بالکل راضی ہو گئے۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

(ترجمہ) اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی (ضروری) نصیحت اور (احکام ضروریہ کے متعلق) ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی تو ان کو کوشش کے ساتھ (خود بھی) عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو (بھی) حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں میں اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں۔

الواح کی مختلف تفاسیر

(تفسیر) ﴿۱۴۵﴾ (وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ توریت کی تختیاں مراد ہیں اور حدیث میں ہے کہ یہ تختیاں جنت کی بیری کی تھیں، تختی کی لمبائی بارہ گز تھی اور احادیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور طوبیٰ درخت کو اپنے ہاتھ سے لگایا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لکڑی کی تختیاں تھیں۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سبز زمرد کی تھیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سرخ یاقوت کی تھیں ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ زمرد کی تھی، اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا وہ ان کو عدن سے لائے اور اس قلم سے لکھا جس سے ذکر لکھا تھا اور نور کی نہر کی سیاہی استعمال کی۔ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سخت چٹان سے تختیاں توڑنے کا حکم دیا اور اس چٹان کو نرم کر دیا تو ان کو اپنے ہاتھ سے توڑا اور تختیاں بنائیں اور موسیٰ علیہ السلام دس کلمات لکھنے کے لیے قلم چلنے کی آواز سن رہے تھے

یہ ذی قعدہ کے پہلے دن ہوا اور یہ تختیاں موسیٰ علیہ السلام کی قامت کے مطابق دس گز تھیں اور مقاتل اور وہب رحمہما اللہ فرماتے ہیں "و کتبنا فی الالواح" انگوٹھی کے نقش کی طرح اور ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں توریت نازل ہوئی تو وہ ستر اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھی، اس کا ایک جزء ایک سال میں پڑھا جاتا تھا، اس کو مکمل صرف چار افراد نے پڑھا ہے۔ موسیٰ، یوشع، عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام نے۔ اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت توریت میں ہزار آیتیں تھیں۔ یعنی "و کتبنا له فی الالواح من کلّ شیء" جو ان کو حکم دیا گیا اور جن کاموں سے منع کیا گیا۔ "موعظة" جہالت سے نہی اور موعظت کی حقیقت اس چیز سے ڈرانا جس کا انجام خوفزدہ ہو۔ (مَّوْعِظَةً) جو ان کو حکم دیئے اور جن کاموں سے روکا)

(وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ) یعنی امر، نہی، حلال، حرام، حدود، احکام وغیرہ ہر چیز کا بیان۔ (فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ) کوششوں کے ساتھ اور بعض نے کہا دل کی قوت اور صحیح ارادے کے ساتھ (وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا) عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے حلال کو حلال سمجھیں اور حرام کو حرام جانیں اور اس کی مثالوں پر غور و فکر کریں اور اس کے محکم پر عمل کریں اور متشابہ سے رُک جائیں موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اس لیے ان کو وہ حکم دیئے گئے جو قوم کو نہیں دیئے گئے تھے۔ قطرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "باحسنها" یعنی اس کا حسن اور یہ تمام حسن تھا اور بعض نے کہا ہے "احسنها" سے فرائض اور نوافل مراد ہیں اور یہ وہ ہیں جن پر ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اس کے علاوہ مباح ہیں کیونکہ وہ ان پر ثواب کا مستحق نہیں ہوتا اور بعض نے کہا ہے "باحسنها" یعنی دو کاموں میں سے اچھا کام ہر چیز میں جیسے درگزر کرنا قصاص لینے سے احسن ہے اور صبر کرنا انتقام لینے سے احسن ہے۔ "ساریکم دار الفاسقین" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا آخرت میں ٹھکانا، حسن اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی جہنم، تم کو ڈراتا ہے کہ تم اس جیسے ہو جاؤ اور قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں عنقریب میں تمہیں شام میں داخل کروں گا تو تم کو گزشتہ اُمتوں کی جگہیں دکھاؤں گا جنہوں نے اللہ کے امر کی مخالفت کی تا کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد فرعون اور اس کی قوم کا گھر ہے وہ مصر ہے اس پر قسامہ بن زہیر کی قرأت دلالت کرتی ہے۔ (سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "دار الفاسقین" کفار کے مرنے کی جگہ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس پر وہ گزرتے ہیں جب وہ عاد اور ثمود کے مکانات سے سفر کرتے ہیں اور پہلی اُمتوں کے مکانات سے جن کو ہلاک کیا گیا ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

(ترجمہ) میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لاویں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو

اپنا طریقہ نہ بناویں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اور ان سے غافل رہے۔

تفسیر ⑭ (سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ کے بندوں پر ظلم کرتے ہیں اور اس کے اولیاء سے جنگ کرتے ہیں کہ وہ مجھ پر ایمان نہ لاسکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی حق سے عناد ہے اس لئے ان کو ہدایت سے محروم رکھوں گا اور قرآنی آیت کو قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے سے پھیر دوں گا۔ دوسری آیت میں بھی اسی طرح کا مضمون آیا ہے۔ فرمایا فلما زاغوا ازاغ الله قلوبهم سفیان ساصرف کی تشریح اس طرح کی کہ میں قرآن کو سمجھنے اور اس کے عجائبات کو جاننے سے روک دوں گا۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین کی پیدائش اور اس میں جو کچھ ہے اس میں غور و فکر و تدبر کرنے سے روک دوں گا۔ بعض نے کہا کہ یہ حکم خاص کر کے مصر والوں کیلئے ہے اور آیات سے مراد نو معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ اکثر مفسرین نے اس آیت کو اپنے عموم پر رکھا ہے۔ (وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ یَّرَوْا) اس سے مراد متکبرین لوگ ہیں۔ "سبیل الرّشد" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "الرَّشد" راء اور شین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے راء کے پیش اور شین کے سکون کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ "السُّقم" اور "السَّقم، البُخل" اور "البَخَلُ" اور "الحُزْن" اور "الحَزَن" کی طرح اور ابو عمران دونوں میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں "الرّشد" پیش کے ساتھ کسی کام میں درستگی اور زبر کے ساتھ دین میں استقامت۔ (وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ یَّرَوْا) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں اور پالیں (لَا یَتَّخِذُوْهُ) اس لئے یہ اپنے لئے اس کو اختیار نہیں کرتے (سَبِیْلًا) (وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ) گمراہی والا راستہ (یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ) اور اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں ایمان نہ لائیں ان پر اور اگر دیکھیں) یہ متکبرین (ہدایت کا راستہ تو نہ ٹھہرائیں اس کو راہ اور اگر دیکھیں رستہ گمراہی کا تو اس کو ٹھہرالیں راہ یہ اس لیے کہ انہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور رہے ان سے بے خبر) ان میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کرنے سے بے خبر اور غافل رہے۔

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑭ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ ۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۚ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُکَلِّمُهُمْ وَ لَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَکَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ⑭ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ⑭ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْ ۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّکُمْ ۚ وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ

وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے اور ان کو وہی سزا دی جاوے گی جو کچھ یہ کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کے بعد اپنے (مقبوضہ) زیوروں کا ایک بچھڑا ٹھہرالیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات تک نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا اس کو انہوں نے معبود قرار دیا تھا اور بڑا بے ڈھنگا کام کیا اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا (یہ) گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی کیا اپنے رب کے حکم (آنے) سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے ہارونؑ نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (بھائی) ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں تم مجھ پر (سختی کر کے) دشمنوں کو مت ہنساؤ اور مجھ کو ان ظالموں کے ذیل میں مت شمار کرو۔

تفسیر: ﴿۱۴۷﴾ (وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ) آخرت کے گھر کی ملاقات کو جو ثواب اور سزا کے وعدہ کی جگہ ہے (حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ) وہ اعمال ضائع ہو گئے گویا کہ انہوں نے وہ اعمال کئے ہی نہیں (هَلْ يُجْزَوْنَ) کیا ان کو آخرت میں بدلہ دیا جائے گا (اِلَّا مَا كَانُوْا) مگر جس بدلے کا یہ سوچ رہے ہیں (يَعْمَلُوْنَ) دنیا میں۔

﴿۱۴۸﴾ (وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ م بَعْدِهٖ) ان کے پہاڑ پر چلے جانے کے بعد (مِنْ حُلِيِّهِمْ) جو انہوں نے قوم فرعون بطور عاریت لیا تھا (عِجْلًا) اور اس کے منہ میں جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشانِ قدم کی مٹی ڈال دی تو وہ بچھڑا تبدیل ہو گیا (جَسَدًا) زندہ اور گوشت وخون (لَهٗ خُوَارٌ) گائے کی آواز کو خوار کہتے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ اور مفسرین رحمہما اللہ کی ایک جماعت کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ وہ جسم بنایا گیا تھا اس میں روح نہ تھی اس سے آواز سنی جاتی تھی اور بعض نے کہا اس کے پیٹ میں ہوا داخل ہو کر نکلتی تو اس سے ہلکی آواز نکلتی تھی اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ بعض نے کہا اس نے ایک ہی دفعہ آواز نکالی اور بعض نے کہا بہت دفعہ آواز نکالی، جب آواز نکالتا وہ لوگ سجدہ میں گر جاتے اور جب خاموش ہوتا تو سجدہ سے اُٹھ جاتے وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی آواز آتی تھی لیکن حرکت نہ کرتا تھا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آواز نکالتا اور چلتا تھا۔ (اَلَمْ يَرَوْا) یعنی جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی (اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا م اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ) یعنی انہوں نے اس کو معبود بنالیا اور وہ کافر تھے۔

﴿۱۴۹﴾ (وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ) یعنی بچھڑے کی عبادت پر نادم ہوئے، عرب ہر نادم شخص کو کہتے ہیں "قد سقط فی

بدیہ" (وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا) ہمارا رب ہماری توبہ کو قبول کرے (وَيَغْفِرْ لَنَا) اور ہماری خطاؤں کو معاف کرے (لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ) حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ "ترحمنا" اور "تغفرلنا" دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ربّنا" باء کے زبر کے ساتھ۔ یہ ندامت اور استغفار موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے کے بعد ہوا تھا۔

⑮ (وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اسف" سخت غصہ کو کہتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اَسِفًا کا معنی ہے غمگین ہونا اور اسف سخت غم اور افسوس (قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ م بَعْدِيْ) یعنی میرے جانے کے بعد تم نے برا عمل کیا۔ کہا جاتا ہے خلفہ بخیر اور بشر جب اس کو جانے کے بعد گھر والوں سے خیر یا شر پہنچے۔

(اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب نے جو چالیس دن کا وعدہ کیا تھا اس میں جلدی کیوں کی؟ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حکم آنے کے بغیر بچھڑے کی عبادت کی۔ (وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ) جن میں توریت تھی اور آپ علیہ السلام نے ان کو اٹھایا ہوا تھا اور شدت غضب سے ان کو زمین پر ڈال دیا راوی کہتے ہیں توریت کی سات تختیاں تھیں جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پھینکا تو وہ ٹوٹ گئیں اور چھ حصے اُٹھا لیے گئے اور ساتواں حصہ باقی رہ گیا تو غیب کی خبریں اُٹھالی گئیں اور نصیحت، احکام اور حلال وحرام کی آیات باقی رہ گئیں۔ (وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ) ان کی مینڈھیوں اور داڑھی سے (يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ) اور ہارون، موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ بنی اسرائیل کو محبوب تھے کیونکہ وہ نرم مزاج تھے (قَالَ) ہارون علیہ السلام (ابْنَ اُمَّ) اہل کوفہ اور شام نے یہاں اور طٰہٰ میں میم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ مراد یہ ہے یا ابن اُمی تو اضافت کی یاء کو حذف کر دیا گیا اور زیر کو باقی رکھا گیا ہے تا کہ اضافت پر دلالت کرے جیسے باری تعالیٰ کا قول "یاعباد" ہے اور اہل حجاز اور اہل بصرہ اور حفص رحمہما اللہ نے میم کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "یا ابن اماہ" کے معنی کی بناء پر اور بعض نے اس کو اسم اور مبنی علی الفتحہ قرار دیا ہے جیسے حضرموت اور خمسة عشر وغیرہ۔ اور ہارون موسیٰ علیہما السلام کے حقیقی بھائی تھے لیکن ہارون علیہ السلام نے ماں کا بیٹا کہا تا کہ وہ ان پر نرمی کریں اور بعض نے کہا ہے کہ ماں شریک بھائی تھے۔ (اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ) لوگوں مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں گے (فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ) بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ میرا مواخذہ نہ کیجئے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ⑮ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ⑮

(ترجمہ) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب میری خطا معاف فرما دے اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں بیشک جن لوگوں نے

گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی اور ہم افتراپردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے پھر وہ ان کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لے آویں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ کا معاف کردینے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

تفسیر ⑮ (قَالَ) موسیٰ علیہ السلام جب ان پر بھائی کا عذر واضح ہوگیا (رَبِّ اغْفِرْلِيْ) مجھے معاف کیجئے جو کچھ میں نے بھائی کے ساتھ کیا (وَلِاَخِيْ) اگر اس سے بچھڑے کے پجاریوں کے روکنے میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے (وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِکَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ)

⑮ (اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ) جنہوں نے اس کو اپنا معبود بنایا (سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ) آخرت میں (وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ جوان کو اپنے آپ کو مارنے کا حکم دیا گیا وہ مراد ہے۔ عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود مراد ہیں ان کو ان کے آباء کے کاموں سے عار دلائی جارہی ہے اور غضب اور ذلت سے مراد جو بنوقریظہ اور بنونضیر کو قتل اور جلاوطنی پیش آئی وہ مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ذلت سے جزیہ مراد ہے (وَکَذٰلِکَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ) ابوقلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم قیامت تک ہر جھوٹ بولنے والے کی سزا یہی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کریں گے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعت ایجاد کرنے والے کی قیامت تک یہی سزا ہے۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑮ وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ⑮ وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْشِئْتَ اَهْلَکْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُکَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ⑮

ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھالیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی اور موسیٰ نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین (پر لانے) کے لئے منتخب کیے سو جب ان کو زلزلہ (وغیرہ) نے آ پکڑا تو موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ کو یہ منظور ہوتا تو آپ اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کردیتے کیا آپ ہم میں کے چند بیوقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کردیں گے یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے ایسے امتحانات سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیں اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں آپ ہی تو ہمارے خبر گیراں ہیں

ہم پر مغفرت اور رحمت فرمایئے اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ بہتر ہیں۔

تفسیر ⑮ (وَلَمَّا سَكَتَ) ساکن ہوگیا (عَنْ مُوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ) جوانہوں نے پھینک دی تھیں اور ان میں سے چھے حصے چلے گئے تھے۔ (وَفِيْ نُسْخَتِهَا) اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے تختیاں مراد ہیں۔ اس لیے کہ وہ لوح محفوظ سے لکھی گئی تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب تختیاں پھینک دیں تو وہ ٹوٹ گئیں اور ان سے دوسرا نسخہ لکھا گیا اور یہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "وفی نسختها" سے اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو اس میں سے منسوخ کر دیا گیا تھا اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو اس میں سے باقی رہا تھا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں پھینک دیں تو وہ ٹوٹ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن روزہ رکھا تو وہ ان کو دو تختیوں میں لوٹا دی گئی۔ "هدى و رحمة" یعنی گمراہی سے ہدایت اور عذاب سے رحمت ہے۔ "للذين كفروا هربهم يرهبون" یعنی اپنے رب سے ڈرنے والوں کے لیے اور "ربهم" میں لام تاکید کی زیادتی کے لیے ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "ردف لكم" ہے اور کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس کو فعل پر مقدم کیا جاتا تو اچھا ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "للرؤيا تعبرون" ہے۔ قطرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ "من ربهم يرهبون" اور بعض نے کہا ہے راہبون ڈرنے والے اور بعض نے کہا ہے "راهبون لربهم" مراد ہیں۔ (هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ)

⑮ (وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا) اسی میں دلیل ہے کہ تمام لوگوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ لائیں جو بچھڑے کی عبادت کی معذرت کریں تو موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمی چنے (فَلَمَّا) وہ اس جگہ آئے تو کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں تو ان کو زلزلہ نے پکڑا تو وہ سب مر گئے اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو اختیار کیا تاکہ یہ لوگ اپنے فعل کی توبہ کریں اور جن کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں ان کے لیے توبہ کا سوال کریں تو یہ دلالت کرتا ہے کہ ان سب نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ قتادہ اور ابن جریج اور محمد بن کعب رحمہما اللہ فرماتے ہیں "اخذتهم الرّجفة" اس لیے کہ انہوں نے قوم کو بچھڑے کی عبادت کرنے سے نہیں روکا تھا اور نہ امر بالمعروف کیا اور نہ نہی عن المنکر کیا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ ستر (۷۰) لوگ جنہوں نے کہا تھا "لن نؤمن لك حتّى نرى الله جهرة فاخذتهم الصاعقة" وہ ان ستر (۷۰) سے پہلے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو چنا تھا تاکہ وہ اپنے رب سے دُعا کریں تو ان کی دُعا میں یہ تھا کہ دُعا میں یہ تھا کہ انہوں نے کہا "اے اللہ! ہمیں وہ عطا کر جو تو نے ہم سے پہلے کسی کو نہیں دیا اور اس کو ہم سے پہلے اور بعد میں کسی کو نہ دینا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دُعا ناپسند کی تو ان کو زلزلہ نے آ پکڑا۔" وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ رجفہ آواز نہیں تھی لیکن جب قوم نے یہ ہیبت دیکھی تو ان کو کپکپی طاری ہوگئی اور دل کانپ گئے حتیٰ کہ قریب تھا کہ ان کے اعضاء جدا ہو جاتے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے خیر کے وزیر اور مطیع وفرمانبردار تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے روتے ہوئے دُعا کی اور اپنے رب

سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ رہنہ ان سے دور کردیا تو وہ مطمئن ہوگئے اور رب تعالیٰ کی کلام سنی۔ (اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ) یعنی موسیٰ علیہ السلام نے (رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ) یعنی بچھڑے کی عبادت سے پہلے ہلاک کردیتا (وَاِيَّايَ) قبطی کے قتل کرنے سے پہلے (اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا) یعنی بچھڑے کی عبادت کرنے والوں نے۔

موسیٰ علیہ السلام کا گمان یہ تھا کہ ان پر یہ سزا بنی اسرائیل کے بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔ مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اتهلكنا" میں استفہام استعطاف یعنی شفقت طلب کرنے کے لیے ہے کہ ان کو ہلاک نہ کیجئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے جرم میں دوسرے کو نہ پکڑیں گے (اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ) جس میں یہ کم عقل لوگ واقع ہوئے ہیں یہ آپ کی آزمائش وامتحان ہے۔ آپ نے اس کے ذریعے ایک قوم کو گمراہ کیا اور ایک قوم کو ہدایت دی اور ان کو محفوظ رکھا حتیٰ کہ وہ آپ کے دین پر ثابت قدم رہے۔ پس یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول۔ (تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۖ اَنْتَ وَلِيُّنَا) گمراہ کردے اس میں جس کو تو چاہے اور سیدھا رکھے جس کو چاہے تو وہی ہمارا تھامنے والا (فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ)

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۖ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۖ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہورہی ہے تو وہ رحمت تو ان لوگوں کے نام تو ضرور ہی لکھوں گا جو کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صیت یہ بھی ہے کہ) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

تفسیر ⑯ (وَاكْتُبْ لَنَا) واجب کردے (فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً) نعمت وعافیت (وَّ فِي الْاٰخِرَةِ) مغفرۃ اور جنت مراد ہے (اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ قَالَ) ہم نے رجوع کیا تیری طرف فرمایا) اللہ تعالیٰ نے (عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی رحمت دُنیا میں ہر نیک اور گناہ گار کو شامل ہے اور قیامت کے دن متقین کے ساتھ خاص ہے۔ عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر چیز پر وسیع ہے لیکن واجب صرف تقویٰ والوں کے لیے ہے کیونکہ کافر بھی مؤمنین کے ساتھ دُنیا میں رزق دیئے جاتے ہیں کیونکہ اللہ کی رحمت وسیع ہے تو وہ اس میں زندگی گزارتے ہیں تو جب آخرت میں جائیں گے تو یہ خاص مؤمنین کے لیے ہوگی۔ جیسے کوئی شخص دوسرے کی آگ سے روشنی حاصل کررہا ہو جب چراغ والا چلا جائے گا تو روشنی بھی چلی جائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قتادہ اور ابن جریج رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب آیت نازل ہوئی "ورحمتی وسعت کل شیء" تو ابلیس نے کہا میں اس شئی میں سے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ) یہود نے اس کی تمنا کی اور کہنے لگے کہ ہم تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لیے یہ انعام بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

⑰ (اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ) نوفل بکالی حمیری فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو لے کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ میں تمہارے لیے ساری زمین کو سجدہ گاہ اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادوں گا جب نماز کا وقت ہو جہاں دل کرے نماز پڑھ لو مگر بیت الخلاء، حمام یا قبر کے پاس نہ پڑھ سکو گے اور میں تمہارے دل میں سکینہ ڈال دوں گا تم اپنی یادداشت سے توریت کو پڑھو گے، مرد وعورت، آزاد، غلام، بچہ، بڑا سب پڑھیں گے موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات قوم کو بتائی۔

تو وہ کہنے لگے ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ صرف کنیسوں میں نماز پڑھیں اور سکینہ کو دل میں اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اور توریت کو زبانی پڑھنے کی ہم میں طاقت نہیں، ہم تو اس کو دیکھ کر پڑھنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہ انعام اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لیے خاص کردیا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے ان میں بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اس اُمت میں نہیں ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں بنی اسرائیل کا وفد لایا اور آپ نے ہمارا انعام دوسروں کو دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ومن قوم موسٰی اُمّة یھدون بالحق وبه یعدلون" تو موسیٰ علیہ السلام راضی ہوگئے۔ "النبی الاُمّی" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ وہ اُمی تھے نہ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے اور نہ حساب وکتاب جانتے تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اُمی اُمت ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب۔ (رواہ البخاری)

اُمی کی نسبت اُم بمعنی ماں کی طرف ہے یعنی وہ اسی حالت پر ہے جس پر اس کی ماں نے جنا تھا۔ بعض نے کہا یہ اُم القریٰ یعنی مکہ کی طرف منسوب ہے (الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ) اس کی صفات اور نبوت کا ذکر پاتے ہیں (مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

وَالْاِنْجِيْلِ) عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ملا تو میں نے کہا کہ مجھے بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توریت میں کیا صفات بیان ہوئی ہیں۔ انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے اللہ کی قسم! توریت میں ان کی بعض وہ صفات ہیں جو قرآن مجید میں بھی ہیں۔ اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اُمیوں کے لیے حرز بنایا تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا نہیں ہے سخت مزاج، نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا لیکن عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے کہ وہ "لا الٰه الاّ اللّٰه" کہنے لگیں اور اس کے ذریعے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور بند دل کھل جائیں۔ اس حدیث میں متابع عبدالعزیز بن ابی سلمۃ ہیں۔ کعب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے توریت میں لکھا ہوا پایا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نہ سخت مزاج نہ ترش رو اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں لیکن معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ اُن کی اُمت حمادون ہے کہ ہر مرتبہ میں اللہ کی تعریف کرتی ہے اور ہر اونچی جگہ پر اس کی بڑائی بیان کرتی ہے۔ وہ اپنی نصف پنڈلی پر تہبند رکھتے ہیں اور اپنے اعضاء کا وضو کرتے ہیں، ان کی نماز کی صفیں اور جہاد کی صفیں برابر ہیں۔ ان کا منادی آسمان کی فضا میں آواز لگاتا ہے۔ رات میں ان کی بھنبھناہٹ شہد کی مکھیوں کی طرح ہوتی ہے۔ اس کی پیدائش مکہ میں اور ہجرت طابہ میں اور حکومت شام میں ہوگی (يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ) ایمان کا (وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ) یعنی شرک سے۔ بعض نے کہا معروف شریعت اور سنت ہے اور منکر وہ کام جو شریعت اور سنت میں نہ ہو (وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ) یعنی جو وہ جاہلیت میں حرام کرتے تھے جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام۔

(وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ) یعنی مُردار، خون، خنزیر کا گوشت، زنا وغیرہ حرام چیزیں (وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ) ابن عامر رحمہ اللہ نے "آصارھم" جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور اصر ہر وہ قول یا فعل جو انسان پر بوجھل ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، ضحاک، سدی اور مجاہد رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ یعنی وہ پختہ عہد جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا توریت پر عمل کرنے کا۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ سختی جو ان پر دین کے معاملہ میں ہوئی تھی (وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ) جیسے اپنے آپ کو قتل کرنا اور گناہ گار اعضاء کو کاٹنا اور کپڑے سے نجاست کو کاٹ کر اُتارنا اور قتل کی صورت میں صرف قصاص متعین ہونا اور دیت کا لینا حرام ہونا اور ہفتہ کے دن کام حرام ہونا اور ان کی نماز کنیسہ کے علاوہ کہیں جائز نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ دیگر سختیاں ان کو بیڑیوں سے تشبیہ دی گئی جو ہاتھ گردن پر باندھ دیتی ہیں (فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے (وَعَزَّرُوْهُ) اور ان کی توقیر کی (وَنَصَرُوْهُ) اور دشمنوں پر ان کی مدد کی۔ (وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ) یعنی قرآن (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَانِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو (ایسے) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (ایسے) نبی امی پر (بھی) جو کہ (خود) اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (نبی) کا اتباع کرو تا کہ تم راہ (راست) پر آ جاؤ اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو (دین) حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۵۸﴾ (قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَانِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ) یعنی آیات پر اور وہ قرآن ہے اور مجاہد، سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یعنی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور دلیل میں یہ آیت پڑھی "كلمة القها الى مريم" (وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ)

﴿۱۵۹﴾ (وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى) یعنی بنی اسرائیل میں (اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ) حق کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ کلبی اور ضحاک اور ربیع رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قوم چین کے پیچھے اقصیٰ مشرق میں نہر اُردن پر آباد تھی ان میں کسی کے پاس اپنے ساتھی سے کم مال نہ تھا، رات کو بارش ہوتی اور دن کو جانوروں کو وہی پانی پلاتے اور کاشت کرتے۔ ذکر کیا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئے تو راستے میں ان سے کلام کیا تو جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا، تمہیں علم ہے کہ کس سے بات کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی اُمی ہیں تو وہ آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہمیں وصیت کی تھی کہ تم میں سے جو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پائے تو ان پر میری طرف سے سلام پڑھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے سلام کا جواب دیا۔ پھر ان کو قرآن کی دس سورتیں پڑھائیں جو مکہ میں اُتری تھیں اور ان کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا اور ان کو حکم دیا کہ اپنی جگہ رہیں، یہ لوگ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے تو آپ علیہ السلام نے ان کو اس کے چھوڑنے کا حکم دیا اور فرمایا جمعہ کے دن عبادت کیا کرو بعض نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود میں سے ایمان لے آئے تھے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ؕ

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی اور (ایک انعام یہ کہا کہ) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جبکہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو بس (مارنے کی دیر تھی فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (چنانچہ) ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے ان پر ابر کا سایہ فگن کیا اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ان کو ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں (اور اجازت دی کہ) کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) اور (عاجزی سے) جھکے ہوئے دروازہ میں داخل ہونا ہم تمہاری (پچھلی) خطائیں معاف کر دیں گے (یہ تو سب کیلئے ہوگا اور) جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید برآں اور دینگے سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی۔ اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔

تفسیر: ﴿۱۶۰﴾ (وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا) ہم نے بنی اسرائیلوں کو فرقہ فرقہ میں کر دیا۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اثنتی عشرہ" مؤنث ذکر کیا ہے حالانکہ سبط مذکر ہے اس وجہ سے کہ اس کا تعلق "اُمَمًا" سے ہے اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو بارہ مختلف جماعتوں میں جدا جدا کر دیا اور "اسباطا امما" جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے حالانکہ دس سے اوپر کی تفسیر جمع کے ساتھ نہیں کی جاتی۔ پس "اتانی اثنا عشر رجالا" نہیں کہا جائے گا؟ جواب یہ ہے کہ اسباط حقیقت میں مفسر محذوف کی صفت ہے اور وہ فرقۃ ہے یعنی "وقطعناهم اثنتی عشرة فرقة امما" اور بعض نے کہا ہے اس میں تقدیم اور تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "وقطعناهم اسباطا امما اثنتی عشرة" اور الاسباط قبائل اس کا واحد سبط ہے۔ (وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ) وادی تیہ میں (اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ) اور ابو عمرو بن علاء کہتے ہیں جاری ہوئے پھر پھوٹ پڑے۔ (اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا) ہر جماعت کا ایک چشمہ (قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ) ہر جماعت ایک باپ کی اولاد تھی (وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ) وادی تیہ میں جوان کو سورج کی گرمی سے بچاتا تھا (وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ)

﴿۱۶۱﴾ (وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ) اہل مدینہ، ابن عامر اور یعقوب رحمہما اللہ نے "تغفر" تاء پر پیش کے ساتھ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ اور باقی حضرات نے نون اور اس پر زبر پڑھی ہے اور فاء کے کسرہ کے ساتھ (خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ) اہل مدینہ اور یعقوب نے "خطیئاتکم" جمع اور پیش

کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے جمع کا صیغہ اور تاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ (سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ)

۱۶۲ (فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ)

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۱۶۳ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۚ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۱۶۴

ترجمہ: اور آپ ان (اپنے ہم عصر یہودی) لوگوں سے (بطور تنبیہ) اس بستی والوں کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھئے جبکہ وہ ہفتہ کے بارہ میں حد (شرعی) سے نکل رہے تھے جبکہ ان کے ہفتے کے روز تو ان (کے دریا) کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں ہم ان کی اس طرح پر (شدید) آزمائش کرتے تھے اس سبب کہ وہ (پہلے سے) بے حکمی کیا کرتے تھے۔ اور (اس وقت کا حال پوچھے) جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے (اور اپنے) رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور (نیز) اس لئے کہ شاید یہ ڈر جاویں۔

تفسیر: ۱۶۳ (وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ) یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے پڑوسی یہودیوں سے اس بستی کے بارے میں سوال کریں جو دریا کے کنارے تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس بستی کا نام ایلہ تھا۔ مدین اور طور کے درمیان دریا کے کنارے آباد تھی اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ طبریۃ الشام ہے (اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ) یعنی مچھلی کا شکار کر کے اللہ کے حکم سے تجاوز کیا (اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا) یعنی پانی کے اوپر ظاہر ہو کر کثیر تعداد میں یہ شارع کی جمع ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لگا تار آتیں اور قصہ میں یہ بات منقول ہے کہ ہفتہ کے دن سفید موٹے مینڈھوں کی طرح موٹی مچھلیاں ان کے سامنے آتیں۔ (وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ) حسن رحمہ اللہ نے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ ہفتہ میں داخل نہ ہوتے تھے اور معروف قرأت یاء کے نصب کے ساتھ اور اسی کا معنی یہ ہے کہ وہ ہفتہ کی تعظیم نہ کرتے تھے (كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ) تو ان کو شیطان نے وسوسہ ڈالا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن شکار سے منع نہیں کیا بلکہ مچھلی کھانے سے منع کیا ہے تو تم شکار کرلو اور بعض نے کہا کہ ان کو یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہیں پکڑنے سے منع کیا گیا ہے تو تم سمندر کے کنارے ایک کھالا بنالو اس میں ہفتہ کے دن مچھلیاں ہانک دیا کرو، پھر اتوار کے دن پکڑ لیا کرو تو کافی عرصہ وہ یہ کام کرتے رہے۔ پھر ہفتہ کے دن شکار کرنے پر ان کی جرأت بڑھ گئی اور کہنے لگے کہ ہمارا خیال ہے کہ

ہفتہ کا دن ہمارے لیے حلال کر دیا گیا ہے تو ان کو پکڑ کر کھا جاتے یا بیچ دیتے تو بستی والے تین جماعتوں میں بٹ گئے اور یہ ستر ہزار کے قریب تھے۔ ایک تہائی نے ان کو منع کیا اور ایک تہائی نے منع نہیں کیا بلکہ سکوت کیا اور کہنے لگے تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے اور ایک تہائی گناہ گار لوگوں کی تھی جب وہ باز آ گئے تو منع کرنے والے کہنے لگے کہ ہم ایک بستی میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتے تو انہوں نے بستی کو دیوار کھڑی کر کے تقسیم کر دیا۔ مسلمانوں کے لیے ایک دروازہ اور ان لوگوں کے لیے ایک دروازہ ہے اور ان کو داؤد علیہ السلام نے لعنت کی تو منع کرنے والوں نے ایک دن صبح کی تو حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے کوئی نہ نکلا تو وہ کہنے لگے کہ شاید شراب کا نشہ ان پر غالب آ گیا ہے تو وہ دیوار پھلانگ کر ان کے حصہ میں گئے تو دیکھا کہ وہ سب بندر اور خنزیر بنے ہوئے تھے تو بندروں نے اپنے رشتہ دار انسانوں کو پہچان لیا لیکن انسان اپنے بندر رشتہ داروں کو نہ پہچان سکے تو بندر اپنے رشتہ داروں کے پاس آ کر ان کے کپڑے سونگھ کر روتے تو وہ انسان کہتے کیا ہم نے تمہیں روکا نہیں تھا؟ تو وہ سر ہلا کر ہاں کرتے تو اس قوم میں سے صرف منع کرنے والے بچے باقی سب کی شکلیں بگڑ گئیں۔ یا سب ہلاک ہو گئے۔

⑯④ (وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا نِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ) اس قول کے قائلین میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ہلاک ہونے والے فرقہ کے لوگ تھے کیونکہ جب ان کو کہا جاتا کہ تم اس برے عمل سے باز آ جاؤ عذاب آنے سے پہلے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنا عذاب نازل کرنے والا ہے اگر تم باز نہ آئے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جن کو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے (اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ط قَالُوْا) ای منع کرنے والے کہنے لگے (مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ) یعنی ہم یہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت کرنے کے لیے کر رہے ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ ساکن فرقہ کا قول ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے اور مطلب یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینا ہم پر واجب ہے۔ پس ہم پر نصیحت لازم ہے یہ عذر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف (وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ) یعنی اللہ سے ڈریں اور معصیت چھوڑ دیں، اگر خطاب حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہوتا تو "لعلکم تتقون" کہتے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ م بَئِيْسٍ م بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ⑯⑤ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ⑯⑥ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ط اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑯⑦ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ⑯⑧

ترجمہ: سو (آخر) جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا (یعنی نہ مانا) تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے اور ان کو جو زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا بسبب اس کے

کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے یعنی جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ جب آپ کے رب نے یہ بات بتلا دی کہ وہ ان یہود پر قیامت (کے قریب) تک ایسے (کسی نہ کسی) شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید تکلیف پہنچاتا رہے گا بلاشبہ آپ کا رب واقعی (جب چاہے) جلدی ہی سزا دیدیتا ہے اور بلاشبہ وہ (واقعی اگر کوئی باز آجائے) تو بری مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے اور ہم نے دنیا میں ان کی متفرق جماعتیں کردیں بعضے ان میں نیک تھے اور بعضے ان میں اور طرح کے (بھی) تھے (یعنی بد) اور ہم ان کو خوشحالیوں (صحت اور غنا) اور بدحالیوں (بیماری وفقر) سے آزماتے رہے کہ شاید باز آجاویں۔

تفسیر ⑯ (فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ) یعنی جو ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کو چھوڑ دیا (اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا) یعنی نافرمان جماعت کو (بِعَذَابٍ ۢ بَئِيْسٍ) یعنی سخت تکلیف دینے والے میں البأس سے ہے یعنی سختی اس کی قرأت میں اختلاف ہے۔ اہل مدینہ اور ابن عامر نے (بِیْسٍ) باء کی زیر کے ساتھ فعل کے وزن پر پڑھا ہے مگر ابن عامر اس کو ہمزہ دیتے ہیں اور ابوجعفر اور نافع ہمزہ نہیں پڑھتے اور عاصم نے ابوبکر کی روایت میں باء کے زبر اور باء کے سکون کے ساتھ اور ہمزہ کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ فیعل کے وزن پر صیقل کی طرح اور دیگر حضرات نے فعیل کے وزن پر بصیر اور صغیر کی طرح پڑھا ہے (بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے نافرمان اور فرمانبردار فرقہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تو سنا "انجینا الّذین ینھون عن السّوء واخذنا الّذین ظلموا بعذاب بئیس" لیکن یہ معلوم نہیں کہ خاموش فرقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول سن کر عرض کیا کہ اللہ مجھے آپ پر فدا کردے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس خاموش فرقہ نے ان کے اس فعل کو ناپسند کیا اور کہنے لگے تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والے ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دینے کا ذکر نہیں کیا تو ان کو ہلاک کرنے کا بھی ذکر نہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کو میرا قول بڑا اچھا لگا اور میری رائے سے راضی ہوگئے اور مجھے دو چادریں پہنائیں اور فرمایا کہ خاموش فرقہ بھی نجات پا گیا۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منع کرنے والے نجات پاگئے اور باقی دونوں فرقے ہلاک ہوگئے اور یہ سخت ترین آیت ہے۔ "نھی عن المنکر" کے چھوڑنے میں۔

⑯ (فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے معصیت کو چھوڑنے سے انکار کردیا (قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ) دور کیے ہوئے تو وہ تین دن ٹھہرے رہے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور لوگ ان کو دیکھتے تھے پھر وہ ہلاک ہوگئے۔

⑯ (وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ) یعنی اطلاع کردی۔ کہا جاتا ہے کہ "تاذّن" اور "اذن توعّد" اور "اوعد" کی طرح ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "تاذّن قال" کے معنی میں ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکم دیا تیرے رب نے۔ (لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ) اللہ تعالیٰ نے ان پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کی اُمت کو بھیجا جوان سے اس وقت تک قتال کرتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ دینے لگیں۔ (اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ)

⑯⑧ (وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو فرقوں میں تقسیم کردیا تو ان کی قوت منتشر ہوگئی (مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور ایمان لے آئے (وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِکَ) یعنی جو کفر پر باقی رہے (وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ) ہریالی اور عافیت دے کر (وَالسَّیِّاٰتِ) خشک سالی اور سختی کے ساتھ (لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ) تاکہ وہ اپنے رب کی اطاعت کی طرف آجائیں اور توبہ کرلیں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯⑨

ترجمہ: پھر ان کے بعد ایسے لوگ جانشین ہوئے کہ کتاب (تورات) کو ان سے حاصل کیا اس دنیائے دنی کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور (اس گناہ کی حقیر سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہوجائے گی حالانکہ اگر ان کے پاس (پھر) ویسے ہی مال و متاع (دین فروشی کے عوض) آنے لگے تو اس کو لے لیتے ہیں کیا ان سے اس (کتاب) کا عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ (بھی) لیا اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے (اس دنیا سے) بہتر ہے جو (ان عقائد و اعمال صبیحہ سے) پرہیز رکھتے ہیں کیا پھر (اے یہود) تم نہیں سمجھتے۔

تفسیر: ⑯⑨ (فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ) یعنی ان لوگوں کے بعد آئے جن کی ابھی ہم نے صفات بیان کیں (خَلْفٌ) خلف زمانہ جو زمانہ کے بعد آئے۔ ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلف لام کے سکون کے ساتھ بمعنی اولا د واحد اور جمع اس میں برابر ہیں۔ "خَلَفَ" لام کے فتحہ کے ساتھ بمعنی بدل خواہ اولاد ہو یا مسافر۔ ابن الاعرابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں خلف لام کے فتحہ کے ساتھ نیک اور لام کے جزم کے ساتھ بد۔ اور نضر بن شمیل کہتے ہیں الخلف لام کی حرکت اور سکون کے ساتھ ہو تو اس سے برا قرن مراد ہے اور اگر لام کی حرکت کے ساتھ ہو تو پھر نیک قرن ہوتا ہے اور محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اکثر مدح میں لام کے زبر کے ساتھ آتا ہے اور ذم میں لام کے سکون کے ساتھ کبھی ذم میں حرکت دی جاتی ہے اور مدح میں سکون۔ (وَّرِثُوا الْکِتٰبَ) ان کی طرف ان کے آباء سے کتاب یعنی توریت منتقل ہوئی۔ (یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی) عرض دُنیا کا سامان۔ اور "عَرِض" راء کے سکون کے ساتھ دراہم و دنانیر کے علاوہ مال اور ادنیٰ سے مراد جہاں یعنی یہ فانی دُنیا۔ یہ یہود توریت کے وارث ہوئے، اس کو پڑھا اور اس پر عمل کو ضائع کردیا اور اس کے حکم کی مخالفت کی اللہ کے حکم میں اور اس کے کلمات کو تبدیل کرنے میں رشوت

لیتے تھے (وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُلَنَا) ہمارے گناہ۔ اللہ پر باطل تمنا کرتے ہیں۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو جانا اور موت کے بعد کے لیے عمل کیا اور عاجز وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہش کے پیچھے لگا دیا اور اللہ پر جھوٹی تمنائیں کرنے لگے (وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ) یہ ان کے دُنیا کے حرص اور گناہوں پر اصرار کی خبر دی ہے کہ جب ان کے سامنے دُنیا کی کوئی چیز آ جائے تو اس کو لے لیں گے حلال ہو یا حرام اور اللہ سے مغفرت کی تمنا کرنے لگیں اور اگلے دن پھر کوئی چیز ملے تو اس کو لے لیں گے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل جس کو قاضی بناتے وہ فیصلہ کرنے کے لیے رشوت لیتا تو اس کو کہا جاتا تو رشوت کیوں لیتا ہے؟ تو وہ کہتا میری مغفرت ہو جائے گی تو دوسرا اس پر طعن کرتا۔ پھر وہ قاضی جب مر جاتا اور دوسرا جو اس پر طعن کرتا تھا وہ قاضی بنتا تو وہ بھی رشوت لیتا۔ (اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ) یعنی تورات میں ان سے عہد لیا ہے کہ وہ اللہ پر باطل نہ کہیں اور وہ گناہ پر ڈٹے رہنے کے باوجود مغفرت کی تمنا کرتے ہیں اور تورات میں گناہ پر اصرار کے ساتھ مغفرت کا وعدہ نہیں کیا گیا (وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ) اور انہوں نے پڑھا ہے جو کچھ جو اس میں ہے اس نے پڑھا ہے اور ان کو یہ یاد بھی ہے اور اگر وہ اس کو سمجھ لیتے تو آخرت کے گھر کیلئے عمل کرتے اور درس الکتاب اس کا پڑھنا اور بار بار اس میں غور و فکر کرنا۔ اس میں لکھا ہے (وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ)

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌ ۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ ۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ: اور (ان میں سے) جو لوگ کتاب کے پابند اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کو جو اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ (جلدی) قبول کرلو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے (یعنی تورات) مضبوطی کے ساتھ اور یاد کرو جو احکام اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔ اور جبکہ آپ کے رب نے اولاد آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے محض بے خبر تھے۔

تفسیر: ﴿۱۷۰﴾ (وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ) ابوبکر رحمہ اللہ نے عاصم سے "یمسکون" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور

اکثر کی قرأت شد کے ساتھ ہے اس لیے کہ کہا جاتا ہے "مسکت بالشیء" اور "امسکت بالشیء" نہیں کہا جاتا صرف "امسکتہ" کہا جاتا ہے۔ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے "والذین تمسّکوا بالکتاب" ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور یہ قرأت عمدہ ہے کیونکہ آگے "واقاموا الصّلوٰۃ" ماضی ہے اور ماضی کا مستقبل پر عطف بہت کم ہے ہاں معنی کے اعتبار سے ہو تو وہ کثیر ہے اور مراد وہ لوگ ہیں جو کتاب پر عمل کرتے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اہل کتاب کے مؤمنین ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کہ انہوں نے اس کتاب کو مضبوطی سے تھاما جو موسیٰ علیہ السلام پر اُتری نہ اس میں تحریف کی اور نہ اس کو چھپایا اور اس کو کمائی کا ذریعہ بھی نہیں بنایا اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں (وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ)

⓫ (وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ) یعنی ہم نے اکھاڑا (كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ) مورج کا قول ہے کہ ہم نے پہاڑ کو ان سے جدا کیا۔ فراء کا قول ہے کہ ہم نے ان پر معلق کیا۔ بعض نے کہا کہ ہم نے اسے بلند کیا (کانہ ظلۃ) عطاء کا قول ہے کہ ظلۃ سے مراد چھت ہے بعض نے کہا ہر وہ چیز جو سایہ کرے (وظنوا انھم واقع بھم خذوا) اور ہم نے ان کو کہا کہ پکڑ لو۔ (ما اٰتینا کم بقوۃ) کوشش اور اجتہاد سے (واذکروا ما فیہ) مثل سائبان کے اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا ہم نے کہا پکڑو جو ہم نے تم کو دیا ہے زور سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے) اور اس کے ساتھ عمل کرو (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) اور یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے تورات کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ اُٹھا دیا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو ان میں سے ہر ایک سجدہ میں گر گیا بائیں پہلو پر اور اپنی دائیں آنکھ سے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے اس خوف سے کہ وہ ان پر گر پڑے۔ اسی وجہ سے یہودی اپنے بائیں پہلو پر سجدہ کرتے ہیں۔

ذریت آدم کو پشت آدم سے نکالنے اور عہد کا واقعہ

⓬ (وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ) مسلم بن یسار جہنی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام سے بھی یہی سوال کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر ان کی پیٹھ پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور اس سے کچھ مخلوق نکالی اور فرمایا کہ ان کو میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں والے کام کریں گے۔ پھر ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس سے مخلوق نکالی تو فرمایا کہ ان کو میں نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں والے کام کریں گے تو ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتے ہیں تو اس کو جنتیوں کے کام

کرنے کی توفیق دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ جنتیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے تو اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو جہنم کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس کو جہنمیوں والے کاموں پر لگاتا ہے حتیٰ کہ وہ جہنمیوں کے عملوں میں سے کسی عمل پر مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ ابوعیسیٰ (امام ترمذیؒ) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور مسلم بن یسار کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ (اور بعض حضرات نے اس سند میں مسلم بن یسار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک آدمی کا واسطہ ذکر کیا ہے مقاتل رحمہ اللہ و دیگر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت کے دائیں پہلو کو چھوا تو سفید اولاد نکالی، چیونٹیوں کی طرح حرکت کرتے تھے، پھر بائیں پہلو کو چھوا تو اس سے سیاہ اولاد نکالی، چیونٹیوں کی طرح اور فرمایا اے آدم! یہ تیری اولاد ہے۔ پھر فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں تو سفید کے بارے میں فرمایا کہ یہ جنت میں جائیں گے میری رحمت کے ساتھ اور مجھے پرواہ نہیں۔ یہ اصحاب الیمین ہیں اور سیاہ کے بارے میں فرمایا یہ جہنم میں جائیں گے اور مجھے پرواہ نہیں ہے، یہ اصحاب الشمال ہیں، پھر ان سب کو آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹا دیا۔ پس قبروں والے محبوس ہیں یہاں تک کہ یثاق والے تمام لوگ مردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں سے نکل آئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں جنہوں نے پہلا عہد توڑا **"وما وجدنا لاکثرھم من عھد"** اور بعض مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سعادت والوں نے خوش دلی سے اقرار کیا اور کہا بلیٰ کیوں نہیں اور اہل شقاوت نے تقیہ کرتے ہوئے اور مجبور ہو کر کہا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول **"ولہ اسلم من فی السماوات والارض طوعا او کرھا"** کا معنی ہے اور یثاق کی جگہ میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں عرفہ کی ایک جانب بطن نعمان نامی وادی میں ہوا تھا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی مروی ہے کہ ہندوستان کی زمین بدھناء میں ہوا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آدم علیہ السلام اُترے تھے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مکہ اور طائف کے درمیان اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے اُتارا لیکن آسمان سے نہیں اُتارا، پھر ان کی پیٹھ کو چھوا اور ان کی اولاد نکالی اور روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو نکالا اور ان کی صورت بنائی اور سمجھنے کے لیے عقل اور بولنے کے لیے زبان دی۔ پھر ان سے آمنے سامنے گفتگو کی اور فرمایا **"الست بربکم"**

اور زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چیونٹیوں جیسا بنایا ہو اور وہ عقل و شعور رکھتے ہوں۔ جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے **"قالت نملۃ یا ایھا النّمل ادخلوا مساکنکم"** اور روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا تم عمل کرو میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے میں تمہارا رب ہوں میرے سوا تمہارا کوئی رب نہیں ہے تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، میں عنقریب اپنے ساتھ شرک کرنے والوں سے انتقام لوں گا جو مجھ پر ایمان نہیں لائے اور میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و یثاق یاد دلائیں گے اور تم پر کتابیں نازل کروں گا تو ان سب نے کہا ہم نے گواہی دی کہ آپ ہی ہمارے رب اور معبود ہیں، ہمارا آپ کے علاوہ کوئی رب نہیں ہے تو اس پر ان سے پختہ عہد لیے، پھر ان کی عمریں اور مصائب لکھے تو آدم علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو ان میں فقیر و مال دار اور اچھی و بری صورتوں والے دیکھے تو کہا اے میرے رب! آپ

نے ان کو برابر کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا شکر کیا جائے جب انہوں نے توحید کا اقرار کرلیا اور ایک دوسرے پر گواہ بن گئے تو ان کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں لوٹا دیا۔ پس قیامت تب تک قائم نہ ہوگی جب تک عہد کرنے والے تمام لوگ پیدا نہ ہوجائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم" کا مطلب ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو۔ اہل مدینہ، ابوعمرو اور ابن عامر رحمہما اللہ نے "ذریاتهم" جمع کا صیغہ اور تاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے "ذريتهم" واحد پڑھا ہے اور تاء کے زبر کے ساتھ۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ "واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم" کا کیا معنی ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو آدم علیہ السلام یک پشت سے نکالا تھا؟

جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو ایک دوسرے کی پشت سے اسی ترتیب سے نکالا تھا جیسے دُنیا میں نسل کا طریقہ ہے کہ پہلے باپ، پھر بیٹا پھر پوتا، تو آدم علیہ السلام کی پشت ذکر کر کے ان سب سے استغناء ہوگیا کیونکہ یہ سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واشهدهم علی انفسهم الست بربکم قالوا بلٰی" یعنی ایک دوسرے پر گواہ بنایا۔ قولہ "شهدنا ان تقولوا" ابوعمرو رحمہ اللہ نے "ان یقولوا" اور "یقولوا" دونوں میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور "شهدنا" میں اختلاف ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور فرشتوں کی خبر دی ہے کہ وہ بنو آدم کے اقرار پر گواہ ہیں اور بعض نے کہا ہے یہ بنو آدم کے قول "اشهد الله بعضهم علی بعض" کی خبر ہے تو انہوں نے کہا کیوں نہیں، ہم نے ان کو گواہ بنادیا ہے اور کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ فرشتوں کا قول ہے اس میں عبارت محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے جب اولاد آدم نے کہا "بلٰی" اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا تم گواہ ہوجاؤ۔ انہوں نے کہا ہم گواہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان "ان یقولوا" یعنی ان کو ان کے نفس پر گواہ بنایا کہ وہ کہیں یعنی تاکہ وہ یہ نہ کہیں، یا یہ کہنے کو ناپسند کیا اور جس نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے تو کلام کی اصل یہ ہے میں نے تم سے خطاب کیا (کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں) تاکہ تم نہ کہو "یوم القیامة انا کنا عن هٰذا غافلین" یعنی اس میثاق اور اقرار سے۔ (وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "شهدنا" اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے بنی آدم کے اقرار پر گواہ ہیں (اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ) یعنی تاکہ تم قیامت کے دن نہ کہو (اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ) یعنی اس عہد اور اقرار کی۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ ان پر حجت کیسے لازم ہوگی حالانکہ کسی کو میثاق یاد ہی نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر دلائل واضح کردیئے اور رسولوں نے جو خبر دی ان کی تصدیق کی۔ اب اس کے بعد جو انکار کرے وہ ضدی اور عہد کو توڑنے والا ہے اس کو حجت لازم ہوگئی اور ان کے بھول جانے اور یاد نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ سچے مخبر معجزات والے خبر دے چکے ہیں۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ یا یوں کہنے لگو کہ (اصل) شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے سو کیا ان غلط راہ (نکالنے) والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں اور تا کہ وہ باز آ جاویں اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا۔

تفسیر ⑰ (اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ م بَعْدِھِمْ) یعنی تم سے میثاق اس لیے لیا گیا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ شرک تو ہمارے آباء واجداد نے کیا اور انہوں نے عہد توڑا اور ہم ان کی اولاد ان کے بعد آئے ہیں ہم نے ان کی اقتداء کی اور اس کو اپنے لیے عذر بنالو اور کہنے لگو (اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ) یعنی کیا آپ ہمیں ہمارے آباء کے جرم کی سزا دیں گے تو ایسی دلیلیں لانے سے ان کو فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ توحید کے میثاق کو کئی دفعہ یاد دلوا چکے ہیں۔

⑱ (وَ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ) یعنی آیات کو بیان کرتے ہیں تا کہ ان میں بندے تدبر کریں (وَلَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ) کفر سے توحید کی طرف۔

⑲ (وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَالَّذِیْٓ اٰتَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْھَا فَاَتْبَعَہُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ) اس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "بلعم بن باعوراء" ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بلعام بن باعور" عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کنعانی لوگوں میں سے تھا جبارین کے شہر میں سے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلقاء شہر کا تھا۔

بلعم بن باعور کا واقعہ

اس کا واقعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن اسحاق، سدی رحمہما اللہ و دیگر حضرات کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے جبارین سے لڑائی کا ارادہ کیا اور ملک شام میں بنی کنعان کی زمین میں پڑاؤ ڈالا تو وہ قوم بلعم کے پاس آئی۔ اس کے پاس اسم اعظم تھا تو یہ لوگ کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام بڑا طاقتور بندہ ہے اور اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے۔ وہ آیا ہے تا کہ ہمیں ہمارے شہر سے نکال دے اور ہمیں قتل کر کے بنی اسرائیل کو وہاں ٹھہرا دے۔ تیری دُعا قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دُعا کر کہ وہ لوگ یہاں سے چلے جائیں تو بلعم نے کہا تم ہلاک ہو اللہ کا نبی اس کے ساتھ فرشتے اور مؤمنین ہیں، میں ان پر بددُعا کیسے کر سکتا ہوں حالانکہ میں اللہ سے علم رکھتا ہوں اگر میں نے ایسا کیا تو میری دُنیا اور آخرت چلی جائے گی تو وہ آہ و زاری کرنے لگے اور بار بار اصرار کرنے لگے تو بلعم نے کہا میں اپنے رب سے مشورہ کروں گا اور وہ تب تک دُعا نہ کرتا تھا جب تک خواب میں اس کو اس دُعا کا حکم نہ دیا جاتا تو اس نے ان پر بددُعا کرنے کا مشورہ کیا تو خواب میں کہا گیا کہ ان پر بددُعا نہ کرنا تو اس نے اپنی قوم کو جواب دیا کہ میں نے اللہ سے مشورہ کیا، مجھے بددُعا سے روک دیا گیا ہے تو انہوں نے ہدیہ دیا، اس نے قبول

کرلیا، پھر انہوں نے وہی مطالبہ کیا تو اس نے کہا میں اپنے رب سے مشورہ کرلوں، جب مشورہ کیا تو کوئی اشارہ نہ ہوا تو اس نے کہا مجھے مشورہ میں کوئی اشارہ نہیں ہوا تو انہوں نے کہا اگر آپ کے رب کو ناپسند ہوتا آپ کا بددُعا کرنا تو جیسے پہلی مرتبہ آپ کو منع کردیا تھا ویسے ہی اب بھی منع کردیتے تو وہ گڑگڑاتے رہے یہاں تک کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہوگیا اور اپنی گدھی پر سوار ہوکر پہاڑ کی طرف چل پڑا کہ بنی اسرائیل کے لشکر پر جھانک سکے جب تھوڑا سا چلا تو وہ گدھی گھٹنے کے بل بیٹھ گئی۔

تو بلعم اس سے اُترا، اس کو مارا تو وہ کھڑی ہوگئی۔ وہ سوار ہوا تھوڑا سا چلا کہ پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تو اس نے دوبارہ وہی کام کیا وہ پھر کھڑی ہوئی، ایسا کئی مرتبہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے گدھی کو بات کرنے کی اجازت دی تو اس نے کہا تیرا ناس ہو اے بلعم! تو کہاں جارہا ہے؟ کیا تو فرشتوں کو میرے آگے نہیں دیکھ رہا کہ وہ مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں؟ کیا تو مجھے لے کر اللہ کے نبی اور مؤمنین پر بددُعا کرنے جارہا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا تو وہ چل پڑی۔ جب وہ حسان پہاڑ پر چڑھی تو وہ ان پر بددُعا کرنے لگا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان اس کی قوم کی طرف پھیر دی کہ ان پر بددُعا کر بیٹھا اور اپنی قوم کے لیے خیر کی دُعا کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو بنی اسرائیل کی طرف پھیر دیا تو اس کی قوم نے کہا اے بلعم! تجھے پتہ ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ تو ہم پر بددُعا اور بنی اسرائیل کے لیے دُعا کررہا ہے۔ تو وہ کہنے لگا میں اپنی زبان پر قادر نہیں رہا، اللہ تعالیٰ اس پر غالب آگئے ہیں پھر اس کی زبان باہر نکل کر سینہ پر آگئی تو اس نے کہا اب میری دُنیا اور آخرت برباد ہوگئی۔ اب صرف مکر اور حیلہ باقی رہ گیا ہے۔ میں تمہارے لیے حیلہ کروں گا تم عورتوں کو خوب سنوار کر ان کو سامان بیچنے لشکر میں بھیجو اور ان کو کہو کہ کوئی آدمی اگر کچھ کرنا چاہے تو نہ روکیں کیونکہ اگر ان میں سے ایک آدمی نے بھی زنا کیا تو تمہیں کافی ہے۔ انہوں نے ایسا کیا جب عورتیں لشکر میں گئیں تو ایک کنعانی عورت کشتی بنت صور بنی اسرائیل کے ایک بڑے آدمی زمری بن شلوم پر گزری۔ یہ شمعون بن یعقوب قبیلہ کا سردار تھا تو اس کو اسی عورت کا حسن بڑا اچھا لگا تو اس نے اس عورت کا ہاتھ پکڑا اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے لے آیا اور کہنے لگا کہ آپ اس کو کہیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں یہ تجھ پر حرام ہے تو اس نے کہا اللہ کی قسم میں اس بات میں آپ علیہ السلام کی اطاعت نہ کروں گا۔ پھر اس عورت سے زنا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت بنی اسرائیل پر طاعون بھیج دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے خاص آدمیوں میں سے فنحاص بن عیزار بن ہارون کہیں گیا ہوا تھا وہ آیا تو طاعون کی وجہ پوچھی اور ان کے خیمہ میں گیا تو وہ دونوں مرد وعورت لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ہتھیار سے ان کے سر اُڑا دیئے اور ہتھیار پر بلند کرکے باہر لے آیا اور کہنے لگا، اے اللہ! جو تیری نافرمانی کرے گا ہم اس کے ساتھ ایسا ہی کریں گے تو طاعون ان سے دور کردیا گیا۔ زمری اور اس عورت کے برے کام اور فنحاص کے ان کو قتل کرنے کی مدت میں بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمی طاعون سے مرگئے۔

یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل جو ذبیحہ کرکے ان کا دست جبڑا اور پہلو فنحاص کی اولاد کو دیتے تھے کیونکہ فنحاص نے زمری اور عورت کو نیزے میں پرو کر نیزہ ہاتھ میں اٹھا کر کہنی کو اپنے پہلو سے ٹیکا تھا اور لاشوں کو اپنے جبڑوں سے لگا کر روک رکھا تھا اور بنی اسرائیل اپنے اونٹوں میں سے ایک نوجوان اونٹنی بھی فنحاص کی اولاد کو دیتے ہیں کیونکہ فنحاص عیزاء کا جیٹھا بیٹا تھا۔

بلعم کے بارے میں یہ آیت اُتری تھی "واتل علیهم نبا الذی آتیناه آیاتنا"

مقاتل کا بیان ہے کہ شاہ بلقاء نے بلعم سے کہا کہ موسیٰ کیلئے بددعا کرو۔ بلعم نے کہا وہ میرے ہم مذہب ہیں۔ میں ان کے لئے بددعا نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے صلب کے تختے نصب کرائے (اور حکم دیا کہ بددعا کرو ورنہ تم کو صلیب پر لٹکا دوں گا) بلعم نے یہ حالت دیکھی تو خچر پر سوار ہو کر بددعا کرنے کیلئے بستی سے باہر نکلا۔ بنی اسرائیل کے لشکر کے سامنے پہنچا تو خچر رک گیا۔ بلعم نے خچر کو مارا خچر نے کہا تو مجھے کیوں مارتا ہے۔ مجھے تو حکم ہی یہ ملا ہے میرے آگے یہ آگ ہے جو مجھے چلنے سے روک رہی ہے۔ بلعم لوٹ آیا اور بادشاہ سے واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے کہا تم کو بددعا تو کرنی ہوگی ورنہ میں صلیب پر لٹکا دوں گا۔ آخر بلعم نے اسم اعظم پڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے بددعا کی کہ وہ اس شہر میں داخل نہ ہوں بددعا قبول ہوگئی اور اس کی بددعا کی وجہ سے بنی اسرائیل تیہ میں پھنس گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار ہم کس جرم کی وجہ سے تیہ میں پھنس گئے۔ اللہ نے فرمایا بلعم کی بددعا کی وجہ سے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا پروردگار جس طرح تو نے اس کی بددعا میرے متعلق قبول فرمائی۔ میری بددعا اس کے متعلق بھی قبول فرمالے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ نے بددعا کی بلعم سے اسم اعظم اور ایمان چھن لیا جائے۔ موسیٰ کی بددعا سے اس کی معرفت سلب کر لی اور ایمان اس طرح کھینچ لیا۔ جیسے بکری کی کھال کھینچ لی جاتی ہے۔ سفید کبوتر کی شکل میں ایک صورت اس کے اندر سے نکل گئی۔ آیت فَانْسَلَخَ مِنْهَا سے یہی مراد ہے۔

(فَانْسَلَخَ مِنْهَا) عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیب اور زید بن اسلم اور لیث بن سعد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اُمیہ بن ابی صلت ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑے تب بھی ہانپے یہی حالت (عام طور پر) ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔

تفسیر: اس کا واقعہ یہ ہے کہ اس شخص نے پہلی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں اور جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول بھیجنے والے ہیں اس کو اُمید تھی کہ وہ رسول میں ہی ہوں گا۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنایا گیا تو اس کو حسد ہوا جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کا انکار کیا۔ یہ حکمت اور اچھی نصیحت کرنے والا شخص تھا۔ یہ کسی بادشاہ کے پاس گیا ہوا تھا واپس آیا تو بدر کے مقتولین پر گزر ہوا تو

کہنے لگا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو اپنے قریبی رشتہ داروں کو قتل نہ کرتے۔ جب اُمیہ مرگیا تو اس کی بہن گھبرائی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بھائی کی وفات کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا وہ سویا ہوا تھا کہ دو آنے والے اس کے پاس آئے اور گھر کی چھت کھول دی اور نیچے اُترے، ایک اس کے پاؤں اور دوسرا سرہانے بیٹھ گیا، پاؤں والے نے سر والے کو کہا یہ زیادہ یاد رکھنے والا ہے اس نے جواب دیا پاکیزہ ہے اس نے کہا اس نے انکار کیا۔ وہ بہن کہتی ہے کہ میں نے اُمیہ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میرے بارے میں بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ پھر اس پر غشی طاری ہوگئی جب افاقہ ہوا تو چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

زندگی کتنی ہی مدت تک لمبی ہو۔ اس کو کبھی زوال کی طرف جانا ہی ہے۔ جو حالت میرے سامنے آئی کاش اس سے پہلے ہی میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہاڑی بکرے چراتا (یعنی گوشہ گیر ہوکر سب انسانوں سے الگ جا رہتا)

بلاشبہ حساب فہمی کا دن بڑا دن ہوگا ایسا بھاری دن ہوگا کہ (شدت ہول سے) بچے بھی بوڑھے ہوجائیں گے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے شعر مجھ کو سناؤ تو اس نے کچھ قصیدے سنائے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے شعر ایمان لائے اور اس کا دل کافر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ یہ آیت بسوس کے بارے میں نازل ہوئی یہ بنی اسرائیل کا آدمی تھا اس کو تین مقبول دُعاؤں کا کہا گیا۔ اس کی بیوی تھی جس سے ایک بیٹا تھا تو بیوی نے کہا ایک مقبول دُعا مجھے دے اس نے کہا کیا چاہتی ہے؟ اس نے کہا اللہ سے دُعا کر کہ وہ مجھے بنو اسرائیل کی خوبصورت ترین عورت بنادے، اس نے دُعا کی تو وہ خوبصورت عورت بنادی گئی جب اس کو یہ نعمت ملی تو خاوند سے بے رغبتی دکھانے لگی اور اکڑنے لگی تو خاوند کو غصہ آیا اور اس پر بددُعا کی تو وہ بھونکنے والی کتیا بن گئی تو دو دُعائیں چلی گئیں تو اس کا بیٹا آیا کہ ہماری زندگی کا کیا فائدہ؟ ہماری ماں کتیا بن گئی ہے لوگ ہمیں عار دلاتے ہیں آپ اللہ سے دُعا کریں کہ اس کو پہلے جیسا کردے تو وہ دُعا کی وہ عورت ٹھیک ہوگئی اور ساری دُعائیں بھی چلی گئیں اور پہلے دو قول زیادہ ظاہر ہیں۔ حسن اور ابن کیسان رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ آیت اہل کتاب کے منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ اس شخص کی مثال بیان کی ہے جس پر ہدایت پیش کی گئی ہو اور اس نے قبول کرنے سے انکار کردیا ہو۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول ”واتل علیھم نبأ الّذی آتیناہ آیاتنا“ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے جو مانگتے اللہ تعالیٰ عطا کرتے اور دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے ایک کتاب دی گئی تو وہ اس سے ایسے نکلا جیسے سانپ اپنی کھال سے نکلتا ہے۔ (فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ)

۱۷۶ (وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ) یعنی اس کا مرتبہ اور درجہ ان آیات کے ذریعے بلند کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ہم اپنے علم سے اس کو بلند کرتے ہیں اور مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں ہم ان سے کفر اُٹھادیتے ہیں اور اس کو آیات سے بچالیتے ہیں۔

(بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ) یعنی دُنیا میں رہائش رہی اور دُنیا کی طرف مائل رہا زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "خَلَدَ" اور "اَخْلَدَ" ایک ہیں اور اس کی اصل خلود سے ہے اور وہ دوام اور مقام ہے کہا جاتا ہے "اَخْلَدَ فلان بالمکان جب وہ اس میں مقیم ہوا اور الارض سے یہاں دُنیا مراد ہے اس لیے کہ دُنیا میں جو بیابان اور لہلہاتے کھیت ہیں سب ارض ہیں اور دُنیا کا سارا سامان زمین سے نکالا ہوا ہے۔ (وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ) جس طرف خواہش نے دعوت دی اس کا مطیع ہوگیا اور ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی خواہش قوم کے ساتھ تھی۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دُنیا کا طالب بنا اور اپنے شیطان کی اطاعت کی یہ سخت ترین آیت ہے علماء پر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ایک شخص کو اپنی آیات میں سے اسم اعظم دیا اور مستجاب دُعا اور علم وحکمت دیا تو وہ دُنیا کے میلان اور خواہشات کی پیروی کی وجہ سے اس کا مستحق ہوا کہ اس پر نعمت تبدیل کر دی جائے اور اس سے چھین لی جائے اور ان دو خصلتوں سے وہی عالم محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ اتنی خرابی نہیں مچاتے جتنا آدمی کا مال پر حرص خرابی مچاتا ہے اور شرف اس کے دین کو ہے۔ (فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ) کہا جاتا ہے "لهث الكلب يلهث لهثا" جب وہ اپنی زبان نکالے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس کی مثال ہے جو کتاب پڑھے اور اس پر عمل نہ کرے اور مطلب یہ ہے کہ یہ کافر اگر اس کو ڈراؤ تو نہ ڈرے اور اگر چھوڑ دو تو ہدایت نہ پائے دونوں حالتیں اس پر برابر ہیں، کتے کی دونوں حالتوں کی طرح کہ اگر اس کو بھگایا جائے یا بوجھ لادا جائے تب بھی ہانپتا ہے اور اگر اس کو آرام سے بٹھایا جائے تب بھی ہانپتا ہے فرماتے ہیں ہر چیز یا بھوک سے ہانپتی ہے یا پیاس سے لیکن کتا بھوک، راحت، پیاس، ہر حال میں ہانپتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ اس شخص کی مثال بیان کی ہے جو اس کی آیات کو جھٹلائے تو فرمایا اگر آپ اس کو نصیحت کریں تو وہ گمراہ ہے اور اگر نصیحت چھوڑ دیں تو بھی وہ گمراہ ہے کتے کی طرح کہ اگر آپ اس کو دھتکار دو تو بھی ہانپتا ہے اور اگر اس کے حال پر چھوڑ دو تو بھی ہانپتا ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "وان تدعوهم الى الهدىٰ لا يتبعوكم سواء عليكم ادعوتموهم ام انتم صامتون" پھر تمام تکذیب کرنے والوں کے بارے میں عام مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ (ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ) بعض نے کہا یہ کفار مکہ کی مثال ہے کہ وہ تمنا رکھتے تھے کہ کوئی ہادی ان کے پاس آئے ان کو سیدھا راستہ دکھائے اور اللہ کی طاعت کی طرف بلائے۔ پھر جب ان کے پاس ایسے نبی آئے جن کے سچا ہونے میں ان کو ذرہ بھی شک نہ تھا تو انہوں نے ہدایت حاصل نہ کی۔

سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ: (حقیقت میں) ان لوگوں کی حالت بھی بری ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور (اس تکذیب سے) وہ

اپنا (ہی) نقصان کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے سو ایسے ہی لوگ (ابدی) خسارہ میں پڑ جاتے ہیں۔

تفسیر ⑰⑦ (سَآءَ مَثَلًا ن الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا) اس کی اصل عبارت "ساء مثلاً مثل القوم" ہے مثل کو حذف کردیا گیا ہے اور قوم کو اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے۔ اس لیے القوم پر پیش پڑھا گیا ہے۔ (وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ)

⑰⑧ (مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ)

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ⑰⑨ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑱⓪

ترجمہ اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ زیادہ (بے راہ) ہیں یہ لوگ غافل ہیں اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں سے کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

تفسیر ⑰⑨ (وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے بہت سے جن وانس کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر بدبختی کے ازلی کلمہ کا فیصلہ ہو چکا ہے جس کو اللہ نے جہنم کے لیے پیدا کیا، اس کے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بچوں میں سے کسی کا جنازہ پایا تو میں نے کہا اس کے لیے خوشخبری ہے جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کس نے خبر دی ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے حق دار بھی پیدا کیے حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اور جہنم کو پیدا کیا اور اس کے حق داروں کو بھی پیدا کیا حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے (لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا) یعنی ان سے خیر اور ہدایت کو نہیں جانتے (وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا) حق راستے کو (وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا) قرآن کی نصیحتیں کہ سن کر ان میں غور وفکر کریں۔ پھر ان کی جہالت اور کھانے پینے میں بند رہنے کی مثال دی اور فرمایا کہ (اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ) یعنی چوپایوں کی طرح ہیں کہ ان کا بھی بڑا مقصد کھانا پینا اور شہوت پوری کرنا ہوتا ہے بلکہ یہ زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ جانوروں کو نفع ونقصان کی تمیز ہے نقصان وہ کام نہیں کرتے

اور یہ لوگ تو جاننے کے باوجود آگ میں جانے والے کام کررہے ہیں (اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ)

⑱⓪ (وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے دُعا میں رحمٰن کو پکارا تو مکہ کے بعض مشرکین کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے ساتھیوں کا خیال ہے کہ وہ ایک رب کو بلاتے ہیں تو یہ دو کو کیوں بلا رہا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "وللّٰه الاسماء الحسنٰى فادعوه بها" حسنیٰ احسن کی مؤنث ہے جیسے کبریٰ اور صغریٰ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں سو سے ایک کم جو ان کو یاد کرلے وہ جنت میں داخل ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے (وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ) حمزہ رحمہ اللہ نے "یلحدون" یاء اور حاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی ہو۔ کسائی رحمہ اللہ نے النحل میں اس کی موافقت کی ہے اور باقی حضرات نے یاء کے پیش اور حاء کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور الحاد کا معنی سیدھے راستے سے اعراض کرنا۔ کہا جاتا ہے "الحد یلحد الحاداً ولحد یلحد لحوداً" جب وہ مائل ہوجائے۔ یعقوب سکیت رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ الحاد حق سے اعراض کرنا اور حق میں وہ چیز داخل کرنا جو اس میں نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے "الحد فی الدین والحد به" حمزہ رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔ (سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

ملحدین سے مراد مشرکین مکہ ہیں کہ انہوں نے اللہ کے نام تبدیل کیے کہ ان ناموں کو بتوں کو دے دیا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کچھ حرف کم کردیئے۔ مثلاً لات کو اللہ سے "عزّی" کو عزیز سے "مناة" کو منان سے مشتق کیا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کا الحاد بتوں کو معبود کا نام دینا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "یلحدون فی اسمائه" کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ اہل معانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے اسماء میں الحاد یہ ہے کہ اللہ کو ایسا نام دینا جو نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء توقیفی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود کو جواد کہا ہے سخی نہیں کہا۔ اگرچہ معنی ایک ہے اور رحیم نام لیا ہے رفیق نہیں اور عالم نام رکھا ہے عاقل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یخادعون الله وهو خادعهم" اور فرمایا "ومكروا ومكر الله" اور دُعا میں "یا مخادع" اور یا مکار نہیں کہا جاسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء سے دُعا کی جاتی ہے جو تعظیم کے طور پر منقول ہیں۔ پس یوں کہا جاتا ہے یا اللہ! یا رحمٰن! یا رحیم! یا عزیز! یا کریم! وغیرہ۔ "سیجزون ما کانوا یعملون" آخرت میں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ⑱① وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑱② وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ⑱③

ترجمہ: اور ہماری مخلوق جن وانس میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق (یعنی اسلام) کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج لئے جارہے ہیں

اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

تفسیر ⑱۱ (وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ) عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مراد ہے۔ یعنی مہاجرین و انصار اور احسان کے ساتھ ان کے پیچھے چلنے والے۔ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت پڑھتے تو فرماتے یہ تمہارے لیے ہے اور ایک قوم کو تم سے پہلے اس کی مثال دیا گیا تھا۔ "ومن قوم موسٰی اُمّة یهدون بالحق وبه یعدلون" عمیر بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنا کہ فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری اُمت میں سے ہمیشہ ایک جماعت اللہ کے حکم کے ساتھ قائم رہے گی ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا جو ان کو رسوا کرنا چاہے گا اور نہ وہ جو ان کی مخالفت کرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے اور وہ اسی حال پر ہوں گے۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ تمام مخلوق میں سے ہیں۔

⑱۲ (وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ایسی جگہ سے مکر کریں گے کہ ان کو علم ہی نہ ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ہم ان کے اطمینان کی جگہ سے آئیں گے۔ جیسا کہ فرمایا "فاتاهم الله من حیث لم یحتسبوا" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے لیے ان کے اعمال کو مزین کر کے ان کو ہلاک کر دیں گے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ نئی نافرمانی کریں گے ہم ان کے لیے نئی نعمت لائیں گے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر نعمتیں نچھاور کر دیں گے اور ان کو شکر بھلا دیں گے۔

اہل معانی فرماتے ہیں کہ استدراج یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف خفیہ تھوڑا تھوڑا چلا جائے، اس کو اعلانیہ ظاہر نہ کیا جائے، اسی سے درج الصبی ہے کہ جب بچہ اپنے چلنے میں قدم قریب قریب رکھے اور اسی سے درج الکتاب ہے جب کتاب کو ایک شئی کے بعد دوسری سے لپیٹ دے۔

⑱۳ (وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ) یعنی میں ان کی زندگی لمبی کروں گا تاکہ وہ نافرمانیوں میں بڑھیں۔ میرا پکڑنا سخت مضبوط ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مذاق اُڑانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک رات میں قتل کر دیا۔

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ⑱۴ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ ۢ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ⑱۵ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ⑱۶ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْئَلُوْنَکَ

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَاللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: کیاان لوگوں نے اس بات میں غور نہ کیا کہ ان کا جن سے سابقہ ہے انکو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں اور کیاان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور (نیز) دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور اس بات میں (بھی غور نہیں کیا) کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب آ پہنچی ہو پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا (پھر غم لا حاصل ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کو انکی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا وہ آسمان اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا (اس لئے) وہ تم پر محض اچانک آ پڑے گی وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر ﴿۱۸۴﴾ (اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو صفا پہاڑ پر کھڑے ہوئے اور قریش کے ہر قبیلہ کو اس کے نام سے پکارا، ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ایک کہنے والے نے کہا کہ تمہارا یہ ساتھی مجنون ہے صبح تک یہی آوازیں لگا تا رہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ آیت میں صاحب سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ) پھر ان کو ایسے غور وفکر پر اُبھارا جو ان کو علم تک پہنچا دے۔

﴿۱۸۵﴾ پس کہا (اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ) یعنی آسمان وزمین میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس میں غور وفکر کر کے اس کی وحدانیت پر استدلال کرو (وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ) یعنی شاید کہ ان کا وعدہ قریب آ گیا ہو تو وہ ایمان لانے سے پہلے مر جائیں اور عذاب میں جا پڑیں۔ (فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ م بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ) یعنی قرآن کے بعد۔ مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کتاب لائے اس کے علاوہ کس کتاب کی تصدیق کریں گے حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی کتاب۔ پھر ان کے ایمان سے اعراض کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿۱۸۶﴾ (مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ) اہل بصرہ اور عاصم نے یاء کے ساتھ اور راء کے رفعہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے یاء کے ساتھ اور راء کے جزم کے ساتھ اور راء کا جزم "یضلل" پر عطف کی وجہ سے ہوگا اور باقی حضرات نے نون کے ساتھ اور راء کے رفعہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ نئی کلام ہے۔ (فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ) اپنی سرکشی میں متردد اور متحیر ہیں۔

﴿۱۸۷﴾ (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ بے شک ہمارے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے ہمیں یہ بتا دیں کہ قیامت کب ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

فرمائی (یسئلونک عن الساعۃ) قیامت کے بارے میں (قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ) اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کو اس کے وقت پر وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمینوں میں۔ اس کا علم بھاری ہے اور اس کا معاملہ آسمان اور زمین والوں پر مخفی ہے اور ہر مخفی چیز ثقیل ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو آسمانوں اور زمین والوں پر بھاری ہوگی۔

(لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً) اچانک غفلت کی حالت میں آئے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت ضرور قائم ہوگی۔ دو آدمیوں نے اپنے کپڑے پھیلائے ہوئے ہوں گے نہ ان کی بیع کر سکیں گے اور نہ اس کو لپیٹ سکیں گے اور البتہ قیامت قائم ہوگی کہ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر گیا ہوگا اس کو پی نہ سکے گا اور قیامت قائم ہوگی کہ وہ اپنے حوض کو لیپ رہا ہوگا تو اس میں پانی نہ ڈال سکے گا اور قیامت قائم ہوگی کہ آدمی نے اپنا لقمہ منہ کی طرف اُٹھایا ہوا ہوگا اس کو کھا نہ سکے گا۔ (يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا) یعنی اس کو جانتے ہیں۔ یہ مشتق ہے ان کے قول "احفیتُ بالمسئلۃ" سے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی چیز کے سوال میں مبالغہ کرے یہاں تک کہ اس کو جان لے (قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَاللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ) کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْكُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَااللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع (تکوینی کے حاصل کرنے) کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر (تکوینی کے رفع کرنے) کا مگر اتنا ہی جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی میں تو محض (احکام شرعیہ بتلا کر ثواب کی) بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ ایسا (قادر و منعم) ہے جس نے تم کو ایک تن واحد (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا (یعنی حواؑ) تاکہ وہ اس (اپنے جوڑے) سے اُنس حاصل کرے پھر جب میاں نے بی بی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بی بی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دیدی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔

تفسیر ⑱⑧ (قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ کہنے لگے اے محمد! آپ کا رب آپ کو سستے ریٹ کا ریٹ بڑھنے سے پہلے نہیں بتاتے کہ آپ علیہ السلام غلہ خرید کر ریٹ بڑھنے کے بعد نفع کمائیں اور اس زمین کا بھی نہیں بتاتا جو خشک ہونے لگی ہے تاکہ آپ علیہ السلام اس سے کوچ کر کے خوشحال زمین کی طرف چلے جائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (آپ کہہ دیں کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا) یعنی اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوں کہ تجارت میں نفع حاصل کرلوں اور نہ نقصان کا مالک ہوں کہ زمین کے بنجر ہونے سے پہلے وہاں سے چلا جاؤں مگر جو اللہ چاہے کہ میں اس کا مالک بنوں (وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ) یعنی اگر مجھے زمین کی ہریالی اور خشک سالی کا علم ہوتا تو میں قحط کے زمانہ میں بہت سارا مال جمع کر لیتا اور مجھے برائی نہ پہنچتی یعنی تکلیف، فقر، بھوک۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں اپنے لیے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، یعنی ہدایت اور گمراہی کا مالک نہیں اور اگر غیب کا علم جانتا یعنی میں کب مروں گا تو میں خیر کو حاصل کر لیتا، یعنی نیک عمل کر لیتا اور مجھے برائی نہ پہنچتی۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں شر سے بچتا اور بعض نے کہا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں جانتا کہ کب قیامت قائم ہوگی تو میں تمہیں خبر دیتا تاکہ تم ایمان لے آتے اور تمہاری تکذیب سے مجھے برائی نہ پہنچتی (اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ) اس شخص کو جو میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لائے (وَّ بَشِیْرٌ) جنت کی (لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ) یؤمنون یصدقون کے معنی میں ہے۔

⑱⑨ (هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ) یعنی آدم علیہ السلام سے (وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا) یعنی حواء علیہا السلام (لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا) تاکہ اس سے انس حاصل کرے (فَلَمَّا تَغَشّٰهَا) یعنی جماع کیا (حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا) یہ نطفہ سے حمل کی ابتداء ہے کہ ابتداء میں عورت پر ہلکا ہوتا ہے (فَمَرَّتْ بِهٖ) یعنی اس حمل کے ساتھ چلتی پھرتی اُٹھتی بیٹھتی رہی، کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا (فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ) یعنی بچہ اس کے پیٹ میں بڑا ہو گیا اور اپنے حمل سے بوجھل ہوگئی اور اس کی ولادت قریب ہوگئی۔

(دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا) یعنی آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام نے (لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا) یعنی ہمارے جیسا تندرست بچہ (لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ) مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت حواء علیہا السلام کو حمل ہوا تو ابلیس انسانی شکل میں ان کے پاس آیا تو کہنے لگا آپ کے پیٹ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے نہیں پتہ۔ تو وہ کہنے لگا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ کوئی درندہ یا کتا یا خنزیر نہ ہو اور یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ نکلے گا کہاں سے اگر پیچھے سے نکلا تو تجھے مار دے گا یا منہ سے نکلے گا یا پیٹ پھاڑ کر تو حضرت حواء علیہا السلام کو اس کی باتوں سے خوف آیا تو انہوں نے یہ باتیں آدم علیہ السلام کو بتائیں تو وہ دونوں اس فکر میں لگ گئے۔ پھر وہ دوبارہ آیا اور کہنے لگا کہ میرا اللہ کے ہاں مرتبہ ہے اگر میں اللہ سے دُعا کروں کہ اس کو تندرست بنا دے تو دُعا قبول ہوگی اور بچہ آسانی سے پیدا ہو جائے گا۔ اس کے بدلے میں کیا تو اس کا نام عبدالحارث رکھ دے گی؟ ابلیس کا نام فرشتوں میں حارث تھا۔ حضرت حواء علیہا السلام نے یہ بات آدم علیہ السلام کو بتائی۔ انہوں نے کہا کہ شاید یہ وہی ساتھی ہے جس کو تو جانتی ہے ابلیس، بار بار آتا رہا حتیٰ کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیا۔ جب بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

مروی ہے کہ حواء علیہا السلام کی آدم علیہ السلام سے جو اولاد ہوتی اس کا نام عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن رکھتیں تو وہ بچے مرجاتے تو ان کے پاس ابلیس آیا اور کہا کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد زندہ رہے تو اس کا نام عبدالحارث رکھو تو بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام عبدالحارث رکھا تو وہ زندہ رہا اور حدیث میں ہے کہ ان دونوں کو ابلیس نے دومرتبہ دھوکہ دیا۔ ایک مرتبہ جنت میں اور دوسری مرتبہ دُنیا میں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا بچہ پیدا ہوا انہوں نے عبداللہ نام رکھا، اس سے پہلے بھی ان کا ایک عبداللہ نام کا بچہ فوت ہو چکا تھا تو ابلیس نے آکر پوچھا کیا نام رکھا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا عبداللہ تو اس نے کہا تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو تمہارے پاس چھوڑ دیں گے؟ اللہ تو اس کو اپنے پاس بلالیں گے، میں تمہیں ایک نام بتاتا ہوں جس سے بچہ زندہ رہے گا تم اس کا نام عبدشمس رکھو، پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

ترجمہ: سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دیدی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے سو اللہ پاک ہے ان کے شرک سے۔

تفسیر: اور بعض نے کہا کہ آیت میں یہود و نصاریٰ مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد دی تو ان کو یہودی اور نصرانی بنادیا۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار مراد ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کا نام عبدالعزیٰ اور عبداللات اور عبدمناۃ رکھا اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق مخاطب ہے۔ اپنے قول "خلقکم" کے ساتھ یعنی ہر ایک کو اس کے باپ سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی بنائی یعنی اس کی جنس سے اس کی بیوی بنائی اور یہ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اگر اسلاف میں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد، سعید بن مسیّب اور مفسرین رحمہما اللہ کی ایک جماعت کا یہ قول نہ ہوتا کہ یہ آیت آدم و حواء علیہما السلام کے بارے میں ہے۔

﴿۱۹۰﴾ (فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا) اہل مدینہ اور ابوبکر رحمہم اللہ "شِرْكًا" شین کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے بمعنی شرکت۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بمعنی حصہ اور باقی حضرات نے شرکاء شین کے ضمہ اور الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا کہ شریک کی جمع ہے یعنی ابلیس مراد ایک ہے لیکن صیغہ جمع کا استعمال کیا ہے۔ یعنی اس کا شریک بنایا جب بچہ کا نام عبدالحارث رکھا، یہ عبادت میں شریک کرنا نہیں تھا اور نہ ہی حارث آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کا رب تھا کیونکہ آدم علیہ السلام نبی تھے اور شرک سے معصوم تھے لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ حارث بچہ کی نجات کا سبب ہے اور عبد کا لفظ عاجزی کے لیے بھی بولا جاتا ہے ہر جگہ اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ یہ اس کو معبود مانتا ہے جیسے کسی کا مہمان آئے تو وہ تواضع میں خود کو عبدالضیف کہتا ہے تو یہ مطلب نہیں کہ مہمان کو معبود مان لیا ہے۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو کہا "رَبّی" تو یہ مراد نہیں تھی کہ وہ ان کا معبود ہے (فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ) بعض نے کہا کہ یہ نئی کلام ہے اس سے مراد اہل مکہ کا شرک کرنا ہے اور اگر ماقبل سے تعلق ہو تو بھی معنی ٹھیک ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ شرک فی الاسم بھی نہ کرتے اور آیت کی تفسیر میں ایک اور قول یہ ہے کہ اس سے اولادِ آدم علیہ السلام کے تمام مشرکین مراد ہیں۔ یہی حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول

ہے۔اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے اپنی اولاد کو شریک بنادیا ہے تو یہاں اولاد کا لفظ محذوف ہے۔اوران دونوں کوان کا قائم مقام بنادیا گیا ہے جیسا کہ آباء کے فعل کی نسبت ابناء (اولاد) کی طرف کی ہے ان کو عار دلانے کے لیے یا ان آیات میں اور فرمایا "ثم اتخذتم العجل" اور "واذ قتلتم نفسا" اس سے ان یہود کو خطاب کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے حالانکہ یہ کام تو ان کے آباء نے کیا تھا۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ⑲ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ⑲ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ⑲ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑲

ترجمہ: کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو نہ بنا سکیں اور (بلکہ) وہ خود ہی بنائے جاتے ہوں اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد (بھی) نہیں دے سکتی اور (اس سے بڑھ کر یہ کہ) وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے اور (اس سے بھی بڑھ کر سنو کہ) اگر تم ان کو کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں (بہرحال) تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو اور یا تم خاموش رہو واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو (اور) پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔

تفسیر ⑲ (اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا) یعنی ابلیس اور بتوں کو (وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ) یعنی وہ خود مخلوق ہیں۔

⑲ (وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا) یعنی بت اپنا کہنا ماننے والوں کی مدد نہیں کر سکتے (وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ان کو توڑنا چاہے تو وہ اپنے سے اس کو دور نہیں کر سکتے۔پھر مؤمنین کو خطاب کر کے فرمایا۔

⑲ (وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى) اگر تم مشرکین کو اسلام کی طرف بلاؤ (لَا يَتَّبِعُوْكُمْ) نافع رحمہ اللہ نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح "يتبعهم الغاوون" شعراء میں پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے دونوں میں شد کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں فصیح لغتیں ہیں۔کہا جاتا ہے "تبعه تبعا واتبعه اتباعا" (سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ) ان کو پکارنے سے وہ ایمان نہ لائیں گے۔

جیسا کہ فرمایا ہے "سواء عليهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا يؤمنون" اور بعض نے کہا ہے کہ اگر تم ان بتوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں گے اس لیے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔

⑲ (اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) یعنی بتوں کو (عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) کہ کیا وہ معبود تمہاری طرح مملوک ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ تمہاری طرح مسخر ہیں۔یعنی وہ مسخر اور تابع کیے گئے ہیں اس کام کے لیے جو ان سے مراد ہے۔مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "عباد امثالكم" سے فرشتے مراد ہیں اور یہ خطاب فرشتوں

کی عبادت کرنے والی قوم کو ہے اور پہلا قول صحیح ہے۔ پھر ان کی عاجزی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو تھامیں یا ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب شرکاء کو بلالو پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ (عموماً) نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور ان کو اگر کوئی بات بتلانے کو پکارو تو اس کو نہ سنیں اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔

تفسیر: ﴿۱۹۵﴾ (اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ) ابو جعفر نے یہاں اور سورۃ قصص اور دخان میں طاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے طاء کی زیر کے ساتھ (اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا) مراد یہ ہے کہ مخلوق کی قدرت ان اعضاء اور آلات کے ذریعے ہے اور بتوں کے تو یہ آلات ہی نہیں ہیں تو ان بتوں سے تو تم خود افضل ہو کہ چلنے کے لیے پاؤں اور پکڑنے کے لیے ہاتھ اور دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سننے کے لیے کان ہیں تو تم ان کی کیسے عبادت کرتے ہو جن سے تم افضل ہو اور تمہاری قدرت ان سے زیادہ ہے؟ (قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ) اے مشرکوں کی جماعت (ثُمَّ كِيْدُوْنِ) تم اور وہ مل کر (فَلَا تُنْظِرُوْنِ) میری برائی میں جلدی کرو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تم ان کی عبادت کرو کیا وہ تمہیں ثواب دیں گے یا تمہیں جزاء دیں گے اگر تم سچے ہو کہ تمہارا ان کے ہاں نفع ہے۔

﴿۱۹۶﴾ (اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ) یعنی قرآن کہ اس نے میری مدد کی کتاب اُتار کر (وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ کے برابر کسی کو نہیں کرتے تو اللہ اپنی مدد سے ان کی حمایت کرتا ہے ان کے دشمنوں کی دشمنی ان کو نقصان نہیں دیتی۔

⑲ (وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ)

⑲ (وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ط یعنی بت وَتَرٰهُمْ اے محمد يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ) وہ بتوں کی طرف دیکھتے ہیں (وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ) یہاں حقیقتاً دیکھنا مراد نہیں ہے کہ مقابلہ مراد ہے عرب کہتے ہیں داری تنظیر الی دارک یعنی اس کے مقابل ہے اور بعض نے کہا ہے وتراهم ینظرون الیک یعنی گویا کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول (وترى الناس سكارى) ہے یعنی گویا کہ وہ نشہ میں ہیں یہ مفسرین کا قول ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین نہ سنتے ہیں اور نہ اپنے دل سے اس کو سمجھتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ آنکھوں سے تو آپ کو دیکھتے ہیں لیکن اپنے دل سے نہیں دیکھتے اور سمجھتے۔

⑲ (خُذِ الْعَفْوَ) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ لوگوں کے اخلاق سے چشم پوشی کریں اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی لوگوں کے اخلاق میں چشم پوشی کریں اور ان کے اعمال کو بغیر تجسس کے قبول کرلیں۔ مثلاً عذر کو قبول کرنا اور عفو چشم پوشی اور اشیاء کی تفتیش کو چھوڑنا۔ روایت کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو کہا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ سے پوچھ نہ لوں کچھ نہیں جانتا، پھر لوٹے اور کہا کہ بے شک آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے کہ جو آپ علیہ السلام سے رشتہ توڑے اس سے جوڑیں اور جو آپ کو محروم کرے اس کو دیں اور جو آپ سے ظلم کریں اس کو معاف کریں۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، سدی، ضحاک اور کلبی رحمہما فرماتے ہیں یعنی جو اموال میں سے بچ جائے وہ لے لیں اور وہ عیال سے بچنے والا مال ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "يسألونک ماذا ينفقون قل العفو" کا۔ پھر یہ آیت فرض صدقات سے منسوخ ہوگئی۔

(وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ) یعنی ہر وہ کام جس کو شریعت نیک قرار دے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرف یعنی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا حکم دیں (وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ) ابوجہل اور اس کے ساتھیوں سے۔ اس کو جہاد کی آیات نے منسوخ کردیا ہے اور بعض نے کہا کہ جب کوئی جاہل آپ علیہ السلام پر کوئی حماقت کا کام کرے تو اس کو تلوار سے جواب نہ دیں جیسے دوسری جگہ فرمایا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً کہ جب ان سے جاہل مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ابوجعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمدہ اخلاق کا حکم دیا ہے اور قرآن میں اس آیت سے زیادہ جامع آیت مکارمِ اخلاق کے بارے میں نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش گو نہ تھے اور نہ تکلف سے فحش گوئی کرتے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے لیکن معافی اور درگزر سے کام لیتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے عمدہ اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے اور اچھے افعال کو مکمل کرنے کے لیے۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

ترجمہ: اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۰۰﴾ (وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ) شیطان کا نزغ اس کا وسوسہ ہے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نزغ کی نسبت آدمی کی طرف ہو تو تھوڑی سی حرکت اور شیطان کی طرف ہو تو تھوڑا سا وسوسہ کا معنی ہوتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت "خذ العفو" نازل ہوئی تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ غصہ بھی تو ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی (وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ)

﴿۲۰۱﴾ (اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ) یعنی مؤمنین (طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ) ابن کثیر، اہل بصرہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "طیف" پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے (طائف) مد اور ہمزہ کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں جیسے میت اور مائت اور ان دونوں کا معنی وہ چیز جو تجھے تکلیف پہنچائے اور ایک قوم نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ ابو عمرو رحمہ اللہ فرماتے ہیں (الطائف) جو کسی چیز کے اِردگرد چکر لگائے اور "الطیف" وسوسہ اور بعض نے کہا ہے الطائف جو شیطان کی طرف سے وسوسہ آئے اور "الطیف" مس کرنا اور چونکا لگانا۔ "تذکروا" انہوں نے پہچانا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ شخص جو غصہ میں ہو پھر اللہ تعالیٰ کی یاد آئے تو وہ غصہ پر ضبط کر لے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آدمی گناہ کا پختہ ارادہ کر لے، پھر اللہ کی یاد آئے تو اس کو چھوڑ دے۔ "فاذا هم مبصرون" یعنی اپنی غلطیوں کی جگہ غور و فکر سے دیکھتے ہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب پھسلتے ہیں تو بہ کرتے ہیں۔ چونک گئے پھر اسی وقت ان کو سوجھ آ جاتی ہے) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے شک متقی جب اس کو شیطان چھیڑے تو وہ فوراً پہچان لیتا ہے کہ یہ گناہ ہے تو سمجھ کر اللہ کی مخالفت سے بچ جاتا ہے۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَىِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

ترجمہ: اور جو شیاطین کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ معجزہ کیوں نہ لائے آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا اتباع

کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے یہ (گویا) بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

تفسیر ⑳ (وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ) یعنی شیطانوں کے بھائی مشرکین میں سے ان کو شیطان کھینچتا ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر کافر کا ایک شیطان بھائی ہے (فِی الْغَیِّ) یعنی ان کے لیے گمراہ کرنے کو طلب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس پر جاری رہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے ان کو گمراہی میں زیادہ کرتے ہیں اور اہل مدینہ نے "یمدونهم" یاء کے پیش اور میم کی زیر کے ساتھ امداد سے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے زبر اور میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں لیکن معنی ایک ہے۔ (ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ) یعنی رُکتے نہیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نہ انسان اپنے برے اعمال سے رُکتے ہیں اور نہ شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے رُکتے ہیں۔ اس صورت میں "ثم لا یقصرون" مشرکین اور شیاطین سب کا فعل ہوگا۔ ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین گمراہی سے نہیں رُکتے اور نہ سمجھ رکھتے ہیں بخلاف مؤمنین کے کہ ان کو نصیحت کی جائے تو چونک جاتے ہیں اور ان کو سمجھ آجاتی ہے۔

⑳ (وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ) یعنی جب مشرکین کے پاس کوئی نشانی نہ آئے۔ تو کہتے ہیں کیوں نہ چھانٹ لایا تو نے اس کو اپنی طرف سے اور اپنے اختیار سے کیوں نہ کیا؟ عرب کہتے ہیں "اجتبیت الکلام" جب تو اس کو گھڑ لے۔ تو کچھ اپنی طرف سے) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ ضد کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نشانیوں کا مطالبہ کرتے تھے جب آپ تاخیر کرتے تو وہ کہتے کہ اپنی طرف سے کیوں نہیں ایجاد کر لیتے؟ (قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ) (قل) کہہ دیجئے اے محمد (انما اتبع ما یوحی الی من ربی هذا بصائر من ربکم) اس کا واحد بصیرت ہے۔ اس کا اصل معنی شے کا ظاہر اور پختہ ہونا تاکہ اس کو انسان دیکھ لے اور اس کے ذریعے رہنمائی حاصل کر لے (وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ)

⑳ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ) اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

آیت کا شان نزول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں اپنی ضروریات کی گفتگو کر لیتے تھے۔ پھر ان کو خاموش رہنے اور قرآن کی قرأت کو توجہ سے سننے کا حکم دیا گیا اور ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے اونچی آواز سے قرأت چھوڑنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں آوازوں کو بلند کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں جب جنت اور جہنم کی آیات سنتے تو آوازوں کو بلند کرتے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے چند لوگوں کو سنا کہ وہ امام کے ساتھ قرأت کرتے ہیں جب نماز ختم ہوئی تو فرمایا، کیا تمہارے سمجھنے کا وقت نہیں آیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ جیسا کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور یہ حسن اور زہری اور نخعی رحمہما اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، عطاء اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام کے جمعہ کے خطبہ کو سننے کے لیے خاموش ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فطر، اضحیٰ اور جمعہ کے دن خاموش ہونے کے بارے میں ہے اور جن نمازوں میں امام جہر کرتا ہے اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر واعظ کے قول کے لیے خاموش ہونا مراد ہے اور پہلا قول ان سب میں بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ آیت مکی ہے اور جمعہ مدینہ میں واجب ہوا ہے اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ امام کے خطبہ کے لیے خاموش ہونے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو اپنے ساتھی کو امام کے خطبہ کے دوران کہے خاموش ہو جا تو تو نے لغو کام کیا اور اہل علم کا اختلاف ہے کہ امام کے پیچھے نماز میں قرأت کا کیا حکم ہے؟ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ واجب ہے امام جہراً قرأت کر رہا ہو یا "سراً" یہی بات حضرت عمر، عثمان، علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ ہی امام اوزاعی اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستہ قرأت کرے ان میں مقتدی بھی قرأت کرے اور جن میں امام جہراً قرأت کرے ان میں نہ کرے یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور قاسم بن محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام زہری، امام مالک، ابن مبارک، امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ مقتدی بالکل قرأت نہ کرے خواہ امام سراً قرأت کر رہا ہو یا جہراً۔ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی کے سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اصحاب رائے قائل ہیں۔ جو حضرات امام کے پیچھے قرأت کو جائز نہیں سمجھتے وہ اس آیت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں اور جنہوں نے قرأت کو واجب کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت فاتحہ کے علاوہ قرآن کے بارے میں ہے اور مقتدی جب فاتحہ پڑھے تو امام کے سکتوں کی اتباع کرے یعنی امام جب خاموش ہو تو وہ کچھ فاتحہ پڑھ لے اور قرأت میں امام سے جھگڑا نہ کرے۔ اس پر دلیل عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرأت بوجھل ہوگئی جب نماز ختم ہوئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) جی اللہ کی قسم! تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو مگر ام القرآن کیونکہ جو اس کو نہ پڑھے تو اس کی نماز ہی نہیں ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

ترجمہ: اور (آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔

﴿۲۰۵﴾ (وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں ذکر سے نماز میں قرأت کرنا مراد ہے۔ یعنی آہستہ اپنے دل میں قرأت کرے اور دون الجہر سے مراد یہ ہے کہ جہری نماز میں بھی بہت زیادہ آواز بلند نہ ہو بلکہ سکون کے ساتھ کچھ پست آواز ہو جو اپنے پچھلوں کو سنائی دے۔

مجاہد اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ دعا میں اس کی طرف آہ و زاری کریں اور سینوں میں اس کا ذکر کریں۔ آواز بلند کریں اور نہ دعا میں چیخیں (بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ) یعنی صبح اور شام کو آصال کا واحد اصیل ہے یمین اور ایمان کی طرح یہ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

ترجمہ: یقیناً جو (ملائکہ) تیرے رب کے نزدیک (مقرب) ہیں وہ اس کی عبادت سے (جس میں اصل عقائد ہیں) تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (جو کہ طاعت لسانی ہے) اور اس کو سجدہ کرتے ہیں (جو کہ اعمال جوارح ہیں)

تفسیر: ﴿۲۰۶﴾ (اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ) یعنی مقرب فرشتے (لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ) اس کو یاد کرتے ہیں اور پاکی بیان کرتے ہیں اور سبحان اللہ کہتے ہیں (وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے ہائے بربادی اس کو سجدہ کا حکم دیا گیا اس نے سجدہ کر لیا اس کو جنت ملے گی اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے نافرمانی کی تو میرے لیے جہنم ہے۔ معدان سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ مجھے ایک ایسی حدیث بیان کریں جس کے ذریعے مجھے اللہ تعالیٰ نفع دیں تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو بندہ اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سجدہ کے ذریعے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں اور اس سے ایک گناہ مٹا دیتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ

یہ سورۃ مدنی ہے اوراس کی پچھتر آیات ہیں۔ بعض نے کہا سات آیات کی ہیں "واذ یمکربک الذین کفروا" سے آخر تک سات آیات یہ مکہ میں نازل ہوئی تھیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ سات بھی مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ اگرچہ واقعہ مکہ میں پیش آیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔ یہ لوگ آپ سے (خاص غنیموں کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

سورۃ الانفال کا شانِ نزول

تفسیر ① (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ) مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا تھا کہ جو اس جگہ آیا تو اس کے لیے مالِ غنیمت میں اتنا حصہ اور جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کے لیے اتنا حصہ اور جس نے کسی کو قیدی بنایا تو اس کے لیے اتنا حصہ۔ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تو نوجوانوں نے جلدی کی اور بزرگ حضرات نے ثابت قدمی دکھائی اور لوگوں کے چہرے جھنڈوں کی طرف تھے جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

تو نوجوان مطالبہ کرنے آئے تو بزرگ حضرات نے کہا کہ ہم تمہارے پیچھے ڈھال تھے اگر تمہیں پسپائی ہوتی تو ہماری طرف لوٹتے تو اکیلے مالِ غنیمت نہ سمیٹو تو ابوالیسر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ بنی سلمہ کے بھائی کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! آپ علیہ السلام نے وعدہ فرمایا تھا کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کو اتنا حصہ اور جس نے قیدی بنایا تو اس کو اتنا حصہ ملے گا اور ہم نے ان کے ستر مار ڈالے اور ستر کو قیدی بنایا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! جو

چیز یہ مانگ رہے ہیں اس سے ہمارے لیے نہ آخرت سے بے رغبتی رُکاوٹ بنی اور نہ دشمن کا خوف۔ بس ہمیں یہ ناپسند ہوا کہ ہم آپ علیہ السلام کو صفوں میں اکیلا چھوڑ دیں کہ مشرکین کا کوئی گھڑ سوار آپ کو نقصان پہنچا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں حضرات سے اعراض کیا تو سعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک لوگ زیادہ اور مال غنیمت کم ہے۔ اگر آپ صرف ان لوگوں کو دیتے ہیں جن کا آپ علیہ السلام نے تذکرہ کیا تھا تو آپ علیہ السلام کے باقی ساتھیوں کے لیے کچھ نہیں بچتا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ **"یسئلونک عن الانفال"** ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت پورے لشکر سے جمع کرنے کا حکم دیا تو مسلمانوں میں اختلاف ہوا جنہوں نے مال غنیمت دشمن کے لشکر سے جمع کیا تھا، انہوں نے کہا یہ ہمارا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام پہلے یہ اعلان فرما چکے تھے کہ جس کے ہاتھ جو کچھ لگے وہ اس کا ہے اور جن حضرات نے لڑائی کی تھی انہوں نے کہا کہ اگر ہم نہ ہوتے تو تمہیں یہ نہ ملتا اور جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکیداری کی تھی، انہوں نے کہا کہ ہم بھی دشمن سے قتال اور مال غنیمت جمع کر سکتے تھے لیکن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی دشمن کے حملہ سے تو تم ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو۔

مکحول رحمہ اللہ نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے انفال کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اصحاب بدر کے بارے میں نازل ہوئی جب ہمارا مال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف ہوا اور ہمارے اخلاق برے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دے دیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو ہمارے درمیان برابر تقسیم کیا تو اس میں اللہ کا تقویٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اور باہمی معاملات کی درستگی بھی پائی گئی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بدر کے دن میرا بھائی عمیر شہید ہوا اور میں نے سعید بن عاص بن اُمیہ کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے لی اس کا نام ذوالکتیفہ تھا وہ مجھے بڑی اچھی لگی، میں اس کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو مشرکین سے شفا دی ہے۔ آپ مجھے یہ تلوار ھبہ کر دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نہ میری اور نہ تیری اس کو پھینک دے، میں نے اس کو مال غنیمت کے ڈھیر پر پھینک دیا اور واپس لوٹ گیا، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنے بھائی کی شہادت اور اس تلوار کے نہ ملنے کا مجھے کتنا غم تھا اور میں نے کہا کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ تلوار اس شخص کو دیں جس پر میرے جیسی آزمائش نہیں آئی۔ میں تھوڑا ہی آگے گیا تھا کہ آپ علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے۔ آپ علیہ السلام پر یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ مجھے ڈر ہوا کہ میرے بارے میں کوئی حکم نہ اُترا ہو جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے سعد! تو نے مجھ سے تلوار مانگی اس وقت مجھے اختیار نہ تھا اب مجھے اختیار ہے جا کر اس کو لے لو (قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ) وہ اس کو تقسیم کریں جیسے چاہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دوسری آیت **"واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول"** کی وجہ سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اس وقت مال غنیمت کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو خمس کے ذریعے منسوخ کر دیا۔

اورعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ثابت ہے منسوخ نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کہہ دیں کہ غنیمت دُنیا اور آخرت میں اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ہے اس کو خرچ کریں گے جہاں اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیں گے یعنی غنیمت کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور اس غنیمت کے مصارف "واعلموا انما غنمتم" میں بیان کردیے ہیں (فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ) یعنی اللہ کا کہنا مان کر اس سے ڈرو اور جھگڑا اور مخالفت چھوڑ کر آپس میں صلح کرو (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ❷ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ❸ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ❹

ترجمہ: (کیونکہ) بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان اور زیادہ (مضبوط) کردیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (اور) جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (بس) سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں۔ ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور (ان کے لئے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

تفسیر: ❷ (ان کنتم مؤمنین) یعنی وہ لوگ مؤمن نہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں سچے مؤمن تو وہ ہیں (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ) بعض نے کہا جب اللہ سے ڈرائے جائیں تو اس کے عذاب کے خوف سے مطیع ہو جائیں (وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا) تصدیق اور یقین میں۔ عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کو شرف صحابیت حاصل ہے کہ ایمان کے لیے بھی کمی اور زیادتی ہے۔ عرض کیا گیا اس کی زیادتی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب ہم اللہ کا ذکر اور اس کی حمد کرتے ہیں تو یہ ایمان کی زیادتی ہے اور جب ہم غفلت کرتے ہیں تو یہ ایمان کی کمی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عدی بن عدی کی طرف خط لکھا کہ ایمان کے فرائض، شرائع، حدود اور سنن ہیں جو ان کو مکمل کرلے تو اس نے ایمان کو مکمل کرلیا اور جس نے ان کو مکمل نہ کیا تو ایمان بھی مکمل نہ ہوا (وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ) یعنی اپنے تمام امور اس کے سپرد کرتے ہیں اور اس پر اعتماد رکھتے ہیں اس کے غیر سے نہ کوئی اُمید رکھتے ہیں اور نہ اس کے سوا کسی سے ڈرتے ہیں۔

❸ (الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ)

❹ (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کفر سے بری ہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو مؤمن حق کہے اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صفت مخصوص صفات والے لوگوں کی بیان کی ہے اور ہر ایک میں یہ صفات پائی نہیں جاسکتیں۔ ابن ابی نجیح فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت حسن رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ کیا آپ مؤمن ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن اور جنت اور جہنم اور دوبارہ جی اُٹھنے اور حساب پر ایمان رکھنے کے بارے میں پوچھ رہا ہے تو میں ان پر ایمان رکھتا ہوں اور اگر تو اس آیت کے بارے میں پوچھ رہا ہے "انما المؤمنون الّذین اذا ذکر اللّٰہ الخ" تو مجھے معلوم نہیں کہ میں ایسا مؤمن ہوں یا نہیں۔ علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے تو ہمیں ایک جماعت ملی تو ہم نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم مؤمنین حق ہیں تو ہم ان کو کوئی جواب نہ دے سکے یہاں تک کہ ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ان کے قول کی ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے ان کو کیا جواب دیا؟ ہم نے کہا کچھ نہیں کہا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے ان کو یہ کیوں نہ کہا کہ کیا تم جنتی لوگ ہو؟ کیونکہ مؤمنین تو جنتی لوگ ہیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کا گمان ہے کہ وہ عنداللہ مؤمن حق ہے پھر وہ اپنے جنتی ہونے کی گواہی نہیں دیتا تو وہ آدھی آیت پر ایمان لایا، آدھی پر نہیں لایا (لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنت کے درجے ہیں جن پر اپنے اعمال کے ذریعے چڑھیں گے۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ستر درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان تیز رفتار گھوڑے کے ستر سال دوڑنے جتنا فاصلہ ہے (وَمَغْفِرَۃٌ) ان کے گناہوں کی (وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ) اچھی یعنی جو ان کے لیے جنت میں تیار کی گئی ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِھُوْنَ ⑤ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَھُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑥

ترجمہ: جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ (اور) وہ اس مصلحت (کے کام) میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا (اپنے بچاؤ کے لئے) آپ سے (بطور مشورہ) اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جا رہا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

تفسیر: ⑤ (كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِھُوْنَ) اس میں اختلاف ہے کہ باری تعالیٰ کے قول "کما اخرجک ربّک" میں کاف کو لانے کی وجہ کیا ہے؟ مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی اصل عبارت "الانفال للّٰہ والرّسول وان کرھوا کما اخرجک ربّک من بیتک بالحق وان کرھوا" ہے اور بعض نے کہا ہے اصل عبارت یہ ہے۔ انفال کے بارے اللہ کے حکم کو جاری کریں۔ اگر چہ وہ اس کو ناپسند کریں۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام نے تجارتی قافلہ کی تلاش میں گھر سے نکلنے میں اللہ کے حکم کو جاری کیا تھا اور لوگ اس کو ناپسند کرتے تھے اور عکرمہ رحمہ اللہ

فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اپنے درمیان معاملہ کی اصلاح کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے گھر سے حق کے ساتھ نکالنا تمہارے لیے بہتر تھا۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے اس کو ناپسند کیا تھا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جیسا کہ ایک فریق کے ناپسند سمجھنے کے باوجود آپ کے رب نے آپ کو گھر سے نکالا حق کے ساتھ اسی طرح وہ قتال کو ناپسند کرتے اور اس کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول "**لھم درجات عند ربھم**" کی طرف لوٹ رہا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے ان سے درجات کا وعدہ کرنا حق ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کریں گے۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کو آپ کے گھر سے نکالا حق کے ساتھ اور مدد و کامیابی کا اپنا وعدہ پورا کیا اور بعض نے کہا ہے کہ کاف علیٰ کے معنی میں ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ آپ علیہ السلام اس پر جاری رہیں جس پر آپ کے رب نے آپ کو نکالا اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں یہ قسم کے معنی میں ہے مجازاً۔ "**والذی اخرجک**" اس لیے کہ "**ما**" الذی کی جگہ ہے اور اس کا جواب "**یجادلونک**" ہے اور اس پر قسم واقع ہوگی۔ اس کی تقدیر "**یجادلونک واللہ الذی اخرجک ربک من بیتک بالحق**" ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کاف "**اذا**" کے معنی میں ہے۔ اصل عبارت "**واذکر اذا اخرجک ربک**" ہے اور بعض نے کہا ہے اس اخراج سے مراد آپ علیہ السلام کو مکہ سے مدینہ کی طرف نکالنا ہے۔ اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی) اکثر مفسرین کے نزدیک اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے بدر کی طرف نکلنا مراد ہے۔ یعنی جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کو اپنے گھر مدینہ سے نکلنے کا حکم حق کے واسطے۔ بعض نے کہا ہے وحی کے ساتھ مشرکین کی تلاش کے لیے "**ان فریقا من المؤمنین**" ان میں سے۔ "**لکارھون**"

⑥ (يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ) قتال میں (بَعْدَ مَاتَبَيَّنَ) اس کا پس منظر یہ ہے کہ مؤمنین کو جب لڑائی کا یقین ہوگیا تو یہ بات ناپسندیدہ ہوئی اور کہنے لگے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ دشمن سے ٹکراؤ ہوگا تا کہ ہم بھی لڑائی کی تیاری کر لیتے ہم تو تجارتی قافلہ کے لیے نکلے تھے تو یہ ان کا جھگڑا ہے اس بات کے ظاہر ہونے کے بعد کہ آپ علیہ السلام وہی کرتے ہیں جو آپ کو حکم دیا جاتا ہے (كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ) ان کے قتال کو سخت ناپسند سمجھنے کی وجہ سے (وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ) اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں بنے گی۔ "**وانّ فریقًا من المؤمنین لکارھون کانّما یساقون الی الموت وھم ینظرون یجادلونک فی الحق بعد ماتبیّن**"

ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان مشرکین نے آپ علیہ السلام سے حق کے بارے میں جھگڑا کیا ہے۔ جب ان کو اسلام کی طرف بلایا جائے تو گویا کہ وہ موت کی طرف بلائے جارہے ہیں کیونکہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ " وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ "

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ⑦

ترجمہ اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ

تمہارے ہاتھ آجاوے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آجاوے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً ثابت کردے) اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کردے۔

تفسیر ⑦ (وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ)

ابوسفیان کا تجارتی قافلہ اور عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

ابن عباس، ابن زبیر رضی اللہ عنہم، محمد بن اسحاق اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان شام سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ لے کر آرہا تھا اس میں چالیس آدمی قریش کے بڑے بڑے تھے ان میں عمرو بن عاص اور مخرمہ بن نوفل زہری بھی تھے۔ اس میں قریش کا بہت زیادہ تجارتی سامان تھا، جب وہ بدر کے قریب پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اطلاع دی کہ مال زیادہ ہے اور تعداد تھوڑی ہے اور فرمایا یہ قریش کا قافلہ ہے اس میں تمہارے مال ہیں تم نکلو شاید اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لیے مال غنیمت بنادے تو لوگوں نے جلدی تیاری کی اور بعض نے تھوڑا سامان اُٹھایا اور بعض نے زیادہ کیونکہ ان کو یہ خیال نہ تھا کہ آگے دشمن سے ٹکراؤ ہوگا، جب ابوسفیان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی خبر سنی تو ضمضم بن عمرو غفاری کو اُجرت پر پیغام پہنچانے کے لیے مکہ بھیجا کہ وہ قریش کو جا کر بتائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا مال لینے نکل پڑے ہیں۔

ضمضم بڑی تیزی سے مکہ کی طرف چلا، اس کے مکہ جانے سے تین دن پہلے عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا جس کی وجہ سے گھبرا گئی اور اپنے بھائی عباس کو کہا کہ ایک خواب تجھے سناتی ہوں جس کی وجہ سے خوفزدہ ہوں لیکن تو کسی کو نہ بتانا مجھے ڈر ہے کہ تیری قوم پر کوئی شر اور مصیبت داخل ہونے لگی ہے انہوں نے کہا کیا خواب دیکھا ہے؟ تو عاتکہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور وادی ابطح پر آکر ٹھہر گیا، پھر بلند آواز سے چلایا سنو کوچ کروائے غدار قوم اپنے مرهٹ کی طرف تین دن میں۔ پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے اِردگرد جمع ہو رہے ہیں، پھر وہ مسجد میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے تھے۔ پھر وہ اس کے اِردگرد تھے وہ کعبہ کی چھت پر چڑھا اور پھر بلند آواز سے وہی اعلان کیا۔ پھر جبل ابی قبیس پر گیا اور پھر وہی اعلان کیا، پھر ایک چٹان لے کر نیچے کی طرف پھینکی، جب وہ چٹان زمین پر گری تو ریزہ ریزہ ہوگئی اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں اس کی کنکری نہ گئی ہو تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ تو واقعی بڑا عجیب خواب ہے تو اس کو چھپالے، کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔ پھر عباس وہاں سے نکلے تو ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرت عباس کا دوست تھا، آپ نے وہ خواب اس کو سنایا اور چھپانے کا کہا اس نے اپنے باپ عتبہ کو سنایا پھر تو بات اتنی پھیل گئی کہ قریش اسی کی باتیں کرنے لگے۔

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اگلے دن بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ ابوجہل بن ہشام قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا وہ لوگ عاتکہ کے خواب کی باتیں کر رہے تھے، جب ابوجہل نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا اے ابوالفضل جب طواف سے

فارغ ہو جاؤ تو ہمارے پاس آنا۔ عباس کہتے ہیں جب میں طواف سے فارغ ہوا تو ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا تو ابوجہل نے کہا اے عبدالمطلب کی اولاد یہ دلیل تم میں کب ظاہر ہوئی؟ میں نے کہا کون سی؟ کہنے لگا وہ خواب جو عاتکہ نے دیکھا ہے۔ میں نے کہا کیا دیکھا ہے؟ تو وہ کہنے لگا اے عبدالمطلب کی اولاد کیا تم اپنے مردوں کے جھوٹے نبی بننے سے راضی نہیں ہوئے، اس لیے تمہاری عورتیں بھی جھوٹی نبی بننے لگ گئی ہیں؟ عاتکہ نے اپنے خواب کے مطابق یہ خیال کیا ہے کہ آنے والے نے کہا تین دن میں کوچ کرو ہم تین دن انتظار کریں گے اگر اس نے جو کہا ہے سچ ہوا تو ٹھیک ورنہ اگر تین دن گزر گئے اور ایسی کوئی بات نہ ہوئی تو ہم تم پر ایک تحریر لکھ دیں گے کہ تم عرب میں سب سے جھوٹا گھرانہ ہو۔

عباس کہتے ہیں کہ میرے پاس انکار کے سوا چارہ نہ تھا، پھر جب میں گھر آیا تو بنوعبدالمطلب کی عورتیں مجھے آ کر طعن کرتی رہیں کہ تم نے اس خبیث فاسق کی بات مان لی۔ یہ پہلے تمہارے مردوں کو تنگ کرتا تھا اب تمہاری عورتوں کو ذلیل کرنا چاہتا ہے کیا تمہارے پاس غیرت نہیں ہے میں نے کہا اب اگر اس نے ایسا کچھ کیا تو میں اس کو کافی ہو جاؤں گا۔

ضمضم بن عمرو کا مکہ والوں کو خطرے سے آگاہ کرنا

تیسرے دن حضرت عباس عاتکہ کی طرف غصہ میں چلے کہ اس نے ایسی بے بنیاد بات کیوں کی تو اتنے میں ضمضم بن عمرو کی آواز آئی وہ اپنے اونٹ پر بیٹھا آواز لگا رہا تھا، اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دی تھی اور اپنے کجاوہ کو اُلٹ دیا تھا اور اپنی قمیص پھاڑی ہوئی تھی اور کہہ رہا تھا اے قریش کا گروہ! تمہارا مال جو ابوسفیان کے پاس ہے محمد اس کے درپے ہیں میرا نہیں خیال کہ تم اس تک پہنچ سکو گے مدد مدد۔ تو لوگوں نے جلدی سے تیاری کی اور قریش کے سرداروں میں سے کوئی پیچھے نہ رہا سوائے ابولہب کے وہ پیچھے رہ گیا اور اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا۔ جب قریش چلنے کے لیے جمع ہو گئے تو ان کو یاد آیا کہ ان کے اور بنوبکر بن عبد مناف بن کنانۃ بن حارث کے درمیان دشمنی ہے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہمارے پیچھے حملہ نہ کر دیں تو قریب تھا کہ وہ واپس پلٹ جاتے تو شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں آیا۔ یہ سراقہ بنوبکر کے معزز لوگوں میں سے تھا اور کہنے لگا میں تمہیں پناہ دیتا ہوں کہ تمہارے پیچھے بنوبکر کوئی حملہ نہ کریں گے تو وہ جلدی سے روانہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ رمضان کی چند راتیں گزرنے کے بعد چل پڑے۔ جب آپ علیہ السلام وادی ذوقرد پر پہنچے تو آپ علیہ السلام کے پاس قریش کے چلنے کی خبر پہنچی کہ وہ اپنے قافلہ کا دفاع کرنے آ رہے ہیں تو آپ علیہ السلام وہاں سے چل پڑے۔ مقام روحاء پہنچے تو ان کا ایک جاسوس پکڑا اور اس سے ساری خبر لی اور آپ علیہ السلام بھی انصار کے حلیف میں سے عبداللہ بن اریقط کو جاسوس بنا کر بھیج چکے تھے۔ یہ جہینہ قبیلہ کے شخص تھے تو یہ بھی خبریں لائے تجارتی قافلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکل گیا تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا یا تو قافلہ یا قریش اور تجارتی قافلہ ان کو پسند تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور صحابہ کرام کی جانثاری

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ تجارتی قافلے کا پیچھا کیا جائے؟ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بعد مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا وہ کام کریں جس کا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ہم آپ علیہ السلام کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم ہم آپ کو وہ جواب نہ دیں گے جو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں لیکن ہم تو یہ جواب دیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑو ہم بھی ساتھ لڑیں گے۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں برک الغماد یعنی حبشہ لے جائیں تو وہاں تک پہنچنے تک ہم آپ کے ساتھ رہیں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بہتر ہے اور ان کے لیے خیر کی دُعا کی۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو، آپ علیہ السلام کی مراد انصار تھے کیونکہ انصار سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر وہ دشمن کا مقابلہ نہ کریں گے اور جو دشمن مدینہ میں آ کر آپ علیہ السلام کو تنگ کرے تو وہ خوب دفاع کریں گے۔ جب آپ علیہ السلام نے فرمایا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کہنے لگے شاید آپ علیہ السلام ہم سے مخاطب ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ جو دین آپ علیہ السلام لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم اس بات پر آپ علیہ السلام کو پختہ وعدہ دے چکے کہ آپ کی سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ آپ چلیں اے اللہ کے رسول! اپنے ارادہ کی طرف۔

پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں تیر کر اس سمندر کے پار کرنے کا حکم دیں گے تو ہم میں سے کوئی پیچھے نہ ہٹے گا اور اُمید ہے اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ چیز دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی تو آپ علیہ السلام کو حضرت سعد کی بات سے بڑی خوشی ہوئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی برکت کے ساتھ چلو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ کی قسم! گویا میں قوم کے مرنے کی جگہ دیکھ رہا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے اور آپ علیہ السلام اپنا دست مبارک زمین پر رکھتے اور اشارہ کرتے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی جگہ سے ہٹ کر نہ مرا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کا (اَنَّھَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ) یعنی تجارتی قافلہ جس میں لڑائی نہ ہوتی۔ الشوکۃ شدت اور قوت اور ہتھیار کو بھی کہا جاتا ہے۔

(وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ) یعنی حق کو غالب کر دے تمہیں قتال کا حکم دے کر اور بعض نے کہا ہے کہ اپنے وعدہ کی وجہ سے جو پہلے سے طے ہے کہ وہ دین کو غالب کرے گا اور عزت دے گا (بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ) یعنی ان کو جڑ سے اکھاڑ دے ان کفار عرب میں سے کوئی باقی نہ رہے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ⑧ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ⑨

ترجمہ: تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً ثابت کردے) گو یہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آویں گے۔

تفسیر: ⑧ (لِيُحِقَّ الْحَقَّ) یعنی اسلام کو ثابت کرے (وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ) کفر کو فنا کردے (وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ) مشرکین۔ بدر کا واقعہ جمعہ کے دن سترہ رمضان کو پیش آیا۔

⑨ (اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ) تم اس سے پناہ طلب کرنے لگے اور دشمن کے خلاف مدد طلب کرنے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا، وہ ایک ہزار اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تین سو سے کچھ زائد تھے آپ علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیمہ میں تشریف لے گئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ اُٹھائے اور دُعا کی کہ اے اللہ! جو تو نے مجھ سے وعدہ کیا اس کو پورا کر۔ اے اللہ! اگر تو مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کردیگا تو زمین میں تیری عبادت نہ ہوگی، آپ علیہ السلام دُعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کی چادر کندھوں سے گر گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر پکڑ کر دوبارہ کندھوں پر ڈال دی۔ پھر آپ علیہ السلام کو چمٹ گئے اور کہا اے اللہ کے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ پورا کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "اذ تستغیثون ربکم" (فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ)

روایت کیا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام پانچ پانچ سو فرشتوں کے ساتھ آئے۔ یہ انسانی شکل میں تھے، چتکبرے گھوڑوں پر ان پر سفید کپڑے اور سر پر سفید عمامے تھے، ان عماموں کی ایک جانب کندھوں کے درمیان لٹکائی ہوئی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں، اپنے گھوڑے کے سر کو پکڑے ہوئے، اس پر لڑائی کے ہتھیار ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ملائکہ کی علامت بدر کے دن سفید پگڑیاں اور حنین کے دن سبز پگڑیاں تھیں اور فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی جنگ میں لڑائی نہیں کی۔ بدر کے علاوہ غزوات میں یہ تعداد بڑھانے اور مدد کے لیے آئے تھے۔ ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بدر میں شریک ہوئے تھے ان کی نگاہ جب چلی گئی تو فرمانے لگے اگر میں آج تمہارے ساتھ بدر میں ہوتا اور میری نگاہ ٹھیک ہوتی تو تمہیں وہ گھاٹی دکھاتا جس سے فرشتے نکلے تھے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ⑫

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس (حکمت کے) لئے کی کہ (غلبہ کی) بشارت ہو اور تا کہ تمہارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہو جاوے اور (واقع میں) تو نصرت (اور غلبہ) صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والے ہیں۔ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ کو طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور (اس کے قبل) تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو (حدث اکبر و اصغر سے) پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارا پاؤں جما دے اس وقت کو یاد کرو جبکہ آپ کا رب ان فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (و مددگار ہوں) سو (مجھ کو مددگار سمجھ کر) تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں بھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم (کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔

تفسیر: ⑩ (وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى) یعنی فرشتوں کی مدد (وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ)

⑪ (اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ) ابن کثیر اور ابو عمرو نے (یغشاکم) یاء کے زبر کے ساتھ اور (النعاس) پیش کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ اس فعل کا فاعل ہے سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے قول (امنة نعاسا یغشی طائفة منکم) کی وجہ سے اہل مدینہ نے (یغشیکم) یاء کے پیش اور شین کی زیر کے ساتھ بغیر شد کے پڑھا ہے (النعاس) زبر کے ساتھ اس بناء پر کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہے اللہ تعالیٰ کے قول (فغشا ھا ما غشی) کی وجہ سے اور النعاس ہلکی نیند (اونگھ) (امنة) امن ہے (منه) مصدر ہے امنت امنا و امنة و امانا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قتال میں اونگھ اللہ کی طرف سے سکون ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے ہے۔ (وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ) اس کا پس منظر یہ ہے کہ مسلمانوں نے غزوہ بدر میں ایسے ریتلے ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا کہ اس میں پاؤں اور گھوڑوں کے کھر دھنس جاتے تھے کیونکہ مشرکین ان سے پہلے اس جگہ پہنچ کر پختہ جگہ اور پانی کے کنویں پر قابض ہو چکے تھے تو صبح کو بعض مسلمانوں کو حدث لاحق ہوا اور بعض کو پیاس لگی تو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ تم کہتے ہو کہ ہم حق پر ہیں ہمارے ساتھ اللہ کا نبی ہے اور تم اللہ کے اولیاء ہو اور مشرکین پانی پر قابض ہیں اور تم جنبی اور بے وضو نماز پڑھ رہے ہو تو تم ان پر غالب کیسے آؤ گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش بھیجی جس سے وادی بہہ پڑی اور مسلمانوں نے پانی پیا، غسل اور وضو کیا، جانوروں کو پلایا، برتن اور مشکیزے بھر لیے اور غبار جم گئی اور زمین سخت ہو گئی کہ اس پر پاؤں جمنے لگے اور شیطان کا وسوسہ دور ہو گیا (لیطھر کم به سے مراد حدث اور جنابت سے پاکی مراد ہے) (وَيُذْهِبَ

عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ) اور اس کا وسوسہ (وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ) یہاں تک کہ ریت میں نہ دھنسیں اور بعض نے کہا ہے کہ صبر اور دل کو مضبوط کر کے ثابت قدم رکھا۔

⑫ (اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ) ان فرشتوں کی طرف جن کے ذریعے مؤمنین کی مدد کی (اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) یعنی ان کے دلوں کو مضبوط کرو۔ بعض نے کہا یہ ثابت قدمی ان کے لڑائی میں حاضر ہونے اور مدد کرنے کے ذریعے ہوئی اور مقاتل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کو مدد کی خوشخبری دو، فرشتے صف کے آگے انسانی شکل میں چلتے تھے اور کہتے تھے خوش ہو جاؤ بے شک اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

(سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ) عطاء فرماتے ہیں کہ اللہ کے اولیاء کا خوف مراد ہے (فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ) بعض نے کہا یہ خطاب مؤمنوں کو ہے اور بعض نے کہا یہ خطاب فرشتوں کو ہے اور یہ "فثبتوا الذین اٰمنوا" کے ساتھ متصل ہے (وَاضْرِبُوْا مِنْھُمْ کُلَّ بَنَانٍ) عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ہر جوڑ کاٹو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن جریج اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے اطراف کاٹو "بنان بنانۃ" کی جمع ہے دونوں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے اطراف مراد ہیں۔ ابن الانباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ انسانوں کو کس طرح قتل کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تعلیم دی۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان جنگ میں ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک مسلمان نے اپنے اوپر کوڑے اور گھوڑ سوار کی آواز سنی کہ وہ کہہ رہا ہے۔ حیزوم آگے دیکھا مشرک تو گرا پڑا ہے جا کر دیکھا تو وہ مر چکا تھا اور اس کا چہرہ کوڑے کے لگنے کی وجہ سے پھٹ چکا تھا تو وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ یہ تیسرے آسمان سے مدد ہے تو اس دن ستر کو قتل کیا اور ستر کو قید کیا۔ ابوداؤد مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہ غزوہ بدر میں شریک تھے کہ میں ایک مشرک کے پیچھے قتل کرنے کے لیے لگا ہوا تھا تو میری تلوار اس کو لگنے سے پہلے اس کا سر کٹ گیا تو میں سمجھ گیا کہ اس کو میرے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہے۔ ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو غزوۂ بدر میں دیکھا کہ ہم میں سے کوئی تلوار سے اشارہ کرتا تو مشرک کا سر، اس کے جسم سے الگ ہو جاتا تلوار لگنے سے پہلے۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عباس بن عبد المطلب کا غلام تھا اور ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا میں اور ام الفضل اسلام لا چکے تھے اور حضرت عباس پر ان کی قوم کا رعب تھا اور ان کی مخالفت سے ڈرتے تھے اور اسلام کو چھپائے ہوئے تھے، ان کا بہت سارا مال جو ان کی قوم میں پھیلا ہوا تھا اور ابولہب اللہ کا دشمن بدر سے پیچھے رہ گیا تھا اور اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تھا۔ جب بدر والوں کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو اللہ نے اس کو ذلیل و رسوا کیا اور ہم اپنے دل میں قوت و عزت محسوس کرنے لگے، میں ایک کمزور شخص تھا اور پیالے بناتا تھا اور ان کو زمزم کے پاس بیٹھ کر کھرچتا تھا، اللہ کی قسم! میں وہاں بیٹھا پیالے کھرچ رہا تھا اور اُم فضل میرے پاس بیٹھی تھیں کہ فاسق ابولہب پاؤں گھسیٹتا ہوا آیا اور وہاں پتھر پر بیٹھ گیا، اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی وہ وہاں بیٹھا کہ لوگوں نے کہا ابوسفیان بن

حارث آ گئے تو ابولہب کہنے لگا اے بھتیجے میرے پاس آ تیرے پاس کوئی خبر ہے؟ تو وہ آ کر بیٹھ گیا اور لوگ اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ ابولہب نے پوچھا اے بھتیجے مجھے خبر دے لوگوں کا کیا معاملہ بنا؟ اس نے کہا کچھ نہیں اللہ کی قسم ہماری ان سے لڑائی ہوئی، وہ ہمیں قتل کرنے لگے اور قید کرنے لگے جیسے ان کا دل چاہے اور اللہ کی قسم! میں لوگوں کو ملامت نہیں کرتا، ہماری مڈبھیڑ سفید لوگوں سے ہوئی، وہ چتکبرے گھوڑوں پر آسمان وزمین کے درمیان تھے تو ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ کی قسم! وہ فرشتے تھے تو ابولہب نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور میرے چہرے پر زور کا تھپڑ مارا اور مجھے اُٹھا کر زمین پر پھینک دیا، پھر مجھ پر چڑھ بیٹھا اور مجھے مارنے لگا، میں کمزور آدمی تھا، تو اُم فضل کھڑی ہوئیں اور حجرہ کے ایک ستون کی لکڑی پکڑی اور ابولہب کو ماری تو اس کے سر میں زخم ہو گیا اور کہا کہ اس کا آقا نہیں ہے تو تو اس کو کمزور سمجھتا ہے؟

تو وہ ذلیل ہو کر چلا گیا۔ پس اللہ کی قسم! وہ اس کے بعد صرف سات راتیں زندہ رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک کنکر مار کر ہلاک کر دیا۔ مقسم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس کو ابوالیسر کعب بن عمرو بن سلمہ کے بھائی نے قید کیا تھا حالانکہ حضرت عباس بڑے قدآور صحت مند تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالیسر سے پوچھا کہ آپ نے عباس کو کیسے قید کر لیا؟ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ اس پر میری ایک آدمی نے مدد کی، میں نے نہ اس کو اس سے پہلے دیکھا اور نہ اس کے بعد اس کی ہیئت اس طرح تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری مدد معزز فرشتے نے کی ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑬ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑯

ترجمہ: یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس موقع پر (مقابلہ کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آ جاوے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

تفسیر: ⑬ (ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ)

⑭ (ذٰلِكُمْ) عذاب اور مار جو تم کو بدر میں جلدی ملی اے کافرو! (فَذُوْقُوْهُ) جلدی (وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ) اور

جان لو اور یقین کر لو کہ کافروں کا وقت مقرر ہے۔ (عذاب النار) عکرمہ رحمہ اللہ۔ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر سے فارغ ہوئے تو آپ علیہ السلام کو عرض کیا گیا۔ آپ اب قافلہ کے لیے نکلیں اس سے کوئی رُکاوٹ نہیں ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قید کی حالت میں آواز دی کہ وہ آپ کو نہ ملے گا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا اور آپ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کا وعدہ مل چکا ہے۔

⑮ (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا) یعنی اکٹھے ایک دوسرے میں گھستے ہوئے اور التزاحف قتال میں ایک دوسرے کے قریب ہونا اور الزحف مصدر ہے اس لئے جمع نہیں لائی گئی ان کے قول قوم عدل ورضا کی طرح لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں ازحف جماعة یزحفون الی عدولهم بمرة فرماتے ہیں ان سے اپنی پیٹھ نہ پھیرو۔ یعنی شکست کھا کر نہ بھاگو کیونکہ شکست کھا کر بھاگنے والا پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ (فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ) اس کا مطلب یہ ہے کہ ازحف اس جماعت کو کہتے ہیں جو دشمن کو ایک ہی بار ملے۔

⑯ (وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی) آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار سے شکست کھا کر بھاگنا ممنوع ہے ہاں اگر جنگ کی کوئی چال اختیار کرنے کے لیے یا مسلمانوں کی جماعت میں ملنے کے لیے پیٹھ پھیرے کہ ان کے ساتھ مل کر دوبارہ حملہ کروں گا تو جائز ہے اور جس کی یہ نیت نہ ہو اور پیٹھ پھیر کر بھاگے تو اس کو یہ وعید لاحق ہوگی (فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ) علماء رحمہم اللہ کا اس آیت میں اختلاف ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل بدر کے ساتھ خاص ہے ان کے لیے شکست کھا کر بھاگنا جائز نہ تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تھے اور آپ علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور جماعت نہ تھی جس سے وہ جا کر ملتے۔ ان کے سوا وہاں صرف مشرکین کی جماعت تھی۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی جماعت ہیں تو اب میدان جنگ سے بھاگنے والا کسی جماعت ہی کو ملے گا تو اس کا بھاگنا کبیرہ گناہ نہ ہوگا اور یہی حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ کا قول ہے۔ یزید بن ابی حبیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آگ واجب کی ہے اس شخص کے لیے جو بدر کے دن بھاگتا۔ پھر جب اُحد کا دن آیا تو فرمایا (اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ) (ان کو پھسلایا ہے شیطان نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے) پھر حنین کے دن فرمایا (ثم ولیتم مدبرین پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے، پھر اللہ توبہ قبول کریں گے اس کے بعد جس کی چاہیں گے)۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک لشکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تو وہاں لوگ منتشر ہو گئے جس کی وجہ سے ہمیں شکست ہوئی تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم تو بھاگنے والے ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بلکہ تم پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو ہم مسلمانوں کی جماعت ہیں۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خبر آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ میری طرف لوٹ آتے تو میں ان کی فوج اور جماعت ہوتا کیونکہ میں ہر مسلمان کی جماعت ہوں اور بعض نے فرمایا ہے کہ آیت کا حکم عام ہے ہر اس شخص کے بارے میں جو شکست کھا کر بھاگ جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے میدان جنگ سے بھاگ جانا۔ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "الآن خفف اللہ عنکم" کی وجہ سے۔ اب کسی قوم کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی دو مثل جماعت سے بھاگ جائیں تو یہ فرار کا حکم منسوخ ہے صرف اتنی تعداد مستثنیٰ ہے اور اکثر اہل علم کی رائے بھی یہی ہے کہ مسلمان جب اپنے دشمن کا نصف ہوں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں۔ ہاں اگر جنگ کی کوئی تدبیر کر رہے ہوں یا کسی جماعت سے ملنا ہو تو پھر ہر وقت پیٹھ پھیرنا جائز ہے اور اگر دشمن کے نصف سے بھی کم ہوں تو ان کے لیے پیٹھ پھیرنا جائز ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تین سے بھاگا وہ بھاگنے والا نہیں ہے اور جو دو سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰

(ترجمہ) سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مومنین کے اقوال کے) خوب سننے والے (اور ان کے افعال واحوال کے) خوب جاننے والے ہیں۔

(تفسیر) ⑰ (فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد کوئی شخص کہتا میں نے فلاں کو مارا ہے، دوسرا کہتا میں نے فلاں کو مارا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی قوت سے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہاری مدد کر کے قتل کیا ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ نے ان کو فرشتوں کی مدد بھیج کر قتل کیا ہے (وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى) اہل تفسیر رحمہما اللہ اور اہل مغازی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو لڑائی کی طرف متوجہ کیا تو وہ چلے اور بدر میں پڑاؤ ڈالا تو ان پر قریش کے چرواہے گزرے، ان میں اسلم بنو حجاج کا سیاہ غلام اور ابو یسار بنو عاص بن سعید کا غلام تھا۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ قریش کہاں ہیں؟ تو ان دونوں نے کہا کہ اس ٹیلہ کے پیچھے اس ٹیلہ کا نام عقنقل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کتنے لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا بہت زیادہ۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا ان کی تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا معلوم نہیں۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ ہر دن کتنے جانور ذبح کیے جاتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک دن دس اونٹ، ایک دن نو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ نو سو سے ہزار کے درمیان ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان دونوں کو فرمایا کہ قریش کے سرداروں میں سے کون کون ہیں؟ ان دونوں نے کہا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر

بن حارث، ابوجہل بن ہشام، اُمیہ بن خلف اور حجاج کے بیٹے نبیہ اور منبہ سہیل بن عمرو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ مکہ ہے کہ اس نے تمہاری طرف اپنے اہم لوگ (اپنے جگر کے ٹکڑے) ڈال دیئے ہیں۔ جب قریش سامنے آئے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ عقنقل ٹیلہ سے آ رہے ہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ قریش اپنے تکبر اور فخر کے ساتھ آ رہے ہیں انہوں نے تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا۔ اے اللہ! تو اپنی مدد بھیج جس کا تو نے وعدہ کیا ہے تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ علیہ السلام اپنی مٹھی میں مٹی پکڑ کر ان کی طرف پھینکیں۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوگئے تو آپ علیہ السلام نے کنکریوں کی مٹھی پکڑی، اس پر مٹی تھی تو اس کو کفار کے چہروں کی طرف پھینکا تو کوئی مشرک ایسا نہ بچا جس کی آنکھوں اور منہ اور ناک میں وہ مٹی نہ گئی ہو تو ان کو شکست ہوئی اور مسلمان ان کو پیچھے جا کر قتل کرنے لگے اور قیدی بنانے لگے۔ قتادہ بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن تین کنکریاں پکڑیں، ایک کنکری لشکر کے میمنہ پر ایک میسرہ پر ایک ان کے درمیان میں پھینکی تو اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور آپ نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی) کیونکہ کسی انسان کی طاقت میں نہیں ہے کہ کنکریوں کی ایک مٹھی لشکر کی طرف پھینکے اور وہ سب کی آنکھوں میں جا پڑے اور بعض نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ نے کنکریوں کو نہیں پہنچایا، جب آپ نے پھینکا لیکن اللہ نے پہنچایا اور بعض نے کہا کہ جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو ان کے دل میں رعب آپ علیہ السلام نے نہیں ڈالا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رعب ڈالا حتیٰ کہ ان کو شکست ہوئی (وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا) (اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ) تمہاری نیتوں کو۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑲

ترجمہ: ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کا کمزور کرنا تھا اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آ موجود ہوا۔ اور اگر باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آوے گی اور گو کتنی ہی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اصل میں) ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر: ⑱ (ذٰلِكُمْ) جو میں نے قتل اور رمی اور اچھی آزمائش کو ذکر کیا۔ (وَاَنَّ اللّٰهَ) بعض نے کہا ہے یہاں لفظ محذوف ہے یعنی "واعلموا انّ اللّٰہ" (موھن) کمزور کرنے والا ہے۔ "کیدالکافرین" ابن کثیر، نافع اور اہل بصرہ رحمہما اللہ نے (موھّن) شد اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ (کید) کے زبر کے ساتھ اور دیگر حضرات نے تخفیف اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے مگر حفص رحمہ اللہ اس کو مضاف بناتے ہیں اور تنوین نہیں پڑھتے اور کید پر زیر پڑھتے ہیں۔ (مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ)

⑲ (اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ کُمُ الْفَتْحُ) اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابوجہل ملعون بدر کے دن کہنے لگا جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں کہ ہم میں سے کوئی زیادہ فخر والا ہے؟ میں یا محمد جو رشتہ داری کو توڑنے والا ہے اور ہمارے پاس ایسا دین لایا جس کو ہم نہیں پہچانتے تو کل اس کو شکست دے تو وہ اپنے لیے فتح طلب کررہا تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں تھا، میں نے دائیں بائیں توجہ کی تو دو لڑکے تھے کم عمر تو میں ان کے ہونے کی وجہ سے مطمئن نہ ہوا، اچانک ایک نے مجھے آہستہ سے کہا کہ اے چچا مجھے ابوجہل دکھا میں نے کہا اے بھتیجے! تو اس کا کیا کرے گا؟ اس نے کہا میں نے اللہ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر اس کو دیکھا تو یا اس کو قتل کردوں گا یا خود مرجاؤں گا تو دوسرے نے بھی آہستہ سے مجھ سے یہی بات پوچھی تو مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ ان کی جگہ دو مردوں کے درمیان ہوتا تو میں نے ان دونوں کو ابوجہل کی طرف اشارہ کیا تو وہ اس پر عقاب کی طرح دوڑے اور اس کو مار دیا یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ کون ہمارے لیے یہ دیکھ کر آتا ہے کہ ابوجہل کے ساتھ کیا ہوا؟ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے تو اس کو دیکھا کہ وہ ہلاکت کے قریب ہے تو اس کی داڑھی پکڑی اور کہا کہ تو ابوجہل ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ کیا اس آدمی کے اوپر جس کو اس کی قوم نے قتل کیا یا کہا تم لوگوں نے قتل کیا۔ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ ابوجہل بن ہشام کو مقتولین میں تلاش کیا جائے، جب میں نے یہ سنا تو میں اس کا ارادہ کرکے چلا تو میں نے اس کو ایک ضرب لگائی تو اس کے پاؤں ہوا میں اُڑ گئے اور مجھے اس کے بیٹے عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کندھے پر تلوار ماری تو میرا ہاتھ کٹ گیا اور میری جلد سے لٹک کر رہ گیا اور مجھے اس کی وجہ سے لڑائی میں مشقت پیش آئی تو دن کا اکثر حصہ میں نے اس کو پیچھے لٹکا کر گزارا جب مجھے زیادہ تکلیف دینے لگا تو میں نے اس کو پاؤں کے نیچے رکھ کر زور لگایا تو اس کو جدا کردیا۔ پھر ابوجہل پر گزر ہوا اس کو معاذ بن عفراء خاک آلود کرچکے تھے اس کو میں نے بھی ایک تلوار ماری اور اس میں کچھ زندگی باقی تھی کہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا وہ فرماتے ہیں کہ وہ آخری سانسیں لے رہا تھا، میں نے اس کو پہچان لیا اور اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھا اور کہا کیا تجھے اللہ نے رسوا کردیا ہے۔ اے اللہ کے دشمن! اس نے کہا کس چیز کے ساتھ رسوا کیا ہے؟ تو مجھے بتا فتح کس کی ہوئی؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے ابوجہل نے کہا اے بکریوں کے چرواہے تو بڑی سخت جگہ پر چڑھا ہوا ہے۔ پھر میں نے اس کا سر الگ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ ابوجہل کا سر ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں؟ میں نے کہا جی ہاں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا تو آپ علیہ السلام نے اللہ کی تعریف کی۔ سدی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین جب مکہ سے نکلنے لگے تو کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر دعا کی۔ اے اللہ! دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ اور دونوں جماعتوں میں سے ہدایت یافتہ جماعت اور دونوں گروہوں میں سے معزز اور دونوں دینوں میں سے افضل کی مدد کر، تو یہ آیت

نازل ہوئی "ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح" ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر کو تکیہ بنا کر لیٹے ہوئے تھے مشرکین ہمیں تنگ کرتے تھے تو ہم نے آپ کو شکایت کی کہ آپ علیہ السلام اللہ سے دُعا کریں تو آپ علیہ السلام جلدی سے اُٹھ بیٹھے اور چہرہ انور سرخ ہوگیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں کسی شخص کے لیے زمین میں گڑھا کھود کر زندہ ڈالا دیا جاتا تھا اور آرا لا کر اس کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے یہ تکلیف اس کو اللہ کے دین سے نہ روکتی تھی اور لوہے کی کنگھی پھیری جاتی تھی جو اس کے گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتی تھی لیکن یہ تکلیف اس کو اللہ کے دین سے نہ روکتی تھی۔ اللہ کی قسم! اللہ اپنے اس دین کو مکمل کرے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت کی طرف چلے گا، راستے میں اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا نہ اپنی بکریوں پر بھیڑیئے کا خوف ہوگا لیکن تم جلدی کر رہے ہو (وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ) یعنی اگر تم دوبارہ لڑائی اور قتال کرو گے تو ہم بھی وہی معاملہ کریں گے جو بدر میں تمہارے ساتھ کیا اور بعض نے کہا کہ اگر تم دوبارہ فتح کی دُعا کرو گے تو ہم بھی فتح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں گے (وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ)

اہل مدینہ ما ابن عامر اور حفص نے (وان الله) ہمزہ کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اور اس لیے کہ اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔ اسی طرح (لن تغنی عنکم فئتکم شیئا) اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا عطف اللہ تعالیٰ کے قول (ذلکم وان الله موهن کید الکافرین) پر ہے اور دیگر حضرات نے (وان الله) الف کی زیر کے ساتھ نئی کلام ہونے کی بنا پر پڑھا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

(ترجمہ) اے ایمان والو اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا اور اس کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم (اعتقاد سے) سن تو لیتے ہی ہو اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سناتے کچھ نہیں بیشک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے اور اگر ان کو اب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان اور بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

تفسیر ⑳ (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ) قرآن اور اس کی نصیحتیں۔

㉑ (وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ) یعنی وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے کانوں سے سن لیا لیکن اس سننے سے نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور نہ سننا ان کو نفع دیتا ہے تو گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں۔

㉒ (اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ) یعنی زمین پر اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر (عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ) حق سے جو نہ حق سنتے ہیں اور نہ حق بولتے ہیں (جو نہیں سمجھتے) اللہ کے حکم کو ان کو (دواب) کہا ہے اس لئے کہ وہ اپنی عقل سے کم نفع اٹھاتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے (اولئک کالانعام بل هم اضل) ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ بنوعبدالدار بن قصی کے لوگ ہیں وہ کہتے تھے جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں ہم اس سے گونگے بہرے اندھے ہیں۔ تو یہ سارے لوگ اُحد میں قتل کیے گئے اور یہ جھنڈوں والے تھے، ان میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے، مصعب بن عمیر اور سویبط بن حرملۃ۔

㉓ (وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ) سمجھ اور قبولیت کا سنانا (وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ) ان کے ضد اور عناد کی وجہ سے اور حق ظاہر ہونے کے بعد اس کا انکار کرنے کی وجہ سے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ ہمارے لیے قصی کو زندہ کر دیں وہ بڑے بابرکت بزرگ تھے وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ) قصی کی کلام (لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ)

㉔ (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کام ایمان ہے کیونکہ کافر مردہ ہے ایمان سے زندہ ہوتا ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کام قرآن ہے اس میں زندگی ہے اور اسی کے ساتھ نجات اور دونوں جہانوں میں حفاظت ہے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کام جہاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ تمہیں عزت دی۔ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہادت ہے کیونکہ شہداء کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کہا ہے۔ ہم تک روایت پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر ہوا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان کو پکارا تو اُبی رضی اللہ عنہ نے جلدی نماز ختم کی۔ پھر آئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری پکار کا جواب دینے سے آپ کو کس نے منع کیا ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا میں نماز میں تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ) تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا، اب اے اللہ کے رسول! آپ مجھے جب پکاریں گے میں جواب دوں گا اگرچہ نماز پڑھ رہا ہوں (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمن اور کفر کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور کافر اور ایمان کے درمیان اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے وہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور بعض نے کہا کہ قوم کو جب لڑائی کی طرف بلایا گیا تو وہ کمزوری کی حالت میں تھے تو ان کو بدگمانی ہونے لگی اور دل میں وسوسے آنے لگے تو ان کو کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں قتال کرو اور خوب جان لو کہ اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے تو اللہ خوف کو امن سے اور بزدلی کو جرأت اور بہادری سے

بدل دے گا(وَاَنَّہٗ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ) تو تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دُعا مانگتے اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما دے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ علیہ السلام پر اور آپ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے تو کیا آپ کو ہم پر خوف ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں ان کو جیسے چاہتا ہے پلٹتا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

ترجمہ اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

تفسیر ۲۵ (وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ) قولہ "لاتصیبنّ" یہ محض جزاء نہیں ہے۔ اگر یہ جزاء ہوتی تو اس پر نون داخل نہ ہوتا۔ یہ نفی ہے اور اس میں جزاء کی ایک طرف بھی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "یا یھا النمل ادخلوا مساکنکم لایحطمنکم سلیمان وجنودہ" ہے اور اس کی اصل عبارت "واتقوا فتنة ان لم تتقوھا اصابتکم" ہے یعنی تم فتنہ سے بچو، اگر نہیں بچو گے تو وہ تمہیں آ پہنچے گا۔ یہ کہنے والے کے قول "انزل عن الدابة لاتطرحک ولا تطرحنک" کی طرح ہے یعنی سواری سے اُتر یہ تجھے پھینک نہ دے۔ تو یہ امر کا جواب ہے نفی کے الفاظ میں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تو اُتر آئے تو یہ تجھے نہ پھینکے گی۔ (الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً) مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس فتنہ سے بچو جو ظالم اور غیر ظالم کو پہنچے گا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک زمانہ تک یہ آیت پڑھی اور اس کا مصداق کوئی نہیں دیکھا تو ہم لوگ ہی اس سے مراد ہیں۔ یعنی جو جنگ جمل میں شریک ہوئے۔ سدی، مقاتل اور ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض مخصوص لوگوں کے بارے میں ہے جن کو جنگ جمل میں فتنہ پہنچا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی ناپسند کام کو اپنے درمیان رواج نہ پانے دیں ورنہ اللہ کا عمومی عذاب آئے گا جو ظالم اور غیر ظالم کو پہنچے گا۔ عدی بن عدی کندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے آزاد کردہ غلام نے بیان کیا کہ اس نے میرے دادا سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عام لوگوں کو چند خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عذاب نہ دیں گے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان کسی ناپسند (گناہ کے کام) کام کو دیکھیں اور وہ اس کے انکار پر قادر ہونے کے باوجود انکار نہ کریں، جب وہ ایسا کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ عام وخاص ہر ایک کو عذاب دیں گے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فتنہ سے مراد باہمی مخالفت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب فتنے ہوں گے کہ بیٹھا ہوا شخص ان میں کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا اور کھڑا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا اور اس میں چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا جو ان کو

جھانکے گا وہ اس کو جھانکیں گے۔ پس جو شخص کوئی پناہ گاہ یا ٹھکانہ پائے تو اس کی پناہ لے۔ (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ)

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: اور اس حالت کو یاد کرو جبکہ تم قلیل تھے سرزمین میں کمزور شمار کیے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو (مخالف) لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں سو (ایسی حالت میں) اللہ نے تم کو (مدینے میں) رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکر کرو اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم تو (اس کا مضر ہونا) جانتے ہو۔

تفسیر ﴿٢٦﴾ (وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ) یعنی اے مہاجروں کی جماعت یاد کرو جب تم عدد میں تھوڑے تھے اور ابتداء اسلام میں مکہ کی زمین میں کمزور تھے (تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ) یعنی کفار عرب تم کو لے جائیں اور عکرمہ فرماتے ہیں کفار مکہ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فارس اور روم مراد ہیں (فَاٰوٰىكُمْ) مدینہ میں (وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ) یعنی بدر کے دن انصار کے ذریعے تمہیں قوت دی اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن فرشتوں کے ذریعے قوت دی (وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ) یعنی مال غنیمت جو تمہارے لیے حلال کیا گیا اس سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)

﴿٢٧﴾ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنتے پھر اس کو آگے بیان کر دیتے تو مشرکین تک پہنچ جاتی۔ زہری اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آیت ابولبابہ ہارون بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہما جو بنی عوف میں سے تھے کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے یہود کا محاصرہ کیا، اکیس راتیں تو انہوں نے کہا کہ آپ ہم سے درگزر کریں اور ہم سے ویسی صلح کرلیں جو ہمارے بھائیوں بنونضیر سے کی ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی طرف شام کے علاقے اذرعات اور اریحاء کی طرف چلے جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر اتر آئیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے پاس ابولبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں وہ ان کے خیر خواہ تھے کیونکہ ان کا مال اور اولاد ان کے پاس تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیج دیا تو ان یہودیوں نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی کیا رائے ہے ہم سعد بن معاذ کو فیصل مان لیں؟ تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی ایسا نہ کرو ذبح کیے جاؤ گے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے ہلا بھی نہ تھا کہ میں نے پہچان لیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے۔ وہ وہاں سے چلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے

باندھ لیا اور کہا میں یہاں سے نہ جاؤں گا اور نہ کچھ کھاؤں پیوں گا۔ یہاں تک کہ مر جاؤں یا اللہ! میری توبہ قبول کر لیں۔
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میرے پاس آتے تو میں ان کے لیے استغفار کرتا۔ لیکن اب انہوں نے جو کچھ کر لیا اس کے بعد میں بھی تب تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ کر لیں تو وہ اس حال میں سات دن بغیر کھائے پیے رہے یہاں تک کہ بے ہوش کر گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ ان کو کہا گیا تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں خود اپنے آپ کو نہ کھولوں گا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مجھے آ کر کھولیں۔ پھر آپ علیہ السلام آئے اور ان کو کھولا تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)
میری مکمل توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا پڑوس چھوڑ دوں جس کی وجہ سے میں اس گناہ میں واقع ہوا اور میں سارا مال بھی چھوڑ دوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تہائی مال آپ کو کفایت کر جائے گا تو آپ رضی اللہ عنہ نے تہائی مال کا صدقہ کیا تو اس واقعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) یعنی تم جانتے ہو کہ یہ امانت ہے اور بعض نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ حلق کی طرف اشارہ کرنا خیانت ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی تو اپنی امانت میں خیانت کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ سے خیانت نہ کرو اس کے فرائض چھوڑ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت نہ کرو، آپ علیہ السلام کی سنتیں چھوڑ کر۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خوب جان لو کہ اللہ کا دین امانت ہے تو اللہ نے جو امانت دی یعنی فرائض اور حدود ان کو اس تک پہنچا دو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿30﴾

ترجمہ: اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر (موجود) ہے اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جبکہ کافر لوگ آپ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کر دیں اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (میاں) اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے۔

تفسیر: ﴿28﴾ (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ) بعض نے کہا کہ یہ آیت بھی ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے

میں اُتری ہے کہ ان کا مال اور اولاد بنوقریظہ میں تھا تو ان کے خوف سے یہ اشارہ کیا تھا اور بعض نے کہا کہ یہ سب لوگوں کے لیے ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ لایا گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کو بوسہ دیا اور فرمایا، بہرحال یہ بچے بخل اور بزدلی کا سبب ہیں اور بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے پھولوں میں سے ہیں (وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ) اس کے لیے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کرے اور اپنی امانت کو ادا کرے۔

㉙ (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ) اس کی اطاعت کر کے اور نافرمانی چھوڑ کے (يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا) دُنیا اور آخرت میں نکلنے کا ذریعہ اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دین میں شبہات سے نکلنے کا ذریعہ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کہ اس کے ذریعے تمہارے حق کو غالب کر دے گا اور تمہارے مخالف کے باطل کو بجھا دے گا۔ فرقان رجحان اور نقصان کی طرح مصدر ہے (وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ)

㉚ (وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) اس آیت کا عطف "واذكروا اذ انتم قليل" پر ہے (واذكر اذيمكر بك الذين كفروا و اذقالوا اللهم) کیونکہ یہ سورت مدنی ہے اور یہ مکر اور قول اگرچہ مکہ میں ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر مدینہ میں کیا ہے جیسے دوسری آیت "الا تنصروه فقد نصره الله" ہے۔ اس مکر کی تفصیل ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین رحمہم اللہ نے یہ ذکر کی ہے کہ جب انصار اسلام لے آئے تو قریش کو ڈر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشورہ کریں۔ ان کے بڑے اس وقت ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ابوجہل بن ہشام، ابوسفیان، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، حجاج کے بیٹے نبیہ اور منبہ، اُمیہ بن خلف تھے تو شیطان بھی انسانی صورت میں ان کے پاس آ گیا، انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ نجد کا آدمی ہوں تمہارے اجتماع کا سنا تو حاضر ہو گیا کہ کوئی خیر خواہی کا مشورہ دے سکوں انہوں نے کہا آ جا۔ تو ابوالبختری نے مشورہ دیا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر کسی کمرہ میں قید کر دو، سخت بیڑیاں باندھ دو اور کمرے کا دروازہ بند کر دو صرف ایک چھوٹا سا سوراخ ہو جس سے تم کھانا اور پانی اندر رکھ دو اور انتظار کرو یہاں تک کہ وہ مر جائیں جیسے پہلے شاعر مر گئے تو اللہ کا دشمن شیطان چیخ پڑا اور کہنے لگا یہ بہت برا مشورہ ہے اللہ کی قسم! اگر تم اس کو کسی کمرہ میں قید کرو گے اور یہ بات ان کے ساتھیوں تک پہنچ گئی تو وہ تم پر حملہ کر کے ان کو چھڑا کر لے جائیں گے۔ ان سب نے کہا نجدی شیخ سچ کہتا ہے۔ پھر ہشام بن عمرو بنو عامر بن لوی کا آدمی بولا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو کسی اونٹ پر سوار کر کے کہیں دور بھیج دو تو وہ جو کریں گے تم کو کوئی نقصان نہ ہوگا اور تم راحت حاصل کر لو گے۔ تو ابلیس ملعون کہنے لگا یہ کوئی ایسی رائے نہیں ہے جس پر تم بھروسہ کر سکو، ایک ایسا شخص جس نے تمہارے بتوں کو برا بھلا کہا تم اس کو دوسرے کی طرف نکال دو گے۔ تم کیا اس کی زبان کی مٹھاس اور دلوں پر اثر کرنے والی تاثیر سے واقف نہیں ہو؟ اللہ کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو وہ جا کر کسی اور قوم کا دل اپنی طرف مائل کرے گا۔ پھر ان کو لے کر تم پر حملہ کرے گا اور تمہیں تمہارے شہر سے نکال دے گا۔ وہ سب کہنے لگے نجدی شیخ نے ٹھیک کہا ہے تو ابوجہل کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں کہ تم قریش کے ہر قبیلہ سے ایک

حسب نسب والا نوجوان لو، پھر ہر نوجوان کو تیز تلوار دو، پھر سب مل کر ان کو ماردو تو اس طرح ان کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا تو بنو ہاشم ان تمام قریش سے لڑائی کی طاقت نہیں رکھ سکتے تو وہ دیت پر راضی ہو جائیں گے تو سب قریش مل کر ان کی دیت ادا کریں گے تو شیطان نے کہا کہ اس نوجوان نے سچ کہا اور یہ سب سے عمدہ رائے ہے۔ یہی بات ٹھیک ہے اس کے علاوہ کوئی رائے میں نہیں دیکھتا۔ تو سب لوگ ابو جہل کی بات پر اتفاق کر کے متفرق ہو گئے تو جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ خبر دی اور کہا کہ آپ علیہ السلام یہاں آج رات نہ گزاریں تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی ہجرت کی اجازت دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ علیہ السلام کے بستر پر سو جائیں اور کہا کہ میری یہ چادر ڈال لو، آپ تک کوئی نہ پہنچ سکے گا۔ پھر آپ علیہ السلام نکلے اور مٹی کی ایک مٹھی لے لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو پکڑ لیا۔ آپ علیہ السلام ان کے سروں پر مٹی ڈالتے اور یہ پڑھتے "انا جعلنا فی اعناقھم اغلالاً الآیۃ اس قولہ فھم لایبصرون" رہے۔ اور آپ علیہ السلام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور چلے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے مکہ چھوڑ دیا کہ وہ لوگوں تک ان کی وہ امانتیں پہنچا دیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں اور مشرکین ساری رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چوکیداری کرتے رہے وہ یہ سمجھے کہ یہ آپ علیہ السلام ہیں جب صبح ہوئی تو وہ حملہ کے لیے گئے تو دیکھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہنے لگے آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے معلوم نہیں تو آپ علیہ السلام کے نشان قدم کو دیکھتے ہوئے غار ثور تک پہنچ گئے اور وہاں دیکھا تو غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بنایا ہوا تھا تو کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوئے ہوتے تو مکڑی کا جالا یہاں نہ ہوتا تین دن کے بعد آپ علیہ السلام مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "واذ یمکربک الذین کفروا" کا۔ (لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ط وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ) ضحاک فرماتے ہیں وہ کاریگری کرتے ہیں اور اللہ کاریگری کرتا ہے اور مکر تدبیر اور اللہ کی طرف نسبت ہو تو حق کی تدبیر کرنا اور بعض نے کہا ہے کہ ان کو مکر کا بدلہ دے گا (وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ ط وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم ارادہ کریں تو اس کے برابر ہم بھی کہہ دیں یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں اور جبکہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیے یا ہم پر (اور

کوئی) دردناک عذاب واقع کر دیجئے اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو (ایسا) عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ ان کو (ایسا) عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر ㉛ (وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا) یعنی نضر بن حارث (قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ) کیونکہ نضر تجارت کی غرض سے فارس اور حیرۃ کی طرف جاتا رہتا تھا اور وہاں رستم اور اسفندیار کے قصے سنتا اور عجمیوں کی کہانیاں سنتا اور یہود و نصاریٰ پر گزرتا تو ان کو رکوع اور سجدہ میں دیکھتا اور یہ کہ وہ توریت اور انجیل پڑھتے ہیں تو وہ مکہ آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو نضر کہنے لگا ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل کہہ لیں (اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ) گزشتہ اُمتوں کی خبریں اور نام ہیں اور جو کچھ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا۔ "اساطیر اسطورۃ" کی جمع ہے بمعنی لکھا ہوا یہ مشتق ہے ان کے قول "سطرت" بمعنی "کتبت" سے۔

㉜ (وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ کَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا) یہ آیت بنو عبدالدار کے شخص نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی اُمتوں کے واقعات بیان کیے تو نضر کہنے لگا اگر میں چاہتا تو اس کی مثل کہہ لیتا، یہ تو صرف پہلے لوگوں کے احوال ہیں۔ یعنی یہ تو وہ چیزیں ہیں جو پہلوں نے اپنی کتابوں میں لکھی تھیں تو اس کو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ سے ڈر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق بات کہتے ہیں، وہ کہنے لگا میں بھی حق کہتا ہوں تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم "لا اِلٰه اِلاَّ اللّٰه" کہتے ہیں۔ نضر نے جواب دیا میں بھی "لا اِلٰه اِلاَّ اللّٰه" کہتا ہوں لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں، پھر کہنے لگا اے اللہ! محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر پتھر برسا آسمان سے (حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ) جیسے تو نے قوم لوط پر برسائے (اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ) یعنی جو پہلی اُمتوں پر بھیجا اس میں سے کوئی ہم پر بھیج۔ اس نضر کے بارے میں آیت "سال سائل بعذاب واقع" بھی نازل ہوئی ہے۔

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نضر بن حارث کے بارے میں دس سے زائد آیتیں نازل ہوئی ہیں، بدر کے دن جس عذاب کو اس نے مانگا تھا اسی نے اس کو گھیر لیا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تین آدمیوں کو باندھ کر قتل کیا۔ ① طعیمہ بن عدی ② عقبہ بن ابی معیط ③ نضر بن حارث۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اس قول کا قائل ابوجہل ملعون تھا۔ عبدالحمید صاحب الزیادی نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو سنا کہ فرما رہے ہیں کہ ابوجہل نے کہا "اللّٰھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السّماء او ائتنا بعذاب الیم" تو یہ آیت نازل ہوئی "وما کان اللّٰه لیعذّبھم وانت فیھم وَما کان اللّٰه معذبھم وھم یستغفرون ومالھم الاّ یعذبھم اللّٰه"

㉝ (وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ)

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ محمد ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مشرکین کا قول نقل کیا ہے۔ یہ پہلی آیت سے متصل ہے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ہم استغفار کرتے ہیں اللہ ہمیں عذاب نہ دیں گے اور اللہ کسی ایسی اُمت کو عذاب نہیں دیتا جن کا

نبی ان میں ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی جہالت، دھوکہ اور اپنے خلاف بددعا کرنے کو ذکر کیا۔ ''واذ قالوا اللھمّ ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء'' اور انہوں نے کہا ''وما کان اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم. وما کان اللّٰہ معذبھم وھم یستغفرون'' پھر ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ''ومالھم الاّ یعذّبھم اللّٰہ'' اگرچہ آپ علیہ السلام ان کے درمیان ہوں اور وہ استغفار کرتے ہوں اور مسجد حرام سے روکتے ہوں۔

مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نئی کلام ہے اللہ تعالیٰ خود اپنے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ (وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ) اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ جب تک آپ علیہ السلام ان میں مقیم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مقیم تھے۔ جب آپ علیہ السلام وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ) کیونکہ ابھی وہاں کچھ مسلمان تھے جو استغفار کرتے تھے۔ جب یہ لوگ بھی نکل گئے تو کفار مکہ کو فتح مکہ کے ذریعے عذاب دیا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک وہاں کے نبی اور مؤمنین وہاں سے نکل کر اس جگہ نہ چلے جائیں جہاں کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی ''وما کان اللّٰہ لیعذبھم الخ'' ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں دو امن کی چیزیں ہیں (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۲) استغفار۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جا چکے اور استغفار تم میں قیامت تک رہے گا۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے یہ استغفار مشرکین کی طرف لوٹ رہا ہے کیونکہ وہ طواف کے بعد غفرانک غفرانک کہتے تھے اور یزید بن رومان کہتے ہیں قریش نے کہا اگر یہ حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا تو شام کو اپنے کہے پر شرمندہ ہوئے اور کہا ''غفرانک اللھمّ'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وما کان اللّٰہ معذبھم وھم یستغفرون'' اور قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں ''وما کان اللّٰہ معذبھم وھم یستغفرون'' یعنی اگر وہ استغفار کریں لیکن وہ استغفار نہیں کرتے تھے کیونکہ اگر وہ گناہ کا اقرار کر کے استغفار کرتے تو وہ مؤمن ہو جاتے اور بعض نے کہا ہے یہ اسلام کی طرف دعوت ہے اس کلمہ سے استغفار کرنا جیسے آدمی دوسرے کو کہے میں تجھے سزا نہ دوں گا اور تو میری اطاعت کرے گا۔ یعنی تو میری اطاعت کرتا کہ میں تجھے سزا نہ دوں اور مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں ''ھم یستغفرون'' یعنی وہ اسلام لے آئیں۔ فرماتے ہیں اگر وہ اسلام لے آئیں تو عذاب نہ دیئے جائیں گے اور والبی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین میں کئی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے طے تھا کہ وہ اسلام لے آئیں گے اور استغفار کریں گے اور یہ ابوسفیان اور صفوان بن اُمیہ اور عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، حکیم بن حزام وغیرہ ہیں اور عبدالوہاب نے مجاہد رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے ''وھم یستغفرون'' یعنی ان کی اولاد میں استغفار کرنے والے ہیں۔

وَمَالَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور (نیز) ان کا کیا استحقاق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ (بالکل ہی معمولی) سزا بھی نہ دے حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی (بننے کے بھی لائق) نہیں اس کے متولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں لیکن ان میں اکثر لوگ (اپنی نالائقی کا) علم نہیں رکھتے۔

تفسیر: ۳۴ (وَمَالَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ) یعنی ان پر عذاب آنے سے کیا چیز مانع ہے؟ آپ علیہ السلام کے نکلنے کے بعد (وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) یعنی مؤمنین کو بیت اللہ کے طواف سے روکتے ہیں۔ بعض نے کہا پہلے عذاب سے جڑ سے اکھاڑنے والا عذاب مراد ہے اور اس آیت میں تلوار کا عذاب مراد ہے اور بعض نے کہا پہلی آیت سے دُنیا کا عذاب اور اس آیت سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔

اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت "وما كان الله ليعذبهم" منسوخ ہے اور ناسخ "ومالهم الا يعذبهم الله" ہے۔ (وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کہتے تھے کہ ہم مسجد حرام کے اولیاء ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تردید کردی کہ "وما كانوا اولياءه" یعنی بیت اللہ کے اولیاء نہیں (اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ) یعنی وہ ایمان والے جو شرک سے بچتے ہیں (وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا سو اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے (مگر) پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر (آخر) مغلوب (بھی) ہو جائیں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جاوے گا۔

الامکاء و تصدیة کی تفسیر

تفسیر: ۳۵ (وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکاء بمعنی سیٹی لغت میں مکاء سفید رنگ کے پرندے کو کہتے ہیں جو حجاز میں پایا جاتا ہے اور اس کے لیے سیٹی جیسی آواز ہوتی

ہے۔ گویا کہ کہا ہے سیٹیوں کی آوازیں "تصدیۃ" بمعنی تالی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنوعبدالدار کا ہر آدمی جب طواف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزرتا تو وہ استہزاء کرتے اور انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹیاں بجاتے۔ اور تصدیہ تالیاں بجانا اور اسی سے صدیٰ ہے اور المکاء انگلیاں جبڑے میں رکھنا اور تصدیہ تالی بجانا اور اسی سے صدا اس بازگشت کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں آواز لگانے والے کی سنائی دیتی ہے۔ جعفر بن ربیعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے اللہ تعالیٰ کے قول "الامکاء و تصدیۃ" کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے دونوں ہتھیلیوں کو جمع کر کے ان میں پھونک ماری۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں نماز پڑھتے تو دو آدمی آپ علیہ السلام کے دائیں جانب اور دو بائیں جانب کھڑے ہو کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تاکہ آپ علیہ السلام کی نماز میں خلل ڈالیں۔ یہ بنوعبدالدار کے لوگ تھے سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں التصدیہ مشرکین کا مؤمنین کو مسجد حرام اور دین اور نماز سے روکنا۔ اس تاویل کی بناء پر یہ اصل میں التصددۃ دو دال کے ساتھ ہوگا۔ ایک دال کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "تظنیت، ظن سے۔ ہے اور تقضی البازی اذا البازی کسر یعنی "تقضض البازی" سے ہے۔ ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا نام صلاۃ رکھا ہے کیونکہ ان کو مسجد حرام میں نماز کا حکم دیا گیا تھا، انہوں نے اپنے ان افعال کو اپنی نماز بنا دیا۔ (فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ)

㊱ (اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) کلبی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بدر کے دن قریش میں بارہ کھانے کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ لوگ ہر ایک ان میں سے روزانہ دس اونٹ ذبح کر کے کفار کے لشکر کو کھلاتا۔ یہ بارہ لوگ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، نبیہ، منبہ، ابوالبختری، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، زمعہ بن اسود، حارث بن عامر، عباس بن عبدالمطلب تھے۔ حکم بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس نے اُحد کے دن مشرکین پر چالیس اوقیہ خرچ کیے۔ (فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً) یعنی جو دُنیا میں خرچ کر رہے ہیں وہ آخرت میں ان پر حسرت بن جائے گا (ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ) کامیاب نہ ہوں گے (وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا) ان میں سے (اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ) کفار کو خاص کیا اس لیے کہ بعض ان میں سے اسلام لے آئے تھے۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ㊲ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ㊳ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ㊴ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ㊵

ترجمہ: تا کہ اللہ تعالیٰ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کردے اور (ان سے الگ کر کے) ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملادے یعنی ان سب کو متصل کر کے پھران سب کو جہنم میں ڈال دے ایسے ہی لوگ پورے خسارہ میں ہیں آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آ جاویں گے تو ان کے سارے گناہ جو (اسلام) سے پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیے جاویں گے اور اگر اپنی وہی (کفر کی) عادت رکھیں گے تو (ان کو منادیجئے کہ) کفار سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جاوے پھر اگر یہ کفر سے باز آ جاویں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

تفسیر 37 (لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ) یعنی کافر کو مؤمن سے۔ پس مؤمن کو جنت اور کافر کو آگ میں ٹھکانہ دے گا۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ناپاک عمل کو پاک عمل سے جدا کردے۔ پس نیک اعمال پر جنت اور ناپاک اعمال پر جہنم دے گا اور بعض نے کہا شیطان کے راستے میں ناپاک خرچ کو اللہ کے راستے میں پاک خرچ سے جدا کردے۔ (وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا) یعنی اس کو جمع کردے اسی سے السحاب الرکوم ہے گھنے بادلوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ (فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ)

اس کو اپنے قول (ان الذين كفروا ينفقون اموالهم ......اولئک هم الخاسرون) کی طرف لوٹایا ہے جن کی تجارت خسارہ میں پڑگئی۔ ان اپنے اموال سے آخرت کے عذاب کو خریدیں۔

38 (قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا) شرک سے (يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ) اسلام سے پہلے جو گناہ ہو چکے (وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ) اللہ کی اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد کرنے میں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے میں۔

39 (وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ) یعنی شرک۔ ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تا کہ مؤمن اپنے دین سے فتنہ میں مبتلا نہ ہو (وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ) یعنی اس میں کوئی شرک نہ ہو (فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ)

یعقوب نے تعملون تاء کے ساتھ اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

40 (وَاِنْ تَوَلَّوْا) اگر وہ ایمان سے لوٹیں یا قتال سے (فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ) تمہاری مدد (نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ) مدد کرنے والا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ⑩

ترجمہ: اور اس بات کو جان لو کہ جو شے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ایک اور (ایک حصہ) غریبوں کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر جسکو ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر فیصلہ کے دن یعنی جس دن کہ (بدر میں) دونوں جماعتیں (مومنین و کفار) باہم مقابل ہوئی تھیں نازل فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ (ہی) ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر ⑩ ......(وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ) مسلمانوں کو کفار سے جو مال حاصل ہوتا ہے اس کے لیے دو نام استعمال ہوتے ہیں ① غنیمت ② فئی۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں اور ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ دونوں مختلف ہیں۔ پس غنیمت وہ مال ہے جس کو مسلمان لڑائی کے غلبہ سے حاصل کرلیں اور فئی وہ مال جو بغیر لڑائی کے صلح سے مل جائے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غنیمت کا حکم بیان کیا ہے اور فرمایا (لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ) اکثر مفسرین رحمہم اللہ اور فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ لفظ اللہ کلام کی بطور برکت ابتداء کے لیے ہے اور مال کی اپنی طرف نسبت کرنا اس کے اعزاز کے لیے ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ غنیمت کا کوئی حصہ صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ دُنیا اور آخرت تمام اللہ کی ہیں۔ یہی حسن، قتادہ، ابراہیم اور شعبی رحمہما اللہ کا قول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ایک ہے اور غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ پانچ میں سے چار حصے مجاہدین کے لیے اور پانچواں حصہ ان لوگوں کے لیے جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے) بعض نے کہا کہ غنیمت کے چھ حصے کیے جائیں گے اور یہی ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ کعبہ کی طرف خرچ کیا جائے گا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے جو حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ علیہ السلام کی زندگی میں تھا وہ اب مسلمانوں کی ضروریات اور اسلام کی قوت میں خرچ کیا جائے گا۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ سے ہتھیار اور جانور وغیرہ خریدتے تھے۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آپ علیہ السلام کے بعد خلیفہ کو ملے گا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ان پانچ حصوں میں لوٹا دیا جائے اور پھر چار قسموں پر تقسیم کیا جائے گا (وَلِذِی الْقُرْبٰی) یعنی خمس کا ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو ملے گا۔

والذی القربیٰ کا مصداق میں مفسرین کے اقوال

کون سے رشتہ دار مراد ہیں اس میں اختلاف ہے۔ایک جماعت نے کہا کہ تمام قریش مراد ہیں اور ایک قوم نے کہا کہ وہ لوگ مراد ہیں جن کے لیے صدقہ واجب لینا حلال نہیں۔مجاہد اور علی بن حسین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم مراد ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب مراد ہیں۔بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو کچھ نہ ملے گا۔

اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو جبیر بن مطعم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے رشتہ داروں میں مال تقسیم کیا اور اس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو کچھ نہیں دیا اور محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشمؓ اور بنو مطلب میں قریبی رشتہ داروں کا حصہ تقسیم کیا تو میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ ہمارے بھائی بنو ہاشم میں سے ہیں ہم ان کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے کیونکہ آپ علیہ السلام کا نسب ان میں ہے لیکن ہمارے بھائی

بنو مطلب کے بارے میں کیا خیال ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کو بھی دیا اور ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ ہماری اور ان کی رشتہ داری ایک ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک چیز ہیں۔اس طرح اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں گھسا دیا۔

ذوی القربیٰ کا حصہ اب بھی باقی ہے یا نہیں

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ اب بھی ثابت ہے یا نہیں؟ اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ان کا حصہ ثابت ہے اور یہی امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور اصحاب رائے کا قول یہ ہے کہ حصہ اب ثابت نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور ذوی القربیٰ کا حصہ واپس خمس میں ملا دیا جائے گا۔اب غنیمت کے پانچ حصے تین قسموں کو ملیں گے ❶ یتیموں ❷ مسکینوں ❸ مسافروں۔اور بعض نے کہا ہے کہ ذوی القربیٰ میں سے فقراء کو دیا جائے گا نہ کہ اغنیاء کو اور کتاب وسنت اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء بھی یہ حصہ دیتے چلے آئے ہیں اور فقیر کو غنی رشتہ دار پر فوقیت نہ دی جائے گی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ان کے کثرتِ مال کے باوجود خمس میں سے حصہ دیتے رہے ہیں تو امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو میراث کے ساتھ لاحق کیا ہے کہ جس طرح میراث قرابت کی وجہ سے ملتی ہے خواہ مالدار ہو یا غریب،اسی طرح خمس کا حال ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ خمس قریبی اور دور کے سب رشتہ داروں کو دینے کے قائل ہیں اور مذکر کو مؤنث پر فضیلت دیتے ہیں کہ مذکر کو دو حصے اور مؤنث کو ایک حصہ ملے گا۔

(وَالْيَتٰمٰى) یتیم کی جمع ہے یتیم وہ مسلمان بچہ جس کا باپ نہ ہو اور وہ فقیر ہو تو اس کا خمس میں حصہ ہے (اور محتاجوں) مسلمانوں میں سے ضرورت مند (وَالْمَسٰكِيْنِ) یعنی جو مسافر اپنے مال سے دور ہو یہ سب غنیمت کے ایک خمس کا مصرف ہیں اور باقی چار

حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیے جائیں گے۔ سوار کے لیے تین حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل شخص کے لیے ایک حصہ مقرر کیا اور سوار کے لیے تین حصے ایک حصہ سوار کا اور دو حصے گھوڑے کے مقرر کیے۔ یہ اکثر علماء کا قول ہے اور اسی کی طرف ثوری، اوزاعی، مالک، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہما اللہ گئے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سوار کے لیے دو حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ اور غلام، عورتیں اور بچے بھی جب جنگ میں شریک ہوں تو ان کو انعام ملے گا مستقل حصہ نہ ہوگا اور جس زمین پر مسلمان غالب ہو جائیں وہ بھی منقول اشیاء کی طرح تقسیم ہوگی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زمین میں امام کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو مجاہدین میں تقسیم کردے اور اگر چاہے تو مسلمانوں کی ضروریات کے لیے وقف کردے لیکن آیت کا ظاہر زمین اور منقولی اشیاء میں فرق نہیں کرتا اور جس شخص نے قتال میں مشرک کو قتل کر دیا تو اس کے سلب کا مستحق ہوگا۔ ابوقتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کو اس کا سلب ملے گا۔ سلب سے مراد مقتول کا لباس، ہتھیار اور اس کا گھوڑا وغیرہ سامان ہے اور امام کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس غنیمت کے علاوہ مسلمانوں کو مزید انعام کا اعلان کرے تاکہ وہ لڑائی میں خوب توجہ کریں اور مشقت برداشت کریں تو جو لوگ اس انعام کے حق دار ہوں گے وہ صرف انہی کو ملے گا اور باقی غنیمت میں مجاہدین کے ساتھ برابر شریک ہوں گے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض لشکروں کو روانہ کرتے ہوئے ان کے لیے کسی خاص انعام کا اعلان کر دیتے تھے جو ان کے ساتھ خاص ہوتا تھا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ انعام کہاں سے دیا جائے گا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ خمس کے خمس سے دیا جائے گا یہی سعید بن مسیّب کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی معنی ہے آپ علیہ السلام کے قول کا کہ میرے لیے اس مال میں خمس کے سوا کچھ نہیں جو اللہ نے تم کو بطور غنیمت دیا اور وہ خمس تم میں تقسیم کیا جائے گا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ خمس کو الگ کر کے باقی چار حصوں میں سے انعام دیا جائے گا اور یہی امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ کا قول ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ انعام مکمل غنیمت سے دیا جائے گا خمس نکالنے سے پہلے جیسے سلب قاتل کو تقسیم غنیمت سے پہلے ملتا ہے۔

بہرحال فئی وہ مال ہے جو مسلمانوں کو کفار سے بغیر گھوڑے دوڑائے مل جائے اس طرح کہ وہ کفار مسلمانوں سے مال پر صلح کرلیں کہ وہ جزیہ دیں گے اور جو مال دارالاسلام میں نجات کے لیے داخل ہوتے وقت ان سے لیا جائے یا کوئی کافر دارالاسلام میں آ کر مر جائے اور یہاں اس کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ سب فئی ہے۔ مالِ فئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خالص آپ علیہ السلام کے لیے تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ فئی کے ساتھ خاص کیا ہے کہ اس میں سے کسی اور کو کچھ نہیں دیا۔ پھر آیت پڑھی "ما فاء اللّٰہ علٰی رسولہ" آپ علیہ السلام اس مال کو اپنے اہل وعیال کے سالانہ خرچ پر خرچ کرتے پھر جو بچ جاتا اس کو اللہ کے راستے میں دے دیتے۔

مال فئی کا مصرف کیا ہے؟

اس میں اختلاف ہے کہ آپ علیہ السلام کے بعد مال فئی کا کیا حکم ہے؟ بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آپ علیہ السلام کے بعد والے آئمہ کو ملے گا۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ان مجاہدین کو ملے گا جن کے نام جہاد کے رجسٹروں میں مستقل درج ہیں کیونکہ یہ لوگ دشمن کو ڈرانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کیا جائے گا۔ ابتداء مجاہدین سے کی جائے گی۔ ان کی ضرورت کے مطابق دیا جائے گا۔ پھر جو زیادہ اہم ہو۔

مال فئی کا خمس نکالا جائے گا یا نہیں

تفسیر: اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مال فئی کا خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا خمس نکالا جائے گا وہ خمس غنیمت کے مستحقین پر پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور چار خمس مجاہدین اور مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہوں گے اور اکثر علماء کا قول ہے کہ فئی کا خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ تمام مال فئی کا ایک ہی مصرف ہے اور تمام مسلمانوں کا اس میں حق ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ زمین پر جو بھی مسلمان ہے اس کا اس فئی میں حصہ ہے سوائے غلاموں کے۔ مالک بن اوس بن حدثان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت "انما الصدقات للفقراء والمساکین ...... علیم حکیم" تک پڑھی۔ پھر فرمایا یہ ان لوگوں کے لیے ہے۔ پھر "واعلموا انّما غنمتم من شیء فان للّٰہ خمسہ...... وابن السبیل" تک پڑھا۔ پھر فرمایا یہ ان لوگوں کے لیے ہے پھر پڑھا "ما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ ...... للفقراء والذین جاء وا من بعدھم" تک پڑھی۔ پھر فرمایا اس آیت نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کرلیا ہے۔ پس اگر میں زندہ رہا تو ضرور میرے پاس چرواہا آئے گا تو اس کا اس مال میں حصہ ہوگا، اس کی پیشانی پسینے میں غرق آلود نہیں ہوئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا قول "اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ" بعض نے کہا ہے مراد "واعلموا انما غنمتم من شیء فانّ للّٰہ خمسہ وللرّسول" ہے۔ اس میں جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے تم اس کو قبول کرو۔ اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو "وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا" یعنی اگر تم اللہ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے یعنی باری تعالیٰ کا قول "یسالونک عن الانفال ...... یوم الفرقان" یعنی بدر کے دن۔ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق کردیا۔ "يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ"

اللہ کی جماعت اور شیطان کی جماعت۔ یہ بدر کا واقعہ جمعہ کے دن سترہ رمضان المبارک کو ہوا تھا۔ "وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ" تمہاری قلت اور ان کی کثرت کے باوجود تمہاری مدد پر قادر ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: یہ وہ وقت تھا کہ تم اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور وہ لوگ (یعنی کفار) اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور قافلہ (قریش کا تم سے نیچے کی طرف کو (بچا ہوا) تھا اور اگر تم اور وہ کوئی بات ٹھہراتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہوتا لیکن تا کہ جو بات اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے یعنی تا کہ جس کو برباد (گمراہ) ہونا ہے وہ نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ (ہدایت یافتہ) ہونا ہے وہ (بھی) نشان آئے پیچھے زندہ ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں وہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو وہ لوگ زیادہ دکھلا دیتے تو تمہاری ہمتیں ہار جاتیں اور اس امر میں تم میں باہم (نزاع) واختلاف ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس کم ہمتی واختلاف سے) بچا لیا۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم کو جبکہ تم مقابل ہوئے وہ لوگ تمہاری نظر میں کم کر کے دکھلا رہے تھے اور (اسی طرح) ان کی نگاہیں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے تا کہ جو بات اللہ تعالیٰ کو کرنا تھا اس کی تکمیل کر دے اور سب مقدمے خدا تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے۔

تفسیر ۴۲...... (اِذْ اَنْتُمْ) یعنی اے مسلمانوں کی جماعت جب تم ٹھہرے تھے۔ (بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا) یعنی وادی کے اس حصہ پر جو مدینہ سے قریب تھا۔ دنیا ادنیٰ کی مؤنث ہے۔ (وَهُمْ) یعنی تمہارے مشرک دشمن۔ (بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى) وادی کے اس جانب جو مدینہ سے دور تھی اور "القصوىٰ" اقصیٰ کی مؤنث ہے۔ ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "بالعدوة" عین کی زیر کے ساتھ دونوں میں پڑھا ہے اور باقی حضرات نے ان دونوں کی پیش کے ساتھ اور یہ دو لغتیں ہیں۔ "الکُسوة" اور "الکِسوة" اور "الرِّشوة" اور "الرُّشوة" کی طرح۔ (وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ) یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ سمندر کے ساحل کی طرف

بدر سے تین میل دور تھا (وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ) کیونکہ مسلمان تجارتی قافلہ کی نیت سے نکلے تھے اور کفار ان کو روکنے تو بغیر کسی وعدہ کے مڈبھیڑ ہوگئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولو تواعدتم لاختلفتم فی المیعاد" تمہاری قلت اور دشمن کی کثرت کی وجہ سے۔(وَلٰكِنْ) اللہ نے بغیر وعدہ کے تم کو جمع کیا (لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا) اپنے اولیاء کی مدد اور دین کو غالب کرنا اور دشمنوں کو ہلاک کرنا (لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ م بَيِّنَةٍ جو مرنے والا ہے وہ دلیل کا ثبوت دیکھ کر اور سبق آموز حقیقت کا معائنہ کر کے اور واضح دلیل کا مشاہدہ کر کے مرے (وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ م بَيِّنَةٍ اور جو زندہ رہے وہ بھی مشاہدہ حقانیت وصداقت کر کے زندہ رہے تا کہ کسی کو کوئی عذر و معذرت کا موقع باقی نہ رہے۔ جیسا کہ آیت میں (وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے کے بعد جس نے کفر کرنا ہے کفر کرے اور جس نے ایمان لانا ہے ایمان لائے تو آیت میں ہلاکت سے مراد کفر اور حیاۃ سے مراد ایمان ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تا کہ جو گمراہ ہو وہ دلیل سے اور جو ہدایت حاصل کرے وہ بھی واضح دلیل سے ہو۔ اہل حجاز، ابوبکر اور یعقوب رحمہ اللہ نے "حَيِيَ" دو یاء کے ساتھ "خشی" کی طرح پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے ایک یاء مشدد کے ساتھ اس لیے کہ وہ ایک یاء کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔(وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ)

㊸ (اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فِيْ مَنَامِكَ) یعنی نیند میں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کی آنکھ میں کیونکہ آنکھ نیند کی جگہ ہے (قَلِيْلًا ط وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ) تمہیں مخالفت اور بزدلی سے (اِنَّهٗ عَلِيْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمہارے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کو خوب جانتا ہے۔

㊹......(وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا)

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ دشمن کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خبر دی تو جب بدر میں ٹکراؤ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نگاہ میں مشرکوں کو کم دکھایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ہماری نگاہ میں اتنے کم ہوگئے کہ میں نے ایک صحابی کو کہا کہ یہ ستر کی تعداد لگتے ہیں اس نے کہا مجھے سو کی تعداد کے برابر لگتے ہیں، پھر جب ہم نے ایک کافر کو قید کیا تو اس سے ان کی تعداد پوچھی تو اس نے کہا ایک ہزار تھی (وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ) سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے کچھ لوگ کہنے لگے کہ تجارتی قافلہ حفاظت سے جا چکا ہے تم بھی واپس چلو تو ابوجہل کہنے لگا اب لوٹتے ہو جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی تمہارے سامنے آگئے ہیں؟ تم واپس نہ جاؤ جب تک ان کو جڑ سے نہ اُکھاڑ دو، بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی تو اونٹ کا لقمہ ہیں تم ان کو نہ مارو بلکہ رسیوں سے باندھ دو، یہ بات اس نے اپنی طاقت کی وجہ سے کہی تھی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کی نگاہ میں مسلمان تھوڑے دکھائے تا کہ لڑائی سے گریز نہ کریں اور مسلمانوں کی نگاہ میں مشرکین کو کم دکھایا تا کہ وہ ڈر نہ جائیں (لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا) اسلام کو بلند کرنا اور اہل

اسلام کو عزت دینا اور مشرکین کو ذلیل کرنا۔ (كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم کو کسی جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو (ان آداب کا لحاظ رکھو ایک یہ کہ) ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (کا لحاظ) کیا کرو اور نزاع مت کرو (نہ اپنے امام سے نہ آپس میں) ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

تفسیر ۞ ......(يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً) کافر جماعت سے (فَاثْبُتُوْا) لڑائی کے وقت قتال میں ثابت قدم رہو (وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا) اللہ تعالیٰ سے نصرت اور کامیابی کی دُعا کرو (لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) تا کہ تم کامیابی کی امیدی پر ہو جاؤ۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم مراد پاؤ)

۞ (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا) بزدل یا کمزور ہو جاؤ گے (وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہاری مدد۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں تمہاری جرأت۔ مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہاری تیزی۔ نضر بن شمیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہاری قوت۔ اور اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں "دولتکم" اور "الرّیح" یہاں کنایہ ہے امر کے نافذ ہونے اور اس کے مراد پر جاری ہونے سے۔ عرب کہتے ہیں "هبت ريح فلان" جب اس کا حکم اس کی مراد پر متوجہ ہو۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ مدد کی ہوا ہے۔ مدد ہمیشہ ہوا کے ذریعے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہوا کو بھیجتے ہیں جو دشمن کے چہروں کو مارتی ہے اور اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "میری بادِ صبا کے ذریعے مدد کی گئی ہے اور عاد دبور کے ذریعے ہلاک کیے گئے۔" اور نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا۔ آپ علیہ السلام جب دن کے ابتدائی حصہ میں لڑائی نہ کرتے تو سورج کے زوال کا انتظار کرتے جب ہوائیں چلتیں اور مدد اُترتی۔ (وَاصْبِرُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ) سالم ابوالنضر جو عمر بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام اور ان کے کاتب تھے ان سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے خط لکھا تو میں نے عمر بن عبید اللہ کو پڑھ کر سنایا، اس میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بعض دنوں میں جن میں دشمن سے مقابلہ ہونا تھا سورج کے مائل ہونے کا انتظار کیا، پھر لوگوں میں کھڑے ہو کر فرمایا۔

اے لوگو! دشمن کی ملاقات کی تمنا نہ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو، پھر جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو صبر کرو اور خوب جان لو کہ بے شک جنت تلواروں کے سایوں کے نیچے ہے۔ (رواہ البخاری) پھر فرمایا کہ اے اللہ کتاب کو اُتارنے والے بادلوں کو چلانے والے لشکروں کو شکست دینے والے ان کو شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿47﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿48﴾

ترجمہ: اوران کافرلوگوں کے مشابہ مت ہونا جو(اسی واقعہ بدر میں) اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اورلوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے اورلوگوں کواللہ کے راستے (دین) سے روکتے تھے اوراللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو(اپنے علم میں) احاطہ میں لیے ہوئے ہے اوراس وقت کا ان سے ذکر کیجئے جبکہ شیطان نے ان (کفار) کوان کے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والانہیں اور میں تمہارا حامی ہوں پھر جب دونوں جماعتیں (کفارو مسلمین کی) ایک دوسرے کی مقابل ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور یہ کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں میں ان چیزوں کودیکھ رہاہوں جوتم کونظر نہیں آتیں (مرادفرشتے) میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔اوراللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔

تفسیر ﴿47﴾ (وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ) بطر کا معنی ہے فخر اور اکثر (ورئاء الناس) زجاج کا قول ہے کہ بطر کا معنی ہے نعمت پا کر سرکشی کرنا اور شکر ادانہ کرنا اور رئاء کا معنی دکھاوٹ یعنی اچھائی کو دنیا کے سامنے ظاہر کرنا اوراپنی برائی کو چھپانا۔(وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ) آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔جب وہ بدر کی طرف آئے توان کے لیے بڑا فخر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! یہ قریش اپنے غرور و تکبر کے ساتھ آئے ہیں تجھ سے جھگڑتے اور تیرے رسول کی تکذیب کرتے ہیں۔اے اللہ! پس تیری مدد جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان تجارتی قافلہ کو بچا گئے تو قریش کی طرف پیغام بھیجا کہ واپس آجاؤ تو ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم! ہم بدر جائے بغیر واپس نہ آئیں گے، بدر عرب کے موسموں میں سے ایک موسم تھا وہاں ہر سال ایک بازار لگتا تھا ہم وہاں تین دن ٹھہریں گے اونٹ نحر کریں گے، کھانا کھلائیں گے، شراب پئیں گے، لونڈیاں گانا سنائیں گی اور عرب ہمارے بارے میں سنیں گے تو ہمیشہ ہم سے ڈریں گے لیکن وہاں موت کے پیالے ان کو پلائے گئے شراب کی جگہ اوران پر گانے والیوں کی جگہ نوحہ کرنے والیوں نے نوحے کیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوان جیسا ہونے سے روکا اوران کوخلوصِ نیت کا حکم دیا۔

﴿48﴾ (وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ) یہ "تزیین" تھی کہ جب وہ نکلنے لگے تھے تو بنوبکر کا خوف تھا جس کی وجہ سے وہ واپس جانے ہی لگے تھے کہ شیطان اپنے شیطانوں کے لشکر کے ساتھ جھنڈا لے کر آگیا اور خود سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں تھا (وَقَالَ

لَاغَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ) یعنی تمہیں بنوکنانہ سے پناہ دیتا ہوں (فَلَمَّا تَرَآءَ تِ الْفِئَتٰنِ) تو شیطان نے فرشتوں کے اثرات دیکھ لیے کہ وہ آسمان سے اُتر رہے ہیں اور جان گیا کہ یہ لوگ ان کا مقابلہ نہ کرسکیں گے (نَکَصَ عَلٰی عَقِبَیْہِ) ضحاک کا قول ہے کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ نضر بن شمیل کا قول ہے کہ قہقری پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آپس میں آمنا سامنا ہوا تو اسی وقت شیطان مشرکین کی صف میں سراقہ کی شکل میں حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوا تھا تو وہ واپس لوٹنے لگا تو حارث نے کہا کیا بے لڑے بھاگ رہا ہے؟ وہ اس کو پکڑنے لگا تو اس نے سینے پر دھکا دیا اور بھاگ گیا اور مشرکین شکست کھا گئے۔

جب وہ مکہ آئے تو کہا کہ لوگوں کو شکست سراقہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ سراقہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے کہا مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم کہتے ہو میں نے لوگوں کو شکست دلائی۔ اللہ کی قسم! مجھے تمہارے جانے کا علم نہ تھا، اب تمہاری شکست کی خبر پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا کیا تو فلاں دن ہمارے پاس نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم کھالی کہ نہیں آیا تھا۔ جب وہ لوگ اسلام لے آئے تو پتہ چلا کہ وہ شیطان تھا (وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ چادر پہنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چل رہے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں گھوڑے کی لگام ہے ابھی اس پر سوار نہیں ہوئے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے ان کو سچ کہا کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے (اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ) اس بات میں جھوٹا تھا کیونکہ اس کو اللہ کا کوئی خوف نہ تھا لیکن جب دیکھا کہ اب اس کے بس کی بات نہیں تو نکل گیا اور یہ اللہ کے دشمن کی عادت ہے کہ جب حق اور باطل کا آمنا سامنا ہو تو اپنے ماننے والوں کو حوالہ کر کے نکل جاتا ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اللہ کا خوف ہے کہ وہ مجھے ہلاک ہونے والوں میں ہلاک نہ کردے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو ڈر ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام اس کو پکڑ کر اس کی حالت لوگوں کے سامنے ظاہر کردیں گے تو وہ اس کی اطاعت نہ کریں گے اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ "انی اخاف اللہ" یعنی میں جانتا ہوں کہ اللہ نے اپنے اولیاء سے جو وعدہ کیا ہے وہ سچا ہے اس لیے کہ اس کو اس پر اعتماد تھا۔ "واللہ شدید العقاب" اور بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں اور بعض نے کہا ہے کلام اس کے قول "اخاف اللہ" پر ختم ہوگئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ" طلحہ بن عبداللہ بن کریز سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کبھی عرفہ کے دن سے زیادہ ذلیل، حقیر، گھٹیا اور غصہ میں نہیں دیکھا گیا اور یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کی رحمت اُترتے اور اللہ تعالیٰ کو بڑے گناہوں سے درگزر کرتے دیکھتا ہے لیکن بدر کے دن (اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ) تو عرض کیا گیا بدر کے دن اس نے کیا دیکھا تھا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس نے جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں کے ساتھ اُترتے دیکھا تھا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ (وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ)

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾

ترجمہ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب منافقین اور جن کے دلوں میں (شک) کی بیماری تھی یوں کہتے تھے کہ ان کے دین نے ان کو بھول میں ڈال رکھا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والے (بھی) ہیں۔ اور اگر آپ (اس وقت کا موقعہ) دیکھیں جبکہ فرشتے ان (موجودہ) کافروں کی جان قبض کرنے جاتے ہیں (اور) ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ (ابھی کیا ہے آگے چل کر) آگ کی سزا جھیلنا۔

تفسیر ⑭ (اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ) یعنی مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں کمزور تھے اسلام لا چکے تھے اور ان کے اقرباء نے ان کو ہجرت سے روک رکھا تھا۔ جب قریش بدر کی طرف نکلے تو ان کو زبردستی ساتھ لے آئے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کی کم تعداد دیکھی تو شک میں مبتلا ہو گئے یا مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ان کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈالا ہے، یہ سب بھی مارے گئے ان میں سے قیس بن مغیرہ، ابو قیس بن الفاکہ بن مغیرہ، مخزمیان حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب، علی بن اُمیہ بن خلف جمحی، عاص بن منبہ بن حجاج۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ) یعنی اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اور اس پر اعتماد کرے (فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ) اپنے دشمنوں کے ساتھ جو چاہے کرتا ہے حکمت والا ہے) اپنے دوست اور دشمن کے ساتھ یکساں معاملہ نہیں کرتا۔

⑮ (وَلَوْ تَرٰىٓ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ) اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا موت کے وقت فرشتے کافروں کے چہروں پر آگ کے کوڑے مارتے ہیں اور بعض نے کہا کہ بدر میں جو کافر مارے گئے وہ مراد ہیں کہ ان کو مارتے تھے فرشتے (وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دبر سے ان کی پاخانہ کی جگہ مراد ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کنایہ اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین جب مسلمانوں کی طرف رُخ کرتے تھے تو فرشتے ان کو چہروں پر تلواریں مارتے تھے اور جب مڑ کر بھاگنے لگتے تو فرشتے ان کی پیٹھ پر مارتے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے ان کا اگلا اور پچھلا حصہ یعنی تمام جسم مراد ہے اور "توفی" سے مراد قتل ہے (وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ) بعض نے کہا کہ فرشتوں کے پاس لوہے کے گرز تھے جن سے کفار کو مارتے تھے تو ان کے زخموں پر آگ بھڑک اُٹھتی تھی۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جہنم کے داروغے کہیں گے چکھو جلنے کا عذاب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کو مرنے کے بعد یہ بات کہیں گے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑤ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ

اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَکُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: (اور) یہ عذاب ان اعمال (کفریہ) کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں ان کی حالت ایسی ہے جیسے فرعون والوں کی اور ان سے پہلے کے (کافر) لوگوں کی حالت تھی کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کا انکار کیا سو خدا تعالیٰ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہ قوم اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے جاننے والے ہیں ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والوں کی سی حالت ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا اس پر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

تفسیر: ﴿۵۱﴾ (ذٰلِکَ) یہ مار جو تم کو پڑی ہے (بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ) تو تمہارے ہاتھوں نے کمائی ہے (وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ)

﴿۵۲﴾ (کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی کفر کی عادت آل فرعون کی عادت کی طرح ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آل فرعون کو یقین ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں پھر بھی انہوں نے ان کی تکذیب کی اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سچ لے کر آئے پھر انہوں نے تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی ویسے سزا بھیجی جیسے آل فرعون پر بھیجی تھی۔ (وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ)

﴿۵۳﴾ (ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ) مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کیے ہوئے انعامات اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ ناشکری اور کفر کر کے اپنی حالت نہ بدل لیں۔ جب وہ ایسا کریں تو اللہ بھی ان کی حالت تبدیل کر دے گا اور نعمت کو چھین لیتا ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو قریش اور اہل مکہ پر بھیجا تو انہوں نے تکذیب کی اور کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو انصار کی طرف منتقل کر دیا (وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ)

﴿۵۴﴾ (کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ) بعض کو زلزلہ سے ہلاک کیا بعض کو دھنسا کر اور بعض کی صورت بگاڑ کر اور بعض کو آندھی سے اور بعض کو ڈبو کر ہلاک کیا۔ اسی طرح ہم نے بدر کے کافروں کو تلوار کے ساتھ ہلاک کیا جب انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا۔ (وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَکُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ)

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿56﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿57﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿58﴾

ترجمہ بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں تو یہ ایمان نہ لاویں گے جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے (کئی بار) عہد لے چکے ہیں (مگر) پھر (بھی) وہ اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (عہد شکنی سے) ڈرتے نہیں۔ سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پائیں تو ان (پر حملہ کر کے اس) کے ذریعہ سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیں تاکہ وہ لوگ سمجھ جاویں اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر ﴿55﴾ (اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ) کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بنو قریظہ کے یہود میں سے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی۔

﴿56﴾ (اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ) یہ بنو قریظہ والے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑ دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں مشرکین کی مدد کی ان کو ہتھیار دیئے، پھر کہنے لگے ہم بھول گئے تھے اور غلطی ہوگئی۔ پھر آپ علیہ السلام نے دوبارہ معاہدہ کیا پھر انہوں نے عہد توڑا اور غزوہ خندق میں کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے اُبھارا اور کعب بن اشرف مکہ گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر ان سے اتفاق کیا (وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ)

﴿57﴾ (فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ) مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر آپ علیہ السلام ان کو لڑائی میں پائیں۔ تو ان کو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پچھلے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان کے پچھلوں کے لیے عبرت بنا دیں اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے ذریعے پچھلوں کو ڈرا دیں اور تشدید کی اصل جدا کرنا ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہر عہد توڑنے والے کی قوت و جماعت کو متفرق کر دیں۔ یعنی جن لوگوں نے آپ علیہ السلام کا عہد توڑا اور آپ علیہ السلام سے لڑائی کے لیے آئے ان کو قتل کریں اور ایسی سزا دیں کہ وہ عبرت بن جائیں جس کی وجہ سے ان کے پچھلے اہل مکہ واہل یمن آپ علیہ السلام سے ڈریں۔ (لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ) تاکہ وہ نصیحت وعبرت حاصل کریں اور عہد نہ توڑیں۔

﴿58﴾ (وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً) جیسے بنو قریظہ اور بنو نضیر سے ظاہر ہوا (فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ) یعنی جنگ سے پہلے ان کو اطلاع کر دیں کہ آپ علیہ السلام نے ان کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا ہے تاکہ معاہدہ کے ٹوٹنے کے علم میں تم سب برابر ہو جاؤ تاکہ ان کو یہ وہم نہ ہو کہ آپ علیہ السلام نے لڑائی کر کے عہد توڑا ہے (اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ) سلیم بن

عامر نے حمیر کے ایک شخص سے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور روم کے درمیان معاہدہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ فوج لے کر ان کے شہروں کی طرف چل پڑے کہ جیسے ہی عہد ٹوٹے گا تو ان پر حملہ کر دیں تو ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور کہا اللہ اکبر اللہ اکبر! وعدہ پورا کرو دھوکہ نہ دو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ نہ گرہ باندھے اور نہ کھولے جب تک معاہدہ کی مدت ختم نہ ہو جائے یا ان کا معاہدہ توڑ کر ان کو بتا دے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿59﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿60﴾

ترجمہ: اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے۔ یقیناً وہ لوگ (خدا تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین نہ ہیں) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دیا جاوے گا اور تمہارے لئے کچھ کمی نہ ہوگی۔

تفسیر: ﴿59﴾ (وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا) ابو جعفر، ابن عامر، حمزہ اور حفص رحمہما اللہ نے "یحسبن" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ۔ "سبقوا" چھوٹ گئے۔ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بدر کے دن بھاگ گئے تھے۔ پس جنہوں نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے وہ کہتے ہیں "لایحسبنّ الذین کفروا" مطلب یہ ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہمارے عذاب سے بھاگ نکلے اور جنہوں نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے تو یہ خطاب کا صیغہ ہے۔ ابن عامر رحمہ اللہ نے "اَنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ" الف کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اس لیے کہ وہ عاجز نہیں کر سکتے اور مجھ سے چھوٹ نہیں سکتے اور دیگر حضرات نے الف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے ابتداء کی بناء پر۔

﴿60﴾ (وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ) الاعداد ضرورت کے وقت کے لیے کسی چیز کو تیار کرنا۔ یعنی وہ آلات جو تمہارے لیے قوت کا سبب بنیں جیسے گھوڑے، ہتھیار وغیرہ۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے منبر پر فرمایا اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے، سن لو! بے شک قوت تیر اندازی ہے۔ سن لو! بے شک قوت تیر اندازی ہے، سن لو! بے شک قوت تیر اندازی ہے۔ سن لو! بے شک قوت تیر اندازی ہے۔ اور اسی

سند کے ساتھ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ عنقریب تم پر روم فتح کیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ تمہیں کافی ہو جائیں گے تو تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز نہ ہو کہ اپنے تیروں کے ساتھ کھیل کود کرے۔ حمزہ بن ابی اسید رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا جب ہم قریش کے لیے صف باندھ کر کھڑے تھے اور انہوں نے بھی صفیں بنالیں تھیں (جب دشمن تمہارے قریب آئے تو تم تیروں کو لازم پکڑو) ابونجیح سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طائف کا محاصرہ کیا تو میں نے آپ علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ جس کا تیر نشانہ پر لگا اللہ کے راستہ میں تو اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہوگا۔ ابونجیح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن میرے سولہ تیر نشانہ پر لگے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس نے اللہ کے راستے میں تیر پھینکا تو وہ (جہنم سے) آزاد کیا گیا۔

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کریں گے اس کے بنانے والے کو اور اس کے دینے والے کو اور اس کو اللہ کی راہ میں پھینکنے والے کو۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین بندوں کو جنت میں داخل کریں گے۔ اس تیر کے بنانے والے کو جب اس نے بنانے میں خیر کی نیت کی ہو اور اس کے پھینکنے والے کو اور اس تیر دینے والے کو اور تم تیر اندازی کرو اور سوار رہو اور اگر تم تیر اندازی کرو تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ تم سوار ہو۔ ہر کھیل جو آدمی کھیلے وہ باطل ہے مگر اپنی کمان سے تیر پھینکنا اور اپنے گھوڑے کو تیار کرنا اور اپنی بیوی سے کھیل کود کرنا یہ حق میں سے ہے اور جس شخص نے تیر اندازی سیکھ کر چھوڑ دی اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے تو یہ نعمت ہے جس کو اس نے چھوڑ دیا ہے یا فرمایا اس نے اس نعمت کا انکار کیا (وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ) یعنی ان کو تیار کیا جہاد کے لیے۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوت سے مراد نر گھوڑے اور رباط الخیل سے مراد مؤنث گھوڑیاں ہیں۔ عروہ بارقی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے کی پیشانی میں خیر باندھی گئی ہے قیامت کے دن تک یعنی اجر اور غنیمت۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے راستے میں گھوڑے کو روکا اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے تو بے شک اس کا پیٹ بھرنا اور سیراب ہونا اور اس کا گوبر اور پیشاب قیامت کے دن اس کے ترازو میں ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے تین (طرح کے) ہوتے ہیں۔ ایک گھوڑا آدمی کیلئے (گناہ کا) بار ہوتا ہے۔ دوسرا گھوڑا آدمی کیلئے (بے آبروئی اور دوزخ سے) پردہ (آڑ حفاظت) ہوتا ہے اور تیسرا گھوڑا آدمی جہاد میں شریک ہونے کیلئے پالے اور اللہ نے جو حق گھوڑے کی سواری اور گھوڑے کی ذات سے وابستہ کردیا ہے۔ اس کو فراموش نہ کرے تو ایسا گھوڑا اس شخص کیلئے پردہ ہے اور جو گھوڑا کسی مسلمان کو جہاد میں شریک کرنے کیلئے کوئی پالے وہ باعث اجر ہے۔ اگر ایسے گھوڑے کو کسی چراگاہ یا سبزہ زار میں باندھ دے گا اور گھوڑا اس چراگاہ یا سبزہ زار سے کچھ کھائے گا تو جتنا

وہ کھائے گا اسی کے بقدر گھوڑے والے کیلئے نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو لید یا پیشاب کرے گا۔ اسی کے بقدر مالک کیلئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔ جب گھوڑا رسی تڑوا کر کہیں ایک ٹیلے یا دو ٹیلوں پر کلیلیں بھرے گا تب بھی اس کے قدموں کے نشانات اور لید اور پیشاب کے بقدر مالک کیلئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اگر گھوڑے کو پانی پلانے کیلئے دریا پر لے جائے گا اور وہ وہاں پانی پیئے گا تو جتنا اس نے پانی پیا ہوگا۔ اس کے بقدر مالک کیلئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے) مجاہد، قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں بنو قریظہ والے مراد ہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فارس والے مراد ہیں۔ حسن اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ منافقین مراد ہیں تم ان کو نہیں جانتے کیونکہ وہ تمہارے ساتھ لا الٰہ إلا اللہ کہتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ کافر جن مراد ہیں (وَمَا تُنفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ) اور تمہارے اجر سے کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْکَ فَاِنَّ حَسْبَکَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۶۳﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۴﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے اور وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا اور اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا بے شک وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں اے پیغمبر آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جاویں گے اور اسی طرح اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آ جاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کو) کچھ نہیں سمجھتے۔

تفسیر ⑥① (وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ) یعنی صلح کی طرف مائل ہوں (فَاجْنَحْ لَهَا) یعنی ان سے صلح کرلیں۔ قتادہ اور حسن رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت "اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" کی وجہ سے منسوخ ہوچکی ہے (وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)

⑥② (وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ) وہ غداری کریں یا کوئی دھوکہ کریں تمہارے ساتھ بنوقریظہ کے لوگ (فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ) اللہ تمہیں کافی ہے۔(هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ) انصار کے مددگاروں کے ساتھ۔

⑥③ (وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ) یعنی اوس اور خزرج میں کہ جاہلیت میں ان کے درمیان دشمنیاں تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھائی بھائی بنادیا۔(لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ)

⑥④ (يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تینتیس (۳۳) مرد اور چھ عورتیں اسلام لائیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور (من) کے محل میں اختلاف ہوا ہے اکثر مفسرین فرماتے ہیں اس کا محل جر ہے (حسبک اللہ) کی کاف پر عطف کرتے ہوئے اور حسبک من اتبعک اور بعض نے کہا ہے یہ مرفوع ہے اللہ کے اسم پر عطف کرتے ہوئے اس کا معنی اللہ اور آپ کے مومن متبعین آپ پر کافی ہیں۔

⑥⑤ (يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ) قتال پر ان کو ابھاریئے (اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ) بیس مرد ہوں (صٰبِرُوْنَ) صبر کرنے والے (يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ) دشمنوں پر غالب آجائیں (وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ) اگر ہوں ان میں سو جو صبر کرتے ہوں (يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) یہ اس وجہ سے کہ (بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ) یعنی مشرکین ثواب کی طلب کے بغیر لڑتے ہیں اس لیے ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔ یہ آیت خبر ہے لیکن امر کے معنی میں ہے۔ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے یہ فرض کیا تھا کہ ایک آدمی مؤمنین میں سے دس کافروں سے لڑے تو مؤمنین پر یہ حکم بھاری ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کردی اور فرمایا

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ط فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ⑥⑥ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ط تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑥⑦

ترجمہ: اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجاویں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں گے تو دس ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجاویں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔ نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کردیے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کرلیں تم تو دنیا کا مال واسباب

چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر ⑥⑥ (اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا) یعنی ایک آدمی دس سے اور سو آدمی ہزار سے نہیں لڑ سکتے اور ابوجعفر نے (ضعفاء) عین کے زبر اور مد کے ساتھ جمع کی بناء پر پڑھنا ہے اور دیگر حضرات نے عین کے سکون کے ساتھ (فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ)

دس سے دو کی طرف حکم لوٹا دیا گیا۔ پس اگر مسلمان اپنے دشمن کی تعداد کا نصف ہوں تو ان کے لیے فرار جائز نہیں ہے اور سفیان اور ابن شبرمہ فرماتے ہیں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی اسی طرح سمجھتا ہوں۔ اہل کوفہ نے "وان یکن منکم مائة" دونوں میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل بصرہ نے پہلے میں ان کی موافقت کی ہے اور باقی حضرات نے دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور عاصم اور حمزہ نے "ضعفا" ضاد کے زبر کے ساتھ یہاں اور سورۃ الروم میں پڑھا ہے اور باقی حضرات نے ضاد کے پیش کے ساتھ۔

⑥⑦ (مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى) ابوجعفر اور اہل بصرہ نے (تکون) تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ اور ابوجعفر رحمہ اللہ نے "اساری" اور دیگر حضرات نے "اسریٰ" پڑھا ہے۔ (حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن جب قیدیوں کو لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے پوچھا تم لوگ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم اور رشتہ دار ہیں ان کو زندہ رکھیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لیں اور ان سے فدیہ لے لیں جو ہمارے لیے کفار کے خلاف قوت کا سبب بنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی اور آپ علیہ السلام کو مکہ سے نکالا، آپ ان کو ہمیں دیں ہم ان کی گردنیں اُڑائیں۔ علی رضی اللہ عنہ کو عقیل پر قدرت دیں کہ وہ عقیل کی گردن اُڑائیں اور مجھے میرے فلاں رشتہ دار پر قدرت دیں میں اس کی گردن کاٹوں کیونکہ یہ کفر کے بڑے امام ہیں اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ایسی وادی میں ان کو داخل کر دیں جہاں خشک لکڑیاں زیادہ ہوں، پھر ان کو آگ لگا دیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا تو نے اپنی رشتہ داری کو توڑ دیا تو آپ علیہ السلام خاموش ہو گئے کسی کو جواب نہ دیا۔

پھر آپ گھر داخل ہوئے تو کچھ لوگ کہنے لگے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل ہونا چاہیے، کچھ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر اور بعض نے کہا حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی رائے پر۔ پھر جب آپ علیہ السلام گھر سے نکلے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے دلوں کو اتنا نرم کر دیا ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ نرم ہیں اور بعض لوگوں کے دلوں کو اتنا زیادہ سخت کر دیا ہے کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہیں اور بے شک اے ابوبکر! تیری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو میری اتباع کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو اے اللہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور اے ابوبکر! تیری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کر دے تو

بے شک تو غالب حکمت والا ہے اور بے شک اے عمر تیری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا اے میرے رب! زمین پر کافروں کا کوئی گھر نہ چھوڑ اور اے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تیری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اے ہمارے رب! تو ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دلوں پر سختی کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی فدیہ یا قتل کے بغیر نہ چھوٹ سکے گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا سوائے سہیل بن بیضاء کے کہ میں نے ان کو اسلام کا ذکر کرتے سنا ہے تو آپ علیہ السلام خاموش ہو گئے تو میں نے اس دن سے زیادہ اپنے آپ کو خوف میں نہ دیکھا، مجھے ڈر رہا کہ اس دن آسمان سے مجھ پر پتھر گریں گے حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے سہیل بن بیضاء کے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف تھا، میری رائے کی طرف نہ تھا۔ جب میں اگلے دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے تھے تو میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! مجھے تو بتائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کس بات پر رو رہے ہیں؟ تو اگر مجھے بھی رونا آ گیا تو میں بھی روؤں گا ورنہ رونے کی صورت ہی بنالوں گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے تیرے ساتھیوں کی اس بات نے رُلا دیا کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تحقیق ان پر عذاب اس درخت سے بھی قریب آ چکا تھا آپ علیہ السلام نے اپنے قریب ایک درخت کی طرف اشارہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری "ما كان لنبى ان يكون له اسرىٰ" "حتى يثخن فى الارض اپنے قول (فكلوا مما غنمتم حلالاً طيبا) تک اتاری تو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے غنیمت کو حلال کر دیا (اسرىٰ) اسیر کی جمع ہے قطعی اور قتیل کی طرح (حتى يثخن فى الارض) یعنی مشرکین کو قتل اور قید کرنے میں مبالغہ کرے۔ (تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا) فدیہ لے کر (وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ) اللہ تمہارے لیے ثواب چاہتا ہے تمہیں دشمن پر غالب کر کے (وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ) ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ایک اوقیہ چالیس درہم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حکم بدر کے دن تھا کیونکہ اس وقت مسلمان تھوڑے تھے، جب مسلمان زیادہ ہو گئے اور ان کی قوت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے بارے میں یہ حکم اُتارا "فامّا منّا بعد واما فداء" تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام اور مؤمنین کو اختیار دیا کہ اگر چاہیں تو قیدیوں کو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو ان کو آزاد کر دیں اور اگر چاہو تو ان کو غلام بنا دو اور اگر چاہو تو ان سے فدیہ لو۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ (مقدر) نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارہ میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی سو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

تفسیر 68 (لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے انبیاء اور اُمتوں پر غنیمت حرام تھی وہ اس کو قربانی کے لیے رکھ دیتے، آسمان سے آگ اُترتی اور اس کو کھا جاتی۔ جب بدر کا دن آیا تو مسلمانوں نے غنیمت سمیٹنے میں جلدی کی اور فدیہ لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری۔ یعنی اگر لوح محفوظ میں یہ لکھا نہ جا چکا ہوتا کہ یہ غنیمت تمہارے لیے حلال ہے اور حسن، مجاہد رحمہما اللہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے سے یہ لکھا نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ بدر کے حاضرین کو عذاب نہ دیں گے (لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ) ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤمنین جو غزوہ بدر میں حاضر ہوئے وہ تمام غنیمت کو پسند کرتے تھے سوائے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! جنگ میں خون بہانا مجھے زیادہ پسند ہے مردوں سے فدیہ لینے سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آسمان سے عذاب اُترتا تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی اس سے نہ بچتا۔

69 (فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) روایت کیا گیا ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فدیہ کے استعمال سے ہاتھ کھینچ لیے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے غنیمت کو حلال کیا گیا، مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنیمت ہمارے سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف اور عجز کو دیکھا تو اس کو ہمارے لیے پاک کر دیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ 70 وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ 71

ترجمہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے (دنیا میں) اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور (آخرت میں) تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور اگر بالفرض یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت (نقض عہد) کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو (کچھ فکر نہ کیجئے) اس سے پہلے انہوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفتار کروا دیا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر 70 (يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى) ابو عمرو اور ابو جعفر نے (من الاسارى) الف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے بغیر الف کے) یہ آیت عباس بن عبد المطلب کے بارے میں نازل ہوئی ہے بدر کے دن قید کیے گئے تھے۔

یہ ان دس لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے کفار کے لشکر کے کھانے کی ذمہ داری اُٹھائی تھی اور غزوۂ بدر کے دن انہی کی باری تھی۔ یہ اپنے ساتھ بیس اوقیہ سونا لائے تھے تاکہ لوگوں کو کھانا کھلائیں تو جس دن کھانا کھلانے کا ارادہ کیا تو لڑائی ہوئی اور بیس اوقیہ بچ گئے تو جنگ میں یہ آپ سے لے لیے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان بیس اوقیہ کو اپنے فدیہ میں شمار کریں تو انہوں نے انکار کردیا اور کہا کہ ایسی چیز میں آپ کے پاس نہ چھوڑوں گا جس سے آپ ہمارے خلاف مدد حاصل کریں اور عباس کو ان کے بھائی عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کے فدیہ کا بھی مکلف بنایا گیا تو عباس نے کہا اے محمد! آپ نے مجھے اس حال میں چھوڑا ہے کہ میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا پھروں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ سونا کہاں ہے جو آپ نے اُم فضل کو مکہ سے نکلتے ہوئے دیا تھا اور کہا تھا مجھے پتہ نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے، اگر میں مرجاؤں تو یہ سونا تیرے اور عبداللہ اور عبیداللہ اور فضل اور قثم کے لیے ہے تو عباس نے پوچھا، کس نے آپ علیہ السلام کو یہ خبر دی ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے یہ خبر دی ہے تو عباس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ علیہ السلام سچے ہیں اور کہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ علیہ السلام اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ نے اس کے بدلہ مجھے بیس غلام دیئے، سارے تاجر اور وافر مال لاتے ہیں ان میں سے ادنیٰ بیس ہزار درہم لاتا ہے۔ ان بیس اوقیہ کے بدلے اور اللہ نے مجھے زمزم کی خدمت دی مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کے بدلے میرے لیے مکہ کا سارا مال ہو۔ اب میں اپنے رب کی مغفرت کا منتظر ہوں۔

⑪ (وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ) یعنی قیدی (فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ) ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں خیانت سے کفر مراد ہے یعنی اگر وہ آپ کا انکار کرتے ہیں تو اس سے پہلے اللہ کا بھی انکار کرچکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بدر میں ان پر مؤمنین کو قدرت دی، ان کو قتل بھی کیا اور قید بھی کیا اور یہ ان کو دھمکی ہے کہ اگر دوبارہ مؤمنین سے لڑائی کرنے آئے تو بھی ایسا ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑫ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ⑬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ⑭

ترجمہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے رستے میں جہاد بھی کیا اور

جن لوگوں نے رہنے کو جگہ بھی دی اور مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد (صلح کا) ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر اس (حکم مذکورہ) پر تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا اور جو لوگ اول مسلمان ہوئے اور انہوں نے (ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے۔

تفسیر ⑫ "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا" یعنی اپنی قوم اور گھروں کو چھوڑا۔ یعنی مکہ سے ہجرت کرنے والے مراد ہیں۔" وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا " اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مہاجرین کو یعنی ان کو ٹھہرایا اپنے گھروں میں " وَّنَصَرُوْا" یعنی ان کی مدد کی ان کے دشمنوں پر اور یہ لوگ انصار رضی اللہ عنہما ہیں "اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ " نہ کہ ان کے کافر رشتہ دار۔ بعض نے کہا مدد و نصرت میں ولی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میراث میں ولی ہیں اور یہ ہجرت کی وجہ سے وارث ہوں گے۔ مہاجرین وانصار ذوی الارحام سے پہلے وارث ہوتے تھے اور جو شخص ایمان لا چکا ہو لیکن ہجرت نہ کی ہو تو وہ اپنے قریبی رشتہ دار مہاجر سے وارث نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا ہجرت منقطع ہو گئی اور ذوی الارحام وارث ہونے لگے جہاں بھی ہوں اور یہ حکم منسوخ ہو گیا اللہ تعالیٰ کے فرمان "و اولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتاب اللّٰہ" کی وجہ سے " وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَالَکُمْ مِّنْ وَّلَا یَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ" یعنی میراث میں " حَتّٰی یُھَاجِرُوْا" حمزہ رحمہ اللہ نے "ولایتھم" کو واؤ کے کسرہ کے ساتھ اور باقی حضرات نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں معنی کے اعتبار سے ایک ہیں۔" وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ" یعنی تم سے وہ مؤمن مدد طلب کریں جنہوں نے ہجرت نہیں کی " فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ " معاہدہ ہو تو ان کے خلاف مدد نہ کرو" وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ"

⑬ "وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ " مدد اور نصرت میں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میراث میں ولی ہے۔ یعنی مشرکین آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے " اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ "ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر تم میراث میں وہ نہ لو جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم باہمی مدد و نصرت نہ کرو۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کو دین میں ولی بنایا ہے اور کافروں کو آپس میں ایک دوسرے کا ولی بنایا ہے۔ پھر فرمایا "اِلَّا تفعلوہ" وہ یہ کہ مؤمن مؤمن کو چھوڑ کر کافر کو ولی بنائے تو "تکن فتنۃ فی الارض وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ" پس زمین میں فتنہ کفر کی طاقت ہے اور فساد کبیر اسلام کی کمزوری ہے۔

⑭"وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْآ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں ہے۔ بعض نے کہا انہوں نے ہجرت اور جہاد کے ذریعے اپنے ایمان کو ثابت کر دیا۔ "لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ" جنت ہے۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ اس آیت کے تکرار کا کیا مطلب ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ مہاجرین کے کئی طبقے تھے۔ بعض پہلی ہجرت والے ہیں جنہوں نے حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض دوسری ہجرت والے تھے۔ یہ وہ لوگ جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض دو ہجرت والے تھے ہجرت حبشہ بھی کی اور ہجرت مدینہ بھی۔ تو پہلی آیت سے پہلی ہجرت مراد ہے اور دوسری آیت سے دوسری ہجرت مراد ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ ۢ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ⑮

ترجمہ: اور جو لوگ ہجرت نبویہ کے) بعد زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو یہ لوگ (گو فضیلت میں تمہارے ساتھ برابر نہیں لیکن تاہم) تمہارے ہی شمار میں ہیں اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ⑮ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ ۢ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ" یعنی تمہارے ساتھ ہیں۔ مراد یہ ہے تم ان میں سے ہو اور وہ تم میں سے ہیں۔ "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ" یہ ہجرت کی وجہ سے وراثت کو منسوخ کرنا اور میراث ذوی الارحام کو دینا "فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ" یعنی اللہ کے حکم میں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں کتاب اللہ سے قرآن مجید مراد ہے۔ یعنی وہ تقسیم جو سورۃ نساء میں بیان ہوئی وہ مراد ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ"

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ

سورۃ برأت کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ساری سورت مدنی ہے سوائے آخر کی دو آیتوں کے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورہ توبہ کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ رسوا کرنے والی ہے۔ مشرکین کے بارے میں نازل ہوتی رہی یہاں تک کہ ان کو گمان ہونے لگا کوئی ان میں سے کسی کا تذکرہ اس سے نہ بچ سکے گا۔ پھر میں نے پوچھا سورۃ الانفال؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ سورۃ بدر ہے۔ میں نے سوال کیا سورۃ حشر؟ فرمایا تو اس کو سورۃ بنو نضیر کہہ لے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ سورۃ انفال مثانی سورتوں میں سے ہے اور سورۃ براۃ مئین میں سے ہے آپ کو کس چیز نے اُبھارا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور تم نے اس کو سبع طوال میں رکھ دیا؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام پر قرآن مجید کی سورتیں ہر وقت اُترتی رہتی تھیں۔ جب بھی کوئی آیت اُترتی تو آپ کاتبین میں سے کسی کو بلاتے اور فرماتے کہ اس آیت کو اس سورت میں رکھ دو جس میں ان ان باتوں کا تذکرہ ہے۔ مدینہ میں اور سورۃ براءۃ آخر میں نازل ہوئی ہے اور اس کے مضامین سورۃ انفال سے ملتے جلتے ہیں اور آپ علیہ السلام دُنیا سے تشریف لے گئے اور ہمیں یہ بیان نہیں کیا کہ یہ سورۃ توبہ انفال کا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے ان دونوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی نہیں لکھی اور اس کو سبع طوال میں رکھ دیا۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ②

ترجمہ: اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے دست برداری ہے جن سے تم نے (بلا تعیین مدت) عہد کر رکھا تھا سو تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو اور یہ (بھی) جان رکھو کہ تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ (بھی جان رکھو) کہ بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو (آخرت میں) رسوا کریں گے۔

تفسیر: ① "بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ" یعنی یہ اللہ کی طرف سے برأت ہے اور یہ مصدر ہے نشاۃ اور دناءۃ کی طرح۔ مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین جھوٹی خبریں پھیلانے

لگے اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے عہد توڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عہد توڑنے کا حکم دیا اور یہ عہد توڑنے کا حکم اس آیت میں ہے "واما تخافن من قوم خیانۃ" الآیۃ۔ زجاج فرماتے ہیں کہ براءۃ یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عہد دینے اور اس کے پورا کرنے سے بری ہیں۔ جب خود انہوں نے اس کو توڑ دیا ہے "اِلَی الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ" خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ہے اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عہد کیا تھا اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عہد پر راضی تھے تو گویا انہوں نے خود عہد کیا۔

② "فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ" یہاں گفتگو میں خبر سے خطاب کے صیغوں کی طرف رجوع کیا ہے۔ یعنی آپ علیہ السلام ان کو کہہ دیں کہ چلو زمین میں آگے پیچھے امن کے ساتھ مسلمانوں میں سے کسی کے خوف کے بغیر " اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ" نہ اس سے بچ سکتے ہو اور نہ بھاگ سکتے ہو " وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ" یعنی دُنیا میں ان کو قتل کے ذریعے ذلیل کرنے والا ہے اور آخرت میں عذاب کے ذریعے۔

اشھرٌ حرم کون سے دن ہیں

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ مدت اور وہ کون لوگ تھے جن کے عہد سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برأت کا اعلان کیا؟ ایک جماعت نے کہا کہ یہ مدت اللہ کی طرف سے مشرکین کو دی گئی ہے کہ جن کا معاہدہ چار ماہ سے کم تھا ان کے معاہدہ کی مدت چار ماہ کر دی گئی ہے اور جن کے معاہدہ کی مدت متعین نہ تھی اس کو چار ماہ کے ساتھ متعین کر دیا ہے کہ اس کے بعد جنگ ہوگی پھر جہاں وہ ملیں گے قتل کیے جائیں گے مگر یہ کہ وہ توبہ کر لیں اور اس مدت کی ابتداء حج اکبر کے دن سے اور اس کی مدت اختتام ربیع الثانی کی دس تاریخ تھی اور جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا ان کو مہلت دی تاکہ حرام مہینے ختم ہو جائیں اور یہ پچاس دن تھے اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چار مہینے شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ اس لیے کہ یہ آیت شوال میں نازل ہوئی تھی اور پہلا قول زیادہ درست ہے اور اسی پر اکثر مفسرین ہیں۔

اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چار مہینے کی مدت ان مشرکوں کے لیے تھی جن سے چار ماہ سے کم معاہدہ ہوا تھا کہ وہ چار ماہ مکمل کر لیں اور جن کے معاہدہ کی مدت چار ماہ سے زائد تھی تو اس مدت کے مکمل کرنے کا حکم دیا گیا۔ اللہ کے فرمان "فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مشرکوں سے لڑائی کا حکم دیا جنہوں نے آپ علیہ السلام سے لڑائی کی تو فرمایا "قاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم" تو آپ علیہ السلام صرف ان مشرکوں سے لڑائی کرتے تھے جنہوں نے آپ علیہ السلام سے قتال کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مشرکوں سے لڑائی کرنے اور ان سے بری ہونے کا حکم دیا اور ان کو چار ماہ کی مدت دی تو ان مشرکوں میں سے کسی کے لیے بھی چار ماہ سے زائد مدت نہ تھی خواہ ان سے اس اعلان براءت سے پہلے کوئی معاہدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو مدت سب کے لیے چار ماہ مقرر ہوئی اور ان چار ماہ کے بعد تمام

مشرکوں کے خون حلال کر دیئے گئے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ محمد بن اسحاق اور مجاہد و دیگر مفسرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے معاہدہ کیا کہ دس سال وہ مسلمانوں سے لڑائی نہ کریں گے لوگ امن سے رہیں گے اور قبیلہ خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بنوبکر قریش کے عہد میں داخل ہو گیا۔ پھر بنوبکر نے خزاعہ پر حملہ کیا اور کافی نقصان پہنچایا اور قریش نے بنوبکر کی ہتھیاروں سے مدد کی۔

جب بنوبکر اور قریش خزاعہ پر غالب آ گئے اور اپنا عہد توڑ دیا تو عمرو بن سالم خزاعی مدینہ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر چند اشعار کہے جن میں سارا واقعہ بیان کر کے مدد کی درخواست کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی تو کسی کی مدد نہ کی اور آپ علیہ السلام نے ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کی طرف لشکر کشی کی۔ جب ہجرت کا نواں سال تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا، پھر فرمایا کہ وہاں مشرکین آئیں گے اور ننگے طواف کریں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس سال حج کا امیر بنا کر بھیجا تا کہ وہ لوگوں کا حج قائم کریں اور آپ کو سورۃ براءۃ کی ابتدائی چالیس آیتیں دیں کہ یہ تمام حاجیوں پر پڑھ کر سنا دیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی عضباء پر بھیجا کہ وہ لوگوں پر سورۃ براءۃ کی شروع کی آیتیں پڑھیں اور یہ حکم دیا کہ وہ مکہ اور منیٰ اور عرفہ میں یہ اعلان کریں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ بری ہے ہر مشرک سے اب کوئی بیت اللہ کا ننگے طواف نہ کرے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوٹے اور پوچھا اے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں اور باپ آپ پر قربان، کیا میرے بارے میں کچھ حکم اُترا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں لیکن مناسب یہ تھا کہ یہ اعلان میرے گھر کا کوئی بندہ کرتا۔ کیا اے ابوبکر! کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ تو میرے ساتھ غار میں تھا اور حوض پر میرے ساتھ ہوگا؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوچ کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ حج کے امیر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ برأت کا اعلان کرتے پھر یوم الترویہ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور ان کے مناسک بیان کیے اور حج قائم کیا اور عرب اس سال میں اپنے جاہلیت کے حج کے مرتبوں پر تھے۔ جب یوم النحر آیا تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں میں اعلان کیا اور ان پر سورۃ برأت پڑھی۔ زید بن تبیع فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس سال کس چیز کے ساتھ بھیجے گئے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چار چیزوں کے ساتھ بھیجا گیا۔ (۱) کوئی بیت اللہ کا ننگے طواف نہ کرے۔ (۲) جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ متعین مدت تک تھا تو وہ اس مدت تک باقی رہے گا اور جس کا معاہدہ کسی مدت تک نہ تھا تو وہ چار ماہ تک ہے۔

(۳) جنت میں صرف ایمان والا داخل ہوگا۔ (۴) مسلمان اور مشرک اس سال کے بعد جمع نہ ہوں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کیا۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اور پھر ان کو معزول کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر حج کیوں بنا دیا؟ ہم جواب دیں گے کہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا تھا آپ ہی امیر حج تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو ان آیات کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ عرب کی عادت اور عرف یہ تھا کہ جن سے معاہدہ کیا ہو یا تو ان کا سردار عہد توڑے یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ایسا کرے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وجہ سے بھیجا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ یہ طریقہ ہمارے عرف و عادت کے خلاف ہے اور اس بات پر دلیل کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی امیر حج تھے۔ وہ حدیث ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے اس حج میں نحر کے دن دو اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا کہ ہم منیٰ میں اعلان کریں کہ سن لو کہ آج کے سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی بیت اللہ کا طواف کرے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③

ترجمہ: اور اللہ اور رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین (کو امن دینے) سے پھر اگر تم (کفر سے) توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم نے (اسلام سے) اعراض کیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور ان کافروں کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔

تفسیر: ③ "وَاَذَانٌ" اس کا عطف "براءۃ" پر ہے یعنی اعلان ہے اور اس سے نماز کی اذان دینا ہے۔ "مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ" "حج اکبر کے دن میں اختلاف ہے۔

یوم الحج الاکبر کی تفسیر میں مختلف اقوال

① عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عرفہ کا دن ہے اور یہی بات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور یہی عطاء، طاؤس، مجاہد اور سعید بن مسیب رحمہما اللہ کا قول ہے اور ② ایک جماعت نے کہا یہ قربانی کا دن ہے۔

③ یحییٰ بن جزار سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یوم النحر میں سفید خچر پر سوار ہو کر جبانہ کی طرف جانے لگے تو ایک شخص آیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی سواری کی لگام پکڑ کر حج اکبر کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرا یہ دن

ہے، اس کا راستہ چھوڑ دے اور یہی بات عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی شعبی، نخعی رحمہما اللہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور سدی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

④ ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا کہ حج اکبر کا دن منٰی کے تمام ایام ہیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ یوم الحج الاکبر سے مراد اوقات حج مراد ہیں۔ یعنی منی کے تمام ایام جیسے یوم صفین، یوم جمل، یوم بعاث سے مراد وقت اور زمانہ ہے۔ عبداللہ بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج اکبر کا دن وہ ہے جس میں آپ علیہ السلام نے حج کیا اور یہی ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے کیونکہ اس دن میں مسلمانوں کا حج اور یہود و نصاریٰ و مشرکین کی عید جمع ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے اور بعد میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور علماء کا حج اکبر میں بھی اختلاف ہے۔ ⑤ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج اکبر قران اور حج اصغر افراد ہے۔

⑥ اور زہری، شعبی اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ حج اکبر حج ہے اور حج اصغر عمرہ ہے "اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ" یعنی اور اس کا رسول بھی مشرکین سے بری ہے۔ یعقوب نے لام کے نصب کے ساتھ "اِنَّ اللّٰہ ورسولہ بریٌ" پڑھا ہے۔ "فَاِنْ تُبْتُمْ" کفر سے لوٹ جاؤ اور خالص توحید پر آ جاؤ "فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ" ایمان سے اعراض کرو "فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ"

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑤

ترجمہ ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کرو واقعی اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں سو جب اشہر حرم گزر جائیں تو (اس وقت) ان مشرکین کو جہاں چاہو مارو پکڑو باندھو اور داؤ گھات کے موقعہ پر ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔

تفسیر ④ "اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ" یہ استثناء ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "براءة من اللہ ورسولہ" سے۔ یعنی بری ہے اللہ اور اس کا رسول ان عہدوں سے جو تم نے مشرکین سے کیے۔ سوائے اس عہد کے جو تم نے مشرکین سے کیا اور یہ بنو ضمرہ کے لوگ ہیں یہ کنانہ قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عہد کی مدت پوری کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے عہد کی مدت نو ماہ باقی رہ گئی تھی۔ ان کی مدت اس لیے پوری کی گئی کہ انہوں نے عہد نہ توڑا تھا اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "ثُمَّ

لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ"

⑤ "فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ" بعض نے کہا یہ چار مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم ہیں۔ مجاہد اور ابن اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معاہدہ کے مہینے ہیں کہ جس کا معاہدہ ہے تو اس کا معاہدہ چار ماہ تک باقی رہے گا اور جس کا عہد نہیں تھا تو اس کی مدت محرم ختم ہونے تک۔ پچاس دن ہے ان مہینوں کو "حُرُوم" اس وجہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں مؤمنین پر مشرکوں کے خون حرام کردیئے ہیں۔ مجاہد کے اس قول پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو پچاس دن ہوں گے۔ اشہر حرم تو پورے نہیں ہوں گے بلکہ اشہر حرم کا جزو اور حصہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے اشہر حرم کا گزر جانا فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے چونکہ دس ذی الحجہ سے آخر محرم تک ایک ایسی مدت تھی جس کا اتصال پچھلے مہینوں سے تھا اس لئے اشہر حرم کا لفظ ذکر کردیا گیا۔ "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ" حل یا حرم میں "وَخُذُوْهُمْ" ان کو قیدی بناؤ "وَاحْصُرُوْهُمْ" ان کو گھیرلو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مشرک قلعہ بند ہوجائیں تو ان کا محاصرہ کرلو۔ نکلنے نہ دو تاکہ وہ مجبور ہوکر یا جنگ کریں یا مسلمان ہوجائیں یا جزیہ ادا کرنا قبول کرلیں۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مکہ میں داخل ہونے اور ممالک اسلامیہ میں گھومنے پھرنے سے کافروں کو روک دو۔ "وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ" یعنی ہر راستے پر مرصد وہ جگہ جس میں دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے رصدت الشئی میں نے اس چیز کی تاک لگائی۔ مطلب یہ ہے کہ تم مشرکوں کی گھات میں لگے رہو کہ جس طرف سے وہ آئیں تم ان کو گرفتار کرلو تاکہ مکہ میں داخل ہونے اور ملک میں پھیلنے نہ پائیں۔ بعض نے کہا مکہ کے راستوں پر بیٹھ جاؤ تاکہ وہ اس میں داخل نہ ہوسکیں۔ "فَاِنْ تَابُوْا" اگر وہ شرک سے توبہ کرلیں۔ "وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ" ان کو چھوڑ دو کہ اپنے شہروں میں چلیں پھریں اور مکہ میں داخل ہوں۔ "اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" اس کے لیے جو توبہ کرے "رحیم" حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ان تمام تر آیات کو منسوخ کردیا جن میں مسلمانوں کو کافروں نے ظلم و ایذا پر صبر کرنے اور درگزر کرنے کی تلقین کی گئی۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧

(ترجمہ) اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام الٰہی سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ حکم اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے ان مشرکین

(قریش) کا عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کیسے (قابل رعایت) رہے گا مگر جن لوگوں نے تم سے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا ہے سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں کیسے (ان کا عہد قابل رعایت رہے گا) حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل (ان باتوں کو) نہیں مانتے اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔

تفسیر ⑥ "وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ" یعنی جن مشرکین کے قتل کا میں نے حکم دیا ہے اگر ان میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے اور امن طلب کرے تاکہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے "فاجرہ" تو اس کو پناہ اور امان دے دیں "حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ" یعنی اگر وہ اسلام نہ لائیں تو اس کو اس کی امن کی جگہ یعنی اس کی قوم کے پاس پہنچا دیں۔ پھر اگر وہ آپ سے لڑائی کرے اور آپ لڑنے پر قادر ہوں تو اس کو قتل کر دیں۔ "ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ" یعنی اللہ کے دین اور اس کی توحید کو نہیں جانتے تو وہ اللہ کی کلام سننے کے محتاج ہیں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے قیامت کے دن تک۔

⑦ "كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ" یہ سوال تعجب کے طریقے پر ہے اور اس کا مطلب انکار کرنا ہے۔ یعنی یہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں اور عہد توڑتے ہیں تو ان کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی عہد نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے استثناء کیا اور فرمایا "اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوگ قریشی ہیں اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل مکہ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن معاہدہ کیا تھا "فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ" پھر وہ سیدھے نہیں رہے اور عہد کو توڑا اور بنی بکر کی خزاعہ پر حملہ میں مدد کی تو فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے چار ماہ مدت مقرر کر دی کہ ان چار ماہ میں اسلام لے آئیں یا جس شہر میں چاہیں چلے جائیں تو وہ چار ماہ سے پہلے اسلام لے آئے۔ سدی، کلبی اور ابن اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے بکر کے قبیلے بنوخزیمہ، بنومدلج اور بنو ضمرہ اور بنودیل مراد ہیں یہ لوگ حدیبیہ کے دن قریش کے عہد میں داخل ہو گئے تھے ان میں سے قریش اور بنوبکر کی شاخ بنودیل نے عہد شکنی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عہد پورا کرنے کا حکم دیا جنہوں نے عہد نہیں توڑا یعنی بنوضمرہ۔ یہ قول درستگی کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت قریش کے عہد توڑنے اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے تو ایک گزر جانے والے واقعہ کے بارے میں کیسے مستقبل کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟ کہ "فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ" اور یہ تو وہ لوگ مراد ہیں جن کے بارے میں کہا "الا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصو كم شيئا" یعنی وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے قریش کی طرح عہد شکنی نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء یعنی بنی خزاعہ کے خلاف بن بکر کی مدد نہیں کی۔ "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ"

⑧ "كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ" یہ بھی پہلی آیت پر لوٹ رہا ہے یعنی کیسے ہو سکتا ہے ان کے لیے عہد اللہ کے پاس کہ اگر وہ غالب آ جائیں تم پر "لا يرقبوا فيكم اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً" اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیسے تم ان سے قتال نہیں کرتے حالانکہ اگر وہ تم

پر کامیاب ہو جائیں تو وہ حفاظت نہ کریں گے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لا یرقبوا" کا معنی وہ نہیں انتظار کریں گے۔
قطرب کہتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ وہ تم میں کسی رشتہ داری کی رعایت نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اِلًّا" بمعنی قرابت ہے اور یمان کہتے ہیں رشتہ داری کے معنی میں ہے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اَلْاِلُّ" بمعنی عہد ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً" دونوں کا معنی عہد ہے لفظوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں کو ذکر کیا ہے۔ ابومجلز اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "اَلاِلُّ" سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ مسیلمہ کذاب کی قوم کے کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا مسیلمہ کی کتاب پڑھو، انہوں نے پڑھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کلام "اِلّ" یعنی اللہ تعالیٰ سے نہیں نکلی اور اس تاویل پر دلیل یہ ہے کہ عکرمہ کی قرأت میں "لا یرقبون فی مؤمن ایلاً" بالیاء کے ساتھ ہے بمعنی اللہ عزوجل "یرضونکم بافواھھم" یعنی صرف اپنی زبان سے تمہاری اطاعت کرتے ہیں دل سے نہیں کرتے "وتابٰی قلوبھم" ایمان کا "واکثرھم فاسقون" اگر یہ اعتراض ہو کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں ہے اور وہ سارے فاسق تھے تو آیت میں اکثر کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں فسق سے معاہدہ توڑنا مراد ہے اور مشرکین میں بھی بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے عہد پورا کیا اور اکثر نے عہد توڑا تو اس لیے کہا "واکثرھم فاسقون"

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ط اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑨ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ط وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪

(ترجمہ) انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض میں (دنیا کی) متاع ناپائیدار کو اختیار کر رکھا ہے سو یہ لوگ اللہ کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں اور یقیناً یہ ان کا عمل بہت ہی برا ہے یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں (بھی) نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا اور یہ لوگ بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں سو اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم سمجھدار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

(تفسیر) ⑨ "اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا" کیونکہ انہوں نے ان چند لقموں کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑ دیا جو ان کو ابوسفیان نے کھلائے تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے اپنے حلیفوں کو خوراک دی "فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ" تو انہوں نے لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہونے سے روکا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طائف والوں نے ان کو مال کی مدد دی تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر قوی ہو جائیں "اِنَّهُمْ سَآءَ" برا ہے۔ "مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"

⑩ "لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً" فرماتے ہیں اے مومنو تم ان پر شفقت نہ کرو جیسا کہ اگر وہ غالب

آجاتے تو تم پر شفقت نہ کرتے وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ "عہد توڑ کر۔

⑪ "فَاِنْ تَابُوْا" شرک سے "وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ" پس وہ تمہارے بھائی ہیں "فِي الدِّيْنِ" ان کو وہ فوائد ملیں گے جو تمہیں ملتے ہیں اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو تم پر ہیں۔ "وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت نے اہل قبلہ کے خون حرام کر دیئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ پس جو زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس کی نماز بھی نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا اور عرب میں سے جس نے کافر ہونا تھا ہو گیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہا آپ لوگوں سے کیسے قتال کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" نہ کہہ لیں جب وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہہ لیں تو وہ مجھ سے اپنا مال اور جان بچا لے گئے مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ پر ہے؟

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور قتال کروں گا۔ اس سے جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو میں اس کی وجہ سے ان سے قتال کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینہ کو قتال کے لیے کھول دیا ہے تو میں نے پہچان لیا کہ یہ حق ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھایا تو یہ وہ مسلم ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬

ترجمہ: اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین (اسلام پر) طعن تو تم اس قصد سے کہ یہ باز آجائیں ان پیشوایان کفر سے (خوب) لڑو (کیونکہ اس صورت میں) ان کی قسمیں (باقی) نہیں رہیں تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسولؐ کے جلاوطن کر دینے کی تجویز کی اور انہوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے رہو سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر ⑫ "وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ" اپنے عہد کو توڑیں "مِّنْ ۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ" یعنی قریش کے مشرکین "وَطَعَنُوْا فِيْ

دِیْنِکُمْ" اور اس میں عیب نکالیں۔ پس یہ دلیل ہے اس بات پر کہ جو ذمی دین اسلام میں عیب نکالے اعلانیہ تو اس کا کوئی معاہدہ باقی نہ رہے گا۔ "فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ" اہل کوفہ اور اہل شام نے (ائمہ) دو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی ہو اور باقی حضرات نے دوسرے ہمزہ کو لین کے ساتھ پڑھا ہے اور ائمۃ الکفر۔ مکہ کے مشرکین کے سرداروں اور قائدین کو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب اور ابوجہل بن ہشام اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور قریش کے تمام سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے عہد توڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالنے کا ارادہ کیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فارس اور روم والے مراد ہیں۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق قتل کر دیئے گئے اور اب تک اس کا مصداق نہیں آئے "اِنَّهُمْ لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ" یعنی ان کے عہد نہیں ہیں۔ یمین کی جمع ہے۔ قطرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے عہد کو پورا کرنا نہیں ہے اور بعض نے کہا یہ امان سے ہے یعنی ان کو امن نہ دو اور جہاں پاؤ قتل کر دو "لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ" تاکہ وہ تمہارے دین میں عیب نکالنے سے اعتراض کر دیں اور تم پر غالب ہونے سے بھی اور بعض نے کہا کہ کفر سے باز آجائیں۔ مسلمانوں کو قتال پر ابھارا ہے۔

⑬ "اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ" یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیبیہ کی صلح کا عہد توڑا اور خزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کی۔ "وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ" مکہ سے جب وہ دار الندوہ میں جمع ہوئے "وَهُمْ بَدَءُوْکُمْ" قتال کے ساتھ "اَوَّلَ مَرَّةٍ" یعنی بدر کے دن کیونکہ جب قافلہ محفوظ ہو گیا تو وہ کہنے لگے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر دم لیں گے اور مفسرین رحمہما اللہ کی ایک جماعت نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے خزاعہ کے قتال پر ابتداء کی "اتخشونهم" کیا تم ان سے ڈر کر ان سے قتال چھوڑ رہے ہو؟ "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ" ان سے قتال چھوڑنے میں "اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ"

قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْکُمْ وَیُخْزِهِمْ وَیَنْصُرْکُمْ عَلَیْهِمْ وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ ⑭ وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ⑮ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَکُوْا وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْکُمْ وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯ مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ بِالْکُفْرِ ؕ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ⑰

(ترجمہ) ان سے لڑو اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ) ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل (وخوار) کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے (ایسے) مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا اور ان کے قلوب کے غیظ (وغضب) کو دور کرے گا اور جس پر منظور ہو گا اللہ تعالیٰ توجہ (بھی) فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے (ظاہر طور پر) ان

لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (ایسے موقع پر) جہاد کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اور مومنین کے سوا کسی کو خصوصیت کا دوست نہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے سب کاموں کی مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جس حالت میں کہ وہ خود اپنے اوپر کفر (کی باتوں) کا اقرار کر رہے ہیں ان لوگوں کے سب اعمال اکارت ہیں اور دوزخ میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر ⑭ "قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ" ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے قتل کروائے گا۔ "وَيُخْزِهِمْ" قید اور مغلوبیت سے ان کو ذلیل کرے گا۔ "وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ" ان تکالیف سے جو مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں پہنچیں۔ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف خزاعہ کے سینے مراد ہیں کہ قریش نے ان کے خلاف بنوبکر کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ نے بنوبکر کے سینوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین سے شفادی۔

⑮ "وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ دلوں کا قرب اور یہ بنوبکر نے قریش کی مدد کی مسلمانوں کے خلاف اس وجہ سے محسوس کیا ویتوب اللہ علی من یشاء" پس اس کو اسلام کی طرف ہدایت کردے۔ جیسا کہ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو کے ساتھ کیا "واللہ حکیم علیم" روایت کیا گیا ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم خزاعہ کے بنو بکر کے علاوہ سب سے تلوار اٹھالو عصر تک۔

⑯ "اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا" بعض نے کہا یہ خطاب منافقین کو ہے اور بعض نے کہا ان مؤمنین کو خطاب ہے جن پر قتال بھاری تھا تو فرمایا کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ تم کو چھوڑ دیا جائے گا اور جہاد کا حکم دے کر تمہارا امتحان نہیں لیا جائے گا تا کہ جھوٹا سچے سے ظاہر ہو جائے۔" وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً" اندرونی دوست کہ ان کو اپنے راز بیان کریں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ولیجة" یعنی خیانت ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں دھوکہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اولیاء اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر وہ چیز جس کو تو دوسری چیز میں داخل کردے اور وہ اس میں سے نہ ہو تو یہ ولیجہ ہے اور آدمی کسی قوم کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ان میں سے نہیں ہوتا۔ اس کو "ولیجة الرّجل" کہا جاتا ہے جو اس کے اندرونی معاملات کے ساتھ خاص ہو۔ دوسرے لوگوں کے علاوہ اس کو کہا جاتا ہے "هو ولیجتی" واحد اور جمع کے لیے "وهم ولیجتی" "وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ"

⑰ "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن قید کیا گیا تو مسلمانوں نے ان کو کفر اور قطع رحمی پر شرم دلائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت باتیں کیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تم ہماری برائیاں ذکر کرتے ہو اور ہماری اچھائیاں ذکر نہیں کرتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تمہاری بھی کوئی خوبیاں ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم مسجد حرام کو آباد و تعمیر کرتے ہیں کعبہ کی چوکیداری کرتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے عباس رضی اللہ عنہما کی تردید میں یہ آیت اُتاری "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا

مَسٰجِدَ اللّٰہِ" یعنی مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو تعمیر کریں، مسلمانوں پر ان کو روکنا واجب کیا ہے۔
اس لیے کہ مساجد تنہا اللہ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں تو جو شخص اللہ کا منکر ہے تو اس کے لیے اس کو تعمیر کرنا جائز نہیں۔
ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس سے مراد معروف تعمیر اور اس کی مرمت ہے کہ اس سے کافر کو روکا جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ وصیت کرے تو اس کو پورا نہیں کیا جائے گا اور بعض نے عمارۃ کے لفظ کو مسجد میں داخل ہونے اور اس میں بیٹھنے پر محمول کیا ہے۔
مساجد اللہ جمع کا لفظ ہے اور اس سے مراد صرف مسجد حرام ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کو روکا جائے کہ وہ مسجد حرام کے اہل ہو جائیں۔ ابن کثیر اور اہل بصرہ رحمہما اللہ نے (مسجد اللہ) واحد کا صیغہ پڑھا ہے اور اس سے مسجد حرام مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "وعمارۃ المسجد الحرام" اور "فلا یقربوا المسجد الحرام" کی وجہ سے اور دیگر حضرات نے "مساجد اللّٰہ" جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور اس سے بھی مسجد حرام مراد ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمع کا لفظ کہا ہے اس لیے کہ یہ تمام مساجد کا قبلہ ہے۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں بسا اوقات عرب واحد بول کر جمع اور جمع بول کر واحد مراد لیتے ہیں جیسے آدمی گھوڑے پر سوار ہو تو کہتا ہے "اخذت فی رکوب البراذین" (حالانکہ مراد ایک گھوڑے پر سوار ہونا ہے) اور کہا جاتا ہے "فلانٌ کثیر الدرھم والدینار" مراد دراہم اور دنانیر ہوتے ہیں۔ "شٰھِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ بِالْکُفْرِ" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ خود کو کافر نہ کہتے تھے لیکن ان کی کفریہ کلام ان کے کفر پر گواہ ہے اور ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کی ان کے کفر پر گواہی ان کا بتوں کو سجدہ کرنا ہے کیونکہ قریش نے بیت الحرام کے باہر بت گاڑھے ہوئے تھے اور بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے۔ جب ایک چکر مکمل ہوتا تو بتوں کو سجدہ کرتے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دوری پیدا ہوتی۔ اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی خود پر کفر کی گواہی دینا کہ نصرانی سے پوچھا جائے تو کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے میں نصرانی ہوں اور یہودی سے پوچھا جائے تو وہ کہتا ہے میں یہودی ہوں اور مشرک سے پوچھا جائے تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ کہے گا مشرک ہوں۔ "اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ اس لئے کہ یہ غیر اللہ کیلئے ہیں وَفِی النَّارِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ"

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ⑱

ترجمہ: ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے لوگوں کی نسبت توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جاویں گے۔

تفسیر ⑱ "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ" دین کے معاملہ میں غیر اللہ سے نہ ڈرے اور اللہ کا حکم اس کے غیر سے ڈر کر نہ چھوڑے۔ "فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ

يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ" اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عسیٰ اُمید کے معنی میں نہیں بلکہ واجب کے معنی میں ہوتا ہے یعنی پس یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ جو اللہ کی اطاعت کو مضبوطی سے تھامتے ہیں جو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کو آباد کر رہا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صبح یا شام کو مسجد کی طرف گیا تو جب بھی صبح شام وہ مسجد کی طرف جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جنت میں مہمانی تیار کریں گے۔

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس کو ناپسند کیا اور یہ چاہا کہ آپ رضی اللہ عنہ یہ کام چھوڑ دیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس مسجد کی طرح کا گھر اس کے لیے جنت میں بنائیں گے۔ ابو عاصم نے اسی سند سے حدیث بیان کی اور اس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲

(ترجمہ) کیا تم لوگوں نے حجاج کو پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا۔

آیت کا شان نزول

(تفسیر) ⑲ "اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ" نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ حاجیوں کو پانی پلانے کے بعد مجھے یہ پرواہ نہیں کہ میں کوئی عمل نہ کروں اور دوسرے نے کہا کہ مجھے پرواہ نہیں کہ کوئی عمل نہ کروں مسجد حرام کی تعمیر کے بعد اور تیسرے نے کہا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ان دونوں عملوں سے افضل ہے جو تم نے کہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بلند نہ کرو وہ جمعہ کا دن تھا لیکن جب میں نماز پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاؤں گا تو اس بارے میں پوچھوں گا جس میں تمہارا اختلاف ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے دن قید کیے گئے تو کہنے لگے کہ اگر تم اسلام، ہجرت اور جہاد میں ہم سے آگے بڑھ گئے ہو تو ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں اور حاجیوں کو پلانی پلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ

آیت اُتاری اور بتایا کہ ان کا مسجد حرام کو تعمیر کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا ان کو شرک کے ساتھ نفع نہ دے گا اور اللہ پر ایمان لانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنا ان اعمال سے بہتر ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

اور حسن، شعبی اور محمد بن کعب قرظی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت علی بن ابی طالب، عباس بن عبدالمطلب اور طلحہ بن شیبہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے آپس میں فخر کیا تو طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں بیت اللہ کا نگران ہوں میرے ہاتھ میں اس کی چابیاں ہیں اور عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو، میں نے چھ مہینے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، لوگوں سے پہلے اور میں نے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "اجعلتم سقاية الحاج" سقایۃ مصدر ہے رعایۃ اور حمایۃ کی طرح "وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" اس میں اختصار ہے اصل عبارت یہ ہے کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کو اس شخص کے ایمان کی طرح سمجھتے ہو۔ الخ۔ اور بعض نے کہا سقایۃ اور عمارۃ بمعنی ساقی اور عامر ہے یعنی تم پانی پلانے والے اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والے کو اس شخص کی طرح سمجھتے ہو۔ جو شخص ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور اللہ کے راستے میں جہاد کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول (والعاقبة للتقوى) یعنی متقین کی طرح ہے اس پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرات دلالت کرتی ہے (اجعلتم سقاة الحاج وعمرة المسجد الحرام) ساقی اور عامر کی جمع کی بنا پر۔ الخ

"وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کے پلانے والے کے پاس آئے اور پانی طلب کیا تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اے فضل تو اپنی ماں کے پاس جا اور اس کے پاس سے پانی لے آ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو مجھے پلا تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! لوگوں نے اس مشکیزہ میں اپنے ہاتھ ڈالے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے پلا پھر اسی سے پیا اور زمزم پر تشریف لائے تو لوگ پانی کھینچ کر پلا رہے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کام کرو کیونکہ تم ایک نیک کام پر ہو۔ پھر فرمایا اگر اس پر رسی نہ ہوتی اور اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔ بکر بن عبداللہ مزنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا تھا تو ان کے پاس ایک بدو آیا اور پوچھا کیا ہے کہ میں تمہارے چچا کے بیٹوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ شہد اور دودھ لوگوں کو پلاتے ہیں اور تم نبیذ پلاتے ہو؟ کیا یہ تمہارے بخل کی وجہ سے ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الحمدللہ ہمیں کوئی حاجت اور بخل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف لائے اور آپ علیہ السلام کے پیچھے اسامہ بن زید تھے تو آپ علیہ السلام نے پانی مانگا ہم نے نبیذ کا برتن پیش کیا تو آپ علیہ السلام نے نوش فرمایا اور باقی اسامہ کو دے دیا اور فرمایا تم نے اچھا کام کیا۔ اسی طرح کرتے رہو تو ہم نہیں چاہتے کہ جس چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس کو تبدیل کر دیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ⑳ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ

مُّقِیْمٌ ㉑ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ㉒ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ㉓

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے ترک وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا درجہ میں اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی کی اور (جنت میں) ایسے باغوں کی کہ ان کے لئے ان (باغوں میں) دائمی نعمت ہوگی اور ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو اپنا رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔

تفسیر: ⑳ "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً" درجہ سے مراد فضیلت ہے " عِنْدَاللّٰهِ " ان لوگوں سے جو حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر پر فخر کرتے ہیں "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ" آگ سے نجات پانے والے ہیں۔

㉑ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ

㉒ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ

㉓ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ " یہ آیت ماقبل سے متصل ہے۔ حضرت عباس اور طلحہ رضی اللہ عنہما کے قصہ اور ان کے ہجرت سے رُکنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو ان کو ان کے گھر والوں اور اولاد نے روکا اور ان کو قسمیں دیں کہ ہمیں ضائع نہ کرو تو ان کے دل نرم ہوگئے اور ہجرت چھوڑ کر ان کے پاس رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان نو لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مرتد ہوکر مکہ چلے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دوستی سے منع کردیا اور یہ آیت نازل فرمائی "یا یھا الذین امنوا لاتتخذوا آباء کم واخوانکم اولیاء" اندرونی راز دان اور دوست کہ تم ان تک اپنے راز پہنچاؤ اور تم ہجرت اور جہاد میں ان کے ساتھ ٹھہرنے کو ترجیح دو۔ "اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ " اور ان کو مسلمانوں کے رازوں پر مطلع کرے اور ان کے ساتھ رہنے کو ہجرت اور جہاد پر ترجیح دے "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ " کیونکہ اس وقت اسی کا ایمان معتبر تھا جس نے ہجرت کی ہو۔ پس یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ " کا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ㉔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ㉕

ترجمہ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (سزائے ترک ہجرت کا) بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا تم کو خدائے تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

تفسیر ㉔ "قُلْ" "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ہجرت سے پیچھے رہنے والوں کو کہہ دیں کہ "ان كان اٰباؤكم" جب پہلی آیت نازل ہوئی تو وہ لوگ کہنے لگے جو ایمان تو لائے تھے لیکن ہجرت نہ کی تھی کہ اگر ہم ہجرت کرتے تو ہمارے مال ضائع ہو جاتے اور تجارت ختم ہو جاتی اور گھر ویران ہو جاتے اور ہم رشتہ داری کو توڑ دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ ابوبکر نے عاصم رحمہما اللہ سے "عشیراتکم" الف کے ساتھ جمع کا صیغہ ہونے کی بناء پر پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے بغیر الف کے واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس لیے کہ عشیرۃ جمع پر واقع ہوا ہے اور اس قرأت کو یہ بات تقویت دیتی ہے کہ ابوالحسن اخفش رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عرب عشیرۃ کی جمع العشیر ات لاتے ہیں اور ہم اس کی جمع العشائر لاتے ہیں۔ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ یعنی جن محلوں اور گھروں کو تم پسند کرتے ہو۔ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا تم انتظار کرو۔ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنا فیصلہ لائے اور مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ مراد ہے اور یہ دھمکی کا امر ہے" وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى توفیق نہیں دیتا اور رہنمائی نہیں کرتا۔ الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ" طاعت سے نکلنے والوں کو۔

㉕ "لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ" مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ذی المجاز کے پہلو میں جگہ ہے۔ حنین کا واقعہ راویوں نے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور

رمضان کے کچھ دن باقی تھے۔ پھر حنین کی طرف کوچ کیا قبیلہ ھوازن اور ثقیف سے لڑائی کے لیے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ دس ہزار مہاجرین اور انصار تھے اور دو ہزار وہ لوگ جو مکہ سے آزاد کیے گئے تھے (نومسلم) عطاء فرماتے ہیں کہ سولہ ہزار کا لشکر تھا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دس ہزار تھے اور اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد ہر غزوہ سے زیادہ تھی پہلے کبھی اتنی تعداد نہ ہوئی تھی۔

اور ہوازن اور ثقیف کے مشرکین کی تعداد چار ہزار تھی ہوازن کا سردار مالک بن عوف نصری اور ثقیف کا سردار کنانہ بن عبدیا لیل ثقفی تھا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو ایک انصاری صحابی سلمہ بن وقش رضی اللہ عنہ نے کہا آج ہم اپنی کم تعداد کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بات ناگوار گزری اور ایک آدمی کے قول کی وجہ سے معاملہ ان کے سپرد کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اُٹھالی گئی اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اس کا قول پسند نہ آیا اور معاملہ انہی کی طرف سپرد کر دیا تو بڑے زور کی لڑائی ہوئی تو مشرکین کو شکست ہوئی۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو آواز دی کہ تم رسوائی کو یاد کرو تو وہ واپس پلٹے اور مسلمان تتر بتر ہو گئے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ فتح مکہ کے دن اسلام لانے والے لوگ اس دن لوگوں کے ساتھ گئے جب انہوں نے دوبارہ حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے۔

ابو اسحاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو کہا اے ابو عمارہ! آپ لوگ حنین کے دن بھاگ گئے تھے انہوں نے فرمایا نہیں، اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری لیکن آپ علیہ السلام کے صحابہ میں سے چند نوجوان بغیر ہتھیاروں کے لشکر کے ساتھ چل پڑے، ان کے پاس تھوڑا بہت ہتھیار تھا تو ان کا مقابلہ ایسی تیر انداز قوم سے ہوا ان کا کوئی تیر زمین پر نہ گرتا تھا۔ ہوازن اور بنو نصر نے مل کر خوب تیر اندازی کی، ان کا نشانہ خطا نہ ہوتا تھا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب اس خچر کو کھینچ رہے تھے تو آپ نیچے اُترے اور مدد طلب کی اور فرمایا میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں ترتیب دیں۔

اسی روایت کو اسرائیل نے ابو اسحاق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ اسی میں یہ اضافہ ہے کہ اس دن آپ علیہ السلام سے بڑا بہادر کوئی نہیں دیکھا گیا۔ اس بات کو زکریا نے بھی ابو اسحاق سے روایت کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ خوب تیز ہو جاتی تو ہم آپ کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے اور ہم میں بہادر وہ شخص ہوتا جو آپ علیہ السلام کے برابر ہوتا۔ اس وقت شعبہ نے ابو اسحاق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوازن بڑی تیر انداز قوم تھی۔ جب ہمارا ٹکراؤ ہوا تو ہم نے ان پر ایسا حملہ کیا کہ وہ پسپا ہو گئے تو مسلمان غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے تو انہوں نے تیروں سے ہمارا استقبال کیا۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرد گرد تین سو لوگ بچے، باقی لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے اور دیگر حضرات نے کہا کہ اس دن آپ علیہ السلام کے ساتھ صرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہما تھے۔

کثیر بن عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ حنین کے دن حاضر تھا تو میں اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے بالکل جدا نہیں ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن اسی سفید خچر پر تھے جو آپ علیہ السلام کو فروۃ بن نفاثۃ جذامی نے ہدیہ کیا تھا۔ جب مسلمانوں اور کفار کا ٹکراؤ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی جانب ایڑھ لگانے لگے اور میں نے آپ علیہ السلام کے خچر کی لگام پکڑی ہوئی تھی میں اس کو روک رہا تھا کہ کہیں وہ بھاگ نہ پڑے اور ابوسفیان نے خچر کی رُکاب پکڑی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباس! آواز لگاؤ سمرۃ والوں کو، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے آواز لگائی کہ اصحاب سمرہ کہاں ہیں؟ تو اللہ کی قسم! جب انہوں نے میری آواز سنی تو ایسے پلٹے جیسے گائے اپنے بچھڑے کی طرف تیزی سے دوڑتی ہے اور کہنے لگے لبیک لبیک تو انہوں نے کفار کے ساتھ لڑائی کی اور انہوں نے انصار کو پکارا، اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خچر پر بیٹھے ان کی لڑائی دیکھی اور چند کنکریاں لے کر ان کی طرف پھینکیں اور پھر وہ شکست کھائیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم! تو میں بھی دیکھنے لگا کہ اب لڑائی خوب جاری ہے۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین کیا۔ جب ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپ علیہ السلام خچر سے اُترے اور مٹی کی ایک مٹھی لے کر ان کے چہروں کی طرف پھینکی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی آنکھوں کو اس ایک مٹھی سے بھر دیا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کی۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کی۔ روایت میں ہے کہ بنونضر کے ایک آدمی شجرۃ نے لڑائی کے بعد مؤمنین کو کہا چتکبرے گھوڑے اور وہ مرد کہاں ہیں جن پر سفید کپڑے تھے؟ ہم تو ان کے ہاتھوں مارے گئے ہیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے۔ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر پہنچی کہ شیبہ بن عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے آیا کہ آپ کو قتل کر دوں طلحہ بن عثمان اور عثمان بن طلحہ کے بدلے جو اُحد کے دن مارے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے اس ارادہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا تو آپ علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور میرے سینے پر ہاتھ مار کر کہا اے شیبہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں تو میرے پٹھے کانپنے لگے تو میں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو آپ علیہ السلام مجھے اپنے کان و آنکھ سے زیادہ محبوب ہو گئے تو میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اللہ نے آپ علیہ السلام کو میرے دل کے ارادے پر مطلع کیا ہے۔

جب مشرکین شکست کھا کر بھاگے تو سیدھے اوطاس گئے وہاں ان کے اہل و عیال اور مال تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اشعری صحابی رضی اللہ عنہ کو جن کو ابو عامر کہا جاتا تھا مسلمانوں کے لشکر کا امیر بنا کر اوطاس روانہ کیا اور بعض نے کہا درید بن اصمہ کو امیر بنایا تو مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے شکست دی اور مسلمانوں نے ان کے عیال کو قیدی بنا لیا اور ان کا امیر مالک بن عوف

نضری بھاگ کر طائف چلا گیا اور وہاں پناہ لی اور مال واولاد بھی بطور غنیمت لے لیا گیا اور مسلمانوں کے امیر ابو عامر غزوہ اوطاس میں شہید ہوگئے۔ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے مجھے خبر دی کہ اس دن چھ ہزار لوگ قیدی ہوئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لائے اور باقی مہینہ ان کا محاصرہ کیا۔ جب ذوالقعدہ شروع ہوا تو یہ حرام مہینہ تھا اس لیے آپ علیہ السلام ان سے روانہ ہوگئے اور جعرانہ تشریف لائے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا اور اوطاس اور حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور کئی لوگوں کو تالیف قلب کے لیے مال دیا جیسے ابوسفیان بن حرب حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور اقرع بن حابس۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہوازن کے مال میں سے قریش کو سو اونٹ دینے لگے تو انصار کے چند لوگ کہنے لگے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کریں، قریش کو دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی بات پہنچی تو آپ علیہ السلام نے انصار کو ایک قبہ میں جمع کیا اور انصار کے ساتھ وہاں کسی کو نہیں بلایا۔ جب سب جمع ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ تمہاری طرف سے مجھے کیا بات پہنچی ہے؟ تو ان کے سمجھ دار لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے ذورائے لوگوں نے یہ بات نہیں کہی، ہمارے چند نوعمروں نے یہ بات کی ہے اور وہ بات نقل کی ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں ایسے لوگوں کو مال دے رہا ہوں جو نئے نئے کفر کو چھوڑ کر اسلام لائے ہیں، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ مال لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جاؤ؟ اللہ کی قسم! وہ تم سے بہتر چیز نہ لے کر جائیں گے تو انہوں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! پھر ان کو فرمایا کہ تم میرے بعد بہت زیادہ ترجیح دیکھو گے تو صبر کرنا حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض پر آملو اور یہ بھی فرمایا کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک آدمی ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں چلوں گا۔

حضرت عبداللہ بن یزید بن عاصم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کا مال غنیمت حاصل کرنے کے بعد قریش کے مؤلفۃ القلوب اور دوسرے عربوں کو حسب مرضی تقسیم کر دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک ایک کو سو سو اونٹ دیئے مگر انصار کیلئے کچھ نہ ہوا' نہ تھوڑا دیا نہ بہت۔ اس پر انصاریوں کے دلوں میں کچھ احساس ہوا اور چہ میگوئیاں خوب ہونے لگیں۔ بعض لوگ یہاں تک کہنے لگے کہ اللہ اپنے رسول کو معاف کرے یہ عجیب بات ہے۔ وہ قریش کو دے رہے ہیں اور ہم کو چھوڑ رہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے دشمنوں کا خون ٹپک رہا ہے۔ اگر کوئی سخت مصیبت آتی ہے تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت ہم کو چھوڑ کر دوسروں کو دیا جاتا ہے۔ یہ تقسیم کس کے حکم پر ہو رہی ہے؟ اگر اللہ کے حکم سے ہو رہی ہے تو ہم صبر کریں گے اور اگر خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو رہی ہے تو ہم آپ کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایک انصاری نے کہا میں تو تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ جب سب کام ٹھیک ہو جائیں گے تو یہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) دوسروں کو تم پر ترجیح دیں گے۔ دوسرے لوگوں نے اس انصاری کو سختی کے ساتھ ڈانٹ دیا۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن اُمیہ اور عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ دیئے اور عباس بن مرداس کو اس سے کم دیا تو عباس بن مرداس نے اشعار میں کہا کہ کیا آپ میرا مال غنیمت میں حصہ عیینہ بن حصن فزاری اور اقرع بن حابس کے حصے کے برابر قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ حصن اور حابس کے کارنامے تو (میرے باپ) مرداس کے ہم پلہ نہیں تھے۔ یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ کو بھی پورے سو اونٹ دے دیئے۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مروان اور مسور بن مخرمہ نے ان کو خبر دی کہ تقسیم غنیمت کے بعد ہوازن کا ایک وفد مسلمان ہو کر آیا تو آپ علیہ السلام سے سوال کیا کہ ہمارے مال اور قیدی واپس کر دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جن کو تم دیکھ رہے ہو اور سچی بات مجھے پسند ہے تم دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو یا تو مال یا قیدی تو انہوں نے کہا ہم قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور فرمایا، اما بعد: بے شک یہ تمہارے بھائی تمہارے پاس توبہ کر کے آئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کو ان کے قیدی واپس کر دوں تو تم میں سے جو کوئی دل کی خوشی سے ایسا کرنا چاہے تو کرے اور جو چاہے کہ اس کے بدلے ہم اس کو کچھ مال دیں تو وہ ایسا کرے ہم کو جو پہلا مال غنیمت اللہ دیں گے اس میں سے اس کو دے دیں گے تو سب نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم دل کی خوشی سے دیتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجمع میں ہمیں یہ پتہ نہیں کہ کس نے اجازت دی اور کس نے نہیں؟ اس لیے تم واپس چلے جاؤ اور اپنے معروف لوگوں کو بتاؤ، وہ آ کر ہمیں بتائیں تو لوگ چلے گئے اور اپنے معروف لوگوں سے بات کی اور انہوں نے آ کر کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) سب نے طیب نفس سے اجازت دی ہے تو اللہ تعالیٰ نے حنین کے واقعہ میں یہ آیت اُتاری "لقد نصر کم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم" حتیٰ کہ تم نے کہا آج ہم کمی کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے "فلم تغن عنکم" تمہاری کثرت نے "شیئا" یعنی کامیابی کثرت تعداد سے نہیں ہوتی "وضاقت علیکم الارض بما رحبت" اپنی وسعت کے باوجود "ثم ولیتم مدبرین" شکست کھا کر۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ (کے قلب) پر اور مومنین کے (قلوب) پر (اپنی طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (امداد کیلئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی

(دنیا میں) سزا ہے پھر خداتعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کردیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں اے ایمان والو مشرک لوگ (بوجہ عقائد خبیثہ) نرے ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو (تم خدا پر توکل رکھو) خدا تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا (ان کا) محتاج نہ رکھے گا بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

تفسیر ㉖ "ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ" شکست کے بعد "سَكِيْنَتَهٗ" کا معنی امن اور اطمینان سے کیا ہے۔ یہ فعلیہ کے وزن پر سکون کے ساتھ سے ہے۔ "عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا" جنود سے مراد فرشتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ فرشتے قتال کے لیے نہیں اُتارے گئے تھے بلکہ کفار کو بزدل کرنے اور مؤمنین کو بہادر کرنے کے لیے اُتارے گئے تھے کیونکہ یہ بات روایت کی گئی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی جنگ میں قتال نہیں کیا۔ "وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" قتل، قید اور مال چھین کر عذاب دیا گیا "وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ"

㉗ "ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ" پس اس کو اسلام کی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔ "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

انما المشركون نجس کی وضاحت

㉘ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" ضحاک اور ابوعبیدہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ پلید ہیں اور بعض نے کہا خبیث ہیں۔ نجس مصدر ہے اس میں مذکر، مؤنث، تثنیہ، جمع سب برابر ہیں اور نجس نون کے کسرہ اور جیم کے سکون کے ساتھ تو یہ اکیلا نہیں بولا جاتا بلکہ یوں کہا جاتا ہے "رِجْسٌ نِجْسٌ" اور جب اکیلا ذکر کیا جائے تو "نَجِسٌ" نون کے فتحہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ آیت میں حکم کی نجاست مراد ہے نہ کہ جسم کی۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو نجس کہا ہے کیونکہ وہ جنبی ہوں تو غسل نہیں کرتے اور حدث لاحق ہو تو وضو نہیں کرتے۔ "فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" مراد ان کو حرم میں داخل ہونے سے منع کرنا ہے کیونکہ جب وہ حرم میں داخل ہوں گے تو مسجد حرام کے قریب ہو جائیں گے۔

شیخ امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کے تمام شہر کافروں کے حق میں تین قسم پر ہیں۔

جزیرہ عرب میں یہود و نصاریٰ کے رہنے کا حکم

ان میں سے ایک حرم ہے۔ پس کافر کے لیے جائز نہیں کہ اس میں داخل ہو، خواہ ذمی کافر ہو یا مستامن اس آیت کے ظاہر کی وجہ سے اور اگر دارالکفر سے کوئی قاصد امام کی طرف آئے اور امام حرم میں ہو تو اس کو حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے بلکہ اس کی طرف کوئی بندہ بھیجے جو حرم سے باہر اس سے پیغام سن لے اور اہل کوفہ نے معاہدے کے لیے حرم میں داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔

دوسری قسم بلادِ اسلامیہ کی حجاز ہے اس میں کافر اجازت لے کر داخل ہوسکتا ہے لیکن تین دن سے زائد قیام نہیں کرسکتا۔ اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا، اگر میں زندہ رہا، اگر اللہ نے چاہا تو ضرور یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔ یہاں تک کہ اس میں صرف مسلمانوں کو چھوڑوں گا تو آپ علیہ السلام دُنیا سے چلے گئے اور وصیت فرما گئے کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ اس کام کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مہلت نہیں ملی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو جلاوطن کیا اور جو ان میں سے تجارت کی نیت سے آئے اس کے لیے تین دن کی مدت مقرر کی۔

اور جزیرہ عرب طول میں اقصیٰ عدن سے عراق کے سبزہ زاروں تک اور عرض میں جدہ اور اس کے اطراف سے شام کے اطراف کے سمندری ساحل تک ہے۔ تیسری قسم تمام بلادِ اسلامیہ کافر کے لیے جائز ہے کہ ان میں ذمہ یا امان (ویزہ) کے ذریعے رہ سکے لیکن مساجد میں مسلمانوں کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتے۔ "بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا" یعنی اس سال کے بعد جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برأت کا اعلان کیا۔ یہ ہجرت کا نواں سال تھا۔ "وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً" کیونکہ اہل مکہ کی معیشت تجارت سے تھی اور مشرکین مکہ میں غلہ لاتے اور تجارت کرتے جب ان کو حرم میں داخل ہونے سے منع کیا گیا تو ان کو فقر کا خوف ہوا تو انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری۔ "عیلۃ" یعنی فقر و فاقہ۔ "فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غنی کیا۔ اس طرح کہ ان پر بارش برسادی تو ان کی خیر بڑھ گئی اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جدہ، صنعاء اور جریش یمن کے لوگ اسلام لے آئے اور وافر غلہ مکہ کی طرف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سے کفایت کی جس کا ڈر تھا اور ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے ان کو جزیہ دیا اور ان کو غنی کردیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

(ترجمہ) اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت ہو کر جزیہ دینے منظور کریں۔

㉙ "قاتلوا الذین لا یؤمنون باللّٰہ" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روم سے قتال کا حکم دیا گیا تو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ علیہ السلام نے غزوہ تبوک کیا اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے قبیلہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح

کی اور مسلمانوں کو پہلا جزیہ ان سے ملا اور مسلمانوں کی طرف سے پہلی ذلت ان کو یہی ملی۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ اہل کتاب تو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے تھے تو اس آیت سے وہ کیسے مراد ہو سکتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ مؤمنین جیسا ایمان نہ رکھتے تھے کیونکہ جب وہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں تو ان کا اللہ پر ایمان نہ ہوا۔ ”**ولا یحرّمون ما حرّم اللّٰہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق**“ یہاں اسم کی اضافت اپنی صفت کی طرف ہے۔ اصل عبارت ”**الدین الحق**“ تھی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ یعنی اللہ کا دین نہیں مانتے اور اللہ کا دین اسلام ہے اور ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کی اہل حق کی طرح اطاعت نہیں کرتے۔ ”**من الذین اوتوا الکتاب**“ یعنی یہود و نصاریٰ ”**حتّٰی یعطوا الجزیۃ عن ید**“ مغلوبیت اور ذلت کے ساتھ۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دل کی خوشی کے بغیر مجبوراً کوئی چیز دے تو اس کو کہا جاتا ہے ”**اعطا عن ید**“ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ جزیہ خود اپنے ہاتھ سے آکر دیں کسی دوسرے کے ہاتھ اپنا جزیہ نہیں بھیج سکتے اور بعض نے کہا ”**عن ید**“ کا معنی یہ ہے کہ نقد دیں اُدھار نہ ہو۔ بعض حضرات نے کہا کہ **عن ید** سے مراد یہ ہے کہ شکر گزار ہو کر جزیہ ادا کریں کہ مسلمانوں نے ان کو قتل نہیں کیا۔

وھم صاغرون کی تفسیر میں مختلف اقوال

”**وھم صاغرون**“ ذلیل اور مغلوب ہوں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ جزیہ کھڑے ہو کر دیں اور لینے والا بیٹھا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کی گردن روند کر اس سے جزیہ وصول کیا جائے۔ کلبی کا بیان ہے کہ لیتے دیتے وقت اس کی گردن پر گھونسا رسید کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ اس کی داڑھی پکڑ کر طمانچہ مارا جائے۔ بعض نے کہا اس کا گریبان پکڑ کر کھینچتے ہوئے سختی کے ساتھ مقام تحصیل تک لایا جائے۔ بعض نے کہا کہ جزیہ پیش کرنا ہی ذلت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صغار یہ ہے کہ اسلام کے احکام ان پر جاری کیے جائیں۔ اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہود و نصاریٰ جب عرب نہ ہوں تو ان سے جزیہ لینا جائز ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ عربی کتابی اور عجم کے غیر کتابی کفار سے جزیہ لینے کا کیا حکم ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جزیہ مذہب کی بناء پر ہے شخصیت کی بناء پر نہیں ہے کہ جزیہ تمام ادیان پر لازم ہے نہ کہ نسبوں کی وجہ سے اس لیے اہل کتاب خواہ عربی ہو یا عجمی، ان سے جزیہ لیا جائے گا اور کسی حال میں بتوں کی پوجا کرنے والوں سے نہ لیا جائے گا اور اس بات سے استدلال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر دومہ سے جزیہ لیا تھا حالانکہ وہ عربی شخص تھا اور بعض نے کہا یہ غسان کا تھا اور یمن کے لوگوں سے ذمہ لیا تھا حالانکہ ان میں سے اکثر عرب تھے اور امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد کے علاوہ تمام کفار سے جزیہ لیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب سے تو ہر حال میں لیا جائے گا خواہ عجم ہوں یا عرب اور عجم کے مشرکین سے لیا جائے گا عرب کے مشرکین سے نہیں لیا جائے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب سے نہ لیا جائے گا خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرک اور عجم سے لیا جائے گا

خواہ کتابی ہوں یا مشرک۔ بہر حال مجوسی تو ان سے جزیہ لینے پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا اتفاق ہے۔

عمرو بن دینار نے بجالہ بن عبیدہ کو کہتے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجوس سے جزیہ نہ لیتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ جعفر بن محمد نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجوس کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب والا طریقہ اپناؤ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مجوس سے جزیہ کے لینے سے رُکنے میں یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا تو اس امتناع میں دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ ہر مشرک سے جزیہ نہ لیا جائے گا صرف اہل کتاب سے لیا جائے گا اور اس بات میں اختلاف ہے کہ مجوسی اہل کتاب کے حکم میں ہیں یا نہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ ان کی ایک کتاب تھی جس کو وہ پڑھتے پڑھاتے تھے تو ایک دن صبح کی تو وہ کتاب ان سے اُٹھالی گئی اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مجوسیوں کا ذبح کیا ہوا جانور اور ان سے نکاح حرام ہے۔ بخلاف یہود ونصاریٰ کے کہ ان سے جائز ہے۔ بہر حال جو دیگر مشرکین یہود ونصاریٰ کے دین میں داخل ہوگئے ان کے حکم میں نظر ہے۔ اگر اس دین کے تبدیل ہونے اور منسوخ ہونے سے پہلے داخل ہوئے ہوں تو ان کو جزیہ پر برقرار رکھا جائے گا اور ان سے نکاح حلال اور ذبیحہ بھی حلال ہوگا اور اگر آپ علیہ السلام کے تشریف لانے کی وجہ سے ان کے دین منسوخ ہونے کے بعد داخل ہوئے تو جزیہ پر برقرار نہ رکھے جائیں گے اور نہ ان کے نکاح حلال ہوں گے اور نہ ذبیحہ اور جس کا معاملہ ہم پر مشکوک ہو کہ وہ دین منسوخ ہونے سے پہلے داخل ہوئے یا بعد میں تو ان سے جزیہ لیا جائے گا ان کی جان کی حفاظت کو غلبہ دیتے ہوئے اور ان سے نکاح اور ذبیحہ حلال نہ ہوں گے حرمت کو غلبہ دیتے ہوئے۔ پس اس قسم میں سے عرب کے نصاریٰ تنوخ اور بھراء اور بنوتغلب ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جزیہ پر برقرار رکھا اور فرمایا کہ ان کے ذبیحہ ہمارے لیے حلال نہیں ہیں۔ بہر حال جزیہ کی مقدار تو کم سے کم ایک دینار ہے اس سے کم کرنا جائز نہیں ہے اور ایک دینار فقیر، غنی، متوسط سب سے قبول کرلیا جائے گا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار لوں اور اس کے برابر خود تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بالغ سے ایک دینار لینے کا کہا اور فقیر، غنی، متوسط کا فرق بیان نہیں کیا۔ اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ بچوں اور عورتوں پر جزیہ واجب نہیں۔ جزیہ صرف آزاد عاقل بالغ مردوں سے لیا جائے گا اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ ہر مالدار پر چار دینار اور ہر متوسط پر دو دینار اور ہر فقیر پر ایک دینار ہے اور یہی اصحاب رائے کا قول ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ⑳

ترجمہ اور یہود (میں سے بعض) نے کہا کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں نصاریٰ (میں سے اکثر) نے کہا کہ مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔

تفسیر ⑳ "وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ" سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور عکرمہ رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کی ایک جماعت آئی جن میں سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی، شاس بن قیس اور مالک بن قیس تھے تو یہ کہنے لگے ہم آپ علیہ السلام کی اتباع کیسے کریں حالانکہ آپ عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں سمجھتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عبید بن عمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات یہود کے صرف ایک شخص فنحاص بن عازوراء نے کہی تھی یہ وہی شخص ہے جس نے کہا تھا "انّ اللّٰه فقير و نحن اغنياء" عطیہ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اس وجہ سے کہا کہ عزیر علیہ السلام ان میں تھے اور ان کے پاس تورات بھی تھی اور تابوت بھی تھا تو انہوں نے تورات کو ضائع کیا اور ناحق کام کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تابوت اُٹھا لیا اور ان کو تورات بھلا دی اور اس کو سینوں سے مٹا دیا تو حضرت عزیر علیہ السلام نے گڑگڑا کر دُعا کی جو کتاب ان کے سینوں سے مٹائی گئی ہے وہ واپس آ جائے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نور اُتارا جو ان کے پیٹ میں چلا گیا اور تورات آپ علیہ السلام کے پاس واپس آ گئی تو آپ علیہ السلام نے قوم میں اعلان کیا اور فرمایا اے قوم! اللہ تعالیٰ نے مجھے تورات واپس کر دی ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینے لگے۔ پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے تابوت بھی اُتار دیا۔ جب انہوں نے تابوت دیکھا تو تورات کے نسخوں سے حضرت عزیر علیہ السلام کی تعلیم دی ہوئی تورات کا موازنہ کیا تو اس کی مثل پایا تو کہنے لگے تورات حضرت عزیر علیہ السلام کو اس وجہ سے دی گئی ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بخت نصر بادشاہ جب بنی اسرائیل پر غالب آیا تو تورات کے پڑھنے والوں کو قتل کر دیا اور عزیر علیہ السلام اس وقت بہت چھوٹے تھے تو ان کو چھوٹا سمجھ کر قتل نہیں کیا۔

جب بنو اسرائیل بیت المقدس کی طرف لوٹے اور ان میں کوئی تورات پڑھنے والا نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کو بھیجا تاکہ وہ ان کے لیے تورات کی تجدید کریں اور سو سال بعد اللہ تعالیٰ کی نشانی ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام کے پاس فرشتہ ایک برتن میں پانی لایا، وہ آپ علیہ السلام کو پلایا تو تورات آپ علیہ السلام کے سینے میں آ گئی۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام ان کے پاس آئے تو کہا میں عزیر ہوں تو انہوں نے جھٹلایا اور کہا کہ اگر آپ ٹھیک کہہ رہے ہو تو ہمیں تورات لکھوائیں تو حضرت عزیر علیہ السلام نے ان کو لکھ کر دے دی تو ایک آدمی نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے میرے دادا سے بیان کیا ہے کہ تورات ایک چمڑے میں رکھ کر ایک انگور کے درخت میں دفن کی گئی ہے۔ لوگ اس کے ساتھ گئے اور وہ نسخہ نکالا تو حضرت عزیر علیہ السلام والا نسخہ بعینہٖ اس جیسا تھا تو کہنے لگے اللہ کسی شخص کے دل میں ایسے تورات نہیں ڈالتے مگر یہ کہ وہ اس کا بیٹا ہو تو اس وقت یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور بہرحال نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس قول کا سبب یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے

بعد اکیاسی سال نصاریٰ اپنے دین پر قائم رہے۔ نماز پڑھتے اور رمضان کے روزے رکھتے۔ پھر ان کی یہود سے جنگ ہوئی۔ یہود میں ایک بہادر شخص بولص تھا۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی ایک جماعت کو قتل کیا، پھر یہود کو کہنے لگا کہ اگر حق عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے تو ہم نے ان کا انکار کیا اس لیے جہنم ہمارا ٹھکانہ ہے تو ایک حیلہ کر کے ان کو گمراہ کرتا ہوں تاکہ وہ جہنم میں داخل ہوں اس کا گھوڑا تھا جس کو عقاب کہا جاتا تھا اس نے اس کو مار ڈالا اور سر پر مٹی ڈالی اور شرمندگی ظاہر کی۔

تو نصاریٰ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ کہا تمہارا دشمن بولص، مجھے آسمان سے آواز دی گئی ہے کہ تیری توبہ قبول نہیں ہے مگر یہ کہ تو نصرانی ہو جا تو میں نے توبہ کی ہے تو انہوں نے اس کو کنیسہ میں داخل کیا اور ایک کمرے میں داخل ہوا اور پورا سال نہ دن کو نکلا نہ رات کو یہاں تک کہ انجیل سیکھ لی۔ پھر نکلا اور کہنے لگا کہ مجھے ندا آئی ہے کہ اللہ نے تیری توبہ قبول کر لی ہے تو نصاریٰ نے اس کی تصدیق کی اور اس سے محبت کرنے لگے۔ پھر یہ بیت المقدس کی طرف چلا گیا اور ان پر نسطورا کو خلیفہ بنایا گیا اور اس کو سکھایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام اور خدا تین تھے پھر روم کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو لاہوت اور ناسوت سکھایا اور کہا عیسیٰ علیہ السلام نہ انسان تھے نہ جسم تھے بلکہ اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ بات ایک شخص یعقوب کو سکھائی۔ پھر ایک شخص کو بلایا اس کو ملک کہا جاتا تھا۔ اس کو کہا بے شک "اِلٰہ" نہ زائل ہو سکتا ہے اور نہ زائل کیا جا سکتا ہے عیسیٰ علیہ السلام۔ تو جب یہ عقائد ان میں پختہ ہو گئے تو ان تینوں میں سے ہر ایک کو بلایا اور کہا تو میرا خاص بندہ ہے اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مجھ سے راضی ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کو کہا کہ کل میں خود کو ذبح کر لوں گا تو تم لوگوں کو بلانا تیری بات مانیں گے۔ پھر مذبح میں داخل ہوا اور یہ کہا کہ میں خود کو عیسیٰ علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قتل کر رہا ہوں اور خود کو ذبح کر دیا تو تیسرے دن ان تین میں سے ہر ایک نے لوگوں کو بلایا تو ہر ایک کے کچھ لوگ متبع ہو گئے اور آپس میں لڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ذلک قولھم بافواھھم**" وہ اپنی زبانوں سے بغیر علم کے کہتے ہیں "**یُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ**" قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نصاریٰ کا قول ان سے پہلے والے یہود کے قول کے مشابہ ہے کہ انہوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا قول اپنے سے پہلے مشرکین کے قول کے مشابہ ہے جنہوں نے لات، عزیٰ اور منات کو اللہ کی بیٹیاں کہا۔ حسن کا قول ہے کہ عیسائیوں کا یہ قول گزشتہ کافروں کے قول کی طرح کفر یہ ہے۔ یعنی عیسائیوں کا کفر گزشتہ کافروں کی طرح ہے۔ **کذالک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم** انہی کے قول کی طرح یعنی ان کا کفر قدیمی ہے۔ قتیبی کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول بھی اپنے اسلاف کے قول کی طرح ہے یعنی ان کا کفر قدیمی ہے۔ "**قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یعنی ان پر اللہ نے لعنت کر دی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ حقیقتاً لڑائی کے لیے نہیں بلکہ تعجب کے لیے ہے۔ "**اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ**" جب دلائل اور براہین قائم ہو چکے ہیں تو پھر حق سے باطل کی طرف مڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا

لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو (باعتبار طاعت کے) رب بنا رکھا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو صرف یہ حکم کیا گیا کہ فقط ایک معبود برحق کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

تفسیر: ۳۱ "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ" یعنی اپنے علماء اور قراء کو احبار حبر کی جمع ہے حبر عالم اور دینی کتابیں پڑھنے والے کو کہتے ہیں۔ رہبان راہب کی جمع گرجوں میں رہنے والے عیسائیوں کو کہتے ہیں "اربابًا" اگر یہ اعتراض ہو کہ انہوں نے احبار اور رھبان کی عبادت تو نہیں کی تھی؟ تو ہم جواب دیں گے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی تھی اللہ کی نافرمانیوں میں اور جن چیزوں کو انہوں نے حلال سمجھا ان کو انہوں نے حلال سمجھا اور جن کو انہوں نے حرام سمجھا، ان کو انہوں نے حرام سمجھا تو ان کو خدا کی طرح بنادیا۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میری گردن میں سونے کی صلیب تھی تو آپ علیہ السلام نے مجھے کہا اے عدی! اس بت کو اپنی گردن سے پھینک دے تو میں نے اس کو پھینک دیا۔

جب میں آپ علیہ السلام کے قریب ہوا تو آپ علیہ السلام یہ آیت پڑھ رہے تھے **"اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللّٰہ"** آپ علیہ السلام اس آیت سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا ہم ان کی عبادت نہ کرتے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا وہ نہیں حرام کرتے تھے ان چیزوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے پھر تم بھی ان کو حرام سمجھتے تھے اور وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے تو تم بھی ان کو حلال سمجھتے تھے؟ میں نے کہا جی ہاں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ان کی عبادت تھی۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

نہیں بدلا دین کو مگر بادشاہوں اور برے علماء اور انکے درویشوں نے

"والمسیح بن مریم" یعنی تم نے ان کو بھی معبود بنالیا **"وما امروا الاّ لیعبدوا الٰھا واحداً لا الٰہ الاّ ھو سبحانہ عمّا یشرکون"**

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بدون اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے مانے گا نہیں گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین دے کے بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کردے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

تفسیر ㉜ "یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ" یعنی اللہ کے دین کو اپنی زبانوں کے ساتھ باطل کردیں اس کی تکذیب کرکے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نور سے قرآن مراد ہے یعنی ان کا ارادہ ہے کہ وہ اپنی زبانوں کے ساتھ تکذیب کرکے قرآن کو رد کردیں۔ "وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ" یعنی اپنے دین کو بلند کردے اور اپنے کلمہ کو ظاہر کردے اور اس حق کو مکمل کردے جس کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ "وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ"

㉝ "ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی" ھدی سے قرآن مراد ہے اور بعض نے کہا فرائض کو بیان کرکے " وَدِیْنِ الْحَقِّ" یعنی اسلام "لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ" تمام ادیان پر۔

ولو کرہ المشرکون کی مختلف تفسیریں

"وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ" اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "لیظھرہ" کی ھاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی تاکہ آپ علیہ السلام کو دین کے تمام احکام سکھا کر ان کو آپ علیہ السلام پر ظاہر کردیں حتیٰ کہ آپ علیہ السلام پر دین کے شرائع میں سے کوئی مخفی نہ ہو۔ (۲) دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ ھاء دین الحق کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اور یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دوبارہ اُترنے کے وقت ہوگا کہ ہر شخص ہر دین والا اسلام میں داخل ہوجائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان کے زمانے میں تمام ادیان سوائے اسلام کے ختم ہوجائیں گے اور مقداد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ "زمین پر کوئی کچا یا پکا مکان ایسا نہ رہے گا کہ اللہ اس میں اسلام کے کلمہ کو نہ داخل کردیں یا تو عزیز کی عزت کے ساتھ یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ" یا تو اللہ ان کو عزت دیں گے تو ان کو اس دین کا اہل بنادیں گے یا ان کو ذلت دیں گے تو وہ اس دین کو اختیار کرلیں گے تو میں نے کہا تو دین سارا اللہ کا ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات اور دن نہیں ختم ہوں گے حتیٰ کہ لات اور عزیٰ کی عبادت کی جائے گی تو میں نے عرض کیا اے اللہ! میں یہ خیال کرتی ہوں کہ یہ اس کے بعد ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اُتارا "ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ" پھر فرمایا کہ یہ ہوگا جب اللہ چاہیں گے پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجیں گے تو وہ ہر اس شخص کی روح قبض کرلے گی جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی خیر ہوگی پھر وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن میں کوئی خیر نہ ہوگی تو لوگ اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ادیان پر ظاہر کردیا کہ تمام سننے والوں پر ظاہر کردیا کہ یہ دین حق ہے اور جو اس کے مخالف ادیان ہیں وہ باطل ہیں اور اس دین کو شرک اور اہل کتاب اور اُمیوں کے دین پر غالب کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمیوں کو مغلوب کیا تو وہ اسلام کے قریب ہوگئے بعض خوشی سے بعض کرھاً اور اہل کتاب کو قتل کیا اور قیدی بنایا یہاں

تک کہ بعض اسلام کے قریب آ گئے اور بعض نے ذلت کے ساتھ جزیہ دیا تو یہ اس دین کا تمام ادیان پر ظاہر ہونا ہے۔ واللہ اعلم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اکثر احبار اور رہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں اور (غایت حرص سے) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔

تفسیر ﴿۳۴﴾ **"یا ایھا الّذین امنوا انّ کثیرا من الاحبار والرّھبان"** یعنی اہل کتاب کے علماء اور قراء **"لیاکلون اموال النّاس بالباطل"** یعنی اپنے احکام میں رشوت لیتے ہیں اور اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اپنے بیوقوفوں سے اس پر کچھ قیمت لیتے ہیں یہ ان کے کمائی کے ذریعے ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے توریت میں موجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات تبدیل کر دیں تا کہ ان کی کمائی نہ بند ہو جائے۔ **"ویصدّون عن سبیل اللہ والّذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم"** ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دے وہ کنز نہیں ہے اگرچہ کہیں مدفون بھی ہو اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے۔ اگرچہ وہ مدفون شدہ نہ ہو اور اسی کی مثل ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے چاندی کا مالک اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے گا۔ قیامت کے دن اس سونے چاندی سے اس کیلئے آگ کی چٹانیں بنائی جائیں گی اور دوزخ کی آگ میں ان کو دہکا کر اس شخص کے پہلو پیشانی اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے۔ جب وہ کچھ ٹھنڈی پڑ جائیں گی تو دوبارہ تپا کر داغ لگائے جائیں گے اور ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس شخص کو اس کا راستہ بتا دیا جائے گا جنت کو جانے والا یا دوزخ کو جانے والا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹوں کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اور جو اونٹوں والا ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے گا اور پانی پلانے کے دن ان کو دوہنا (اور دودھ میں سے مساکین کو دینا بھی) منجملہ حقوق کے ہے۔ قیامت کے دن ایک ہموار میدان میں اونٹوں کے سامنے اس کو لٹایا جائے گا۔ اونٹ سب موجود ہوں گے۔ ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا۔ یہ اونٹ اپنے موزوں (یعنی کھروں) سے اس کو روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے۔ اول حصہ جب روندتا چلا جائے گا تو پچھلا حصہ پھر (روندنے کیلئے) لوٹ پڑے گا (یعنی روندنے کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا) ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا۔ جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ بتا دیا

جائے گا۔ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کیا گیا گائے بھینس اور بھیڑ بکریوں کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ان کا مالک اگر حق ادا نہ کرے گا تو ہموار میدان میں ان جانوروں کے سامنے اس کو پچھاڑ کر لٹایا جائے گا۔ جب سب جانور موجود ہوں گے۔ کوئی غیر حاضر نہ ہوگا۔ ان میں کوئی ایسا نہ ہوگا کہ اس کے سینگ پیچھے کو مڑے ہوئے ہوں' نہ کوئی جانور منڈا ہوگا' نہ سینگ ٹوٹا ہوا (سب کے سینگ نوک دار آگے کی طرف ہوں گے) یہ تمام جانور اس شخص کو اپنے سینگوں سے ماریں گے اور کھروں سے روندیں گے۔ اول حصہ گزرتا جائے گا اور پچھلا حصہ لوٹ کر آتا جائے گا۔ یہ عذاب اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ آخر جب لوگوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ دکھا دیا جائے گا' جنت کا یا دوزخ کا۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ مال دے پھر وہ اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں لایا جائے گا۔ اس کی آنکھ کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے وہ قیامت تک اس کی گردن کو چمٹا رہے گا اور اس کے جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللّٰہ" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر مال جو چار ہزار درہم سے زائد ہو تو وہ کنز ہے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے یا نہ کی جائے اور جو اس سے کم ہو وہ نفقہ ہے اور جو حاجت سے بچ جائے تو وہ کنز (خزانہ) ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا تو آپ علیہ السلام کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے جب مجھے دیکھا تو فرمایا کہ وہ لوگ خسارہ والے ہیں رب کعبہ کی قسم! ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آیا اور بیٹھ گیا پھر کھڑے ہونے کی ہمت نہ ہوئی، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں اور باپ قربان ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جن کا مال زیادہ ہو مگر جو اس طرح کرے اور اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اشارہ کیا (یعنی ہر خیر کے کام میں خرچ کریں) اور یہ لوگ تھوڑے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص فوت ہو گیا تو اس کی چادر میں ایک دینار تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک داغ ہے۔ پھر دوسرے شخص کا انتقال ہوا تو اس کی چادر میں دو دینار تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دو داغ ہیں اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ نہ دینے کے بارے میں ہے نہ کہ تمام مالِ حلال کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک مال نیک آدمی کے لیے بہت اچھا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بہت گراں ہوئی اور کہنے لگے ہم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھے گا کہ اپنے بچوں کے لیے کچھ چھوڑ جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لیے فرض کی ہے تاکہ تمہارا باقی مال اس کے ذریعے پاک کر دے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حکم زکوٰۃ کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم اُتارا تو اس کو مال کے لیے پاکی کا ذریعہ بنا دیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس

بات کی پرواہ نہیں کہ میرے لیے اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو، میں اس کی تعداد جانتا ہوں اس کی زکوٰۃ ادا کروں اور اللہ کی طاعت میں لگا رہوں۔ "ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ" بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ "لاینفقونھما" کیوں نہیں کہا "لاینفقونھا" کیوں کہا ہے حالانکہ آیت میں سونے اور چاندی دونوں کا ذکر ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس مفرد کی ضمیر سے خزانہ مراد ہے خواہ چاندی ہو یا سونا۔ اور بعض نے کہا کہ ضمیر "فضۃ" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس لیے کہ یہ عام ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واستعینوا بالصّبر والصّلٰوۃ وانّھا لکبیرۃ" یہاں بھی "انّھا" کی ضمیر نماز کی طرف لوٹ رہی ہے اور جیسے اللہ تعالیٰ کے قول (واذا رأوا تجارۃ اولھوا انفضو الیھا) میں ضمیر کو تجارت کی طرف لوٹایا ہے اس لئے کہ یہ زیادہ عام ہے۔ (فبشرھم بعذاب الیم) یعنی ان کو ڈرائیں کیونکہ وہ عام ہے اگرچہ ذکر دو چیزوں کا تھا۔

يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں (اول) تپایا جاوے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جاوے گا یہ ہے وہ چیز جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے رکھا تھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو یقیناً شمار مہینوں کا (جو کہ) کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک (معتبر ہیں) بارہ مہینے (قمری) ہیں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کیے تھے (اسی روز سے اور ان میں سے چار خاص مہینے ادب کے ہیں یہی (امر مذکور) دین مستقیم ہے سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں (دین کے خلاف کرکے) اپنا نقصان مت کرنا اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے۔

تفسیر: ۳۵ "يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ" آگ میں داخل ہوں گے پھر ان خزانوں پر آگ بھڑکائی جائے گی۔ "فَتُكۡوٰى بِهَا" جلائے جائیں گے اس کے ساتھ "جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ" ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دینار کو دینار پر اور درہم کو درہم پر نہیں رکھا جائے گا بلکہ اس کی جلد اتنی وسیع کردی جائے گی کہ ہر درہم الگ جگہ پر رکھا جائے گا۔ ابوبکر وراق رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے چہرے پہلو اور پیٹھ کو کیوں خاص کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس لیے کہ مال دار شخص جب فقیر کو دیکھتا ہے تو اس کی پیشانی سکڑ جاتی ہے اور اس سے پہلو موڑ کر اعراض کرتا ہے اور پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ "هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ" یعنی تم اپنے مال میں سے اللہ کے حقوق کو روکتے تھے۔ بعض

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں ہے اور اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب اور مسلمانوں سب کو شامل ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

㊱ "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ" یعنی مہینوں کی تعداد "عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ" محرم، صفر، ربیع الاوّل، ربیع الثانی، جمادی الاوّل، جمادی الاخریٰ، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ۔ "فی کتاب اللّٰہ" یعنی اللہ کے حکم میں اور بعض نے کہا لوح محفوظ میں " يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ " ان سے چاند والے مہینے مراد ہیں انہی مہینوں کا مسلمان اپنے روزوں اور حج اور عید اور تمام معاملات میں اعتبار کرتے ہیں۔ شمسی مہینوں کے اعتبار سے سال تین سو پینسٹھ دن اور ایک دن کا چوتھا حصہ ہوتا ہے اور قمری مہینوں کا سال تین سو ساٹھ دن سے کچھ کم ہوتا ہے جتنے دن چاند کم ہو۔ اکثر تین سو چون دن کا ہوتا ہے۔ " مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ " رجب، ذوالقعدۃ، ذوالحجہ، محرم " ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ " یعنی سیدھا حساب ہے "فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ" یعنی سال کے تمام مہینوں میں گناہ کرکے اور نیکی چھوڑ کر اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان چار مہینوں میں نیک عمل کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور ان میں گناہ کرنے کا گناہ دوسرے مہینوں سے زیادہ ہے۔ اگرچہ گناہ ہر حال میں بہت برا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حرام کو حلال کرکے اور ان میں قتل و غارت کرکے ظلم نہ کرو۔ محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم اس کے حلال کو حرام نہ بناؤ اور نہ اس کے حرام کو حلال بناؤ اہل شرک کے فعل کی طرح اور وہ نسئی ہے " وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً تمام کو اور سب کو وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ.

علماء رحمہم اللہ کا ان چار مہینوں میں قتال کے حرام ہونے میں اختلاف ہے تو ایک قوم نے کہا کہ یہ پہلے کبیرہ گناہ تھا پھر اس آیت سے منسوخ کردیا گیا۔ "وقاتلوا المشرکین کافۃ" گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان چار مہینوں اور ان کے علاوہ میں قتال کرو۔ یہی قتادہ، عطاء خراسانی، زہری اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا قول ہے اور ان حضرات نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے حنین کے مقام پر جنگ اور ثقیف سے طائف میں جنگ اور ان کا محاصرہ شوال اور ذی القعدہ کے بعض دنوں میں کیا اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح نے اللہ کی قسم اُٹھا کر کہا کہ لوگوں کے لیے حرم اور اشہر حرام میں قتال جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ ان سے قتال کریں اور یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِــــُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ㊲

(ترجمہ) یہ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے جس سے (عام) کفار گمراہ کیے جاتے ہیں کہ وہ اس حرام مہینے کو کسی سال (نفسانی غرض سے) حلال کرلیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) حرام سمجھتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے

جو مہینے حرام کیے ہیں (صرف) ان کی گنتی پوری کرلیں پھر اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کہتے ہیں ان کی بداعمالیاں ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

تفسیر ۳۷ "انما النسیء زیادة فی الکفر" بعض نے کہا یہ سعیر اور حریق کی طرح مصدر ہے اور بعض نے کہا یہ جریح اور قتیل کی طرح مفعول ہے بمعنی تاخیر۔ اسی سے اُدھار بیع کو "نسیئہ" کہتے ہیں اور نسئی کا معنی ایک مہینے کی حرمت کو دوسرے مہینے کی طرف مؤخر کرنا کیونکہ عرب اشہر حرام کی تعظیم کا اعتقاد رکھتے تھے اور یہ بات انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے دین سے لی تھی اور ان کی اکثر گزران (معیشت) شکار اور لوٹ مار کے ذریعے تھی تو لگاتار ان تین مہینوں کے لیے رُکنا ان پر بڑا گراں تھا اور بسا اوقات ان حرام مہینوں میں ان کی کوئی لڑائی شروع ہو جاتی تو وہ اس لڑائی کو ٹالنا پسند نہ کرتے تو ان مہینوں کی حرمت کو دوسرے مہینوں کی طرف مؤخر کر دیتے تو محرم کی حرمت صفر کی طرف مؤخر کر دیتے اور صفر کو حرام سمجھتے اور محرم کو حلال سمجھتے۔ پھر جب صفر میں کوئی ضرورت پڑتی تو اس کی حرمت ربیع الاوّل تک مؤخر کر دیتے۔ اسی طرح مہینہ مہینہ آگے کرتے رہتے یہاں تک کہ حرمت مکمل سال پر گھومتی رہتی۔ جب اسلام قائم ہوا تو بہت عرصہ کے بعد محرم اپنی اس جگہ پر آ گیا جو اللہ تعالیٰ نے اس کی مقرر کی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اس کو بیان کیا۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک زمانہ اپنی کی طرح گھوما ہے جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ سال بارہ مہینے کا ان میں سے چار محترم ہیں تین لگاتار ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب جو شعبان اور جمادی کے درمیان ہے اور پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتا ہے تو آپ علیہ السلام نے سکوت فرمایا۔ ہمیں خیال ہوا کہ آپ علیہ السلام اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے سکوت فرمایا۔ یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ آپ علیہ السلام اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ بلد حرام نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے سکوت فرمایا۔ یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ آپ علیہ السلام اس کا دوسرا نام رکھیں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ یوم نحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال محمد کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں تمہارے اس دن کی حرمت کی طرح جو اس شہر میں اس مہینہ میں ہے اور عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے تو وہ تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ سن لو! میرے بعد گمراہ ہو کر نہ لوٹنا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، سن لو! حاضر غائب کو پہنچا دے۔ پس شاید کہ بعض وہ لوگ جن تک میرا پیغام پہنچے اس کو زیادہ محفوظ کرنے والے ہوں۔ سن لو کیا میں نے پہنچا دیا؟ کیا میں نے پہنچا دیا؟ وہ فرماتے ہیں کہ نسئی ان میں جاری رہتا تھا تو وہ بسا

اوقات کسی سال میں ایک مہینے میں حج کرتے اور اگلے سال دوسرے مہینے میں حج کرتے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک مہینہ میں دو سال حج کرتے تھے۔ ذوالحجہ میں دو سال پھر دو سال محرم میں حج کرتے، پھر دو سال صفر میں اسی طرح تمام مہینوں میں کرتے تو حجۃ الوداع سے ایک سال قبل جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو وہ ذوالقعدہ میں ہوا۔ پھر اگلے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحجہ میں حجۃ الوداع کیا تو آپ علیہ السلام کا حج اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر حج کا مہینہ موافق ہوگئے تو آپ علیہ السلام نے نو ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کیا اور دس کو منیٰ میں خطبہ دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر دی کہ نسئی کے مہینے زمانہ کے گھومنے سے منسوخ ہوگئے ہیں اور معاملہ ویسے ہوگیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کے پیدا کرنے کے دن مقرر کیا تھا اور ان کو حکم دیا کہ ان کو یاد رکھیں تا کہ آئندہ زمانے میں یہ پھر تبدیل نہ ہوجائے۔

نسئی کا بانی کون تھا

اس میں اختلاف ہے کہ نسئی کی ابتداء کس نے کی ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، قتادہ اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نسئی کی ابتداء بنو مالک بن کنانہ کے شخص ابوثمام جنادہ بن عوف بن اُمیہ کنانی نے کی اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی ابتداء بنوکنانہ کے ایک شخص نعیم بن ثعلبہ نے کی ہے اور اس کے بعد جنادہ بن عوف۔ یہ وہ شخص ہے جس کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پایا اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ بنوکنانہ کے ایک شخص قلمس نے ابتداء کی۔ ان کا شاعر کہتا تھا: ''اور ہم میں مہینوں کو مؤخر کرنے والا قلمس ہے'' اور وہ لوگ یہ کام صرف ذی الحجہ میں کرتے تھے جب عرب والے موسم کے لیے جمع ہوتے تھے۔

ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نسئی کا طریقہ پہلے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندق نے جاری کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندق کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا ہے۔ یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ وہ نسئی ہے جس کو ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''انّما النسیٔ زیادة فی الکفر'' مراد یہ ہے کہ ان کے کفر پر کفر کی زیادتی ہے۔ ''یضلّ به الّذین کفروا'' حمزہ، کسائی اور حفص رحمہما اللہ نے ''یضلّ'' یاء کے پیش اور ضاد کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول ''زیّن لهم سوء اعمالهم'' کی طرح اور یعقوب رحمہ اللہ نے یاء کے پیش اور ضاد کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی حسن اور مجاہد رحمہ اللہ کی قرأت ہے معنی یہ ہوگا ''یضلّ'' اس کے ساتھ کافر لوگوں کو اور دیگر حضرات نے یاء کے زبر اور ضاد کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ وہ خود گمراہ ہیں یہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کے فرمان ''یُحلّونه'' کی وجہ سے ہے۔ یعنی نسئی کو۔ ''عاما ویحرّمونه عاما لیواطئوا'' یعنی تا کہ وہ موافقت کریں اور مواطاۃ موافقت کرنا۔ ''عدّة ما حرّم اللّٰه'' مراد یہ ہے کہ انہوں نے اشہر حرام میں سے جس مہینہ کو حلال کیا اس کی جگہ حلال مہینوں میں سے ایک مہینہ حرام کردیا اور حلال مہینوں میں سے ایک مہینے کو حرام کیا تو اس کے بدلے حرام مہینوں میں سے ایک کو حلال کردیا تا کہ حرام مہینے چار سے زیادہ نہ ہوں جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں تا کہ تعداد

میں موافق ہو جائیں۔ "فیحلّوا ما حرّم اللّٰہ زیّن لھم سوء اعمالھم" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ ان کے لیے شیطان نے مزین کر دیا۔ "واللّٰہ لایھدی القوم الکافرین" "یُضِلّ بہ الّذین کفروا زیّن لھم سوء اعمالھم یحلّونہ عامًا ویحرّمونہ عامًا لیو اطئوا عدّۃ ما حرّم اللّٰہ فیحلّوا ما حرّم اللّٰہ زیّن لھم سوء اعمالھم واللّٰہ لا یھدی القوم الکافرین"

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیوی زندگی پر قناعت کر لی سو دنیوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت تھوڑا ہے اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت عذاب دے گا (یعنی تم کو ہلاک کر دے گا) اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو پیدا کر دے گا (اور ان سے اپنا کام لے گا) اور تم اللہ (کے دین) کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے سو اللہ تعالیٰ نے آپ (کے قلب) پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوت دی کہ تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات (اور تدبیر) نیچی کر دی (کہ وہ ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر: ۳۸ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ"

آیت کا شانِ نزول

یہ آیت غزوہ تبوک پر اُبھارنے کے لیے نازل ہوئی ہے کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے لوٹے تو غزوہ روم کے جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس وقت مسلمان بڑے تنگدست تھے اور سخت گرمی کا موسم تھا اور پھل خوب پک چکے تھے اور آپ علیہ

السلام جب کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جانا چاہتے تو اپنے ارادہ کو ظاہر نہ فرماتے تھے بلکہ کسی اور جگہ کی طرف توریہ کرتے۔ لیکن اس غزوہ میں کیونکہ لمبا سفر سخت گرمی میں کرنا تھا اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی تو آپ علیہ السلام نے تمام صورت حال مسلمانوں کے سامنے ظاہر کردی اور کوئی توریہ نہیں کیا تاکہ وہ دشمن کے مقابلہ کے لیے خوب تیاری کرلیں تو مسلمانوں پر اس غزوہ کے لیے نکلنا بہت گراں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَالَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمْ" یعنی تم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "انفروا" تم اللہ کے راستے میں نکلو۔ "اثاقلتم الی الارضی یعنی تم اپنی زمین اور ساکن کو چمٹ جاتے ہو۔ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ یعنی دنیا کو ترجیح دینا اور آخرت کی نعمتوں کو اس کے بدلے چھوڑ دینا فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ" پھر جہاد چھوڑنے پر ان کو دھمکی دی۔

㊴ "اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا" آخرت میں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ بعض نے دُنیا میں ان سے بارش کو روک لینا مراد ہے۔ نجدۃ بن نفیع نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک قبیلہ کو غزوہ کے لیے نکلنے کا کہا تو وہ اپنے گھروں میں رہ گئے تو ان سے بارش روک لی گئی تو یہ ان کا عذاب تھا۔

" وَیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ " تم سے بہتر اور زیادہ فرمانبردار۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ فارس والے ہیں اور بعض نے کہا وہ یمن والے ہیں۔" وَلَا تَضُرُّوْہُ شَیْئًا ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"

㊵ "اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ" یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ہے کہ وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور اپنے دین کے اعزاز کا خود کفیل ہے چاہے وہ مدد کریں یا نہ کریں کیونکہ اس نے اپنے رسول کی اس وقت مدد کی جب دوست کم اور دشمن زیادہ تھے تو آج تو بطریق اولیٰ ہو سکتی ہے کہ دوستوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔" اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ "یعنی وہ دو میں سے ایک تھے اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔" اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ "جبل ثور میں۔

"اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام زمین والوں کو عتاب کیا ہے۔ جمیع بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تو میرا غار میں ساتھی تھا اور حوض پر بھی ساتھی ہوگا۔ حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہ تھے تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قرآنی کا انکار کیا اور دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکار کرے تو وہ مبتدع (بدعتی) ہے کافر نہیں۔ "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حزن بزدلی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت کی وجہ سے تھا اور کہا کہ اگر میں قتل کیا گیا تو ایک آدمی ہوں اور اگر آپ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا تو اُمت ہلاک ہو جائے گی۔

روایت کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر ہجرت میں تھے تو کبھی آپ علیہ السلام کے آگے چلتے کبھی پیچھے تو آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا ہو گیا ہے اے ابوبکر؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے پیچھے سے حملہ آور کا خیال آتا ہے تو پیچھے چلتا ہوں اور جب آگے سے کسی کے گھات لگانے کا خیال آتا ہے تو آگے چلتا ہوں، جب غار میں پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ یہاں ٹھہریں میں غار کی صفائی کرلوں تو آپ رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور غار کو صاف کیا، پھر عرض کیا اب آپ آئیں یا رسول اللہ! تو آپ علیہ السلام اندر داخل ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ رات عمر اور اس کی آل اولاد سے بہتر ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو بیان کیا کہ میں نے مشرکین کے قدموں کو دیکھا کہ وہ ہمارے سروں کے اوپر ہیں اور ہم غار میں تھے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنے قدموں کے نیچے دیکھا تو ہمیں دیکھ لے گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے ابوبکر! تیرا ان دو لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے کہ اللہ ان کا تیسرا ہے۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب میں نے ہوش سنبھالا میرے والدین دین اختیار کر چکے تھے اور ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ دن کے صبح شام آپ علیہ السلام تشریف نہ لاتے ہوں۔ جب مکہ میں مسلمانوں پر آزمائش آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے۔ جب آپ برک الغماد جگہ پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ کو ابن الدغنہ ملا وہ قارہ کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا اے ابوبکر کہاں کی تیاری ہے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے تو میرا ارادہ ہے کہ زمینی سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں تو ابن الدغنہ نے کہا بے شک تیری مثل شخص اے ابوبکر نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے بے شک تو معدوم (فقیر) کے لیے کماتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے اور بوجھ اُٹھاتا ہے اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتا ہے اور حق پر مدد کرتا ہے۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں، آپ رضی اللہ عنہ واپس جائیں اور اپنے شہر میں جاکر اپنے رب کی عبادت کریں تو آپ رضی اللہ عنہ واپس لوٹے اور ابن الدغنہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا اور شام کو تمام اشراف قریش کا چکر لگایا اور ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے اوصاف بیان کر کے اپنی پناہ کا کہا تو انہوں نے ابن الدغنہ کی پناہ کا انکار نہیں کیا اور ابن الدغنہ کو کہا کہ ابوبکر کو کہو کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں اور اس میں نماز پڑھیں اور جو چاہے قرأت کریں اعلانیہ یہ کام کر کے ہمیں تکلیف نہ دیں تو ابن الدغنہ نے یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہی تو کچھ عرصہ اپنے گھر میں عبادت کی اور نہ اعلانیہ نماز پڑھتے اور نہ گھر کے علاوہ قرأت کرتے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کے صحن میں مسجد بنالی۔ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تو ان پر مشرکین کی عورتیں اور بچے جمگھٹا کر دیتے اور ان پر تعجب کرتے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب قرآن پڑھتے تو بہت زیادہ روتے تھے تو اشراف قریش اس بات سے گھبرا گئے اور ابن الدغنہ کو پیغام بھیجا۔

تو وہ مکہ آیا، انہوں نے کہا کہ آپ کی پناہ کی وجہ سے ہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کہا کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں گے لیکن انہوں نے اس سے تجاوز کیا ہے اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا کر اعلانیہ نماز اور قرأت کرتے ہیں ہمیں اپنی عورتوں اور بچوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے آپ ان کو روکیں۔ اگر وہ اس بات کو مان لیتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کریں تو آپ اپنی امان باقی رکھیں۔ اگر وہ اعلانیہ عبادت کرنا چاہتے ہیں تو ان سے کہو آپ کا ذمہ واپس کر دیں کیونکہ آپ کے ذمہ کو خراب کرنا پسند نہیں کرتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اعلانیہ عبادت کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابن الدغنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کے لیے عقد امان کیا تھا۔ اگر آپ اس پر کار بند رہتے ہیں تو ٹھیک ورنہ میرا ذمہ واپس کر دیں کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ عرب کہیں کہ میں نے ایک شخص سے عقد کر کے توڑ دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تیری پناہ واپس کرتا ہوں اور اللہ کی پناہ میں راضی ہوں۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ آپ علیہ السلام نے مسلمانوں کو فرمایا کہ میں نے تمہاری ہجرت کا علاقہ دیکھا ہے وہ کھجور کے درختوں والا ہے دو دو سیاہ پتھروں والی وادیوں کے درمیان ہے۔ پھر جن لوگوں نے ہجرت کرنی تھی مدینہ کی طرف ہجرت کی اور حبشہ کے مہاجرین میں سے اکثر مدینہ لوٹ گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف کوچ کرنے کی تیاری کی تو آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ٹھہر جاؤ، مجھے اُمید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دی جائے گی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ علیہ السلام کو بھی اس کی اُمید ہے۔ میرا باپ آپ پر قربان ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے رُک گئے اور اپنی دو اونٹنیوں کو چارہ وغیرہ کھلا کر تیار کیا۔ چار ماہ ایسا کیا۔
عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک دن ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں چاشت کے وقت بیٹھے تھے کہ کسی نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منہ چھپا کر ایسے وقت میں تشریف لا رہے ہیں کہ جس کا معمول نہیں تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے ماں اور باپ ان پر فدا ہوں اللہ کی قسم! اس وقت میں آپ علیہ السلام کسی اہم کام کی وجہ سے آئے ہوں گے تو آپ علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) اپنے پاس سے ہر کسی کو نکال دو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ علیہ السلام کے گھر والے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے نکلنے کی اجازت مل گئی ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان دو اونٹنیوں میں سے ایک لے لیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا قیمت کے ساتھ لوں گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے بڑی جلدی ان کی تیاری کرا دی اور ان دونوں کے لیے چمڑے کا ایک توشہ دان تیار کیا تو حضرت اسماء بنت ابی بکر نے اپنے کمر بند کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس کا منہ باندھ دیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاقین پڑ گیا۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثور پہاڑ

پر ایک غار میں چلے گئے اور اس میں تین دن رہے، رات کو ان کے پاس عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جاتے اور دن بھر قریش سے جو باتیں سنتے ان کو یاد کر کے آپ علیہ السلام کو سناتے اور صبح منہ اندھیرے وہاں سے واپس آ جاتے اور صبح کو قریش میں پھرتے رہتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فُہیرہ بکریاں چراتے ہوئے رات کو وہاں پہنچ جاتے اور دودھ پلاتے اور صبح سے پہلے وہاں سے ریوڑ لے کر چلے جاتے۔ یہ معاملہ تینوں راتوں میں رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنی دیل کے ایک شخص کو راستہ دکھانے کے لیے اُجرت پر لیا ہوا تھا یہ شخص کفار مکہ کے دین پر تھا تو انہوں نے اپنی اونٹنیاں اس کو دے دیں کہ وہ تین راتوں کے بعد صبح کے وقت اونٹنیاں لے کر آ جائے گا۔

سراقہ کا قصہ

شیخین نے صحیحین میں نیز امام احمد نے سراقہ کی روایت سے اور امام احمد و یعقوب بن سفیان نے حضرت ابوبکر کے حوالے سے بیان کیا۔ سراقہ کا بیان ہے کفار قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے قتل یا گرفتار کرنے والے کیلئے ایک انعام مقرر کیا اور کہا کہ دونوں میں جس کسی کو کوئی قتل یا گرفتار کرے گا۔ اس کو سو اونٹنیاں دی جائیں گی۔ میں اپنی قوم بنی مدلج کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آ کر کھڑا ہوا اور اس نے کہا: سراقہ! میں نے ابھی ساحل پر کچھ اشخاص دیکھے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ تین سوار دیکھے ہیں میرے خیال میں وہ محمد اور ان کے ساتھی تھے۔ یہ سنتے ہی میں پہچان گیا کہ ہوں نہ ہوں وہی ہوں گے۔ میں نے اس شخص کو اشارہ کیا کہ خاموش رہو۔ وہ خاموش ہو گیا۔ میں اٹھ کر گھر میں گیا اور باندی کو حکم دیا کہ میرا گھوڑے لے کر بطن وادی میں پہنچا دے اور خود اپنے خیمہ کے پیچھے سے ہتھیار لے کر نکل چلا اور نیزہ کو گھسیٹتا گیا۔ بلم کا بالائی حصہ کو نیچے کو کر دیا۔ اس طرح گھوڑے تک پہنچا اور سوار ہو کر تیز دوڑاتا ہوا چل دیا۔ یہاں تک کہ میری دونوں اشخاص پر نظر پڑ گئی۔ قریب پہنچا ہی تھا کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں نیچے گر پڑا۔ پھر میں اٹھ کر کھڑا ہوا اور ترکش کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس میں سے فال لینے کیلئے تیر نکالے کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں۔ فال لینے پر تیر وہی نکلا جو مجھے پسند نہ تھا۔ یعنی فال یہ نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا۔ مگر مجھے امید تھی کہ میں اس فال کو الٹ دوں گا اور سو اونٹنیاں لے لوں گا۔ چنانچہ میں پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تیروں کی فال نہ مانی اور گھوڑے کو تیز دوڑاتا چلا تا کہ وہ مجھے قریب پہنچا دے۔ میں اتنا قریب پہنچ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز میں نے سن لی۔ آپ کی توجہ میری طرف نہ تھی مگر حضرت ابوبکر میری طرف زیادہ متوجہ تھے۔ اسی حالت میں اچانک میرے گھوڑے کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں نیچے گر پڑا۔ میں نے گھوڑے کو جھڑکا اور خود اٹھا مگر گھوڑا پاؤں باہر نہ نکال سکا۔ گھوڑے نے کوشش کی کہ قدم باہر نکال لے۔ اس کوشش میں دھویں کی طرح غبار اٹھ کر اوپر چڑھ گیا۔ میں نے پھر تیروں سے فال نکالی مگر وہی فال نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا۔ آخر میں جان گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور وہ غالب آئیں گے۔ مجبوراً میں

نے امان کیلئے پکارا اور کہا دیکھو! میری کیا حالت؟ میں خدا کی قسم! ہرگز تم کو کوئی اذیت نہیں پہنچاؤں گا اور میری طرف سے تمہارے لئے کوئی ناخوشگوار حرکت نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس سے پوچھو کہ کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا آپ کی قوم نے آپ کے سلسلہ میں انعام مقرر کیا ہے۔ غرض لوگوں کا جو مقصد تھا میں نے اس کی اطلاع آپ کو دے دی۔ کچھ زادراہ اور سامان کی بھی پیشکش کی مگر آپ نے مجھے کوئی تکلیف نہ دی نہ کچھ مانگا۔ صرف اتنا فرمایا کہ ہماری خبر ظاہر نہ کرنا۔ میں نے درخواست کی کہ (آئندہ کیلئے) مجھے کوئی پروانہ امن کیلئے لکھ دیجئے۔ آپ نے حکم دیا: ابوبکر! اس کو لکھ دو۔

" فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ " بعض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے سکینت پر تھے۔" وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا" یہ وہ فرشتے تھے جو کافروں کے چہرے اور نگاہیں پھیرنے کے لیے اُترے تھے اور بعض نے کہا کفار کے دلوں میں رُعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ واپس لوٹ گئے۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن فرشتوں کے ساتھ مدد کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی تدبیر آپ علیہ السلام سے غار میں پھیری۔ پھر اپنی مدد کو فرشتوں کے ذریعے بدر میں ظاہر کیا۔" وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى " اور ان کا کلمہ شرک بھی قیامت تک نیچا ہے۔"وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا "قیامت کے دن تک۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "لا اِلٰہ اِلاّ اللّٰہ" مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے "كلمة الّذين كفروا" جوانہوں نے آپس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے تدبیر کی تھی اور "كلمة اللّٰه" اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ وہ ان کی مدد کریں گے اور یعقوب رحمہ اللہ نے "وكلمة اللّٰه" تاء کے زبر کے ساتھ اس بناء پر پڑھا ہے کہ اس کا "جعَلَ" کے پہلے مفعول "كلمة الّذين كفروا" پر عطف ہے اور اصل عبارت "وجعل كلمة الّذين كفروا السفلٰى. وجعل كلمة اللّٰه هى العليا" ہے۔ تو "كلمة اللّٰه" پہلے کا مفعول پر معطوف ہے اور "العليا" دوسرے مفعول پر معطوف ہے اور باقی حضرات نے "كلمة اللّٰه" پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ استئناف کی بناء پر۔ گویا کہ کلام باری تعالیٰ کے قول "وجعلوا كلمة الّذين كفروا السفلٰى" پر مکمل ہوگئی تھی۔ پھر ابتداء کی اور فرمایا "وكلمة اللّٰه هى العليا" مبتداء اور خبر ہے کلمۃ اللہ مبتداء اور العلیا اس کی خبر ہے۔"وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ "

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ ۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ 45

ترجمہ: نکل پڑو خواہ تھوڑے سامان سے (ہو) اور خواہ زیادہ سامان سے (ہو) اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کر دیہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو (تو دیر مت کرو) اگر کچھ لگتے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ (منافق) لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی اور ابھی خدا کی قسمیں کھاویں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ (جھوٹ بول بول) کر اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف (تو) کر دیا (لیکن) آپ نے ان کو (ایسی جلدی) اجازت کیوں دیدی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہوتے اور جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں رخصت نہ مانگیں (بلکہ وہ حکم کے ساتھ دوڑ پڑیں گے) اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے البتہ وہ لوگ (جہاد میں نہ جانے سے) آپ سے رخصت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں۔

تفسیر: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر اس کی وجہ سے بڑی سختی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور فرمایا "لیس علی الضعفاء و لا علی المرضٰی" پھر ان منافقین کے بارے آیت نازل کی جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔

41 "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا" حسن، ضحاک، مجاہد، قتادہ اور عکرمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بوڑھے اور جوان نکلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چست اور غیر چست سب نکلو۔ عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پیدل اور سوار۔ ابو صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں "خفافًا" یعنی فقراء۔ "ثقالًا" یعنی مالدار۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "خفافًا" جن کو مال کی وسعت ہو اور ثقالاً جن پر مالی تنگی ہو اور بعض نے کہا "خفافًا" کم ہتھیار والے اور ثقالاً زیادہ ہتھیار والے۔ حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصروف ہو یا فارغ۔ مرۃ ہمدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تندرست ہو یا مریض۔ یمان بن رباب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کنوارے ہو یا شادی شدہ اور بعض نے کہا کہ "خفافًا" یعنی جب کوچ کا اعلان سنو تو جلدی سے نکل پڑو۔ "ثقالًا" غور و فکر اور تیاری کے ساتھ نکلو۔ "وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی آنکھ ختم ہو چکی تھی پھر بھی جہاد کے لیے نکلے تو ان کو عرض کیا گیا کہ آپ کو تکلیف ہے آپ نہ جائیں تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خفیف و ثقیل سے نکلنے کا کہا ہے۔ اگر میں لڑ نہیں سکتا تو مسلمانوں کی تعداد بڑھاؤں گا اور سامان کی حفاظت کروں گا۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان "وما كان المؤمنون لينفروا" کی وجہ سے منسوخ ہو گئی ہے۔

㊷"لَوْكَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا" اور کان کا اسم مضمر ہے یعنی جس کی طرف ہم ان کو بلا رہے ہیں وہ ایسی غنیمت ہوتی جس کا حاصل کرنا قریب ہو " وَّسَفَرًا قَاصِدًا" قریب اور آسان " لَّا تَّبَعُوْكَ " تو وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ نکلتے " وَلٰكِنْ م بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ " یعنی مسافت۔ شقہ دور کے سفر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان پر گراں ہوتا ہے اور بعض نے کہا "شقة" وہ انتہا جس کا ارادہ کر کے چلا جائے۔ " وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِاسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ" یعنی جھوٹی قسموں کے ساتھ " وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ" اپنی قسموں میں کیونکہ ان کے پاس طاقت تھی۔

㊸"عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" عمرو بن میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو کام ایسے ہیں جو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کیے ہیں۔ ❶ منافقین کو اجازت دینا ❷ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں جگہ عتاب فرمایا۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی اور لطف کو تو دیکھو کہ ابتداء معافی سے کی ہے پھر عار دلائی ہے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی عزت کی ہے اور آپ علیہ السلام کا مقام بلند کیا ہے اور بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے دائمی عفو کریں۔ " لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ پیچھے رہ جانے کی حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا اپنے عذروں میں وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ" یعنی آپ علیہ السلام جان لیں کہ کون اپنا عذر بیان کرنے میں سچے ہیں اور کن کو کوئی عذر نہ تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن آپ علیہ السلام منافقین کو نہ جانتے تھے۔

㊹"لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ یعنی آپ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت نہ مانگیں وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ م بِالْمُتَّقِيْنَ"

㊺"اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی شک میں ہیں اور منافق ہیں فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ" حیران و پریشان ہیں۔

وَلَوْاَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ م انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ㊻ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ م بِالظّٰلِمِيْنَ ㊼ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ㊽

ترجمہ: اور اگر وہ لوگ (غزوہ میں) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے لیکن (خیر ہوئی) اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور (بحکم تکوینی) یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوا اس کے کہ اور دونا فساد کرتے اور کیا ہوتا اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے اور (اب بھی) تم میں ان کے کچھ

جاسوس موجود ہیں اوران ظالموں کواللہ خوب سمجھے گا انہوں نے تو پہلے (جنگ احد وغیرہ میں) بھی فتنہ پردازی کی تھی اورآپ کے لیے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور (اس کا آنا یہ کہ) اللہ کا حکم غالب رہا اوران کو ناگوار ہی گزرتا رہا۔

تفسیر ⑯ "وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ" جنگ کی طرف "لَاَعَدُّوْا لَهٗ" یعنی اس کیلئے تیاری کریں عُدَّةً" تیاری اور قوت ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کے ذریعے۔ "وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ" ان کا نکلنا "فَثَبَّطَهُمْ" ان کو نکلنے سے روک دیا "وَقِيْلَ اقْعُدُوْا" اپنے گھروں میں "مَعَ الْقٰعِدِيْنَ" مریضوں اور اپاہجوں کے ساتھ اور بعض نے کہا عورتوں اور بچوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کا قول (وقیل) یعنی ان میں سے بعض نے بعض کو کہا تم بیٹھ جاؤ اور کہا گیا ہے کہ ان کے دلوں میں وحی کی اور رسوائی کے اسباب کا ان کو ابہام کیا گیا ہے۔

⑰ "لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبوک کی طرف جہاد کا حکم دیا تو اپنے لشکر کو ثنیۃ الوداع پر مقرر کیا اور عبداللہ بن ابی کو ثنیۃ الوداع سے نیچے اس کا لشکر کافی تعداد میں تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے تو پیچھے عبداللہ بن ابی کے پاس منافقین اور شک والے رہ گئے، اور یہ جہاد کیلئے نہیں نکلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے یہ آیت اُتاری "لو خرجوا" یعنی منافقین "فیکم تمہارے ساتھ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا" یعنی فساد اور شر اور فساد کا مطلب یہ ہے کہ وہ تم میں بزدلی ڈال دیتے۔ " وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ "تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیتے، چغلی اور ایک کی بات دوسرے کی طرف نقل کر کے۔ " يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ یعنی تمہارے لیے وہ تلاش کرتے ہیں جس کے ذریعے تم فتنہ میں پڑ جاؤ۔ وہ کہتے ہیں تمہارے لیے یہ اور یہ جمع کیا گیا ہے اور تم شکست کھا گئے ہو اور عنقریب تمہارے دشمن تم پر غالب ہو جائیں گے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یبغونکم الفتنة" یعنی شر اور سرکشی اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں فتنہ شرک ہے اور کہا جاتا ہے "بغیة و ابغیته بغیا اذا التمسته له" یعنی میں نے اس کے لیے سرکشی کی۔ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ " مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر ان کے مخبر ہیں جو تمہاری بات سن کر ان تک پہنچا دیتے یعنی جاسوس اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر ان کی اطاعت کرنے والے لوگ ہیں یعنی ان کی کلام سن کر ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ "وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ"

⑱ "لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ " یعنی انہوں نے آپ کے ساتھیوں کو دین سے روکنے کی کوشش کی اور لوگوں کے ہاتھوں آپ لوگوں کو رُسوا کرنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے جیسے عبداللہ بن اُبی غزوہ اُحد کے دن اپنے ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ " وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ آپ کے دین اور رائے کو باطل کرنے کی کوشش کی۔ آپ علیہ السلام سے لوگوں کو ورغلانے اور متفرق کرنے کے ذریعے۔ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ مدد اور کامیابی آ جائے وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کا دین وَهُمْ كٰرِهُوْنَ"

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿49﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿50﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ (۵۲)

ترجمہ اور (ان منافقین متخلفین) میں سے بعض شخص وہ جو کہتا ہے کہ مجھ کو اجازت دے دیجئے اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالیے خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے اور یقیناً دوزخ (آخرت میں) ان کافروں کو گھیرے گی۔ (اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو وہ ان کے لئے موجب غم ہوتی ہے اور آپ پر کوئی حادثہ آ پڑتا ہے تو (وہ خوش ہو کر) کہتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے اپنا احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا اور (یہ کہ) وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ کے تو سب مسلمانوں کو اپنے سب کام سپرد رکھنے چاہئیں آپ فرما دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری ہی کے منتظر رہتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا (خواہ) اپنی طرف سے (دنیا یا آخرت میں) یا ہمارے ہاتھوں سے سو تم (اپنے طور پر) انتظار کرو اور ہم تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) انتظار میں ہیں۔

جد بن قیس کے متعلق آیت کا نزول

تفسیر ﴿49﴾ "وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ" یہ آیت جد بن قیس منافق کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی طرف سفر کی تیاری کی تو جد نے کہا اے اللہ کے رسول! میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا بہت خواہش مند ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے بنو اصغر کی لڑکیاں دیکھیں تو ان سے صبر نہ کر سکوں گا۔ مجھے جنگ میں نہ جانے کی اجازت دیں اور ان عورتوں کے ذریعے میری آزمائش نہ کریں، میں آپ علیہ السلام کی مالی مدد کر دوں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جد بن قیس نے یہ وجہ بیان کی حالانکہ نفاق کے علاوہ اس کی کوئی وجہ نہ تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا اور فرمایا کہ میں نے تجھے اجازت دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "ومنھم" منافقین میں سے "من یقول ائذن لی" پیچھے رہ جانے کی۔ "ولا تفتنی" بنو اصغر کی لڑکیوں سے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ مجھے گناہ گار نہ کریں۔ "اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا" یعنی شرک اور گناہ میں اپنے نفاق کی وجہ سے واقع ہو گئے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کر کے "وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ" ان کو اپنے اندر جمع کرنے والی ہے۔

⑤⓪ "اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ" نصرت اور غنیمت "تَسُؤْهُمْ" ان کو غمگین کر دیتی ہے یعنی منافقین کو "وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ" قتل اور شکست "يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا" یعنی ہم نے جنگ سے پیچھے رہ جانے کا فیصلہ سمجھ سے لیا۔ مِنْ قَبْلُ اس معصیت سے پہلے وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ خوش ہوتے ہیں اس مصیبت کی وجہ سے جو آپ کو پہنچی ہے۔

⑤① "قُلْ ان کو اے محمدؐ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ہم پر لوح محفوظ هُوَ مَوْلٰنَا ہمارا مددگار اور حافظ ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ہماری ذات سے اولیٰ ہے موت اور زندگی میں وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ"

⑤② "قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ" اے منافقو! کیا تم انتظار کر رہے ہو "اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ" یا تو مدد اور غنیمت یا شہادت اور مغفرت۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں جہاد کرے اور گھر سے صرف جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کے کلمات کی تصدیق اس کو نکالے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے یا وہ اپنے گھر لوٹ آئے اجر اور غنیمت لے کر۔

"وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ برائیوں میں سے ایک کا اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ تو تمہیں پہلی اُمتوں کی طرح ہلاک کر دے گا۔ اَوْ بِاَيْدِيْنَا مومنین کے ہاتھوں سے اگر تم اپنے دل کا بغض ظاہر کر دو۔ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم شیطان کے وعدوں کا انتظار کرو اور ہم اللہ کے وعدوں کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ اپنے دین کو ظاہر کرے گا اور مخالفین کی بیخ کنی کرے گا۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑤③ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ⑤④ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ⑤⑤

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے کسی طرح (خدا کے نزدیک) مقبول نہیں (کیونکہ) بلاشبہ تم عدول حکمی کرنے والے لوگ ہو اور ان کے خیر خیرات قبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ سفر کیا اور وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ سو ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں (بھی) ان کو گرفتار عذاب رکھے گا اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جاوے۔

تفسیر ⑤③ "قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا" امر شرط اور جزاء کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر تم خوشی سے یا جبراً خرچ کرو۔ یہ آیت جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی کہ اس نے جنگ میں نہ جانے کی اجازت مانگی اور کہا کہ میں اپنے مال سے مدد کروں

گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ اس لئے کہ تم كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ"

⑤④ "وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "یقبل" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ فعل کے مقدم ہونے کی وجہ سے اور باقی حضرات نے تاء کے ساتھ اس لیے کہ فعل جمع مؤنث (نفقات) کی طرف مسند ہے۔ اس لیے فعل کو مؤنث لایا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ فاعل مؤنث ہے۔ نَفَقٰتُهُمْ ان کے صدقات اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ان کے نفقات کے قبول کرنے سے مانع ان کا کفر ہے۔ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى "بوجھل قدموں کے ساتھ کیونکہ وہ اس نماز کی ادائیگی پر ثواب کی اُمید نہیں رکھتے اور اس کے چھوڑنے پر عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ منافقین کی تو نماز ہی قبول نہیں، پھر نماز میں سستی پر کیوں مذمت کی؟ جواب یہ ہے کہ مذمت اس کفر پر ہے جو ان کو نماز میں سستی پر اُبھارتا ہے کیونکہ کفر سست کر دیتا ہے اور ایمان چست کرنے والا ہے۔ "وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ" اس لیے کہ وہ اس کو تاوان سمجھتے ہیں۔

⑤⑤ "فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ" اعجاب کسی عجیب چیز کو دیکھ کر خوش ہونا۔ یعنی آپ اس مال اور اولاد کو اچھا نہ سمجھیں جو ہم نے ان کو دیا ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو ڈھیل دیتے ہیں تو اس کا مال اور اولاد زیادہ کر دیتے ہیں۔ "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" اگر یہ اعتراض ہو کہ مال اور اولاد میں کیسا عذاب ہے حالانکہ وہ لوگ تو دُنیا میں اس کو بہت بڑی نعمت سمجھتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ مجاہد اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کی اصل ہے "فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم فی الحیٰوۃ الدنیا انّما یرید اللّٰہ لیعذبھم بھا فی الأخرۃ" اور بعض نے کہا عذاب جو مال اور اولاد میں مصائب کی صورت میں آئیں گی۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو دُنیا میں عذاب دے گا اس مال سے زکوٰۃ لے کر اور اللہ کے راستے میں خرچ کروا کر۔ اور بعض نے کہا ہے ان کو اس کے جمع کرنے میں تھکا کر اور اس کی حفاظت میں اُکتا کر اور اس کے خرچ کو ناپسند کر کے اور اس کا وارث ایسے لوگوں کو بنا کر جو اس کی تعریف نہیں کرتے، ان سب کے ذریعے عذاب دیتے ہیں۔ " وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ یعنی نکلتا ہے وَهُمْ كٰفِرُوْنَ "یعنی کفر پر مریں گے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ⑤⑥ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ⑤⑦ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ⑤⑧

(ترجمہ) اور یہ (منافقین) لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ (واقع میں) وہ تم میں سے نہیں لیکن (بات یہ ہے کہ) وہ ڈرپوک لوگ ہیں ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی تو یا غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی خدا سی جگہ یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر چل دیتے اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات (تقسیم کرنے) کے بارہ میں آپ پر

طعن کرتے ہیں سو اگر ان صدقات میں سے (ان کی خواہش کے موافق) ان کو مل جاتا ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے ان کو (ان کی خواہش کے موافق) نہیں ملتا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔

تفسیر ⑤⑥ "وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ" یعنی تمہارے دین پر ہیں۔"وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ" اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کا دین نہ ظاہر ہو جائے۔

⑤⑦ "لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً" کوئی ٹھکانہ یا قلعہ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائے فرار اور بعض نے کہا ہے کہ حفاظت کا مقام جن میں پناہ لی جاسکتی ہے۔" اَوْ مَغٰرٰتٍ" پہاڑوں میں غاریں مغارۃ کی جمع ہے وہ پہاڑی غار جس میں تو چھپے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرنگ اور تہہ خانے۔" اَوْ مُدَّخَلًا" داخل ہونے کی جگہ یہ ادخل یدخل سے ہے اس کی اصل مدتخل بروزن مفتعل ہے۔ دخل یدخل سے مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائے پناہ۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تہہ خانہ مراد ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چوہوں کی بل کی طرح زمین میں کوئی بل حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسا طریقہ جس میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف داخل ہوں اور یعقوب رحمہ اللہ نے "مَدْخَلًا" میم کے زبر اور دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے بمعنی داخل ہونے کی جگہ۔" لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ" تو وہ اس کی طرف بھاگتے تم سے پیٹھ پھیر کر "وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ" وہ انکار میں دوڑ رہے ہوتے۔ ان کو کوئی چیز واپس نہیں لاسکتی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کوئی اور راستہ پاتے تو تم سے جدا ہو جاتے۔

⑤⑧ "وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ" یہ آیت ذوالخویصرۃ تمیمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کا نام حرقوص بن زہیر ہے۔ یہی خوارج کی بنیاد ہے۔

آیت کا شان نزول

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ علیہ السلام مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ علیہ السلام کے پاس ذوالخویصرہ آیا۔ یہ بنو تمیم کا آدمی ہے کہنے لگا اے اللہ کے رسول! آپ انصاف کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو برباد ہو، میں انصاف نہ کروں گا تو کون انصاف کرے گا، میں خسارہ والا ہو گیا، اگر میں انصاف نہ کروں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اس کے کچھ ساتھی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ یہ قرآن پڑھتے ہیں مگر وہ ان کی گردن سے نیچے نہیں اُترتا۔ یہ دین سے اس طرح گزر جائیں گے جیسا کہ تیر اپنے ہدف سے تیزی سے گزر جاتا ہے گوبر اور خون کے پار ہو جاتا ہے (اس کے باوجود) اس پر کوئی نشان نہیں ہوتا کہ اس کے پھل کو دیکھا جائے تو اس میں خون کا کوئی اثر نہ پایا جائے۔ دونوں پروں کو دیکھا جاتا ہے تو ان پر کچھ نہیں ہوتا اور شکار پر بھی کچھ نہیں پایا جاتا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے سنی اور گواہی دیتا ہوں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک منافق شخص جس کو ابوالجوط کہا جاتا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ آپ نے برابری کے ساتھ تقسیم نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ومنھم من یلمزک فی الصدقات" یعنی آپ پر عیب لگاتا ہے۔ جب تو کسی کو عیب لگائے کہا جاتا ہے "لُمَزَه وھُمَزَه" یعنی منافقین کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہیتے لوگوں کو دیتے ہیں۔ اور یعقوب رحمہ اللہ نے "یلمزک" اور اسی طرح الحجرات میں "یلمزون" اور "ولا تلمزوا" ہر ایک کو میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے میم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دو لغتیں ہیں۔ "یلمِز ویلمُز" اور "یعکِف اور یعکُف" کی طرح اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یلمزک" یعنی آپ کی زیارت کرتے ہیں یعنی آپ کا امتحان لیتے ہیں۔ " فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَاهُمْ يَسْخَطُوْنَ " بعض نے کہا جب ان کو زیادہ دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر کم دیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿59﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿60﴾

ترجمہ: اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا اور یوں کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا اور اس کے رسولؐ دینگے ہم (اول سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے اور غلاموں کی گردن چھڑاتے رہے اور قرض داروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر: ﴿59﴾ "وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ" یعنی اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے جو تقسیم کر دیں اس پر قناعت کریں۔ "وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ" ہمیں اللہ کافی ہے۔ "سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ" جن کے ہم محتاج ہیں۔ " اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ " اس بات میں کہ وہ ہم پر اپنے فضل سے وسعت کرے اور ہمیں صدقہ وغیرہ کے ذریعے لوگوں کے اموال سے غنی کر دے اور "لو" کا جواب محذوف ہے۔ یعنی ان کے لیے بہتر ہوتا۔

صدقات کے مصارف کا بیان

﴿60﴾ "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صدقات کے مستحقین بیان کیے ہیں اور ان کی

آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔ زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے بیعت کی تو ایک شخص آپ علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہا مجھے صدقات میں سے کچھ دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقات میں نہ اللہ اپنے نبی کے فیصلہ پر راضی ہیں اور نہ کسی اور کے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ کیا ہے اور ان کو آٹھ قسموں پر مقرر کر دیا ہے اگر تو ان قسموں میں سے کسی قسم پر ہے تو میں تجھے تیرا حق دے دوں گا۔

"لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ" صدقہ کی اقسام میں سے پہلی قسم فقراء ہیں۔ دوسری، مساکین۔ علماء کا فقیر اور مسکین کی تعریف میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن، مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور زہری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فقیر جو سوال نہ کرے اور مسکین جو سوال کرے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ نہیں ہے جو ایک ایک درہم جمع کرے اور ایک ایک کھجور جمع کرے لیکن جو اپنے نفس اور کپڑے کو صاف کرے اور کسی شے پر قادر نہ ہو۔ ان کو جاہل سوال نہ کرنے کی وجہ سے مال دار سمجھتے ہوں تو یہ فقیر ہے۔

فقیر و مسکین کی تعریف اور مختلف اقوال

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقیر اپاہج محتاج اور مسکین تندرست محتاج۔ عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ فقراء مسلمانوں میں سے اور مساکین اہل کتاب میں سے مراد ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ شخص جس کے پاس نہ مال ہو نہ ہنر، خواہ اپاہج ہو یا تندرست اور مسکین وہ شخص جس کے پاس مال یا ہنر تو ہو لیکن اس کو غنی نہ کرتا ہو۔ وہ خود سوال کرے یا نہ کرے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسکین کی حالت فقیر سے بہتر ہوتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اما السفینۃ فکانت للمساکین" کہ ان کے لیے ملکیت کو ثابت کرنے کے باوجود ان کو مسکین کہا ہے اور اصحاب رائے کے نزدیک فقیر کی حالت مسکین سے بہتر ہوتی ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقراء سے مراد مہاجرین اور مساکین سے مراد جن مسلمانوں نے ہجرت نہ کی ہو۔ خلاصہ کلام یہ کہ فقر و مسکنت حاجت اور ضعف مال کا نام ہیں۔ پس فقیر وہ محتاج کہ ضروریات نے اس کی کمر توڑ دی ہو اور مسکین وہ شخص کہ اس کی جان کمزور ہوگئی ہو اور روزی کی تلاش میں حرکت سے عاجز آ گیا ہو۔

عبید اللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ان کو خبر دی کہ وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ علیہ السلام سے صدقہ کا سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے ان کی تصویب فرمائی اور فرمایا کہ اگر تم دونوں چاہو تو میں تمہیں دوں گا اور ان صدقات میں مالدار اور قوت والے کمانے والے کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

غناء کی مقدار کتنی ہے جس کیلئے صدقہ لینا جائز نہیں

علماء کا اس غناء کی حد میں اختلاف ہے جو صدقہ لینے سے مانع ہو۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی حد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس کے اور اس کے عیال کو ایک سال کے لیے کافی ہو اور یہی امام مالک اور شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے اور اصحاب

رائے رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی حد یہ ہے کہ دوسو درہم کا مالک ہو اور ایک قوم نے کہا ہے کہ جو شخص پچاس درہم کا مالک ہو اس کے لیے صدقہ لینا حلال نہیں ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے لوگوں سے سوال کیا اور اس کے لیے اتنا مال ہے جو اس کو کافی ہے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے میں ایک زخم ہوگا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ! کتنا مال بندہ کو غنی کردیتا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پچاس درہم یا اس کی قیمت سونا اور یہی سفیان ثوری رحمہ اللہ، ابن مبارک، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ آدمی کو زکوٰۃ میں سے پچاس درہم سے زیادہ دیئے جائیں اور بعض نے کہا چالیس درہم کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے سوال کیا حالانکہ اس کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے برابر مال ہے تو اس نے اصرار سے سوال کیا۔ "**والعاملین علیها**" یہ وہ لوگ ہیں جو صدقات کی مال داروں سے وصولی میں کوشش کرتے ہیں اور اس کو مستحقین پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ خواہ مال دار ہو یا فقیر ان کے عمل کی اُجرت کے برابر ان کو دیا جائے گا۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو صدقہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔

مؤلفۃ قلوب کا مصداق کون ہیں؟

"**والمؤلفة قلوبهم**" صدقہ کے مستحقین کی چوتھی قسم مؤلفۃ قلوب ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) مسلمان (۲) کافر۔ پھر مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایک قسم وہ لوگ جو اسلام میں تو داخل ہو گئے تھے لیکن ان کی نیت کمزور تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دل کو جمانے کے لیے دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ عیینہ بن بدر اور اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس رضی اللہ عنہم کو دیا۔ وہ لوگ جو اسلام لائے اور ان کی نیت اسلام میں پختہ تھی اور یہ اپنی قوم کے معززین تھے جیسے عدی بن حاتم، زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیتے تھے ان کی قوم کو مائل کرنے اور ان جیسے دوسروں کو ترغیب دینے کے لیے تو ان لوگوں کو امام غنیمت کے خمس اور فئی میں سے دے سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیتے تھے لیکن صدقات میں سے نہ دیتے تھے اور دوسری قسم وہ مسلمان بھی داخل تھے جن کے ہاں کافروں کے مقابلہ کیلئے کوئی مسلمان فوج اتری ہو مگر مسلمانوں کی مقامی امداد کے بغیر وہ لشکر اپنے نشانہ پر نہ پہنچ سکتا ہو اور مقامی مسلمان جہاد میں شرکت کیلئے تیار نہ ہوں' خواہ اپنی بدحالی کی وجہ سے یا ایمان کی کمزوری کے سبب سے' ایسی صورت میں حاکم کیلئے جائز ہے کہ مجاہدوں کے حصہ کے مال غنیمت میں سے اور بقول بعض مؤلفۃ القلوب کے زکوٰۃ کے حصہ میں سے ان مسلمانوں کو کچھ دے دے۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ کے تین سو اونٹ وصول کر کے لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اُس میں سے تیس اونٹ دیئے اور کافروں میں سے "**مؤلفة قلوب**" وہ ہیں کہ جن کے اسلام کی اُمید ہو یا اس کے شر کا خوف ہو تو امام ان کے شر سے بچنے کے لیے یا ان کو اسلام کی طرف راغب

کرنے کے لیے کچھ دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خمس کا خمس دیتے تھے۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام نے صفوان بن اُمیہ کے اسلام کی طرف میلان کو دیکھ کر ان کو بھی دیا لیکن اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی ہے (اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں) اور اس سے بے پروا کر دیا ہے کہ اسلام کی طرف لوگوں کو مائل کریں تو کسی مشرک کو کسی حال میں دینا جائز نہیں ہے۔

اکثر اہل علم اسی بات کے قائل ہیں ان کا حصہ اب ختم ہے۔ یہی بات اور شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے اور اسی کے امام مالک اور ثوری رحمہم اللہ اور اصحاب رائے قائل ہیں اور ایک قوم نے کہا ہے کہ ان کا حصہ اب بھی ثابت ہے۔ یہی بات حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے اور یہی زہری اور ابوجعفر رحمہم اللہ محمد بن علی اور ابوثور رحمہما اللہ کا قول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہو تو ان کو دیا جائے گا۔ "وفی الرّقاب" پانچویں قسم رقاب ہے اور یہ وہ مکاتب ہیں کہ ان کا صدقہ میں حصہ ہے۔ یہی اکثر فقہاء کا قول ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، نخعی، زہری، لیث بن سعد اور شافعی رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس مال کے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں اور یہ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام مالک اور احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ "والغارمین" چھٹی قسم غارمین ہے ان کی دو قسمیں۔ ایک قسم وہ لوگ جنہوں نے اپنی ضرورت کے لیے قرض لیا ہو لیکن کسی گناہ کے کام کے لیے قرض نہ لیا ہو تو اگر ان کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ اپنا قرضہ اُتار سکیں تو صدقہ میں سے ان کو دیا جائے گا۔ لیکن اگر قرضہ ادا کرنے کا مال ہو تو ان کو نہ دیا جائے گا اور ایک قسم وہ لوگ جنہوں نے نیکی اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے قرض لیا ہو تو ان کو بھی صدقہ کے مال سے اتنا دیا جائے گا کہ وہ قرضہ ادا کرلیں۔ اگرچہ یہ مالدار ہوں۔

غنی کیلئے صدقہ لینے کی اجازت کس طرح ہے

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں سوائے پانچ آدمیوں کے ① اللہ کے راستے میں لڑنے والا ② مقروض کے لیے ③ ایسے شخص کے لیے جو اس صدقہ کو اپنے مال سے خرید لے۔ ④ یا ایسے آدمی کے لیے کہ اس کے مسکین پڑوسی ہوں ان پر صدقہ کیا جائے تو کوئی مسکین اس غنی کو ہدیہ کردے۔

⑤ اس صدقہ کی وصولی کے لیے کام کرنے والے کے لیے لیکن جس نے کسی معصیت کے کام کے لیے قرضہ لیا ہو تو اس کو صدقات میں سے کچھ نہ دیا جائے گا۔ "وفی سبیل اللّٰہ" اس سے مراد مجاہدین ہیں ان کے لیے صدقہ میں حصہ ہے کہ جب وہ غزوہ کی طرف نکلنے کا ارادہ کریں گے تو ان کو صدقہ دیا جائے گا اور جہاد میں جن چیزوں کی ضرورت ہو وہ بھی دی جائیں گی جیسے سفر خرچ، کپڑے، ہتھیار، سواری۔ اگرچہ یہ مال دار ہوں اور حج کرنے کے لیے صدقہ نہ دیا جائے گا اکثر اہل علم کے نزدیک۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ کا حصہ حج کے لیے بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی حسن اور احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔

"وابن السبیل" اور آٹھویں قسم ابناء السبیل کی ہے۔ پس جو شخص مباح سفر کا ارادہ کرے اور اس کے لیے اس سفر کا کرایہ

نہ ہو تو اس کو صدقہ میں سے اتنا حصہ دینا جائز ہے کہ وہ اپنا سفر کر سکے چاہے جس شہر کی طرف جا رہا ہے وہاں اس کا مال ہو یا نہ ہو اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن السبیل مسافر ہے اور عراق کے فقہاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن السبیل سے وہ حاجی مراد ہے جو قافلہ سے پیچھے رہ گیا ہو۔ ”فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ“

صدقات کی تقسیم کیسے کی جائے گی

اہل علم اور فقہاء رحمہم اللہ کا صدقات کی تقسیم کی کیفیت سے اختلاف ہے اور اس بات میں اختلاف ہے کہ بعض اصناف کی طرف خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جب تمام اصناف موجود ہوں تو سارا مال بعض پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور یہی عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ اپنے مال میں سے ان چھ قسموں میں سے ہر ایک پر خرچ کرے جن کا حصہ ثابت ہے برابر خرچ کرے اور علماء رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اگر سارا صدقہ ان اقسام میں سے ایک قسم یا ان میں سے کسی قسم کے ایک شخص پر خرچ کر دے تو بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ قسموں کا نام لے کر یہ بتا دیا کہ ان کے علاوہ کسی مصرف میں نہیں خرچ کر سکتے۔ یہ واجب نہیں کیا کہ تمام قسموں میں برابر تقسیم کرنا ہے۔ یہی حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور سعید بن جبیر اور عطاء رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں اور اسی کی طرف سفیان ثوری اور اصحاب رائے گئے ہیں اور اسی کے امام احمد رحمہ اللہ قائل ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک قسم کو دینا بھی جائز ہے لیکن مال کو سب قسموں پر تقسیم کرنا اولیٰ ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ حاجت مندوں کو تلاش کرے اور جو زیادہ ضرورت مند ہو وہ اولیٰ ہے۔ اگر کسی سال فقراء زیادہ ضرورت مند ہوں تو ان کو مقدم کرے اور اگر دوسرے سال دوسری قسم میں سے کوئی زیادہ ضرورت مند ہو تو ان کو مقدم کرے۔

اور جس کو صدقہ دیا جائے اس کے استحقاق سے زیادہ نہ دیا جائے۔ فقیر کو اس کے غنا کی مقدار پر زائد نہ دیا جائے۔ جب اس کو تھوڑا اتنا حاصل ہو جائے تو پھر اس کو نہ دیا جائے۔ اگر وہ ہنر مند ہے لیکن ہنر کے اوزار نہیں ہیں تو اس کو اتنی مقدار دی جائے جس سے ہنر کے اوزار خرید سکے اور عامل کو اس کے عمل کی اُجرت سے زیادہ نہ دیا جائے اور مکاتب کو بدل کتابت سے زیادہ نہ دیا جائے اور مقروض کو اس کے قرضہ سے زائد نہ دیا جائے اور مجاہد کو اس کے آنے جانے اور معرکہ جنگ میں قیام اور جن ہتھیاروں اور سواری کی ضرورت ہے اتنا نفقہ دیا جائے اور مسافر کو اس کی منزل مقصود اور اپنے مال تک پہنچنے جتنا خرچ دیا جائے۔

صدقات ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہو سکتے ہیں

اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف صدقہ کو منتقل کرنے میں اختلاف ہے جب اس شہر میں بھی مستحقین موجود ہوں تو اکثر اہل علم نے اس کو ناپسند کیا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا، آپ اہل کتاب کی قوم کے پاس جا رہے ہیں، ان کو اس بات کی گواہی کی طرف بلائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس بات کو مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ یہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء کو دیا جائے گا، اگر وہ اس کو مان لیا تو آپ ان کے عمدہ مال کو لینے سے بچیں اور مظلوم کی بددُعا سے ڈرنا کیونکہ اس کی (بددُعا) اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے تو اس حدیث نے دلالت کی ہے کہ ہر قوم کے صدقات اسی قوم کے فقراء پر خرچ کیے جائیں گے اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جب صدقات ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کر دیئے جائیں تو فرض ادا ہو جائے گا مگر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے زمانہ میں صدقات خراسان سے شام منتقل کیے گئے تھے تو انہوں نے واپس خراسان منتقل کر دیا تھا۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿61﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾

ترجمہ: اور ان (منافقین) میں سے بعضے ایسے ہیں کہ نبی کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ نبی کان دیکر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں خیر (ہی خیر) ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مومنین کا یقین کرتے ہیں اور آپ ان لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہیں جو تم میں ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذائیں پہنچاتے ہیں ان لوگوں کے لئے دردناک سزا ہوگی یہ لوگ تمہارے سامنے (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کر لیں (جس میں مال و جان محفوظ رہے) حالانکہ اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو ان کو راضی کریں۔

تفسیر: ﴿61﴾ "وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ" یہ آیت منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے تھے اور نامناسب باتیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کہتے کہ ایسا کام نہ کرو کیونکہ ہمیں خوف کہ ان تک تمہاری باتیں پہنچ گئیں تو ہم پر کوئی مصیبت آ جائے گی تو جلاس بن سوید کہنے لگا ہم جو چاہیں گے کہیں گے پھر ان کے پاس جا کر انکار کر دیں گے اور قسمیں اُٹھائیں گے تو وہ ہماری بات کی تصدیق کر دیں گے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذن ہیں۔ جب کوئی شخص جو کچھ اس کو کہا جائے اس کو سن لے اور قبول کر لے تو اس کو کہا جاتا ہے "فلان اذن سامعة" اور بعض نے کہا اذن بمعنی کان والے ہیں یعنی ذو اذن۔ اور محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے ایک شخص نبتل بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ شخص کان کٹا ہوا سرخ آنکھوں، سیاہ رُخساروں والا بدصورت تھا۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو شیطان کی طرف دیکھنا پسند ہو تو وہ نبتل بن حارث کی طرف دیکھ لے۔
یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں منافقین کو جا کر بتاتا تھا۔اس کو کہا گیا کہ ایسا نہ کر تو کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذن ہیں جو ان کو کوئی بات کہے اس کی تصدیق کر دیتے ہیں تو ہم جو چاہیں کہہ لیں۔ پھر جب ان کے پاس آتے ہیں اور اللہ کی قسم کھا لیتے ہیں تو وہ ہماری تصدیق کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ" یعنی خیر اور تمہاری بھلائی کی باتیں سنتے ہیں شر اور فساد کی باتیں نہیں سنتے۔ یہ معنی اس وقت ہے جب اذن کو خیر کی طرف مضاف کیا جائے جیسا کہ اکثر حضرات کی قرأت ہے اور اعشی اور برجمی نے ابوبکر رحمہ اللہ سے دونوں کو تنوین کے ساتھ مرفوع پڑھا ہے "اذنٌ خيرٌ" یعنی اگر وہ تم سے سن کر تمہاری تصدیق کر دیتے ہیں تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ تمہاری تکذیب کریں اور تمہاری بات کو قبول نہ کریں۔ پھر ان کی بات کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ " يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ" یعنی نہیں بلکہ وہ تو اللہ پر ایمان لاتے ہیں "وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ" یعنی مؤمنین کی بات کی تصدیق کرتے ہیں نہ کہ منافقین کی بات کی۔ کہا جاتا ہے امنته و امنت له یہ (صدقتہ میں نے اس کی تصدیق کی) "ورحمۃ حمزہ نے (وَرَحْمَةٍ) زیر کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی کی بناء پر کہ (اذن خيرلكم) و (اذن رحمة) اور دیگر حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی هواذن خير وهو رحمة لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ "کیونکہ یہ مؤمنین کے ایمان کا سبب ہے۔" وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ"
⑥٢ "يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ" قتادہ اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ منافقین کے کچھ لوگ جمع ہوئے، ان میں جلاس بن سوید اور ودیعہ بن ثابت بھی تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہم چھوٹے گدھے سے بھی برے ہیں اور ان کے پاس ایک انصاری لڑکے عامر بن قیس رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے تو انہوں نے ان کی بھی تحقیر کی اور یہ باتیں بھی کہیں تو اس لڑکے کو غصہ آ گیا اور کہا اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں وہ حق ہے اور تم چھوٹے گدھے سے بھی برے ہو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ علیہ السلام کو ساری بات بتائی تو آپ علیہ السلام نے ان کو بلوایا اور پوچھا تو وہ مل کر قسمیں کھانے لگے کہ عامر جھوٹا ہے اور عامر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کر دی تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ دُعا مانگنے لگے اور کہنے لگے اے اللہ! سچے کو سچا کر دے اور جھوٹے کو جھوٹا کر دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے جب آپ علیہ السلام واپس آئے تو آپ علیہ السلام کے پاس آ کر عذر کرتے اور قسمیں کھاتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "يحلفون بالله لكم ليرضوكم وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ"

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا (جیسا یہ لوگ کر رہے ہیں) تو یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کا عذاب اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا (اور) یہ بڑی رسوائی ہے منافق لوگ اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت (مثلاً یا آیۃ) نازل نہ ہو جاوے جو ان کو ان کے مافی الضمیر پر اطلاع دے دے آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزا کرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس (کے اظہار) سے تم اندیشہ کرتے تھے۔

تفسیر ⑥③ "اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِاللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جانب میں ہو جائیں فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ط ذٰلِکَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ" یعنی بڑی رسوائی۔

⑥④ "یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ" یعنی منافقین ڈرتے ہیں کہ " اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ "یعنی مؤمنین پر " سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ " یعنی جو حسد اور دشمنی منافقین کے دلوں میں ہے یہ باتیں وہ آپس میں کرتے تھے اور چھپاتے تھے اور اس رسوائی سے ڈرتے تھے کہ قرآن ان کی حالت نہ بیان کردے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کا نام فاضحہ (رسوا کرنے والی) مجثرہ اور مثیرہ ہے کیونکہ اس نے ان کی رسوائیاں پھیلائیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستر منافقین کے نام بمع ولدیت قرآن میں اُتارے۔ پھر مؤمنین پر شفقت کرتے ہوئے ان کے ناموں کا ذکر منسوخ کر دیا کیونکہ ان منافقین کی اولاد مؤمن تھی تو کوئی ان کو عار نہ دلائے۔ " قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ ظاہر کرنے والا ہے مَّا تَحْذَرُوْنَ "

آیت کا نزول بارہ منافقین کے بارے میں ہوئی

ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بارہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو یہ لوگ ایک گھاٹی میں چھپ گئے تاکہ آپ علیہ السلام کو قتل کر سکیں، ان کے ساتھ ایک مسلمان بھی تھے جو اپنی حالت چھپائے ہوئے تھے تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کی ساری تدبیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادی اور حکم دیا کہ کوئی شخص بھیج کر ان کی سواریوں کے چہروں کو مروائیں۔ اس وقت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کی سواری کو کھینچ رہے تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پیچھے سے ہانک رہے تھے تو آپ علیہ السلام نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کی سواریوں کے چہروں کو ماریں تو انہوں نے مارا اور ان کو بھگا دیا۔ جب آپ علیہ السلام نے پڑاؤ کیا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس قوم میں سے آپ رضی اللہ عنہ کس کو پہچانتے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کسی کو نہیں پہچانتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فلاں اور فلاں تھے اور سب کے نام ذکر کر دیئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ ان کو قتل کیوں نہیں کرا دیتے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ عرب کہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے

ساتھی کامیاب ہوئے تو ان کو قتل کرنا شروع ہو گئے بلکہ ہمیں اللہ ان کی طرف سے کافی ہے دبیلہ (پھوڑے کے ساتھ)۔

قیس بن عبادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کہا کہ کیا تمہارا اقتال اپنی رائے ہے؟ کیونکہ رائے تو غلط بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی یا کوئی وصیت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو کی ہو؟ تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی وصیت نہیں کی جو تمام لوگوں کی طرف نہ کی ہو اور فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میری اُمت میں۔ شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ مجھے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں بارہ منافق ہیں جو جنت میں داخل نہ ہوں گے اور اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے ان میں سے آٹھ کو پھوڑا جو کافی ہو گیا جو ان کے کندھوں میں ظاہر ہوا تھا یہاں تک کہ ان کے سینوں تک پہنچ گیا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥⑤ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ⑥⑥ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ ۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ⑥⑦

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ (ان سے) کہہ دیجئے گا کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے تو اب (یہ بیہودہ) عذر مت کرو تم تو اپنے کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو تو (ضرور ہی) سزا دیں گے۔ بسبب اس کے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات (یعنی کفر) مخالفت اسلام) کی تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات (یعنی ایمان واتباع نبویؐ) سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں۔

تفسیر ⑥⑤ "وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ"

اس آیت کا نزول تین منافقین کے متعلق ہوا

کلبی، مقاتل اور قتادہ رحمہم اللہ نے آیت کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے سفر میں تھے تو آپ کے آگے تین منافق چل رہے تھے، دو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑا رہے تھے اور تیسرا ہنس رہا تھا، بعض نے کہا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ وہ روم پر غالب آ جائیں گے اور ان کے شہر فتح کر لیں گے، کتنی

عجیب بات ہے۔ اور بعض نے کہا وہ یہ کہتے جارہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ ہمارے ان ساتھیوں کے بارے میں جو مدینہ میں ہیں قرآن نازل ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کردیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تم اپنی سواریوں پر رک جاؤ اور ان کو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے یہ بات کی ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو گپ شپ کررہے تھے جیسے مسافر سفر طے کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی کو دیکھا کہ وہ آپ علیہ السلام کے آگے دوڑتا آرہا ہے اور پتھر اس کو زخمی کررہے ہیں اور کہتا آرہا تھا ہم تو صرف گپ شپ کررہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو فرمارہے تھے کہ کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تم استہزاء کرتے ہو اور اس کی طرف متوجہ نہ ہورہے تھے اور اس پر کوئی بات زیادہ نہ کررہے تھے۔ "قل یعنی اے محمد منافقین کو کہہ دیں قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ اس کی کتاب وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ"

⑥⑥ "لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ" اگر یہ اعتراض ہو کہ وہ تو پہلے سے ہی مؤمن نہ تھے پھر ان کو یہ کیسے کہا کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے ہو؟ تو جواب یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کو ظاہر کرنے کے بعد کفر کو ظاہر کیا ہے۔" اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ" یہاں طائفۃ سے ایک شخص مراد ہے۔" نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ" استہزاء کی وجہ سے اور عاصم نے (نعف) نون اور اس کے زبر اور فاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ (نعذب) نون کے ساتھ اور دال کی زیر پر (طائفۃ) زبر اور دیگر حضرات نے (یعف) یاء اور اس کے پیش اور فاء کے زبر کے ساتھ (تعذب) تاء اور ذال کے زبر کے ساتھ (طائفة) مرفوع نائب فاعل ہونے کی بناء پر پڑھا ہے۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص مخشی بن حمیر اشجعی کی توبہ قبول کی گئی۔ کہا گیا ہے کہ یہ شخص ہنستا تھا لیکن ان کی گفتگو میں حصہ نہ لیتا تھا اور ان کے ایک طرف ہوکر چل رہا تھا اور ان کی بعض باتوں کا انکار بھی کیا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے اپنے نفاق سے توبہ کرلی اور کہا اے اللہ! میں ہمیشہ ایک ایسی آیت سنتا جو مجھ پر پڑھی جاتی تھی اس سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے اور دل کمزور ہوجاتے۔ اے اللہ! تو میری وفات اپنے راستے میں شہادت کے ساتھ کر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں نے اس کو غسل دیا، میں نے اس کو کفن دیا، میں نے اس کو دفن کیا۔ تو یہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ اس جنگ میں شہید ہر شخص کی لاش ملی سوائے ان کے۔

⑥⑦ "اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ" یعنی وہ ایک دین پر ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ نفاق پر جمع ہونے میں ان کا معاملہ ایک ہے۔" يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ" شرک اور معصیت کا حکم دیتے۔" وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ" یعنی ایمان اور طاعت سے روکتے۔

" وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ" یعنی اپنے ہاتھوں کو صدقہ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے روکتے ہیں اور خیر کے کام میں ہاتھ نہیں پھیلاتے۔" نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ" انہوں نے اللہ کی طاعت چھوڑی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دینا اور دنیا میں ہدایت دینا چھوڑ دیا اور آخرت میں ان پر رحمت کرنا چھوڑ دیا اور ان کو اپنے عذاب میں چھوڑ دیا۔" اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ"

وَعَدَاللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور (علانیہ) کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان کے لئے (سزائے) کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور ان کو عذاب دائمی ہوگا (اے منافقو) تمہاری حالت ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں جو شدت قوت میں اور کثرت اموال و اولاد میں تم سے بھی زیادہ تھے تو انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا سو تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی بری باتوں میں ایسے ہی گھسے جیسا وہ لوگ گھسے تھے اور ان لوگوں کے اعمال (حسنہ) دنیا اور آخرت میں ضائع کئے اور وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔

تفسیر ﴿۶۸﴾ "وَعَدَاللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ان کو کافی ہے ان کے کفر میں جزاء وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ" اور ان کیلئے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔

﴿۶۹﴾ "كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" یعنی تم نے اللہ کے حکم سے پھرنے میں وہی کام کیا جو تم سے پہلوں نے کیا تو تم پر ان کی طرح لعنت کی گئی۔ " كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً پکڑ اور روکنے میں وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ" یعنی ان کے شہوات کی پیروی کر کے اپنے دُنیا کے حصہ کے ساتھ نفع اُٹھالیا اور اس کو آخرت کا بدلہ سمجھ کر راضی ہو گئے۔ " فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ" اے کفار اور منافقین " كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ " اور تم ان کا راستہ چلے ہو۔ "وخضتم" باطل میں اور اللہ پر جھوٹ بولنے میں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے اور مؤمنین سے استہزاء کرنے میں۔ "كالذی خاضوا یعنی جیسے وہ گھسے اور بعض نے کہا ہے كالذی یعنی كالذین خاضوا یہ اس وجہ سے کہ الذی اسم ناقص ہے (ما اور من) کی طرح اس کے ذریعے واحد اور جمع کو تعبیر کیا جاتا ہے اس کی نظیر باری تعالیٰ کا قول (كمثل الذی استوقد نارا) پھر فرمایا (ذهب الله بنورهم)...... اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ " یعنی جیسے ان کے اعمال ضائع ہوئے اور وہ خسارہ میں پڑے اسی طرح تمہارے اعمال ضائع ہو گئے اور تم خسارہ میں ہو گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پہلے لوگوں کے طریقے

کا اتباع کرو گے بالشت بالشت کے ساتھ اور گز گز کے ساتھ حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم ان کا اتباع کرو گے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ یہود و نصاریٰ؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا پس اور کون؟ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نہیں ہیں لوگ مگر وہی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اُمتوں میں بنی اسرائیل کے زیادہ مشابہ ہو طریقہ اور سیرت میں، تم ان کے اعمال کی پیروی کرو گے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ تم بچھڑے کی عبادت بھی کرو گے یا نہیں؟

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۚ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ⑦⓪ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑦① وَعَدَاللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَاالْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑦②

ترجمہ کیا ان لوگوں کو (ان) کے عذاب و ہلاک کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور الٹی ہوئی بستیاں کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر صاف نشانیاں (حق کی) لے کر آئے (لیکن نہ ماننے سے برباد ہوئے) سو (اس بربادی میں) اللہ تعالیٰ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے حکمت والا ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جس کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا جو کہ ان کی ہمیشگی باغوں میں ہوں گے (ان سب نعمتوں کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے بڑی چیز ہے یہ (جزائے مذکور) بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر ⑦⓪ ”الم یاتھم“ یعنی منافقین ”نبا خبر الذین من قبلھم“ جب انہوں نے ہمارے رسولوں کی مخالفت کی اور ہماری مخالفت کی کیسے ہم نے ان کو عذاب دیا اور ان کو ہلاک کر دیا۔ پھر فرمایا کہ ”قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک کیے گئے ”وعاد“ ہوا کے ذریعے ہلاک کیے گئے۔ ”وثمود“ زلزلہ کے ذریعے ”وقوم ابراھیم“ نعمت کو سلب کرنے اور نمرود کو ہلاک

کرنے کے ساتھ۔ "واصحاب مدین" یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم سائبان کے دن کے عذاب سے ہلاک کی گئی۔ "والمؤتفکات" پلٹی ہوئی بستی ہم نے جس کا نچلا حصہ اوپر کردیا اور یہ لوط علیہ السلام کی قوم اور ان کی بستیاں تھیں۔ "اتتهم رسلهم بالبیّنات" انہوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کی نافرمانی کی جیسے تم نے کیا اے کفار کی جماعت! تو عذاب کے جلد آنے سے ڈرو۔ "فما کان اللہ لیظلمهم ولکن کانوا انفسهم یظلمون"

⑦① "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض" دین میں اور کلمہ اور مدد و نصرت ایک ہونے میں۔ "یأمرون بالمعروف" ایمان، طاعت اور خیر کا "وینهون عن المنکر" شرک اور معصیت اور اس کام سے جو شریعت میں معروف نہ ہو۔ "ویقیمون الصّلٰوۃ فرض کی ہوئی ویؤتون الزکٰوۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اُولٰئک سیرحمهم اللہ اِنّ اللہ عزیز حکیم"

⑦② "وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتها الانهٰر خٰلدین فیها ومساکن طیّبة پاکیزہ رہائش گاہیں۔ فی جنّات عدنٍ" یعنی ہمیشگی کے باغات۔ کہا جاتا ہے "عَدَنَ بِالْمَکَانِ" جب وہ اس میں رہائش پذیر ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جنت کا وسط ہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل ہے جس کو عدن کہا جاتا ہے اس کے اِردگرد ستون ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں، اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید داخل ہوں گے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سونے کا محل ہے اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل حکمران داخل ہوں گے۔

عطاء بن سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدن جنت میں ایک نہر ہے اس کے دونوں کناروں پر باغات ہیں۔

مقاتل اور کلبی نے کہا عدن جنت کے اندر ایک بہت اونچا درجہ ہے اس میں تسنیم کا چشمہ ہے اس درجہ کے اردگرد گھنے درخت ہیں جن سے ابتدائے آفرینش سے وہ گرا ہوا اور ڈھانپا ہوا ہے اور اس وقت تک چھپا رہے گا کہ اس میں انبیاء صدیق شہید صالح الاعمال اور وہ لوگ داخل ہوں گے جن کا داخلہ اللہ کی مشیت میں ہے عدن موتی یاقوت اور سونے کے محل ہیں۔ عرش کے نیچے سے ایک پاکیزہ خوشبودار ہوا چلے گی اور اہل عدن کے پاس ڈھیروں سفید مشک لے کر آئے گی۔

"ورضوان من اللہ اکبر" یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان نعمتوں سے بڑی ہے جن میں وہ ہوں گے۔ "ذلک هو الفوز العظیم"

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو فرمائیں گے اے اہل جنت کیا تم راضی ہو؟ تو وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم کیوں نہ راضی ہوں گے حالانکہ آپ نے ہمیں وہ نعمتیں دی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں تو حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا میں تمہیں اس سے افضل نہ دوں؟ تو وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! کون سی چیز اس سے افضل ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے تم پر اپنی رضامندی اُتاری، اب میں تم پر اس کے بعد ہمیشہ ناراض نہ ہوں گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑦③ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: اے نبی کفار سے (بالسنان) اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات نہیں کی اور (وہ بات کہہ کر) اپنے اسلام (ظاہری) کے بعد (ظاہر میں بھی) کافر ہو گئے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی اور یہ انہوں نے صرف اس کا بدلہ دیا تھا کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے رزق خداوندی سے مالدار کر دیا سو اگر (اس کے بعد بھی) توبہ کر لیں تو ان کے لئے (دونوں جہانوں میں) بہتر ہو گا اور اگر روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔

تفسیر ﴿۷۳﴾ "یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ" تلوار اور قتل کے ساتھ "وَالْمُنٰفِقِیْنَ" منافقین سے جہاد کے طریقے میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اگر طاقت نہ ہو تو اپنی زبان کے ساتھ اور اگر طاقت نہ ہو تو اپنے دل کے ساتھ اور فرماتے ہیں کہ منافقین کو سخت چہرے کے ساتھ ملو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زبان کے ساتھ اور نرمی چھوڑ کر اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سخت گفتگو کر کے اور حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر حدود قائم کر کے۔ "وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ ط وَمَاْوٰھُمْ" آخرت میں "جَھَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت نے عفو و درگزر کی تمام آیات کو منسوخ کر دیا ہے۔

آیت یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ کی تفسیر

﴿۷۴﴾ "یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کے سائے میں تشریف فرما تھے تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بے شک عنقریب تمہارے پاس ایک ایسا انسان آئے گا جو تمہاری طرف شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا۔ جب وہ آئے تو تم اس سے کلام نہ کرنا۔ تھوڑا وقت نہ گزرا تھا کہ ایک نیلی آنکھوں والا شخص آیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو پکارا اور فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہو؟ تو وہ آدمی گیا اور اپنے ساتھیوں کو بلا لایا اور ان سب نے قسمیں کھائیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جلاس کے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تبوک میں خطبہ دیا اور منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو "رِجْسٌ" (گندگی) قرار دیا اور ان کا عیب بیان کیا تو جلاس بن سوید نے کہا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچ کہہ رہے ہیں تو ہم جھوٹے گدھے سے بھی بدتر ہوئے۔ تو یہ بات عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے سن لی تو آپ علیہ السلام کو جلاس کی بات کی خبر دی تو جلاس نے کہا یا رسول اللہ! اس نے مجھ پر جھوٹ بولا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ منبر کے پاس قسم اُٹھائیں تو عصر کے بعد جلاس

نے منبر کے پاس کھڑے ہوکر قسم اُٹھائی کہ اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں نے یہ بات نہیں کہی۔ عامر رضی اللہ عنہ نے مجھ پر جھوٹ کہا ہے پھر عامر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس نے یہ بات کہی ہے اور میں نے اس پر جھوٹ نہیں کہا، پھر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا، اے اللہ! ہم میں سے سچے کی تصدیق اپنے نبی پر اُتار دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین نے آمین کہا تو ان حضرات کے متفرق ہونے سے پہلے جبرئیل علیہ السلام آسمان سے یہ آیت لے کر اُترے یہاں تک کہ اس پر پہنچے۔ اور پھر کلبی رحمہ اللہ نے وہی واقعہ بیان کیا جو جلاس اور انصاری لڑکے عامر بن قیس رضی اللہ عنہ کا ماقبل میں چند صفحے پہلے گزر چکا ہے۔ "فان یتوبوا یک خیراً لھم" تو جلاس کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اللہ تعالیٰ کی بات سنی کہ مجھ پر توبہ پیش کی۔ عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے سچ کہا میں نے یہ بدگوئی کی تھی میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات قبول کر لی اور ان کی توبہ بہت اچھی رہی۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ یعنی اسلام اور ایمان کو ظاہر کرنے کے بعد کفر کو ظاہر کیا اور بعض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ کفر کا کلمہ۔ جلاس کا یہ کہنا ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ہم گدھے سے بھی برے ہیں اور بعض نے کہا کفر کا کلمہ ان کا یہ قول ہے "لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل" اور یہ قصہ مکمل تفصیل سے سورۃ منافقوں میں آئے گا۔ " وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس مسلمان نے ان کا یہ قول سنا " کہ ہم گدھے سے زیادہ برے ہیں" تو اس کے قتل کا ارادہ کیا تا کہ وہ ان کا راز نہ پھیلا دے اور بعض نے کہا کہ یہ وہ بارہ منافق مراد ہیں جو تبوک کے راستے میں گھاٹی پر ٹھہرے تھے تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر سکیں تو جبرئیل علیہ السلام نے آ کر حکم دیا کہ ان کی سواریوں کے چہروں کو مروائیں تو آپ علیہ السلام نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اب منافقین نے کہا تھا کہ جب ہم مدینہ آئیں گے تو عبداللہ بن اُبی کے سر پر تاج رکھیں گے تو وہ اس مقصد تک نہ پہنچ سکے۔ "وَمَا نَقَمُوْٓا اور ان نے ناپسند کیا اور نہ اس کا انکار کیا ہے اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ" اس کی صورت یہ بنی کہ جلاس رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام قتل کر دیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم دینے کا حکم دیا تو حضرت جلاس مال دار ہو گئے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے ان کی معیشت تنگ تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو وہ غنیموں کے ذریعے مال دار ہو گئے۔ " فَاِنْ يَّتُوْبُوْا" اپنے نفاق اور کفر سے "يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا" ایمان سے اعراض کریں۔ " يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ " دُنیا میں رسوائی اور آخرت میں آگ۔ " وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ"

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور ان (منافقین) میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے (بہت سا مال) عطا فرما دے تو ہم خوب خیرات کریں اور ہم (اس کے ذریعہ سے) خوب نیک نیک کام کیا کریں۔

ثعلبہ بن حاطب کا مال کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کروانا اور قبولیت دعا کا اثر

تفسیر ⑦⑤ "وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ" ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! آپ اللہ سے دُعا کریں کہ وہ مجھے مال دے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تو شکر کرے اس زیادہ سے بہتر ہے جس کی تو طاقت نہ رکھتا ہو۔ پھر وہ اس کے بعد آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! اللہ سے دُعا کریں کہ مجھے مال دے تو آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تیرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز میں اچھا طریقہ نہیں ہے؟ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر میں ارادہ کروں کہ میرے ساتھ پہاڑ سونے اور چاندی کے ہوکر چلیں تو ضرور چلیں گے۔ پھر وہ اس کے بعد آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! آپ اللہ سے دُعا کریں کہ وہ مجھے مال دے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ علیہ السلام کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال دیا تو میں ہر حق والے کو اس کا حق دوں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے اللہ! ثعلبہ کو مال دے۔ کہا (ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے) کہ پھر اس نے ایک بکری لی وہ ایسے بڑھنے لگی جیسے کیڑے بڑھتے ہیں تو اس پر مدینہ تنگ ہوگیا تو وہ مدینہ سے نکل گیا اور مدینہ کی وادیوں میں سے ایک میں پڑاؤ ڈالا اور اس کی بکریاں کیڑوں کی طرح بڑھتی جارہی تھیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز پڑھتا اور باقی نمازیں اپنی بکریوں میں پڑھتا۔ پھر بکریاں اور زیادہ ہوگئیں تو وہ مدینہ سے اتنا دور ہوگیا کہ صرف جمعہ نماز میں حاضر ہوتا۔

پھر بکریاں اور زیادہ ہوئیں تو اور بھی دور ہوگیا۔ یہاں تک کہ نہ جمعہ میں آتا اور نہ جماعت میں۔ جب جمعہ کا دن ہوتا تو وہ لوگوں کو ملتا اور خبریں معلوم کرتا۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے پوچھا ثعلبہ نے کیا کیا؟ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ثعلبہ نے اتنی بکریاں بنالیں کہ ایک وادی میں سماتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ثعلبہ کا افسوس! اے ثعلبہ کا افسوس! اے ثعلبہ کا افسوس۔

ثعلبہ کا زکوٰۃ دینے سے انکار کرنا

اللہ تعالیٰ نے صدقات کی آیت نازل کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوسلیم کے ایک شخص اور جہینہ کے شخص کو بھیجا اور ان دونوں کو صدقہ کی عمریں اور لینے کا طریقہ لکھوادیا۔ پھر فرمایا کہ ثعلبہ بن حاطب اور بنوسلیم کے ایک شخص کے پاس جانا اور ان دونوں سے ان کے صدقات وصول کرنا تو وہ دونوں ثعلبہ کے پاس گئے اس سے صدقہ مانگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوایا ہوا پڑھ کر سنایا تو ثعلبہ کہنے لگا یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن (اس کی مثل) ہے۔ تم آگے چلے جاؤ، جب صدقہ لے کر فارغ ہوجاؤ تو میری طرف لوٹ آنا۔ یہ وہاں سے گئے جب سلمی صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو ان کے اپنے اونٹوں میں سے بہترین صدقہ

کے لیے الگ کرر کھے تھے۔ پھران دونوں کا استقبال کیا۔ جب ان دونوں نے یہ عمدہ جانور دیکھے تو کہا کہ یہ آپ پر لازم نہیں، انہوں نے کہا کہ یہ لے جاؤ میرا دل اس پر خوش ہے تو وہ دونوں اسی طرح دوسرے لوگوں کے پاس گئے اور صدقہ وصول کیا۔ پھر ثعلبہ کے پاس گئے تو اس نے کہا مجھے وہ تحریر دکھاؤ، اس کو پڑھا اور کہا یہ تو جزیہ کی مثل ہے تو چلے جاؤ تا کہ میں سوچ لوں۔ تو وہ دونوں واپس آ گئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ان کی گفتگو کرنے سے پہلے فرمایا "یاویح ثعلبہ ...... یاویح ثعلبہ" پھر مسلمانوں کے لیے خیر کی دُعا کی تو ان دونوں نے ثعلبہ کی کارگزاری سنائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿76﴾

ترجمہ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے (بہت سا مال) دیدیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے (کہ زکوٰۃ نہ دی) اور (اطاعت سے) روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کرکے (پہلے ہی سے) عادی ہیں۔

ثعلبہ کے بارے میں آیت کا نزول

تفسیر "ومنهم من عاهد الله لئن اٰتنا من فضله ...... وبما كانوا يكذبون" اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی بیٹھا تھا۔ اس نے یہ بات سنی تو ثعلبہ کے پاس گیا اور کہا "ويحک يا ثعلبة" تیرا ناس ہوا ے ثعلبہ! اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں یہ آیت نازل کی ہے تو ثعلبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سوال کیا کہ آپ علیہ السلام اس کا صدقہ قبول کرلیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع کردیا ہے تو وہ اپنے سر میں مٹی ڈالنے لگا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تیرا اپنا عمل ہے میں نے تجھے حکم دیا تھا تو نے میری اطاعت نہ کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صدقہ قبول کرنے سے انکار کردیا تو وہ اپنے گھر آ گیا اور آپ علیہ السلام دُنیا سے تشریف لے گئے۔ پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میرا صدقہ قبول کرلیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے قبول نہ کیا میں بھی قبول نہ کروں گا۔ پھر حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول نہ کیا میں بھی قبول نہ کروں گا۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، انہوں نے بھی قبول نہ کیا تو ثعلبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مرگیا۔

ابن عباس، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثعلبہ انصار کی ایک مجلس میں آیا اور ان کو گواہ بنایا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کچھ دے تو میں اس میں سے ہر حق والے کو دوں گا اور اس سے صدقہ کروں گا اور صلہ رحمی کروں گا اور قریبی رشتہ داروں پر احسان کروں گا تو اس کا چچا زاد بھائی مرگیا تو وہ وراثت میں اس کو مال ملا تو اپنے وعدہ کو پورا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حسن اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر کے بارے میں نازل

ہوئی ہے، یہ دونوں بنو عمرو بن عوف کے تھے۔ یہ ایک مجلس میں گئے جہاں چند لوگ بیٹھے تھے اور کہنے لگے اللہ کی قسم! اگر ہمیں اللہ تعالیٰ مال دیں تو ہم اس میں سے صدقہ کریں، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مال دیا تو اس پر بخل کرنے لگے۔ "ومنھم" یعنی منافقین میں سے "من عاھداللّٰہ لئن اٰتانا من فضلہ لنصّدقن" اور ہم اس میں سے اللہ کا حق ادا کریں گے۔ "ولنکونن من الصالحین" ہم نیک لوگوں والے کام کریں گے صلہ رحمی اور اچھے کاموں میں خرچ کرنا وغیرہ۔

⑯ ......"فلمّا اٰتاھم من فضلہ بخلوا بہ وتولّوا وھم معرضون"

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ⑰ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ⑱ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ؗ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ⑲

ترجمہ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق (قائم) کر دیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا اس سبب سے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ (اس وعدہ میں شروع ہی سے) جھوٹ بولتے تھے کیا ان کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا راز اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جانتے ہیں یہ (منافقین) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور (خصوص ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز مزدوری (کی آمدنی) کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا (تو خاص) بدلہ دے گا اور (مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے ہی گا) کہ ان کے لئے (آخرت میں) دردناک سزا ہوگی۔

تفسیر ⑰ "فَاَعْقَبَهُمْ ان کے پیچھے لایا نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ" یعنی ان کے معاملہ کا انجام نفاق کر دیا۔ کہا جاتا ہے اعقب فلہ تا ندامۃ جب اس کے کام کا انجام یہ ہو۔ اور بعض نے کہا ہے ان کا انجام ان کے دلوں کا نفاق کر دیا۔ عاقبۃ اور اعقبۃ ایک معنی میں ہیں "اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ" یعنی قیامت تک ان پر توبہ حرام کر دی۔ "بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

⑱ "اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ" یعنی جو اپنے دل میں چھپایا ہوا ہے اور جو آپس میں سرگوشی کرتے ہیں۔ "وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ"

⑲ "اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے مؤمنین کو صدقہ کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چار ہزار درہم لائے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مال آٹھ ہزار تھا میں آپ علیہ السلام کے پاس چار ہزار لایا ہوں، آپ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کردیں اور چار ہزار میں نے اپنے گھر والوں کے لیے رکھے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس مال میں بھی برکت دے جو تو نے دیا ہے اور اس میں بھی جو تو نے روک لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں اتنی برکت دی جس دن ان کی وفات ہوئی تو دو ان کی بیویاں تھیں ان کے مال کا آٹھواں حصہ ان دونوں کے لیے ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم بنا۔

اور اس دن عاصم بن عدی عجلانی رضی اللہ عنہ نے کھجور کے ایک سو وسق صدقہ کیے اور ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ آئے، ان کا نام حبحاب تھا یہ ایک صاع کھجور لائے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے گزشتہ رات ایک باغ میں پانی لگانے کی مزدوری کی، مجھے دو صاع کھجور کے ملے تو میں نے ایک اپنے گھر والوں کے لیے رکھ لیا اور آپ علیہ السلام کے لیے دوسرا لے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو صدقہ میں بکھیر دیا جائے تو منافقین نے ان حضرات میں عیب نکالنے شروع کیے کہ عبدالرحمٰن اور عاصم نے تو ریاکاری کرتے ہوئے مال دیا ہے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوعقیل کے ایک صاع سے مستغنی ہیں لیکن ان کا مقصد یہ ہے صدقہ دینے والوں میں ان کا بھی تذکرہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "الذین یلمزون" عیب نکالتے ہیں۔ "المطوّعین من المؤمنین فی الصدقات" یعنی عبدالرحمٰن بن عوف اور عاصم رضی اللہ عنہما" وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَ هُمْ "یعنی ابوعقیل رضی اللہ عنہ اور جهد بمعنی طاقت ہے۔ پیش کے ساتھ قریش اور اہل حجاز کی لغت میں اور اعرج نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "جُهد" پیش کے ساتھ طاقت اور زبر کے کے ساتھ مشقت۔ "فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ" ان سے استہزاء کرتے ہیں سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ یعنی ان کو اللہ تعالیٰ بدلہ دیں گے استہزاء کا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ"

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾

(ترجمہ) آپ خواہ ان (منافقین) کے لئے استغفار کریں اور اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا اور (دوسروں سے بھی) کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو آپ کہہ

دیجئے کہ جہنم کی آگ (اس سے بھی) زیادہ گرم ہے یہ خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔ سو تھوڑے دنوں (دنیا میں) ہنس لیں اور بہت دنوں (آخرت میں) روتے ہیں ان کاموں کے بدلہ میں جو کچھ (کفر ونفاق وخلاف) کیا کرتے تھے۔

تفسیر ⑧⓪ "اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَاتَسْتَغْفِرْ لَهُمْ" الفاظ اگرچہ امر کے ہیں لیکن معنی خبر کا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کے لیے استغفار کیا ہو یا نہ کیا ہو "اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ" ستر کے عدد کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے کہ ان کی مغفرت سے ناامیدی ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رخصت دی ہے۔ پس میں ستر سے زائد کروں گا۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادیں تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ "سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفرلهم لن یغفراللّٰه لهم ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ"

⑧① "فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ" غزوہ تبوک سے اور مخلف بمعنی پیچھے چھوڑا ہوا شخص "بِمَقْعَدِهِمْ" یعنی ان کے بیٹھنے کی وجہ سے "خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ" ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور بعض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے کی وجہ سے کہ آپ علیہ السلام تو تشریف لے گئے اور یہ گھروں پر رہ گئے۔ " وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ" اور غزوہ تبوک سخت گرمی میں تھا۔ "قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ" یعلمون یعنی جانتے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اسی طرح ہے۔

⑧② "فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا" دنیا میں "ولیبکوا کثیراً" آخرت میں۔ تقدیر عبارت یہ ہے "فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا"...... "جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"

موسیٰ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم وہ کچھ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! تم رویا کرو، اگر رونے کی طاقت نہیں رکھتے تو رونے کی صورت بنالو کیونکہ جہنم والے جہنم میں اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسو ان کے چہرے پر اتنے بہیں گے کہ گویا وہ چھوٹے نالے ہیں۔ پھر آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون کے آنسو بہیں گے۔ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو چل پڑیں۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ⑧③

ترجمہ تو اگر خدا تعالیٰ آپ کو (اس سفر سے مدینہ کو صحیح سالم) ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے پھر یہ لوگ (کسی جہاد میں) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن

سے لڑو گے تم نے پہلے بھی بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو واقعی پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں۔

تفسیر 83 "فَاِنْ رَّجَعَکَ اللّٰہُ" یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو غزوہ تبوک سے واپس کردیں۔ "اِلٰی طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ" پیچھے رہ جانے والوں کی ایک جماعت کی طرف کیونکہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تمام لوگ منافق نہ تھے۔ "فَاسْتَاْذَنُوْکَ لِلْخُرُوْجِ" آپ علیہ السلام کے ساتھ دوسرے غزوہ میں "فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا" سفر میں۔ "وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّکُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ" یعنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ اور بعض نے کہا مریضوں اور اپاہجوں کے ساتھ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ جو بغیر عذر کے پیچھے رہ گئے۔ اور کہا گیا ہے کہ خالفین کے ساتھ قراء فرماتے ہیں صاحب خالف اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی مخالف ہو۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿84﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿85﴾

ترجمہ اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس (کے جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھیے اور نہ (دفن کے لئے) اس کی قبر پر کھڑے ہوجیے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔ اور ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں کی وجہ سے ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کا دم حالت کفر ہی میں نکل جاوے۔

تفسیر 84 "وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا" مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے حالت مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا۔ جب آپ علیہ السلام اس پر داخل ہوئے تو اس کو فرمایا کہ تجھے یہود کی محبت نے ہلاک کردیا تو وہ کہنے لگا یا رسول اللہ میں نے آپ کے پاس پیغام اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ مجھے تنبیہ کریں، میں نے اس لیے پیغام بھیجا تھا کہ آپ علیہ السلام میرے لیے استغفار کریں اور آپ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ علیہ السلام اس کو اپنی قمیص میں دفن کریں اور اس پر نماز پڑھیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مرگیا تو اس کے جنازہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو میں لپک کر پہنچا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ابن ابی ابن سلول پر نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں حالانکہ اس نے فلاں فلاں دن یہ یہ کہا؟ اور آپ علیہ السلام پر وہ باتیں شمار کرائیں۔

تو آپ علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا کہ اے عمر! مجھ سے ہٹ جا جب میں نے بار بار یہی بات کہی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے میں نے اس کو اختیار کرلیا ہے۔ اگر میں جانتا کہ میں ستر پر زائد کروں تو اس کی مغفرت ہوگی تو میں

اس پر زیادتی کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی۔ پھر لوٹے تو تھوڑا وقت ہی ٹھہرے تھے کہ سورۃ براءۃ کی دو آیتیں نازل ہوگئیں۔ "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دن اپنی جرأت کرنے پر بڑا تعجب ہوا اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ عمرو رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کے قبر میں داخل کیے جانے کے بعد وہاں تشریف لے گئے تو آپ علیہ السلام نے حکم دیا اس کو نکالا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اس پر اپنا لعاب پھونک دیا اور اس کو اپنی قمیص پہنائی۔ واللہ اعلم۔ اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص پہنائی تھی۔ سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قمیصیں تھیں تو عبداللہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد کو وہ قمیص پہنا دیں جو آپ علیہ السلام کے جسم اطہر کو لگی ہوئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی کو مرنے کے بعد قمیص پہنانے کی وجوہات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن جب قیدیوں کو لایا گیا اور عباس رضی اللہ عنہ کو بھی لایا گیا تو ان پر کوئی کپڑا نہ تھا تو عبداللہ بن اُبی کی قمیص ان کو پوری آجاتی تھی تو آپ علیہ السلام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس کی قمیص پہنادی۔ اسی وجہ سے آپ علیہ السلام نے اپنی قمیص اُتار کر عبداللہ کو پہنادی۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احسان تھا تو آپ علیہ السلام نے پسند کیا کہ اس کا بدلہ دیں اور روایت کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا جو کچھ آپ علیہ السلام نے عبداللہ کے ساتھ کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں میری قمیص اور میری نماز اس کو کچھ فائدہ نہ دے گی۔ اللہ کی قسم مجھے اُمید ہے کہ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے اور روایت کیا گیا ہے کہ جب منافقین نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص سے عبداللہ برکت حاصل کررہا ہے تو اس کی قوم کے ایک ہزار لوگ اسلام لے آئے۔ قولہ "ولا تصلّ علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره" اس پر نہ ٹھہریں اور اس کو خود دفن نہ کریں، یہ ان کے قول قام فلان بامر فلان سے مشتق ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اس کے امر کو کافی ہو جائے۔ "انهم كفروا بالله ورسوله" "وماتوا وهم فاسقون" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور نہ کسی کی قبر پر کھڑے ہوئے۔

﴿۸۵﴾ "وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ"

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿87﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿88﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿89﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿90﴾

ترجمہ اور جب کوئی حصہ قرآن کا اس مضمون میں نازل کیا جاتا ہے کہ تم (خلوص دل سے) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان کے مقدور والے آپ سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جاویں وہ لوگ (غایت بے حمیتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی جس سے وہ (حمیت بے حمیتی کو) سمجھتے ہی نہیں۔ ہاں لیکن رسولؐ اور آپ کی ہمراہی میں جو مسلمان ہیں انہوں نے (اس حکم کو مانا اور) اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور ان ہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے تاکہ ان کو (گھر رہنے کی) اجازت مل جائے اور (ان دیہاتیوں میں سے) جنہوں نے خدا اور اس کے رسول سے (دعویٰ ایمان میں) بالکل ہی جھوٹ بولا تھا وہ بالکل ہی بیٹھ رہے ان میں جو (آخرت تک کافر رہیں گے) ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر ﴿86﴾ "وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ" مال اور فراوانی والے ان میں سے جنگ سے پیچھے رہ جانے میں۔ "وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ" اپنے کجاودوں میں۔

﴿87﴾ "رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ" یعنی عورتوں اور بعض نے کہا گھٹیا اور بے وقوف لوگوں کے ساتھ۔ کہا جاتا ہے "فلان خالفة قومه" جب وہ ان میں کم حیثیت ہو۔ "وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ"

﴿88﴾ "لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ" یعنی نیکیاں اور بعض نے کہا خوبصورت عورتیں جنت میں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فيهن خيرات حسان" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ خیر کا معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين"...... "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

﴿89﴾ "اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"......

﴿90﴾ "وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ" یعقوب اور مجاہد رحمہما اللہ نے "الْمُعْذِرُوْنَ" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ وہ لوگ جو عذر میں مبالغہ کرنے والے ہوں ضرب المثل ہے "لقد اعذر من انذر" یعنی جس شخص نے عذر میں مبالغہ کیا اور

دیگر حضرات نے "اَلْمُعَذِّرُوْن" شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی کوتاہی کرنے والے۔ کہا جاتا ہے "عَذَّرَ" یعنی کوتاہی کی اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "المعذّرون" اصل میں "المعتذرون" تھا تاء کا ذال میں ادغام کر دیا گیا ہے اور تاء کی حرکت عین کو منتقل کر دی گئی ہے۔

جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کا تذکرہ

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معذرون سے مراد عامر بن طفیل کا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ اپنا دفاع کرنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! اگر ہم غزوہ میں شریک ہوتے تو قبیلہ طئی کے بدو ہماری عورتوں اور بچوں اور جانوروں پر غارت گری کرتے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے حالات کی خبر دے دی ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے کافی ہو جائے گا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پیچھے رہ گئے تھے۔ " وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ " یعنی منافقین۔ ابو عمر بن علاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں فریق برا فعل کرنے والے تھے۔ ایک وہ قوم جنہوں نے باطل عذر کرنے کی تکلیف کی اور انہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے مراد لیا ہے۔ "وجاء المعذرون" اور دوسری وہ قوم جنہوں نے کسی عذر کی تکلیف ہی نہیں کی اور پیچھے رہ گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جرأت کی۔ یہ منافقین ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے وعید بیان کی۔ " سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ " پھر عذر والوں کا تذکرہ کیا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جب کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں اور نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ و الزام ہے) کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو سواری دے دیں اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ (ناکام) اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ (افسوس) ان کو خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں پس الزام (اور مواخذہ) تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود اہل

سامان اور قوت (ہونے کے) گھر رہنے کی اجازت چاہتے ہیں وہ لوگ (غایت بے حمیتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی جس سے وہ (گناہ وثواب کو) جانتے ہی نہیں

تفسیر ⑨١ "لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یعنی اپاہجوں، بوڑھوں اور عاجز لوگوں پر اور بعض نے کہا بچے مراد ہیں۔ بعض نے کہا عورتیں مراد ہیں۔ " وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ" یعنی فقراء "حَرَجٌ" گناہ۔ "اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" ان سے غائب ہونے کے وقت اور ایمان کو خالص کیا ہو اور عمل اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہو۔ " مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ " کوئی راستہ سزا کا۔ "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت زید بن عمر اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ نابینا تھے۔

⑨٢ "وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ" مطلب یہ ہے کہ نہ پہلے لوگوں پر کوئی سبیل ہے اور نہ ان لوگوں پر جو آپ علیہ السلام کے پاس آئے۔ یہ سات افراد تھے۔ ان کا نام کثرت سے رونے والے پڑ گیا۔ "بکائین" معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، صخر بن خنساء، عبداللہ بن کعب انصاری، عبلہ بن زید انصاری، سالم بن عمیر، ثعلبۃ بن غنمۃ، عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہم یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ علیہ السلام کے ساتھ نکلنے کا حکم دیا ہے، ہمیں سوار کر دیں۔ مفسرین رحمہم اللہ کا اس لفظ "لتحملهم" کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے سوال کیا کہ ان کو جانوروں پر سوار کر دیں اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ ان کو پیوند لگے موزوں اور گھسے ہوئے جوتوں پر سوار کر دیں یعنی دے دیں تا کہ آپ علیہ السلام کے ساتھ جنگ میں شریک ہوسکیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ " قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا" روتے ہوئے " وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ"

⑨٣ "اِنَّمَا السَّبِيْلُ" سزا کی "عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ" پیچھے رہ جانے کی وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ عورتوں اور بچوں کے ساتھ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ط قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ط وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ط فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ط اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ط عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

ترجمہ یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے (سوائے محمدؐ) آپ (سب کی طرف سے صاف) کہہ دیجئے کہ یہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری (واقعی حالت کی) خبر دے چکے ہیں (کہ تم کو کوئی عذر صحیح نہ تھا) اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو جو کچھ تم کرتے تھے ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جاویں گے (کہ ہم معذور تھے) جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور (اخیر میں) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ وہ (نفاق و خلاف) کیا کرتے تھے (نیز) یہ اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر (بالفرض) تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو (ان کو کیا نفع کیونکہ) اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا (ان منافقین میں جو) دیہاتی لوگ (ہیں وہ) کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور ان کا (حال) ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں اور ان دیہاتیوں میں سے بعض بعض ایسا ہے کہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کو جرمانہ سمجھتا ہے اور تم مسلمانوں کے واسطے (زمانہ کی) گردشوں کا منتظر رہتا ہے برا وقت ان ہی (منافقین) پر پڑنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

تفسیر ﴿۹۴﴾ "يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ" روایت کیا گیا ہے کہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کی تعداد بیاسی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لے آئے تو وہ آ کر باطل عذر کرنے لگے۔ "قُلْ لَّا

تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ" آئندہ وقت میں کہ کیا تم نے اپنے نفاق سے توبہ کر لی ہے یا اس پر قائم ہو؟" ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"

⑮ "سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ" جب تم ان کی طرف جہاد سے لوٹو گے "لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ" تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔" فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ "ان کو چھوڑ دو اور جوانہوں نے اپنے لیے نفاق کو اختیار کیا ہے "اِنَّهُمْ رِجْسٌ" یعنی بے شک ان کا عمل بہت برا ہے۔"وَّمَاْوٰىهُمْ" آخرت میں "جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ یہ اسی (۸۰) منافقین تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو فرمایا ان کے ساتھ نہ بیٹھنا اور ان سے بات بھی نہ کرنا اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کی قسم کھائی کہ اس کے بعد کسی جنگ سے پیچھے نہ رہے گا اور مطالبہ کیا کہ آپ علیہ السلام اس سے راضی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

⑯ "يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ"......

⑰ "اَلْاَعْرَابُ" یعنی دیہات والے " اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا" شہروالوں سے "واجدرٌ" زیادہ لائق ہیں۔" وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ" کیونکہ وہ قرآن کے سننے اور سنتوں کی پہچان سے بہت دور ہیں۔" وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ جو کچھ اس کی مخلوق کے دل میں ہے حَكِيْمٌ" جو اپنے فرائض مقرر کیے۔

⑱ "وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے دینے پر ثواب کی اُمید نہیں رکھتے اور اس کے روکنے پر عذاب سے نہیں ڈرتے وہ تو صرف خوف اور دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اور مغرم اس چیز کو لازم کرنا جو لازم نہ ہو۔" وَّيَتَرَبَّصُ انتظار کرتا ہے۔ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ"

یعنی زمانے کے پھرنے کا جو کبھی خیر لاتا ہے اور کبھی شر اور یمان بن رباب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی زمانہ تم پر پلٹ جائے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر جائیں اور مشرکین غالب ہو جائیں۔" عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ "ان پر بلائیں اور غم چکر لگاتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کے بارے میں بھی برا ہی خیال کرتے ہیں۔ اور ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ نے "دائرة السوء" یہاں اور سورۂ فتح میں سین کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی نقصان دہ، آزمائش والی اور ناپسندیدہ چیز اور دیگر حضرات نے سین کے زبر کے ساتھ مصدر کی بناء پر پڑھا ہے اور بعض نے کہا ہے زبر کے ساتھ فساد، اور پیش کے ساتھ نقصان دہ اور ناپسندیدہ چیز۔" وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" یہ آیت اسد غطفان اور تمیم کے دیہاتیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر بعض کا استثناء کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ

الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

(ترجمہ) اور بعض اہل دیہات ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں اس کو عنداللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان کے لئے موجب قربت ہے ضرور ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرلیں گے اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے

(تفسیر) ﴿۹۹﴾ "وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مزینہ کے بنومقرن ہیں اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلم، غفار اور جہینہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلم اور غفار اور جہینہ کا کچھ حصہ اور مزینہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں بہتر ہوں گے تمیم، اسد بن خزیمہ، ہوازن اور غطفان سے۔ "وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ قربات قربۃ کی جمع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتا ہے۔ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ" یعنی اس کی دُعاء اور استغفار۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا میں رغبت کرتے ہیں "اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ نافع نے ورش کی روایت سے قربۃ راء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے سکون کے ساتھ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اپنی جنت میں اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

﴿۱۰۰﴾ "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ" مرفوع ہے باری تعالیٰ کے قول "والسابقون" پر عطف ہے۔

سابقون الاولون مہاجرین والانصار میں سے کون ہیں

سابقون سے کون مراد ہیں اس میں اختلاف ہے۔ سعید بن مسیب، قتادہ، ابن سیرین اور جماعت نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ یہ اہل بدر ہیں اور شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بیعت رضوان میں حاضر ہوئے تھے اور بیعت رضوان حدیبیہ میں ہوئی اور اس میں اختلاف ہے کہ آپ علیہ السلام کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد کون پہلے ایمان لایا اور اس بات پر تو اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائیں تو بعض نے کہا پہلے ایمان لانے والے اور نماز پڑھنے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور یہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اسی کے مجاہد رحمہ اللہ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ قائل ہیں کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے اور بعض نے فرمایا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی اور شعبی رحمہم اللہ کا قول ہے اور بعض نے فرمایا کہ پہلے اسلام لانے والے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں اور یہی زہری اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اسحاق بن ابراہیم حنظلی رحمہ اللہ نے ان اقوال کے درمیان تطبیق کی ہے۔

پس وہ فرماتے ہیں کہ مردوں سے پہلے مسلمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں سے خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بچوں میں سے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نرم مزاج شخص تھے اور قریش کے اچھے نسب والے اور بڑے عالم تھے اور یہ بڑے اچھے اخلاق والے تاجر تھے اور ان کی قوم کے مردان کے پاس آتے تھے اور کئی باتوں پر مشورہ کرتے تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ علم والے اور اچھی مجلس والے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے اعتماد کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے لگے تو ان کے ہاتھوں پر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم اسلام لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ جب انہوں نے اسلام کے بعد نماز بھی پڑھ لی۔ یہ آٹھ افراد وہ ہیں جنہوں نے اسلام کی طرف سبقت کی۔ پھر لوگ لگاتار اسلام میں داخل ہونے لگے اور انصار میں اسلام میں سبقت کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے عقبہ کی رات بیعت کی اور یہ عقبہ اولیٰ میں چھ افراد تھے اور عقبہ ثانیہ میں ستر افراد تھے اور وہ لوگ جو ایمان لائے جب ان کے پاس ابوزرارہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ گئے اور ان کو قرآن کی تعلیم دی تو ان کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی بہت بڑی تعداد اسلام لائی۔

"**والسّابقون الاوّلون من المهاجرين**" جنہوں نے اپنی قوم اور قبیلہ کو چھوڑا اور اپنے وطن کو ترک کیا۔ "**والانصار**" مدینہ کے وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ علیہ السلام کے صحابہ کو ٹھکانہ دیا۔ "**وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ**"، بعض نے کہا "**سابقون اوّلون**" کے سوا بقیہ مہاجر و انصار مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان اور ہجرت یا دین کی مدد کرنے میں قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلتے رہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ترحم اور دُعا کے ساتھ کیا۔ ابوصخر حمید بن زیادہ کہتے ہیں کہ میں محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کی خدمت میں گیا اور ان کو عرض کیا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ رحمہ اللہ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنت میں ہوں گے خواہ نیک ہوں یا کسی سے کچھ فروگذاشت ہوگئی ہو۔ میں نے عرض کیا یہ بات آپ نے کہاں سے کہہ دی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان "**والسّابقون**

الاوّلون من المهاجرین ...... رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ " تک پڑھا اور فرمایا کہ "والذین اتبعوهم باحسان" سے تابعین میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نیک افعال میں اتباع کریں۔ ابوصخر کہتے ہیں کہ گویا میں نے اس سے پہلے کبھی یہ آیت پڑھی ہی نہ تھی۔ روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا نہ کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان میں سے کسی ایک کے ایک مُد یا اس کے نصف کو نہ پہنچ سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ثواب میں سب کو جمع کر دیا اور فرمایا "رضی الله عنهم ورضوا عنه وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ابن کثیر نے (من تحتها الانهار) پڑھا ہے اور اسی طرح اہل مکہ کے مصاحف میں ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۚ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۚ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

(ترجمہ) اور جو کچھ تمہارے گرد و پیش میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں (کہ) آپ (بھی) ان کو نہیں جانتے (کہ یہ منافق ہیں پس) ان کو ہم ہی جانتے ہیں ہم ان کو (اور منافقین سے آخرت سے پہلے) دہری سزا دیں گے ایک نفاق کی دوسرے کمال نفاق کی) پھر (آخرت میں) وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

(تفسیر) ۱۰۱ "وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ " اور یہ مزینہ، جہینہ، اشجع، اسلم اور غفار کے لوگ ہیں ان کے گھر مدینہ کے اردگرد تھے۔

"وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ" یعنی اوس اور خزرج مدینہ کے ہیں ان میں سے بھی منافق ہیں۔" مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ یعنی نفاق پر سرکشی کی لَا تَعْلَمُهُمْ آپ اے محمدؐ ۚ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ "ان دونوں عذابوں کی تعیین میں اختلاف ہے۔ کلبی سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے فلاں تو نکل جا کیونکہ تو منافق ہے تو کئی لوگوں کو مسجد سے نکال دیا اور ان کو رسوا کیا۔ تو یہ پہلا عذاب ہے اور دوسرا قبر کا عذاب ہے اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا عذاب قتل اور قید ہے اور دوسرا قبر کا عذاب ہے اور انہی سے یہ بھی روایت ہے کہ ان کو دو مرتبہ بھوک کا عذاب دیا گیا اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پھوڑے کا عذاب دُنیا میں اور قبر کا عذاب۔

ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا عذاب دُنیا میں مال اور اولاد کی مصیبتیں اور دوسرا آخرت کا عذاب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پہلا عذاب ان پر حدود قائم کرنا اور دوسرا قبر کا عذاب اور بعض نے کہا پہلا عذاب ان کی روح قبض کرتے ہوئے فرشتوں کا ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارنا اور دوسرا عذاب قبر اور بعض نے کہا پہلا مسجد ضرار کو جلانا اور

دوسرا ان کو جہنم کی آگ سے جلاتا۔ " ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ "یعنی جہنم کے عذاب کی طرف۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑩②

(ترجمہ) اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقر ہو گئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے (سو) اللہ سے امید ہے کہ ان (کے حال) پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرماویں (یعنی توبہ قبول کرلیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

(تفسیر) ⑩② "و آخرون" یعنی اہل مدینہ اور اعراب میں سے دوسرے لوگ مراد ہیں۔ یہ منافقین کی طرف نہیں لوٹ رہا۔ "اعترفوا انہوں نے اقرار کیا بذنوبهم خلطوا عملاً صالحًا" اور وہ ان کا اپنے گناہوں اور اپنی توبہ کا اقرار کرنا ہے۔ "و آخر سيئًا" یعنی دوسرے برے اعمال کے ساتھ۔ باء کو واؤ کی جگہ لایا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے خلطت الماء و اللبن یعنی باللبن برا عمل ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جانا اور نیک عمل ان کا شرمندہ ہونا اور خود کو ستونوں سے باندھنا ہے اور بعض نے کہا کہ نیک عمل ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات ہیں۔

غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا عذر

"عسیٰ اللہ ان یتوب علیھم اِنّ اللہ غفور رحیم" یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر اس پر نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ وہ عورتوں کے ساتھ سایوں میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جہاد اور تکلیفوں میں تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب آئے تو یہ حضرات کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! ہم اپنے آپ کو ستونوں کے ساتھ باندھ لیں گے اور اپنے آپ کو آزاد نہ کریں گے جب تک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آزاد نہ کردیں اور ہمارا عذر قبول نہ کرلیں تو ان حضرات نے خود کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا۔ جب آپ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ان پر گزر ہوا، ان کو بندھے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ علیہ السلام سے پیچھے رہ گئے تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ وہ خود کو آزاد نہ کریں گے جب تک آپ علیہ السلام ان سے راضی ہو کر ان کو آزاد نہ کردیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ان کو آزاد نہ کروں گا اور نہ ان کا عذر قبول کروں گا جب تک مجھے ان کے آزاد کرنے کا حکم نہ دیا جائے کیونکہ انہوں نے مجھ سے بے رغبتی کی اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں جانے سے پیچھے رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول کرکے ان کو کھلوا دیا۔ جب وہ آزاد ہو گئے تو کہنے لگے اے اللہ کے رسول! یہ ہمارے مال ہیں جنہوں نے ہمیں آپ سے پیچھے کر دیا، آپ علیہ السلام اس کو صدقہ کرکے ہمیں پاک

کردیں اور ہمارے لیے استغفار کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہارے مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "خذ من اموالھم صدقۃ"

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے (لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کردیں گے اور ان کے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعتراف کو) خوب سنتے ہیں اور ان کی ندامت کو) خوب جانتے ہیں۔

توبہ کرنے والے افراد کی تعداد

تفسیر: ان توبہ کرنے والے حضرات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دس تھے، ان میں سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ پانچ تھے۔ ان میں سے ایک ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آٹھ تھے۔ ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سات تھے اور یہ سب کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ صرف حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ پھر ان کے گناہ میں اختلاف ہے۔

حضرت ابولبابہ کی توبہ کا ذکر

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے بنوقریظہ کو کہا تھا کہ اگر تم ان کے فیصلہ پر آ گئے تو حلق کی طرف اشارہ کر کے ذبح کا بتایا اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے نازل ہوئی کہ انہوں نے اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیا تھا اور کہا تھا اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو نہ کھولوں گا اور نہ کھانا کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا یہاں تک کہ میں مرجاؤں یا اللہ! میری توبہ قبول کرلیں تو سات دن اسی حال پر رہے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو ان کو کہا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوگئی تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں خود کو نہ کھولوں گا جب تک مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آ کر نہ کھولیں تو آپ علیہ السلام تشریف لائے اور ان کو کھولا۔ پھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا پڑوس چھوڑ دوں جس کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوا ہوں اور اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ کردوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے ابولبابہ! تجھے تہائی کافی ہے، آگے سب حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے مالوں کا

تہائی حصہ قبول کیا اور دو تہائی ان لوگوں کے پاس رہنے دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا "خذ من اموالهم" کہ مال میں سے کچھ لیں، یہ نہیں فرمایا تھا کہ سارا مال لے لیں۔ حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ان تین کے علاوہ ہیں جو پیچھے رہ گئے تھے۔

⑩ "**خذ من اموالهم صدقة تطهرهم**" اس کے ذریعے ان کے گناہوں کو "**وتزكيهم بها**" ان کو منافقین کے مرتبہ سے بلند کر کے مخلصین کے مرتبہ تک پہنچا دیں اور بعض نے کہا کہ ان کے مال بڑھ جائیں "**وصلّ عليهم**" ان کے لیے دُعا اور استغفار کریں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صدقہ وصول کرنے والے کا صدقہ دینے والے کو یہ کہنا ہے "**آجرک الله فيما اعطيت و بارک لک فيما ابقيت**" (اللہ تیرے دیئے ہوئے پر اجر دیں اور باقی مال میں برکت دیں) اور الصلاۃ کا معنی دُعا کرنا ہے۔ "**انّ صلاتک**" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "**صلاتک**" واحد کا صیغہ اور یہاں تاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ ہود میں "**اصلاتک**" اور سورۃ المؤمنین میں "**علىٰ صلاتهم**" سب کو واحد کا صیغہ۔ حفص رحمہ اللہ نے ان دونوں کی یہاں اور سورۃ ہود میں موافقت کی ہے اور دیگر حضرات نے ان سب میں جمع کا صیغہ اور یہاں تاء کی زیر پڑھی ہے اور سورۃ مؤمنین میں بھی اور الانعام میں اختلاف نہیں ہے۔ "**وهم علىٰ صلاتهم يحافظون**" اور المعارج میں جو ہے "**وهم علىٰ صلاتهم دائمون**" یہ دونوں واحد کے صیغے ہیں۔ "**انّ صلاتک سكن لهم**" یعنی بے شک آپ کی دُعا ان کے لیے رحمت ہے۔ یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کے لیے سکون و اطمینان ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے۔ اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں ان کے دلوں کو ثابت قدم رکھنے والی ہے "**والله سميع عليم**"

مسئلہ:۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ صدقہ وصول کرنے کے وقت امام پر دُعا دینا واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ واجب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مستحب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فرض صدقات کی وصولی کے وقت دُعا واجب ہے اور نفلی صدقات کے وقت مستحب ہے۔ عمرو بن مرۃ رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا (یہ اصحاب شجرہ میں سے ہیں) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی قوم صدقہ لاتی۔

تو آپ علیہ السلام فرماتے "**اللّهم صلّ عليهم**" تو میرے والد آپ علیہ السلام کے پاس صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا "**اللّهم صلّ علىٰ آلِ ابي اوفى**" اور ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فرض صدقہ میں نہیں ہے بلکہ قسم کے کفارہ کے صدقہ میں ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرض صدقہ میں ہے۔ جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو جن لوگوں نے پیچھے رہ جانے کے باوجود توبہ نہیں کی تھی وہ کہنے لگے کہ یہ لوگ کل تو ہمارے ساتھ تھے کہ نہ ان سے کوئی بات کرتا تھا نہ کوئی ساتھ بیٹھتا تھا۔ اب ان کو کیا ہوگیا؟ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس آ کر منافقین سے گفتگو اور ہم نشینی سے منع فرما دیا تھا۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ

لِاَمْرِ اللّٰہِ اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ⑩⑥

ترجمہ: کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور (کیا ان کو) یہ (خبر نہیں) کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے (کی صفت میں اور رحمت کرنے (کی صفت میں) کامل ہے اور آپ کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کئے جاؤ سو ابھی دیکھے لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان اور (پھر آخرت میں) ضرور تم کو ایسے (اللہ) کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے (اور) حکمت والا ہے۔

تفسیر: ⑩④ "اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ یعنی ان کو قبول کرتے ہیں وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نہیں ہے کوئی بندہ جو اپنی پاکیزہ کمائی سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ تو پاکیزہ مال ہی کو قبول کرتے ہیں اور آسمان کی طرف پاکیزہ چیز ہی بلند ہوتی ہے مگر اس کو رحمٰن کے ہاتھ میں رکھ دیتا ہے تو وہ اس کی ایسے پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک اپنے بچھڑنے کی پرورش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک لقمہ قیامت کے دن بڑے پہاڑ کی مثل آئے گا۔ پھر آپ علیہ السلام نے پڑھا "ان اللّٰہ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ و یاخذ الصدقات"

⑩⑤ "وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے وعید ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کا آپ علیہ السلام کو خبر دینا ہے اور مؤمنین کا دیکھنا ان کے دلوں میں نیک لوگوں کی محبت ڈالنا اور برے لوگوں کا بغض ڈالنا۔

⑩⑥ "وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ" اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے ابوبکر کے علاوہ "مرجون" بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور دیگر حضرات نے ہمزہ کے ساتھ اور "الارجاء" تاخیر کرنا۔

آخرون مرجون سے کون لوگ مراد ہیں

"مرجون" یہ وہ تین لوگ تھے جن کا واقعہ آگے تفصیل سے آرہا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، ہلال بن اُمیہ، مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہم ان حضرات نے توبہ کرنے اور عذر کرنے میں اتنی کوشش نہیں کی جو ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کی تھی تو نبی کریم نے پچاس راتیں ان کا معاملہ موقوف رکھا اور لوگوں کو ان سے بات چیت کرنے اور ان کے ساتھ بیٹھنے سے منع کر دیا تو یہ چیز ان پر بہت گراں گزری اور زمین تنگ ہوگئی، یہ بدر کے شرکاء میں سے تھے تو کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہلاک ہوگئے اور دوسرے لوگ کہنے لگے کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کر دیں تو یہ اللہ کے حکم کے منتظر تھے نہیں جانتے

تھے کہ ان کو عذاب دیں گے یا ان پر رحم کریں گے یہاں تک کہ پچاس راتوں کے بعد ان کی توبہ کا حکم نازل ہوا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًام بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑩⑦

ترجمہ: اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ (اسلام کو) ضرر پہنچاویں اور (اس میں بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا اور سول کا مخالف ہے اور (پوچھو تو) قسمیں کھا جاویں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔

تفسیر ⑩⑦ "وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا اہل مدینہ اور اہل شام نے "الذین" بغیر واؤ کے پڑھا ہے اور اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے اور دیگر حضرات نے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔

مسجد ضرار کی بناء کا پس منظر

مَسْجِدًا ضِرَارًا" یہ آیت منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے ایک مسجد بنائی جس کے ذریعے مسجد قباء کی مخالفت کرنا چاہتے تھے۔ یہ بارہ منافق تھے۔ ودیعہ بن ثابت، خذام بن خالد اسی کے گھر سے یہ مسجد نکالی گئی اور ثعلبہ بن حاطب، حارثہ بن عمرو اور اس کے دو بیٹے مجمع اور زید، معتب بن قشیر، عباد بن حنیف، سہل بن حنیف کا بھائی، ابوحبیبہ بن ازعر، نبتل بن حارث بحاد بن عثمان اور ایک آدمی جس کو بخدج کہا جاتا تھا۔ انہوں نے یہ مسجد بنائی مسلمانوں کو تکلیف دینے کے لیے۔ "وَّكُفْرًا" اللہ اور اس کے رسول کا "وَّتَفْرِيْقًام بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" اس لیے کہ تمام مسلمان مسجد قباء میں نماز پڑھتے تھے تو انہوں نے مسجد ضرار بنائی تا کہ ان میں سے بعض وہاں نماز پڑھیں تو ان میں اختلاف پیدا ہوں، ان کو نماز مجمع بن حارثہ پڑھاتا تھا۔ جب تعمیر سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ علیہ السلام اس وقت تبوک کے سفر کی تیاری فرما رہے تھے تو کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے مریضوں اور حاجت مندوں کی نماز کے لیے مسجد بنائی ہے اور بارش اور سردیوں کی راتوں کے لیے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام وہاں تشریف لائیں اور ہمارے ساتھ اس میں نماز پڑھیں اور ہمارے لیے برکت کی دُعا کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں سفر کے لیے جا رہا ہوں اگر ہم واپس آئے تو ان شاء اللہ تمہارے پاس آ کر اس میں نماز پڑھیں گے۔" وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ "یعنی اس شخص کے انتظار اور تیاری کے لیے جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اس سے پہلے۔ یہ شخص ابو عامر راہب تھا یہ انہی منافقین میں سے تھا اور یہ حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا والد ہے۔ یہ جاہلیت میں نصرانی ہو کر راہب بن گیا تھا اور ٹاٹ کا لباس پہنتا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ علیہ السلام کو ابو عامر نے کہا وہ دین کیا ہے، جس کو آپ

علیہ السلام لائے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں دین حنیف ابراہیم علیہ السلام کا دین لایا ہوں تو ابو عامر کہنے لگا کہ میں بھی اسی دین پر ہوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تو اس پر نہیں ہے کہنے لگا کیوں نہیں لیکن آپ علیہ السلام نے تو دین حنیف میں وہ باتیں داخل کردی ہیں جو اس میں نہیں تھیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کچھ نہیں کیا میں تو اس دین کو سفید صاف ستھرا لے کر آیا ہوں تو ابو عامر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں میں سے جھوٹے کو موت دے اس حال میں کہ اکیلا مسافری کی حالت میں ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا (آمین) اور اس کا نام ابو عامر فاسق رکھا۔

جب اُحد کا دن آیا تو ابو عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ میں جس قوم کو بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ قتال کرتا پاؤں گا تو آپ علیہ السلام کے ساتھ اس سے قتال کروں گا تو آپ علیہ السلام کے ساتھ مل کر جنگ حنین تک لڑائی کرتا رہا۔ پھر جب ہوازن کو شکست ہوئی تو نا اُمید ہو کر شام کی طرف بھاگ گیا اور منافقین کو پیغام بھیجا کہ جتنا ہو سکے قوت اور ہتھیار تیار کرو اور میرے لیے ایک مسجد بناؤ، میں روم کے بادشاہ قیصر کے پاس جا رہا ہوں اور روم سے ایک بڑا لشکر لاؤں گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دوں گا تو ان لوگوں نے مسجد قباء کے پہلو میں مسجد ضرار بنائی تو یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "وارصاداً لمن حارب الله ورسوله من قبل" یعنی ابو عامر فاسق جب شام سے آئے تو اس میں نماز پڑھے اور نہ اس مسجد ضرار کے بننے سے پہلے بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کر چکا ہے۔ " وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى " یعنی اس کی تعمیر سے اچھے کام کا ارادہ ہے اور وہ اچھا کام مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تک جانے سے عاجز اور ضعیف لوگوں کے لیے سہولت۔ " وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ " اپنے قول اور قسم میں۔

روایت کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے اور مدینہ کے قریب ذی اوان جگہ پر پڑاؤ کیا تو وہ آپ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور ان کی مسجد میں چلنے کا مطالبہ کیا تو آپ علیہ السلام نے اپنی قمیص منگوائی تا کہ اس کو پہن کر ان کے پاس جائیں تو آپ علیہ السلام پر قرآن نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مسجد ضرار کی خبر اور ان لوگوں کا ارادہ بتایا تو آپ علیہ السلام نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ، معن بن عدی، عامر بن سکن اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو فرمایا کہ اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے لوگ ظالم ہیں اس کو گرا دو اور جلا دو تو یہ حضرات بڑی تیزی سے روانہ ہوئے۔ جب بنو سالم بن عوف پر پہنچے جو مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے تو مالک رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے مہلت دو تا کہ میں اپنے گھر سے آگ لے آؤں تو وہ گھر گئے اور کھجور کی ایک شاخ لے کر اس کو آگ لگائی۔ پھر یہ حضرات وہاں سے نکلے اور دوڑتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے اور اس میں کچھ لوگ تھے تو اس کو آگ لگا دی اور گرا دیا اور مسجد والے ایک طرف ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو کوڑی بنا دیا جائے اس میں مُردہ جانور، بدبودار چیزیں وغیرہ ڈالی جائیں اور ابو عامر شام میں اکیلا مسافری کی حالت میں مر گیا۔

روایت کیا گیا ہے کہ بنو عمرو بن عوف جنہوں نے مسجد قباء بنائی تھی یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان

کے پاس آئے اور کہا کہ مجمع بن حارثہ کو اجازت دیں کہ مسجد قباء میں ہماری امامت کیا کریں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ کیا یہ مسجد ضرار کا امام نہیں تھا؟ تو مجمع رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عرض کیا اے امیر المؤمنین! میرے بارے میں جلدی نہ کریں، اللہ کی قسم! میں نے اس مسجد میں نماز تو پڑھی تھی لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ان کے دل میں کیا ہے۔ اگر میں یہ بات جانتا تو ان کے ساتھ اس مسجد میں نماز نہ پڑھتا۔ میں نوجوان لڑکا تھا، قرآن پڑھنے والا تھا، وہ بوڑھے تھے قرآن نہ پڑھ سکتے تھے تو میں نے ان کو نماز پڑھا دی، میں تو یہی سمجھتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں لیکن میں ان کے دل کی بات نہ جانتا تھا تو اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا عذر قبول کر کے ان کی تصدیق کی اور ان کو مسجد قباء میں نماز پڑھانے کی اجازت دے دی اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر شہروں کی فتوحات کیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایک شہر میں دو مسجدیں نہ بنائیں کہ ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگیں۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ⑩⑧

ترجمہ: آپ اس میں کبھی (نماز کیلئے) کھڑے نہ ہوں البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (مراد مسجد قبا ہے) وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر ⑩⑧ "لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اس میں نماز نہ پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ مسجد ضرار میں نماز نہ پڑھیں۔ لام ابتداء کیلئے ہے اور بعض نے کہا ہے لام قسم ہے اصل عبارت (واللہ لمسجد اسس) یعنی اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی سو (من اول یوم) یعنی جس دن پہلے اس کی بنیاد رکھی گئی تھی "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ" نماز پڑھنے کے لیے۔ اس مسجد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ مدینہ کی مسجد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ابو سلمہ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میرے پاس سے عبدالرحمٰن بن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہم کا گزر ہوا تو میں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے والد سے "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى" کے بارے میں کیا سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے والد نے کہا ہے کہ میں آپ علیہ السلام پر آپ علیہ السلام کی بعض ازواج میں کسی کے گھر داخل ہوا تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) دو مسجدوں میں سے کون سی تقویٰ پر بنائی گئی ہے تو آپ علیہ السلام نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی اور اس کو زمین پر مارا اور فرمایا وہ تمہاری یہ مدینہ کی مسجد ہے تو میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بھی آپ کے والد سے اسی طرح سنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو حصہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے اور علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ مسجد قباء ہے اور یہی عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہی عروہ بن زبیر، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم اور قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ عبداللہ بن دینار نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء تشریف لاتے، پیدل چل کر اور سوار ہو کر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسے کرتے تھے اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں دو رکعت پڑھتے تھے۔ "فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا" حدث اور جنابت اور نجاست سے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ پانی سے استنجاء کرتے تھے اور رات کو جنابت کی حالت میں نہ سوتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت قباء والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ "وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ"

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد خدا سے ڈرنے پر اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی (یعنی غار) کے کنارہ پر جو کہ گرنے ہی کو ہے رکھی ہو پھر وہ (عمارت) اس (بانی) کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (دین کی) سمجھ ہی نہیں دیتا۔

تفسیر: ۱۰۹ "اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ" ابن عمرو اور حمزہ اور ابو بکر رحمہم اللہ نے راء کے سکون کے ساتھ اور باقی حضرات نے راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں لغتیں فصیح ہیں۔ جرف ایسا کنواں جس کی منڈیر نہ ہو "هارٍ" یعنی ہارًا اور بمعنی وہ گرنے والا ہے۔ "فَانْهَارَ بِهٖ" یعنی بنانے والے ساتھ گر پڑے "فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ" مراد یہ ہے کہ اس مسجد ضرار کو تعمیر کرنا جہنم کے کنارے پر تعمیر کی طرح ہے کہ وہ اپنے اوپر آباد لوگوں کے ساتھ جہنم میں گر جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ان کا نفاق ان کو جہنم میں لے جائے گا "وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ"

لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں (کانٹا سا) کھٹکتی رہے گی ہاں مگر ان کے

(وہ) دل ہی اگر فنا ہو جاویں تو خیر اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی (اور خدا کے ہاتھ مال و جان کے بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ) وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں اس پر (جنت کا) سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں (بھی) اور انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی) اور (یہ مسلم ہے کہ) اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے (اللہ تعالیٰ سے) معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر ⑪ "لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً شک اور نفاق کے طور پر فِي قُلُوبِهِمْ" وہ خیال کرتے تھے کہ وہ اس مسجد کو بنا کر نیک کام کر رہے ہیں جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بچھڑے کی بڑی محبت تھی۔ یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حسرت اور ندامت ہے کیونکہ وہ اس کی تعمیر پر نادم تھے اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی تعمیر کا گرنا شک اور غصہ کا سبب ہے ان کے دلوں میں۔ " اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ " یعنی ان کے دل پھٹ جائیں اور وہ مر جائیں۔ اور ابن عامر، ابو جعفر، حفص اور حمزہ رحمہما اللہ نے "تقطع" تاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "تقطع" تو دو تاء میں سے ایک کو حذف کیا گیا ہے تخفیف کی غرض سے اور دیگر حضرات نے "تقطع" تاء کے پیش کے ساتھ تقطیع سے پڑھا ہے اور صرف یعقوب رحمہ اللہ نے "الی ان" لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے غایت ہونے کی بناء پر اور دیگر حضرات نے "الاّ ان" لام کی شد کے ساتھ استثناء کی بناء پر پڑھا ہے اور یعقوب کی قرأت پر ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ کی تفسیر دلالت کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس سے شک اور شرمندگی میں رہیں گے یہاں تک کہ جب وہ مریں گے تو اس وقت ان کو یقین آ جائے گا۔ "وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ"

جان و مال کے بدلے میں جنت کا سودا

⑪ "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ" محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی مکہ میں عقبہ کی رات کو اور یہ ستر افراد تھے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام اپنے رب اور اپنے لیے جو چاہے شرط طے کر لیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لیے یہ شرط رکھتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے اور اپنے لیے یہ شرط رکھتا ہوں کہ تم مجھ سے ہر اس چیز کو روکو گے جس کو اپنے آپ اور اپنے مال سے روکتے ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جنت۔ تو انصار کہنے لگے بڑے نفع کا سودا ہے ہم نہ خود اس کو ختم کریں گے اور نہ ختم کرنے کا مطالبہ کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ اور اعمش رحمہ اللہ نے "بالجنة" پڑھا ہے۔ "يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "فيقتلون" یاء کے پیش اور تاء کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ مفعول کے

فعل کے فاعل کے فعل پر مقدم ہونے کی بناء پر۔ یعنی "یقتل بعضهم ویقتل الباقون" اور باقی حضرات نے "فیقتلون" یاء کے زبر اور تاء کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ویقتلون" یاء کے پیش اور تاء کے زبر کے ساتھ فاعل کے فعل مفعول کے فعل پر مقدم ہونے کی بناء پر اور وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے کفار کو قتل کرتے ہیں پھر شہید ہوتے ہیں یہ وجہ زیادہ ظاہر ہے اور اس کی قرأت اکثر ہے۔ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعداً علیہ حقا" یعنی جنت کا ثواب ان کے لیے وعدہ ہے اور حق ہے۔ "فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ کیا اور اس کو ان کتابوں میں بیان کیا۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ تمام ملتوں والوں کو جہاد کا حکم دیا گیا جنت کے ثواب کے بدلے۔ پھر ان کو خوشخبری دی اور فرمایا "وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا تم خوش ہو جاؤ بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ"

مؤمنین کیلئے سستا سودا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے بیعت کی اور دونوں سودے تمہارے مقرر کر دیئے اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ثمن (قیمت) طے کیا پھر ان کے لیے اس میں مزید اضافہ کر دیا اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم دوڑو نفع والی بیع کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ہر مؤمن سے کی ہے اور انہی سے روایت ہے کہ فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے دُنیا دی ہے تو دُنیا کے کچھ حصہ کے بدلے جنت کو خرید ے۔ پھر ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: وہ ایسے ہیں جو (گناہوں سے) توبہ کرنے والے ہیں (اور اللہ کی) عبادت کرنے والے (اور) حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع اور سجدہ کرنے والے (ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور) نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا (یعنی احکام کا) خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مومنین کو (جن میں جہاد اور یہ صفات ہوں) آپ خوشخبری سنا دیجئے پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

سودا کرنے والے مومنین کی صفات

تفسیر: ﴿۱۱۲﴾ "اَلتَّآئِبُوْنَ" فراء فرماتے ہیں رفع کے ساتھ نئی کلام شروع کی گئی ہے پہلی آیت کے مکمل اور کلام کے ختم

ہونے کی وجہ سے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "التائبون"مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی توبہ کرنے والے جنتی ہیں خواہ انہوں نے جہاد میں شرکت نہ کی ہو مگر ان کے اندر عداوت وعناد کا جذبہ نہ ہو اور یہ ارادہ نہ ہو کہ جب اللہ جہاد کی طاقت دے گا تب بھی جہاد نہیں کریں گے تو جس کی یہ صفت ہوگی تو اس کے لیے بھی جنت ہے اور یہ معنی اچھا ہے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مؤمنین کے لیے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے (وکلا وعداللہ الحسنی) پس جس نے اس کو پہلے کے تابع بنایا ہے تو ان کیلئے بھی جنت کا وعدہ ہے اور اگر جنت کا وعدہ ان مجاہدین کے لئے ہو جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔ "التائبون" یعنی وہ لوگ جنہوں نے شرک سے توبہ کی اور نفاق سے بری ہوئے۔ "اَلْعٰبِدُوْنَ" اطاعت کرنے والے جنہوں نے خالص اللہ کے لیے عبادت کی ہو۔ "اَلْحٰمِدُوْنَ" یعنی جو خوشحالی وتنگ حالی ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں خوشی اور تنگی میں۔ " اَلسّٰٓائِحُوْنَ" ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ روزہ دار مراد ہیں۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کو سائح اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ کھانے پینے اور نکاح کی تمام لذات چھوڑ دیتا ہے اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سائحون" سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مراد ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے سیاحت کی اجازت دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میری اُمت کی سیاحت اللہ کے راستے میں جہاد ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سائحون" سے طالب علم مراد ہیں۔" اَلرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ" یعنی نماز پڑھنے والے " اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ایمان کے ساتھ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ شرک سے اور کہا گیا ہے کہ معروف سے مراد سنت ہے اور منکر سے مراد بدعت ہے وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ اللہ کے اوامر پر قائم رہنے والے اور حسن فرماتے ہیں کہ اہل وفا مراد ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ کی ہوئی بیعت کو پورا کیا۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ"

مشرکین کیلئے استغفار کی ممانعت

⑪③ "مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ "اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا سبب نزول وہ ہے جو سعید بن میسب نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو آپ علیہ السلام ان کے پاس آئے تو ان کے پاس ابو جہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ بن مغیرہ کو بیٹھے دیکھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، اے چچا! "لا الٰہ الا اللّٰہ" کا کلمہ کہہ دے میں تیرے لیے اللہ کے ہاں اس کلمہ کے ذریعے زوردار سفارش کروں گا تو ابو جہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ بن مغیرہ کہنے لگے کیا تو عبدالمطلب کے دین سے اعراض کر رہا ہے؟ تو آپ علیہ السلام ان پر اپنی بات پیش کرتے رہے اور وہ یہ بات بار بار کرتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے آخری بات یہ کہی۔

میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور "لا الٰہ الا اللّٰہ" کہنے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی

قسم میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک اسی سے روک نہ دیا جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین وَلَوْ كَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ" اور ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل کی "انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء"

ابوطالب کے سامنے کلمہ پیش کرنا اوران کا انکار کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو کہا اے چچا لا الہ الا اللہ کہہ دو میں تمہارے لیے قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا تو انہوں نے کہا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قریش مجھے عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ اس کو کلمہ کہنے پر موت کے خوف نے مجبور کیا ہے تو میں اس کلمہ کے ذریعے تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ "انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ علیہ السلام کے چچا ابوطالب کا تذکرہ ہوا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ شاید اس کو میری شفاعت قیامت کے دن نفع دے اور اس کو جہنم کے ایک گڑھے میں ڈالا جائے کہ آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچے جس کی وجہ سے اس کا دماغ جوش مارے۔

حضرت ابوہریرہ اور بریدہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو اپنی والدہ آمنہ کی قبر پر آئے اور اس پر ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگے اس اُمید پر ٹھہرے کہ آپ علیہ السلام کو اجازت دی جائے تو آپ علیہ السلام ان کے لیے استغفار کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو اتنے روئے کہ ساتھ والوں کو بھی رونا آ گیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ میں ان کے لیے استغفار کروں تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور میں نے قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت دی گئی تو تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے لیے استغفار کروں گا جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ما کان للنبی والذین امنوا الخ" اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دی کہ انہوں نے اپنے والد کو یہ کہا تھا "سلام علیک ساستغفر لک ربی" تو میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کر رہا ہے تو میں نے اس کو کہا کہ تو ان کے مشرک ہونے کے باوجود ان کے لیے استغفار کر رہا ہے؟ تو اس نے کہا کیا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے استغفار نہیں کیا تھا؟ تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور یہ بات ذکر کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "قد كانت لكم اسوة حسنة فی ابراهيم ...... اِلَّا قول ابراهيم لابيه لاستغفرن لک"

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے (یعنی کافر ہوکر مرا) تو وہ اس سے محض بے تعلق ہوگئے واقعی ابراہیمؑ بڑے رحیم المزاج حلیم الطبع تھے

تفسیر ⑪۴ "وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ" بعض مفسرین نے کہا ہے کہ "ایاہ" کی ھاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور وعدہ ان کے والد کی طرف تھا وہ یہ کہ ان کے والد نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسلام لے آئیں گے تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا عنقریب میں آپ کے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا یعنی جب آپ مسلمان ہوگئے۔

اور بعض مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ "ایاہ" کی ھاء اب کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے لیے استغفار کریں گے کیونکہ ان کے اسلام کی اُمید تھی اور وہ باری تعالیٰ کا قول (ساستغفر لک ربی) ہے اس پر حسن کی قرأت (وعدھا اباہ) باء کیساتھ دلالت کرتی ہے اور اس پر دلیل کہ یہ وعدہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے تھا اور استغفار والد کے شرک کی حالت میں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم ...... اِلاّ قول ابراھیم لابیہ لاستغفرنّ لک" تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صراحت کردی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اس استغفار میں پیروی نہ کی جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے جو استغفار کیا تھا اس کے اسلام لانے کی امید کی وجہ سے یا اس وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا لاستغفرن الک۔ "فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ" اس کے کفر پر مرنے کی وجہ سے "تبرّا منہ" اور بعض نے کہا جب آخرت میں ان پر واضح ہوگا کہ یہ اللہ کا دشمن تھا تو اس سے برأت ظاہر کریں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر سے ملاقات ہوگی اور آزر کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہوگا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو کہیں گے کیا میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں تو ان کے والد جواب دیں گے کہ آج کے دن میں تیری نافرمانی نہ کروں گا تو ابراہیم علیہ السلام کہیں گے کہ اے میرے رب! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے اس دن رسوا نہ کریں گے جس دن سب اُٹھائے جائیں گے تو میرے والد سے بڑی رسوائی کون سی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کردیا ہے۔ پھر آزر کو اس کی ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اس دن ابراہیم علیہ السلام اس سے برأت ظاہر کریں گے۔ "اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ"......

اواہ کی تفسیر میں ائمہ کے اقوال

"اوّاہ" کے معنی میں اختلاف ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ "اوّاہ" عاجزی کرنے والے گڑگڑانے والے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اوّاہ" بمعنی دُعا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "اوّاہ" بمعنی توبہ کرنے والا مؤمن۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "اوّاہ" بمعنی اللہ کے بندوں پر رحم کرنے والا اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اوّاہ" بمعنی یقین رکھنے والا اور کعب احبار فرماتے ہیں کہ "اوّاہ" وہ شخص اواہ وہ شخص جو اللہ کے خوف کی وجہ سے بہت زیادہ آہیں (آہ آہ) کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زندگی میں دوزخ کے خوف سے بکثرت آہیں بھرتے تھے۔ عقبہ بن عامر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اوّاہ" جو اکثر اللہ کا ذکر کرے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اوّاہ" بمعنی خیر کی تعلیم دینے والا اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بمعنی فقیہ ابو عبیدہ نے کہا کہ اواہ سے وہ شخص مراد ہے جو خوف سے آہ آہ کرنے والا یقین کی وجہ سے گڑگڑانے والا اور طاعت کا التزام کرنے والا زجاج نے کہا کہ ابو عبیدہ کا قول ان تمام معانی کو جامع ہے جو اواہ کے بیان کیے جاتے ہیں اواہ وہ آواز جو سینے سے سانس لیتے وقت آواز سے نکلے (جس کو آسان الفاظ میں ٹھنڈا سانس بھی کہا جاتا ہے) اور والحلیم وہ شخص جو اس کو گالی دے یا ناپسند بات کہے اس سے درگزر کرے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کی دھمکی کا جواب سلام سے دیا۔ "لئن لم تنته لارجمنک واهجرنی ملیا قال سلام علیک ساستغفرلک ربی" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حلیم بمعنی سردار ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًام بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کے پیچھے گمراہ کردے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلادے جن سے وہ بچتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

(تفسیر) ۱۱۵ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًام بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اوامر کو چھوڑنے کی وجہ سے گمراہی کا فیصلہ کرنے والے نہ تھے تمہارے مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی وجہ سے...... "حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ" مراد یہ ہے کہ حتیٰ کہ تمہارے سامنے نہی آجائے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ بیان کردے اور تم اس کو نہ لو تو اس وقت تم گمراہی کے مستحق ہوگے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بیان مؤمنین کو مشرکین کے لیے استغفار چھوڑنے کے بارے میں خاص ہے اور اپنی معصیت چھوڑنے اور طاعت کرنے کے بارے میں عام ہے، پس تم کرو اور چھوڑ دو۔

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک ان کو یہ بیان نہ کردیں کہ کیا انہوں نے چھوڑنا ہے اور کیا کرنا ہے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ احکام کے بارے میں ہے کیونکہ ایک قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اسلام قبول کیا۔ اس وقت تک نہ شراب حرام ہوئی تھی اور نہ قبلہ کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تھا تو وہ

اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور اسی حالت پر رہے اور شراب حرام کردی گئی اور قبلہ کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا اور ان کو اس کا بالکل علم نہ تھا۔ پھر وہ مدینہ آئے تو معلوم ہوا کہ شراب حرام کردی گئی ہے اور قبلہ پھیر دیا گیا ہے تو عرض کرنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام ایک دین پر تھے اور ہم اس کے علاوہ دین پر چلتے رہے تو ہم گمراہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "وما کان اللّٰہ لیضل قومًا بعد اذ ھدٰھم" یعنی اللہ تعالیٰ کسی ایسی قوم کے عمل کو باطل نہیں کرتے جو منسوخ حکم کو جانتی ہو۔ یہاں تک کہ ان کو ناسخ بیان کردے۔ "اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" پھر اپنی تعظیم کی اور فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: اور بلا شبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار اللہ تعالیٰ نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان (گروہ) کے حال پر توجہ فرمائی بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔

تفسیر: ﴿۱۱۶﴾ "اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو چاہے حکم کرے یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ"

﴿۱۱۷﴾ "لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ" یعنی اللہ تعالیٰ نے درگزر کردیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی توبہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے منافقین کو جنگ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی اور بعض نے کہا کہ کلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع کیا اس لیے کہ آپ علیہ السلام ان کی توبہ کا سبب تھے۔ جیسے فرمایا "فانّ للّٰہ خمسه و للرّسول" اور اسی کی مثل کئی جگہوں پر "وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ" یعنی تنگی کے وقت میں یہاں کوئی متعین گھڑی مراد نہیں ہے اور غزوہ تبوک کا نام غزوۃ العسرۃ رکھا گیا ہے اور لشکر کا نام جیش العسرۃ رکھا گیا ہے اور عسرۃ بمعنی سختی تنگی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر سواریوں، سفر خرچ اور پانی میں تنگی تھی۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے، ایک شخص تھوڑی دیر سوار ہوتا پھر وہ اُتر جاتا تو دوسرا سوار ہو جاتا اور ان کا سفر خرچ کیڑے لگی ہوئی کھجوریں اور خراب جو تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت اس حال پر نکلی کہ ان کے پاس چند کھجوریں تھیں۔ جب ان کو بھوک لگتی تو ایک کھجور کو چاٹ لیتا تو اس کا ذائقہ آجاتا۔ پھر اپنے ساتھی کو دے دیتا تو وہ اس کو چوس لیتا پھر اس پر ایک گھونٹ پانی پی لیتا۔ اسی طرح سب لوگ کرتے یہاں تک کہ اس کھجور پر صرف گٹھلی باقی رہ جاتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی

سچائی اور یقین کے ساتھ چلتے رہے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ سخت گرمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک کی طرف نکلے تو ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا ہمیں وہاں سخت پیاس لگی حتیٰ کہ ہمیں لگنے لگا کہ ہم عنقریب ختم ہو جائیں گے حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی شخص پانی کی تلاش میں جاتا تو وہ نہ لوٹتا حتیٰ کہ گمان ہوتا کہ وہ ہلاک ہو چکا ہوگا اور یہ حالت آ گئی کہ کوئی شخص اونٹ کو نحر کرتا پھر اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پانی پی لیتا اور باقی کو اپنے جگر پر ڈال دیتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام دُعا کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا آپ اس کو پسند کرتے ہیں؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جی ہاں۔ تو آپ علیہ السلام نے ہاتھ اُٹھائے اور ان کو نیچے نہیں کیا تھا کہ بوجھل بادل آئے اور سایہ کیا پھر خوب برسے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے ساتھ جو مشکیزے تھے وہ بھر لیے۔ پھر ہم گئے تو دیکھتے تھے کہ اس بارش نے لشکر سے تجاوز نہ کیا تھا یعنی لشکر کے پڑاؤ سے آگے کی جگہ بارش نہ تھی۔

"مِنْ م بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ حمزہ اور حفص رحمہما اللہ نے "یزیغ" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول "کاد" کی وجہ سے اور "کادت" نہیں کہا اور دیگر حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور الزیغ مائل ہونا، یعنی اس کے بعد کہ قریب تھا کہ مائل ہو جائیں۔ "قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ "یعنی ان میں سے بعض کے دل۔ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ " یہاں دین سے انحراف مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جنگ سے انحراف اور واپس چلے جانے کا دل میں خیال آیا، سفر کی تنگیوں کی وجہ سے۔ "ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ "اگر یہ اعتراض ہو کہ کیسے توبہ کا اعادہ کیا حالانکہ اس سے پہلی آیت میں فرما دیا ہے کہ "لقد تاب الله على النبي" تو جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں توبہ کا ذکر گناہ سے پہلے تھا اور یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ پھر جب گناہ کو ذکر کیا تو توبہ کو دوبارہ ذکر کیا کہ ان کی توبہ قبول کر لی۔ " اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ "ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیں تو اس کو اس پر کبھی عذاب نہ دیں گے۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۗ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۗ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿118﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿119﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿120﴾

ترجمہ اور ان شخصوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب (ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ) زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جاوے (اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے) پھر ان کے حال پر (بھی خاص) توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی (اللہ کی طرف) رجوع رہا کریں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو مدینے کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش (رہتے ہیں) ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ (زیبا تھا) کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں (اور) یہ (ساتھ جانے کا ضروری ہونا) اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والے صحابہ اور کعب بن مالک کا واقعہ

تفسیر ⑪⑧ "وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا" یعنی غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے اور بعض نے کہا ہے کہ "خلفوا" یعنی ان کا معاملہ مؤخر کیا گیا ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ سے اور یہ تین حضرات کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت کعب نے فرمایا جس غزوہ پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے میں کسی غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سے سوائے غزوہ تبوک کے پیچھے نہیں رہا۔ ہاں غزوہ بدر میں ساتھ نہیں گیا تھا (اور بدر میں میرا شریک نہ ہونا قابل مواخذہ نہ تھا کیونکہ) جو لوگ بدر کو نہ جاسکے ان میں سے کسی پر اللہ نے عتاب نہیں کیا۔ وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے (لڑائی کا ارادہ ہی نہ تھا) لیکن بغیر کسی مقررہ وعدہ کے دشمن سے بحکم خدا مڈبھیڑ ہوگئی۔ میں عقبہ والی رات میں بھی حاضر تھا (یعنی تیسرے عقبہ کے موقع پر جب انصار نے بیعت کی تھی میں بھی موجود تھا) وہاں ہم سب نے اسلام پر مضبوط عہد و پیمان کیا تھا۔ اگرچہ لوگوں میں بدر کی شہرت زیادہ ہے لیکن شب عقبہ کی حاضری کے مقابلہ میں بدر کی شرکت میرے خیال میں افضل نہیں ہے۔

میرا واقعہ یہ ہوا کہ غزوہ تبوک کے زمانہ میں میں بڑا طاقتور اور فراخ حال تھا۔ اس سے پہلے کبھی میں اتنا مرفہ الحال اور طاقتور نہ ہوا۔ اس زمانہ میں پہلی ہی مرتبہ میرے پاس سواری کی دو اونٹنیاں ہوئیں۔ اس سے پہلے میرے پاس کبھی دو سواریاں نہیں ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تھے تو بطور توریہ کسی دوسرے جہاد کا نام لے دیتے تھے اور فرماتے تھے لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔ جب تبوک کے جہاد کا موقع آیا تو گرمی سخت تھی، سفر طویل تھا، راستہ میں بیابان تھے، دشمنوں کی تعداد بہت تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کھول کر بیان فرما دیا تھا اور اپنے رخ کی صحیح

اطلاع دے دی تھی تاکہ اپنے جہاد کی تیاری کرلیں۔ مسلمانوں کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت تھی۔ بقول مسلم دس ہزار مسلمان ساتھ تھے۔ حاکم نے اکلیل میں حضرت معاذ کی روایت سے لکھا ہے کہ غزوہ تبوک کو جانے کے وقت ہماری تعداد تیس ہزار سے بھی زائد تھی۔ ابوزرعہ نے کہا: کسی کتاب میں ان کے نام محفوظ نہ تھے۔ زہری نے کہا کتاب سے مراد رجسٹر ہے جو آدمی بھی غیر حاضر ہونا چاہتا تھا۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ جب تک میرے بارے میں اللہ کی طرف سے وحی نہ آئے' میرا معاملہ پوشیدہ ہے (کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کا ارادہ ایسے وقت کیا جب پھل اور (درختوں کے) سائے خوشگوار ہوگئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے تیاریاں کرلیں اور جمعرات کے دن روانہ ہوگئے۔ آپ سفر پر خواہ جہاد کا ہو یا کسی اور غرض سے' جمعرات کو روانہ ہونا ہی پسند فرماتے تھے۔ میں بھی (روزانہ) صبح کو تیاری کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلتا تھا مگر بغیر کچھ کئے واپس آجاتا تھا اور دل میں کہتا تھا: مجھ میں استطاعت ہے' جب چاہوں گا فوراً کرلوں گا۔ یونہی وقت ٹلتا رہا' یہاں تک کہ گرمی سخت ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئے اور میں اپنی کچھ بھی تیاری نہ کرسکا اور دل میں خیال کرلیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک دو روز میں تیاری مکمل کرکے پیچھے سے جا پہنچوں گا۔ مسلمانوں کی روانگی کے بعد میں تیاری کرنے کیلئے صبح کو نکلا مگر بغیر کچھ کئے لوٹ آیا۔ پھر دوسرے روز صبح کو نکلا' تب بھی کچھ نہیں کیا۔ اسی طرح مدت بڑھتی گئی یہاں تک کہ لوگ دور چلے گئے اور تیزی کے ساتھ جہاد کی طرف بڑھ گئے اور میں ارادہ ہی کرتا رہا کہ (جلد) کوچ کرکے ان کو پیچھے سے جالوں گا۔ کاش! میں نے ایسا کرلیا ہوتا' مگر میرے مقدر میں ہی نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد جب میں باہر نکل کر لوگوں کو دیکھتا تھا تو گھومنے کے بعد مجھے یا تو صرف وہ لوگ نظر آتے تھے جو منافق کہے جاتے تھے یا وہ کمزور لوگ دکھائی دیتے تھے جن کو اللہ نے معذور بنا دیا تھا اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ تبوک پہنچنے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا تذکرہ نہیں کیا۔ تبوک پہنچ کر ایک روز آپ صحابہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دریافت فرمایا: کعب بن مالک کو کیا ہوگیا؟ بنی سلمہ کے یا میری قوم کے ایک آدمی نے (جس کا نام حسب روایت محمد بن عمر' عبداللہ بن انیس سلمی تھا) کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کو اس کی دو چادروں نے اور (غرور وفخر کے ساتھ) اپنے دونوں پہلوؤں پر دیکھنے نے نہیں آنے دیا (یعنی آج کل وہ مرفہ الحال ہے' ایک چادر باندھتا ہے' ایک اوڑھتا ہے اور دونوں طرف گردن موڑ موڑ کر اپنے مونڈھوں کو دیکھتا ہے' اسی وجہ سے وہ نہ آسکا) حضرت معاذ بن جبل یا ابوقتادہ نے کہا: تم نے بری بات کہی (ایسا نہیں ہے) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم میں نے اس کے اندر سوائے اچھائی کے اور کچھ نہیں پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔

حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے: جب مجھے اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آنے کیلئے چل پڑے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کیلئے عذر بنانے لگا اور ایسی بات کی تیاری کرنے لگا کہ کل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے میں کس طرح بچ سکوں گا۔ مختلف اہل الرائے اور گھر والوں سے میں نے اس معاملہ میں مدد بھی لی۔ پھر جب مجھ سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی آپہنچے ہیں تو میرے دل سے تمام غلط خیالات جاتے رہے اور

میں سمجھ گیا کہ جس بات میں جھوٹ کی آمیزش ہوگی' اس کے ذریعہ سے میں ناراضگی سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور یقین کرلیا کہ سچائی ہی مجھے نجات دے سکتی ہے۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

ابن سعد نے کہا رمضان میں (واپس پہنچے) کعب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (سفر سے واپس) آتے تھے تو دن چڑھے مدینہ میں پہنچتے تھے اور سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے' پھر وہیں بیٹھ جاتے تھے' پھر وہاں سے حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے جاتے تھے' اس کے بعد امہات المومنین کے ہاں جاتے تھے۔ حسب دستور آپ نے سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی' پھر وہیں لوگوں کے (معاملات سننے کے) لئے بیٹھ گئے۔ اب تبوک کی شرکت سے رہنے والے لوگ آنے لگے اور (اپنے اپنے) عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ سب لوگ کچھ اوپر اسی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر کو قبول کرلیا' ان سے بیعت لے لی اور ان کیلئے دعائے مغفرت کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کردیا۔ جب میں خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ مسکرادیئے' مگر مسکراہٹ غصہ آلود تھی اور فرمایا آؤ۔ میں چلتا چلتا سامنے پہنچ کر بیٹھ گیا۔ ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ کعب نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے میری طرف سے کیوں منہ پھیر لیا؟ واللہ! میں منافق نہیں ہوں' نہ مجھے (اسلام کی صداقت میں) کوئی شک ہے' نہ میں (عقیدہ اسلام سے) بدل گیا ہوں۔ فرمایا پھر تم (ساتھ جانے سے) کیوں رہ گئے' کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی؟ میں نے عرض کیا: بیشک (میں نے سواری بھی خرید لی تھی) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں کسی اور دنیا دار کے پاس اس وقت بیٹھا ہوتا تو خدا کی قسم! کوئی عذر معذرت کرکے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا۔ کیونکہ مجھ میں قوت کلامیہ (اور دلیل کی طاقت) موجود ہے' لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر میں آپ کے سامنے جھوٹ بنا بھی دوں گا اور آپ راضی بھی ہوجائیں گے تب بھی عنقریب اللہ آپ کو مجھ سے ناراض کردے گا اور اگر سچ کہہ دوں گا تو گو آپ ناراض ہوجائیں گے مگر امید ہے کہ اللہ مجھے معاف فرمادے گا۔ بخدا! مجھے کوئی عذر نہ تھا' نہ اس سے پہلے میں اتنا طاقتور اور فراخ حال (کبھی ہوا) تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے سچی بات کہہ دی۔ اب تم اٹھ جاؤ اور اللہ جو کچھ چاہے گا' تمہارے متعلق فیصلہ کردے گا۔

میرے سچ بولنے کی وجہ سے بنی سلمہ کے کچھ لوگ برانگیختہ ہوگئے اور کہنے لگے: تو نے اس سے پہلے تو کوئی جرم کیا نہ تھا' نہ اتنا کمزور تھا کہ جس طرح دوسرے شرکت نہ کرنے والوں نے اپنی عدم شرکت کے عذر کئے (اور عتاب سے بچ گئے) تو کوئی عذر نہ پیش کرسکتا (آئندہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مغفرت تیرے (اس) گناہ کے معاف ہونے کیلئے کافی تھی۔ غرض وہ برابر مجھے ڈانٹتے اور سرزنش کرتے رہے اور اتنی سرزنش کی کہ میرا ارادہ ہوگیا کہ دوبارہ خدمت گرامی میں حاضر ہوکر اپنے پہلے قول کی تکذیب کردوں۔ لیکن میں نے کہہ دیا' مجھ سے دو جرم یکجا نہیں ہوسکتے کہ جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نہیں گیا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بھی بولوں۔

پھر میں نے لوگوں سے دریافت کیا: کیا میرے ساتھ ایسا کوئی اور بھی ہے جو تبوک کو نہیں گیا ہو (اور اس نے کوئی عذر تراشی

بھی نہ کی ہو) لوگوں نے کہا: ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اسی طرح کی بات کہی تھی جیسی تو نے کی تھی اور ان کو بھی وہی ہدایت کی گئی جو تجھے کی گئی۔ میں نے پوچھا: وہ دونوں کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی۔

حضرت کعب کا بیان ہے کہ: لوگوں نے میرے سامنے دو نیک آدمیوں کا نام لیا جو بدر میں شریک ہو چکے تھے اور جن کی پیروی کی جاسکتی تھی۔ ان کا نام سن کر میں اپنی سابق بات پر قائم رہا جو لوگ تبوک کو نہیں گئے تھے ان میں سے صرف ہم تینوں سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کلام کرنے کی ممانعت فرمادی۔ لوگ اس فرمان کے بعد ہمارے لئے بالکل بدل گئے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے: ہم صبح کو لوگوں میں نکلتے تھے مگر کوئی ہم سے سلام کلام نہیں کرتا تھا' نہ ہمارے سلام کا جواب دیتا تھا۔ عبدالرزاق کی روایت ہے: لوگ ایسے بدل گئے کہ گویا وہ ہم کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ در و دیوار اجنبی ہو گئے' وہ در و دیوار ہی نہ رہے جن کو ہم پہچانتے تھے۔ میرے لئے سب سے زیادہ رنج آفریں یہ خیال تھا کہ اگر میں اسی حالت میں مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازہ کی نماز بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میری یہی حالت قائم رہے گی کہ نہ کوئی مجھ سے کلام کرے گا نہ میرے جنازے کی نماز پڑھے گا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سرزمین ہی میرے لئے اجنبی ہوگئی' وہ بستی وہ نہ رہی جو میری شناسا تھی۔ یہ حالت پچاس رات قائم رہی۔ میرے دونوں ساتھی تو کمزور تھے' وہ گھروں میں بیٹھ رہے مگر میں طاقتور اور جوان تھا' گھر سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا مگر کوئی مجھ سے کلام سلام نہیں کرتا تھا۔ نماز کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے جلسہ میں بیٹھے ہوتے تو میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور دل میں کہتا: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کیلئے لب مبارک ہلائے یا نہیں' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر (دانستہ) نماز پڑھتا اور کن انکھیوں سے دیکھتا رہتا (کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ میری طرف ہوئی یا نہیں (جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف منہ کر لیتے' لیکن جب میں التفات نظر کرتا تو آپ منہ پھیر لیتے۔ جب مدت تک لوگ مجھ سے یونہی دور دور رہے تو ایک روز دیوار پھلانگ کر میں ابوقتادہ کے پاس ان کے باغ میں پہنچ گیا۔ ابوقتادہ میرے چچازاد تھے یعنی قبیلہ بنی سلمہ سے تھے' میرے باپ کے بھائی کے بیٹے نہ تھے۔ مجھے ان سے بڑی محبت تھی۔ میں نے ان کو سلام کیا مگر خدا کی قسم! انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: ابوقتادہ! یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ ابوقتادہ خاموش رہے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی۔ وہ خاموش رہے' کوئی بات نہیں کی۔ تیسری یا چوتھی بار کہنے کے بعد انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوب معلوم ہے۔ یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور لوٹ کر دیوار پھلانگ کر میں آگیا۔ ایک روز میں بازار میں جا رہا تھا کہ علاقہ شام کا رہنے والا ایک دیہاتی نظر پڑا' یہ شخص غلہ لے کر مدینہ میں بیچنے آیا تھا۔ کسی سے اس نے پوچھا: مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتا دے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ وہ میرے پاس آیا اور ایک خط مجھے دیا جو شاہ غسان کی طرف سے تھا (یعنی بادشاہ شام کی طرف سے) ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ میرے قبیلہ کا کوئی آدمی شام میں تھا' اس نے بھیجا تھا۔ خط ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپٹا ہوا تھا اور اس میں لکھا تھا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہارے ساتھی نے تم

کو دور کر دیا ہے اور پرے پھینک دیا ہے اور اللہ نے تم کو ایسا نہیں بنایا کہ ذلت کے مقام میں رہو اور تمہارا حق ضائع کیا جاتا رہے۔ اس لئے اگر تم سکونت منتقل کرنا چاہتے ہو تو ہم سے آملو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ خط پڑھ کر میں نے کہا: یہ بھی (اللہ کی طرف سے) آزمائش ہے کہ کافر بھی میرا لالچ کرنے لگے (میری ذات کافروں کے لالچ کی جولان گاہ بن گئی) پھر میں نے تحریر کو تنور میں جھونک دیا۔ ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حالت کا شکوہ کیا اور عرض کیا: آپ کی مجھ سے روگردانی اب اس حد تک پہنچ گئی کہ مشرک میرا لالچ کرنے لگے۔

جب پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے پاس پہنچا۔ محمد بن عمر نے اس قاصد کا نام خزیمہ بن ثابت بتایا ہے' یہی قاصد مرارہ اور ہلال کے پاس بھی گیا۔ قاصد نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے کہا: کیا طلاق دے دوں یا کچھ اور؟ اس نے کہا: طلاق کا حکم نہیں ہے۔ اس سے الگ رہو' قربت نہ کرو۔ میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی یہی حکم پہنچا۔ حسب الحکم میں نے اپنی بیوی سے کہا: اپنے گھر چلی جا اور فیصلہ قطعی ہونے تک وہیں رہ۔ ہلال بن امیہ کی بیوی یعنی خولہ بنت عاصم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہلال بن امیہ بوڑھا آدمی ہے' اپنا کام خود نہیں کر سکتا اور اس کا کوئی خادم بھی نہیں ہے۔ کیا اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو آپ کی ناگواری کا باعث ہوگا؟ ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: وہ بوڑھا ہے' نظر بہت کمزور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں (کام کر دینے کی ممانعت نہیں ہے) مگر وہ تجھ سے قربت نہ کرے۔ عورت نے کہا: خدا کی قسم! اس کو تو کسی بات کی حس ہی نہیں ہے۔ جب سے اس کا یہ واقعہ ہوا ہے برابر آج تک رونے میں مشغول ہے۔ حضرت کعب کا بیان ہے مجھ سے بھی میرے کسی گھر والے نے کہا اگر ہلال بن امیہ کی بیوی کی طرح تم بھی اپنی بیوی کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لو وہ تمہاری خدمت کر دیا کرے تو مناسب ہے میں نے کہا خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں مانگوں گا۔ کیا معلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں اور میں تو جوان آدمی ہوں (مجھے دوسرے سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے) اسی حالت میں دس راتیں اور گزر گئیں اور پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔

کعب کا بیان ہے پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر کی چھت پر (بیٹھا) تھا اور میری حالت وہ تھی جو اللہ نے بیان فرمائی ہے (ضاقت علیهم الارض بما رحبت) زمین باوجود فراخ ہونے کے میرے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ یکدم ایک چیخنے والے کی آواز سنائی دی جو کوہ سلع پر چڑھ کر انتہائی اونچی آواز سے چیخا تھا: اے کعب بن مالک! تجھے خوشخبری ہو۔ محمد بن عمر کی روایت ہے کہ وہ کوہ سلع پر چڑھنے والے حضرت ابوبکر تھے۔ آپ نے ہی پکار کر کہا تھا: اللہ نے کعب پر رحم فرما دیا۔ اے کعب! خوش ہو جا۔ عقبہ کی روایت ہے کہ دو آدمی دوڑے ہوئے حضرت کعب کو بشارت دینے کیلئے گئے' ایک آگے بڑھ گیا جو پیچھے رہ گیا تھا' وہ کوہ سلع پر چڑھ گیا اور وہیں سے اس نے ندا کی: اے کعب! توبہ قبول ہونے کی تجھے بشارت ہو۔ اللہ نے تم لوگوں کے بارے میں قرآن نازل فرما دیا۔

اہل تاریخ کا خیال ہے کہ بشارت دینے کیلئے دوڑنے والے یہ دونوں حضرات حضرت ابوبکر و حضرت عمر تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے آواز سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور خوشی سے رونے لگا اور سمجھ گیا کہ کشائش کا وقت آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمایا۔ لوگ ہم کو بشارت دینے کیلئے آ گئے۔ کچھ اور لوگ میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری دینے کیلئے پہنچے۔ ایک شخص گھوڑا دوڑاتا میرے پاس آیا۔ محمد بن عمر نے کہا: یہ حضرت زبیر بن عوام تھے۔ قبیلہ اسلم کا ایک اور شخص بھی دوڑ پڑا مگر گھوڑے کے پہنچنے سے پہلے مجھے آواز پہنچ گئی تھی۔ اس لئے جب وہ شخص آیا جس کی آواز میں نے سنی تھی' یعنی حمزہ اسلمی تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو پہنا دیئے۔ خدا کی قسم! میرے پاس ان دو کپڑوں کے سوا اور کپڑے ہی نہ تھے۔ ابوقتادہ (بروایت میں محمد بن عمر) سے دو کپڑے عاریۃً لے کر میں نے پہنے۔ ہلال بن امیہ کو قبول توبہ کی خوشخبری دینے سعید بن زید گئے تھے۔ ہلال نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا' مسلسل روزے رکھ رہے تھے اور برابر رونے میں مشغول تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ سر بھی نہیں اٹھا سکتے' ان کی جان نکل جائے گی۔ مرارہ بن ربیع کو بشارت سلکان بن سلامہ نے دی۔ یہ سلامہ بن وقش کے باپ تھے۔

حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوا۔ راستہ میں لوگوں کے گروہ درگروہ مبارک باد دینے کیلئے مجھ سے ملتے رہے۔ آخر میں مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے' گرداگرد لوگ بھی موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبیداللہ اٹھے اور لپک کر میری طرف بڑھے' مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ مہاجرین میں سے سوائے طلحہ کے اور کوئی نہیں اٹھا۔ میں طلحہ کی یہ بات نہیں بھولوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ میں نے سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سے تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے' اس وقت سے آج تک ہر دن سے بہتر دن کی تجھے بشارت ہو۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ فرمایا: نہیں' اللہ کی طرف سے ہے۔ تم لوگوں نے اللہ سے سچا معاملہ کیا' اللہ نے بھی تم کو سچا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ خوشی کے وقت آپ کا چہرہ چمکنے لگتا تھا' معلوم ہوتا تھا چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہم دیکھ کر پہچان لیتے تھے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خوش ہیں) جب میں سامنے بیٹھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنے کل مال سے دستبردار ہو جاؤں اور بطور صدقہ اللہ اور اس کے رسول کے خدمت میں پیش کر دوں۔ فرمایا کچھ مال اپنے لئے بھی روک رکھو' تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: اچھا! نصف مال (سے دستبردار ہوتا ہوں) فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: تو ایک تہائی (قبول کر لیجئے) فرمایا اچھا۔ میں نے عرض کیا تو خیبر میں جو میرا حصہ ہے' میں اس کو روکے رکھتا ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے مجھے نجات دی ہے۔ لہٰذا میری توبہ کا تتمہ یہ بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ سچ ہی بولوں گا۔ خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے جو کرم اللہ نے مجھ پر کیا ہے' کسی اور پر اس سے بہتر احسان کیا ہوگا۔ چنانچہ اس عہد کے بعد آج تک میں نے

کبھی جھوٹ نہیں بولا اور امید ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ اللہ جھوٹ بولنے سے مجھے محفوظ رکھے گا۔

اللہ نے توبہ قبول فرمانے کے سلسلہ میں لقد تاب الله علی النبی والمهاجرین والانصار سے وکونوا مع الصادقین تک آیات نازل فرمائیں۔

"حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ" غم کی وجہ سے "وظنّوا" یعنی انہوں نے یقین کرلیا۔ "اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ یعنی اللہ سے کوئی جائے فرار نہ ہے اِلَّا اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا" یعنی تا کہ وہ توبہ پر قائم رہیں کیونکہ توبہ تو وہ پہلے کر چکے تھے۔ "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ"

⑲ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ ہو جاؤ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہو جاؤ اور ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے قول "للفقراء المهاجرين" سے "اولئک هم الصادقون" تک کی وجہ سے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جن کی نیتیں سچی ہیں اور دل اور عمل سیدھے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک کی طرف اخلاص نیت کے ساتھ نکلے اور بعض نے کہا ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جنہوں نے گناہ کا اعتراف کرنے میں سچ بولا اور جھوٹے عذر نہیں کیے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما پڑھتے تھے "وکونوا مع الصادقین" اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹ نہ سنجیدگی میں درست ہے اور نہ مذاق میں اور تم میں سے کوئی اپنے بچے سے ایسا وعدہ نہ کرے کہ پھر اس کو پورا نہ کر سکے۔ اگر سچا ہو تو یہ آیت پڑھو "کونوا مع الصّادقین"

⑳ "مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ" اس کا ظاہر خبر ہے اور حقیقی معنی نہی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما كان لكم ان تؤذوا رسول الله" ہے۔ "وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ" مزینہ، جہینہ، اشجع، اسلم اور غفار کے دیہاتوں کے رہنے والے۔ "اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ" جب وہ کسی غزوہ پر تشریف لے جائیں۔ "وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت، مدد اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے میں۔

حسن فرماتے ہیں وہ بے رغبتی ظاہر نہ کریں اس بات سے کہ ان کو سختیاں پہنچیں تو وہ پستی اختیار کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی مشقت اور تھکاوٹ میں ہوں۔

"ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ" ان کے سفر میں "ظَمَاٌ" پیاس "وَّلَا نَصَبٌ" تھکاوٹ "وَّلَا مَخْمَصَةٌ" بھوک "فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا" زمین "یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ" ان کا اس کو روندنا "وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا" یعنی ان کو ان کے دشمنوں سے قتل یا قید یا غنیمت یا شکست نہیں پہنچی۔ "اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ"

عبایہ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے لیے جا رہا تھا تو مجھے راستے میں ابوعبس رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس شخص کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوں تو اللہ تعالیٰ ان قدموں کو آگ پر

حرام کردیں گے۔ اس آیت کے حکم میں علماء رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کہ جب آپ علیہ السلام خود کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جارہے ہوں تو کسی کے لیے اس سے پیچھے رہ جانا جائز نہیں ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آئمہ اور حکمران اگر جائیں تو مسلمانوں میں سے جو چاہے جنگ سے پیچھے رہ سکتا ہے۔ جب مسلمانوں کو اس کے جانے کی ضرورت نہ ہو اور ولید بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اوزاعی، ابن مبارک، ابن جابر، سعید بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کو سنا کہ اس آیت کے بارے میں فرماتے تھے کہ بے شک یہ اس اُمت کا ابتداء اس کا آخر ہے۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت تھا جب اسلام والے تھوڑے تھے جب ان کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور جنگ سے پیچھے رہ جانے کو جائز قرار دے دیا اور فرمایا "وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ"

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: اور (نیز) جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام (نیکیوں میں) لکھا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے (ان سب) کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

تفسیر: ﴿۱۲۱﴾ "وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً" اللہ کے راستے میں "صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا وہ اپنے سفر میں کسی وادی سے تجاوز نہیں کرتے آتے اور جاتے اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ یعنی ان کے آثار اور قدموں کے نشانات لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" خزیم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے راستے میں کچھ مال خرچ کیا تو اس کے لیے سات سو گنا تک اجر لکھا جائے گا۔ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک شخص نکیل ڈالی ہوئی اونٹنی لے کر آیا اور کہا یہ اللہ کے راستے میں ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، تیرے لیے اس کے بدلے قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ہوں گی سب کو نکیل ڈالی ہوئی ہوں گی۔ زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کو سامان دیا تو اس نے جہاد کیا اور جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے گھر والوں کی اچھی خبر گیری کی تو اس نے بھی جہاد کیا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: اور (ہمیشہ کیلئے) مسلمانوں کو یہ (بھی) نہ چاہئے کہ (جہاد کے واسطے) سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تا کہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں تا کہ یہ لوگ اپنی (اس) قوم کو جبکہ وہ ان کے پاس

آویں ڈراویں تاکہ وہ ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے احتیاط رکھیں۔

تفسیر ⑫٢ "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً" کلبی رحمہ اللہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کے عیب بیان کیے غزوہ تبوک میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو لشکر بھیجتے تو تمام مسلمان غزوہ کی طرف نکل کھڑے ہوتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ نفی نہی کے معنی میں ہے۔ "فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ" یعنی کیوں نہیں نکلتی جنگ کی طرف ایک جماعت ہر قبیلہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت باقی رہ جائے۔ "لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ" یعنی پیچھے رہ جانے والے قرآن اور سنن اور فرائض واحکام سیکھیں۔ پھر جب لشکر واپس آجائیں تو ان کو خبر دیں کہ ان کے بعد کیا احکام نازل کیے گئے ہیں۔ پھر وہ لشکر کے لوگ ان احکام کو سیکھنے کے لیے ٹھہر جائیں اور دوسری جماعت بھیج دیں تو یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ" اور تاکہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں اور اس کے ذریعے ڈرائیں۔ "اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ" جہالت سے ہیں وہ اس کے خلاف عمل نہ کریں حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سمجھ اور ڈرانا اس جماعت کی طرف لوٹ رہا ہے جو جہاد کے لیے کی گئی تھی اور معنی یہ ہے کہ کیوں نہیں نکلی ایک جماعت کہ وہ سمجھ حاصل کرلیں۔ وہ بصیرت حاصل کرلیں اس سے جو اللہ ان کو مشرکوں پر غلبہ اور دین کی مدد کرکے دکھائے گا اور اپنی کافر قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف جہاد سے لوٹیں۔ پھر ان کو خبر دیں اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کی مدد کی تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی سے باز آجائیں کہ کہیں ان پر وہ مصیبت نہ آجائے جو ان کے کافر ساتھیوں پر آئی۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا ایک اور مطلب بھی ہے وہ یہ کہ بنو اسد اور خزیمہ کے قبیلوں پر سخت قحط آیا تو وہ اپنی اولاد کے ساتھ مدینہ آگئے اور مدینہ کے راستوں کو گندگی سے خراب کردیا اور اس کی چیزوں کے نرخ بڑھا دیئے تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔

"وما كان المؤمنون لينفروا كآفة فلولا نفر من كلّ فرقة منهم طائفة" یعنی ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ سارے نکل کھڑے ہوں لیکن ہر قبیلہ سے ایک جماعت جو دین میں سمجھ حاصل کرے۔ مجاہد کا قول ہے کہ کچھ لوگ تبلیغ کرنے اور دعوت وہدایت دینے کیلئے دیہات اور صحراء کی طرف گئے۔ لوگوں نے ان سے کہا تم ہمارے پاس تو تبلیغ کرنے آگئے اور اپنے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آگئے۔ یہ بات سن کر ان حضرات کے دلوں میں کچھ اور ہی ہوا وہ فوراً دیہات سے لوٹ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ دیتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کو سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح (مرکز) کانیں پاؤ گے پس جو ان میں سے بہتر جاہلیت میں تھے وہ اسلام بھی بہتر ہیں۔ وہ دین کی سمجھ (فقہ) اختیار کرلیں۔ فقہ دین کے احکام کو پہچاننا اور یہ تقسیم ہوتا ہے فرض عین اور فرض کفایہ کی طرف۔

پس فرض عین جیسے طہارت، نماز، روزے کا علم تو ہر مکلف پر اس کا جاننا ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کا طلب کرنا

ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور اسی طرح ہر وہ عبادت جس کو شریعت نے ہر ایک پر واجب کیا ہو تو اس کی معرفت اور اس کے علم کی معرفت واجب ہے جیسے زکوٰۃ کا علم۔ اگر کسی کے پاس مال ہو اور حج کا علم اگر حج واجب ہو اور بہر حال فرض کفایہ یہ ہے کہ اتنا علم حاصل کرے کہ اجتہاد اور فتویٰ کے مرتبہ تک پہنچ جائے جب سارے شہر والے اس علم کے حاصل کرنے سے بیٹھ گئے تو سارے گناہ گار ہوں گے اور اگر کسی شہر سے ایک شخص بھی اس فرض کفایہ علم کو حاصل کرنے نکل کھڑا ہو تو دوسروں سے فرض ساقط ہو جائے گا اور ان پر اس عالم کی تقلید واجب ہے نئے پیش آنے والے مسائل میں۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر میری تمہارے ادنیٰ پر فضیلت کی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ زیادہ بھاری ہے شیطان پر ہزار عبادت گزاروں سے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کا طلب کرنا نفل نماز سے افضل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ⑫③ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ⑫④ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ⑫⑤

ترجمہ: اے ایمان والو ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس (رہتے ہیں) اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (کی امداد) متقی لوگوں کے ساتھ ہے پس ان سے ڈرو دبومت) اور جب کوئی سورۃ (جدید) نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین (غرباء و مسلمین سے بطور تمسخر) کہتے ہیں کہ (کہو) اس سورۃ نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی سو (سنو) جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے (تو) ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ (اس ترقی کے ادراک سے) خوش ہو رہے ہیں اور جن کے دلوں میں (نفاق) کا آزار ہے اس سورت نے ان میں ان کو (پہلی) گندگی کے ساتھ اور (نئی) گندگی بڑھا دی اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔

تفسیر ⑫③ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ" آیت میں گھر اور نسب کے اعتبار سے قریبی لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جیسے بنوقریظہ، بنونضیر اور خیبر وغیرہ اور بعض نے کہا اس سے روم مراد ہیں اس لیے کہ وہ شام کے رہائشی ہیں اور ملک شام عراق کی بنسبت مدینہ سے زیادہ قریب ہے۔ "وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً" سختی اور غیرت۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا جہاد پر صبر۔ "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ" سرداور تصرف کیساتھ۔

⑫④ "وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا" یقین، منافقین یہ بات استہزاء کے لیے کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا" یقین اور تصدیق "وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ" قرآن کے اترنے پر خوش ہوتے ہیں۔

⑫⑤ "وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" شک اور نفاق "فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ" یعنی ان کا کفر زیادہ ہوتا ہے۔ ہر سورت کے نزول کے وقت وہ اس کا انکار کرتے ہیں تو اس کے ذریعے ان کا کفر زیادہ ہوتا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اشارہ

ہے کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں سے ایک یا دو کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے آؤ ہم ایمان کو زیادہ کرلیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بے شک دل میں سفید نقطے کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ پھر جب ایمان زیادہ ہوتا ہے تو وہ نقطہ بھی زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ مکمل دل سفید روشن ہو جاتا ہے اور بے شک دل میں سیاہ دھبہ کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ پھر جب بھی نفاق زیادہ ہوتا ہے تو وہ سیاہ دھبہ بھی بڑھتا ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اللہ کی قسم! اگر تم کسی مسلمان کا دل کھول کر دیکھو تو اس کو بالکل سفید پاؤ گے اور اگر کسی منافق کا دل چیر کر دیکھو تو اس کو بالکل سیاہ پاؤ گے۔ " وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ"

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ⑫⑥ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑫⑦ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑫⑧

ترجمہ: اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں (مگر) پھر بھی (اپنی حرکات شنیعہ سے) باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں (جس سے باز آنے کی آئندہ امید ہو) اور جب کوئی سورۃ (جدید) نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں (اور اشارہ سے باتیں کرتے ہیں) کہ تم کو کوئی (مسلمان) دیکھتا تو نہیں پھر چل دیتے ہیں (یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے) خدا تعالیٰ نے ان کا دل (ہی ایمان سے) پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ محض بے سمجھ لوگ ہیں (کہ اپنے نفع سے بھاگتے ہیں) (اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بابت نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

تفسیر: ⑫⑥ "اَوَلَا يَرَوْنَ" حمزہ اور یعقوب نے (ترون) تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو خطاب ہے اور دیگر حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ مذکورہ منافقین کی خبر ہے (اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ) وہ آزمائے جاتے ہیں۔ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ" بیماریوں اور سختیوں کے ساتھ۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قحط اور سختی کے ساتھ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غزوہ اور جہاد کے ساتھ اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا نفاق ظاہر کر کے ان کو رسوا کیا جاتا ہے اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منافق ہوتے ہیں پھر ایمان لاتے ہیں پھر منافق ہو جاتے ہیں اور یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سال میں ایک یا دو مرتبہ اپنا عہد توڑتے ہیں" ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ "عہد توڑنے سے اور نہ نفاق سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔" وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ" یعنی اللہ تعالیٰ کے نصرت اور کامیابی کے وعدوں کی تصدیق دیکھ کر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

⑫⑦ "وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ" اس میں منافقین کے عیوب اور ان کو ڈانٹ ہے۔ "نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ" بھاگنے کا

ارادہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اشارہ سے کہتے ہیں کہ "هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ" مؤمنین میں سے کوئی ایک۔ اگر وہ کھڑے ہوں اور کوئی مؤمن نہ دیکھ رہا ہو تو مسجد سے نکل جاتے ہیں اور اگر پتہ لگے کہ کوئی ایک ان کو دیکھ رہا ہے تو وہ مجلس میں بیٹھے رہتے ہیں۔ "ثُمَّ انْصَرَفُوْا" ان پر ایمان لانے سے اور بعض نے کہا ان جگہوں سے پھر جاتے ہیں جہاں وہ سنتے ہیں۔ "صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ" ایمان سے۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے اس فعل کے بدلے اللہ نے ان کو گمراہ دیا۔ "بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اپنے دین کو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم نماز پڑھ لو تو یوں نہ کہا کرو کہ ہم نماز سے پھر (لوٹ) رہے ہیں کیونکہ ایک قوم پھری تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا لیکن تم یوں کہو کہ ہم نے نماز ادا کر لی۔

⑫⑧ "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ" تم اس کا حسب ونسب جانتے ہو۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عرب سے بنی اسماعیل سے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عرب کے ہر قبیلہ میں آپ علیہ السلام کا نسب جاملتا ہے۔ جعفر بن محمد صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں جاہلیت کی کوئی پیدائش نہیں ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جاہلیت کے طریق زنا سے نہیں پیدا ہوا بلکہ اسی نکاح کے ذریعے سے پیدا ہوا۔ جیسا اسلامی نکاح ہوتا ہے۔ نہیں جنا مجھے مگر اسلام کے نکاح کی طرح نکاح نے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، زہری اور ابن محیصن رحمہم اللہ نے "من انفسکم" فاء کی زبر سے پڑھا ہے۔ یعنی تم میں سے افضل اور اشرف لوگوں میں سے ہیں۔" عَزِيْزٌ عَلَيْهِ" گراں ہے ان پر "مَا عَنِتُّمْ" بعض نے کہا "مَا" صلہ ہے یعنی "عنتکم" اور وہ تم پر مشقت اور ضرر کا داخل ہونا ہے۔ قتیبی نے کہا کہ وہ چیز رسول پر شاق ہے جو تم کو دشواری میں ڈال دے اور تم کو دکھ پہنچائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔" حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ" تمہارے ایمان اور تمہاری خیر خواہی پر اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارے گمراہ لوگوں پر حریص ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیں۔ "بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" بعض نے کہا ہے کہ نیک لوگوں پر شفیق اور گناہ گاروں پر رحیم ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ⑫⑨

ترجمہ: پھر اگر (اس پر بھی) یہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے (میرا کیا نقصان ہے) کہ میرے لئے (تو اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر) کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔

تفسیر: ⑫⑨ "فَاِنْ تَوَلَّوْا" یعنی اگر وہ ایمان سے اعراض کریں۔ "فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں آخر میں یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ "لقد جاء کم رسول" سے آخر سورت تک اور فرمایا کہ اللہ کے پاس سے آنے والی آیت میں قریب ترین زمانہ والی یہی دو آیات ہیں۔

الحمد للہ تفسیر بغوی کی دوسری جلد مکمل ہوئی۔

تیسری جلد سورہ یونس سے شروع ہے۔

اضافہ مفیدہ از ناشر

الدرر النظیم فی فضائل القرآن والآیات والذکر الحکیم

قرآن کریم کے فضائل اور حیرت انگیز خواص

از امام ابو محمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ

فضائل وخواص سورہ مائدہ تا سورہ توبہ

آٹھویں صدی کے معروف عالم اور جماعت اولیاء کے فرد فرید ہیں ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی مستند کتب میں سے الدرر النظیم بھی ہے جو قرآن کریم کے انوار و برکات اور فضائل وخواص اور اس کے روحانی وجسمانی فیوض اور تیر بہدف مجرب عملیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بطور اضافہ جزو کتاب بنایا جارہا ہے

سورہ مائدہ

خاصیت آیت ۲۰

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

اور وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ

جو آدمی یہ آیات سات دن تک ہر روز طلوع آفتاب سے پہلے اپنی دائیں ہتھیلی پر لکھ کر زبان سے چاٹ کر تھوک نگل لے گا تو اسے معافی و عافیت، قناعت و صبر اور دل کی نرمی و تمام مسلمانوں کیلئے رحمت عطا ہوگی۔

خاصیت آیت ۵۹

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ

یہ آیات دشمن کے چہرہ کو سیاہ کرنے، اسے رسوا کرنے اور اسکے ذہن کو کند کرنے کیلئے مفید ہیں۔

جب یہ مقصد حاصل کرنا ہو تو جمعرات کے دن روزہ رکھو اور مغرب و عشاء پڑھنے کے بعد تین دفعہ یہ کہو۔

يَا قَدِيْمَ الْاَزَلِ يَا اَزَلِيُّ لَمْ يَزَلْ يَا مَنْ يَّعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ خُذْ (فلان بن فلانہ (یہاں دشمن کا نام اور اسکی ماں کا نام) اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ

پھر مذکورہ بالا آیات تین دفعہ پڑھے پھر یہی آیات ویران گھر سے ایک مٹھی مٹی کی لیکر اس پر تیس بار پڑھے پھر وہ مٹی دشمن کے گھر پھینک دے اور اسکے مال و جان میں قدرت کے کرشمے دیکھے۔

خاصیت آیت ۶۴

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ

جب کچھ لوگ کسی غیر شرعی اور ناجائز کام پر متفق ہو جائیں اور اس پر ایک دوسرے کا تعاون کر رہے ہوں تو ان کو آپس میں متفرق

کرنے کیلئے مفید ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ ان میں سے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے کے کچھ بال لے کر انہیں جلاؤ۔ حتیٰ کہ راکھ ہو جائیں۔ پھر یہ آیات کسی پاک برتن میں یا نئے کپڑے کے گول ٹکڑے میں جو کہ ہفتہ کے دن کاٹا گیا ہو لکھو پھر اسے حرمل کے پتوں سے نچوڑے ہوئے پانی سے دھولو اور اس پانی ور اکھ کو ان کے گھروں اور بیٹھکوں میں بکھیر دو۔ وہ آپس میں بکھر جائیں گے۔

خاصیت آیت ۱۱۲ تا ۱۱۴

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

یہ آیات رزق میں وسعت، راحت، برکت اور خوشحالی لاتی ہیں اور بھوک وافلاس کو دور کرتی ہیں۔ جو رزق کی تنگی میں مبتلا ہو تو ان آیات کو جھاؤ کے درخت کی لکڑی سے بنے ہوئے برتن میں اپریل کے مہینہ کے پہلے دن چاندی کے قلم سے نقش کرلے اور وہ خود پاکی کی حالت میں ہو اور اس برتن کو اپنے پاس رکھ لے۔ جب ضرورت ہو اس کو پانی سے بھر لے اور جس جگہ کام کرنے کا ارادہ ہو اسی جگہ جمعہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے چھڑک دے۔ خواہ گھر میں یا کھیت میں یا باغ میں یا جہاں چاہے۔ اور اگر کسی انسان کی حاجت کیلئے کرنا ہو تو وہ اس پانی کو مسلسل تین جمعوں کو پیئے تو وہ جو بھی کرے گا۔ اس کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ اپنے مال، کھیت اور شان ومرتبہ سب میں اچھا نتیجہ دیکھے گا اور اس کی تمام تکالیف دور ہو جائیں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ الانعام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو سورۃ انعام کی تلاوت کرے اور درمیان میں کلام کرکے اسکی تلاوت کے تسلسل کو نہ توڑے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ اور جو آدمی اسے سچی نیت سے دو رکعت نفل میں تلاوت کرے اور مہینہ بھر میں ہر قسم کے خوف و درد سے حفاظت کا سوال کرے تو وہ اس مہینہ میں ہر ناپسندیدہ اور خوف والی چیز سے محفوظ رہے گا۔

اگر اس سورۃ کو لکھ کر جانوروں کے گلے میں لٹکایا جائے تو وہ ہر آفت وتکلیف سے محفوظ رہیں گے۔ جو رات کو اس سورۃ کی تلاوت کرے گا وہ اس رات میں مصیبتوں اور آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت اول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ

جو اسے صبح شام پڑھ کر سات مرتبہ اپنے بدن پر دم کریگا تو وہ ہر قسم کے درد سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت ۱۳

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ط وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

جس آدمی کو غصہ آئے یا گھبراہٹ یا حسرت و پریشانی محسوس ہو رہی ہو تو وہ اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے اور یہ آیت کثرت سے پڑھے تو اس کی یہ حالت جاتی رہے گی۔

خاصیت آیت ۱۷، ۱۸

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ط وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ

رات کو سحری کے وقت کسی کاغذ پر یہ آیت لکھ کر پہلو کے درد کیلئے یا پستانوں کے درد کیلئے گلے میں لٹکائے تو اس کی برکت سے صحیح ہو جائے گا۔ جسے سخت پریشانی ہو اور گھبراہٹ و گھٹن ہو خواہ اس کا سبب معلوم ہو یا نہ ہو تو وہ سوتے وقت پہلے ان آیات کو سات مرتبہ پڑھے پھر سوئے جب سو کر اٹھے گا تو یہ سب پریشانی وغیرہ ختم ہوگی۔

خاصیت آیت ۳۶

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ط وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ

جس آدمی کو نامردی کی تکلیف ہو یا کوئی عضو بے کار ہو تو وہ تین دن روزے رکھے اور ہر روزہ دودھ اور شکر کے ساتھ افطار کرے۔ پھر آدھی رات کو اٹھے اور یہ آیت اپنے دائیں ہاتھ کے درمیان میں تانبے کے قلم اور عرق گلاب و زعفران سے لکھے اور اسے چاٹ لے۔ اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی فرمائے گا۔

جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئے تو وہ پہلے خالص نیت سے توبہ کرے پھر دو رکعت نفل کی نیت باندھے اس میں پہلے فاتحہ پڑھے پھر سورۃ انعام بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ تک پڑھے پھر

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا پوری آیت پڑھے پھر سجدہ تلاوت کرے اور اس میں اپنی حاجت ذکر کر کے جو چاہے مانگے پھر کھڑا ہو اور

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ط وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ط اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ

يَصۡدِفُوۡنَ قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ بَغۡتَةً اَوۡجَهۡرَةً هَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ تک پڑھے پھر سجدہ والی آیت پڑھے اور سجدہ تلاوت کر کے اس میں اپنی حاجت کیلئے دعا کرے پھر کھڑا ہو کر

وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ کن فیکون تک پڑھے پھر آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ تلاوت کرے اور اس میں دعا مانگے پھر کھڑا ہو کر الحق وله الملک رسول الله تک پڑھے پھر آیت سجدہ پڑھے اور سجدہ تلاوت کر کے اس میں دعا مانگے پھر کھڑا ہو کر

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيۡ عَنِّيۡ فَاِنِّيۡ قَرِيۡبٌ ؕ اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِيۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِيۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُوۡنَ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيۡ عَنِّيۡ والی پوری آیت پڑھے اور پہلی رکعت کا رکوع کرے پھر سجدکر کے دوسری رکعت میں کھڑا ہو تو فاتحہ اور سورۃ انعام شروع سے پڑھے

بَلۡ اِيَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَيَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَيۡهِ اِنۡ شَآءَ وَتَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِكُوۡنَ

تک اور دوسری رکعت میں اسی طرح پانچ دفعہ کرے جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا پھر دوسری رکعت مکمل کر کے سلام پھیر کر ختم کر دے۔ اس دعا بفضل الٰہی قبول ہے۔

خاصیت آیت ۴۴، ۴۵

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

اگر کسی ظالم دشمن کا گھر اجاڑنا ہو اور ان کے اتحاد کو توڑنا ہو اور ان کی جڑ کھودنی ہو تو ذبح کیے ہوئے اونٹ کی پرانی ہڈی تلاش کرے اور اس پر یہ آیت لکھ کر اس کے گھر ڈال دے تو اس کا گھر ویران ہو جائے گا۔ یہ آیت تازبو کے پانی سے تانبے کے پرات میں لکھے اور زیرہ کے پانی سے دھوئے اور اسی پانی میں عشاء سے صبح تک بھگوئے رکھے اور یہ پانی بہت مچھروں اور پسوں والی جگہ میں چھڑکے۔ دو دفعہ یہ عمل کرے ان شاء اللہ مچھروں اور پسوں کا نشان بھی نہیں رہے گا۔

خاصیت آیت ۵۹ تا ۶۲

وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ وَهُوَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ بِالَّيۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ فِيۡهِ لِيُقۡضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُوۡنَ ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّ ؕ اَلَا لَهُ الۡحُكۡمُ وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِيۡنَ

جو آدمی اس آیت کو ریشم (کتان) کے ٹکڑے میں لکھ کر اسے اپنے سر کے نیچے رکھ کر سوئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ جو معاملہ مجھ پر مشتبہ ہے وہ واضح ہو جائے تو وہ اسے دیکھ لے گا۔

جو آدمی اس آیت کو طہارت کی حالت میں پاک بستر پر بیٹھ کر لکھے پھر اسے اپنے بازو کے ساتھ باندھ کر سو جائے تو صبح کو یہی باندھے ہوئے اٹھ کر جہاں جائے اور جو بھی اسے ملے گا وہ اس سے کوئی نہ کوئی عجیب بات کرے گا۔

خاصیت آیت ۶۳، ۶۴

مَنۡ يُّنَجِّيۡكُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ تَدۡعُوۡنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً لَئِنۡ اَنۡجٰنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيۡكُمۡ مِّنۡهَا وَمِنۡ كُلِّ كَرۡبٍ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ

جب سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور اس سے موجیں اٹھ رہی ہوں تو یہ آیت ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر اس میں ڈال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کی طغیانی ختم ہو جائے گی۔

خاصیت آیت ۷۲

قُلۡ اَنَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعۡقَابِنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ فِى الۡاَرۡضِ حَيۡرَانَ لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ يَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَى الۡهُدَى ائۡتِنَا ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَاُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

اگر چور پکڑنا ہو یا بھاگے ہوئے کو واپس لانا ہو تو اس کا معروف نام اور اس کی ماں کا نام معلوم کر کے پھر کسی خشک چیز کا ٹکڑا یا خشک کدو کا خشک چھلکا لیکر اس میں پرکار سے ایک دائرہ لگالے پھر اسے لیکر کسی الگ جگہ میں چلا جائے جس کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ پھر اس دائرہ کے درمیان میں یہ آیات لکھے پھر چور یا بھگوڑے کا نام اور اس کی ماں کا نام لکھے۔ پھر اسے ایسی جگہ دفن کر دے جہاں کوئی نہ چلتا ہو تو اس کا دماغ چکرانے لگے گا حتی کہ واپس آجائے گا۔

خاصیت آیت ۷۵، ۷۹

وَكَذٰلِكَ نُرِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلِيَكُوۡنَ مِنَ الۡمُوۡقِنِيۡنَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِىۡ رَبِّىۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ

جو آدمی یہ آیت عرق گلاب اور زعفران سے چینی کی پلیٹ میں لکھ کر نہر کے پاک پانی سے دھو کر پی جائے تو اسے ہدایت اور رائے و فیصلہ کرنے میں راستی و درستی کی توفیق ملے گی۔

جو آدمی یہ آیت لکھ کر شیشہ کے گلاس میں رکھے اور پانی کے ساتھ لکھے اور اسی پانی کا آنکھوں میں سرمہ لگائے تو اسے

بادشاہوں اور حکام اور تمام لوگوں کے ہاں قبولیت اور قدرو مرتبہ ملے گا۔

جو آدمی اس آیت کو بادام کے پتے پر زعفران سے لکھ کر اس عرق گلاب سے دھوئے جس میں انیسوں اور آس کا پانی ابالا گیا ہے پھر ہر بدھ کو اس میں سے پئے اور تین بدھ ایسا کرے تو اس کو فصاحت کلام اور زور بیان عطا کیا جائے گا جس سے اس کا دشمن اور مقابل مقہور و مغلوب ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۹۳، ۹۴

وَلَوْتَرٰی اِذِالظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ۚ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَاکُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَالْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَاخَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَکْتُمْ مَّاخَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِکُمْ وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّاکُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ

جس آدمی کو دشمن اذیت دیتے ہوں اور یہ ان کی ہلاکت اور ان کے شہر کی بربادی چاہتا ہو تو وہ ان آیات کو سورج نکلنے سے پہلے بید کے تین پتوں پر ایک طرف موٹے قلم سے لکھے اور دوسری طرف دشمنوں کے نام لکھے پھر پتے کو ان کے پینے کے پانی میں ڈال دے تو اس کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اسے یہ عمل کرتے ہوئے کوئی دیکھے نہیں۔

خاصیت آیت ۹۵

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ۚ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ۚ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ

اس آیت کو زعفران اور کافور کے ساتھ پاک برتن میں لکھے اور پانی سے دھو کر درخت یا فصل کا بیج جو کاشت کرنا چاہتا ہے اس میں ڈال دے پھر اسے کاشت کرے تو یہ درخت و فصل عمدہ ہوگی یہ کاشت برکت والی ہوگی اس کا پھل میٹھا ہوگا۔ اور اگر پہلے سے کاشت شدہ درخت یا فصل ہے تو اس پانی کو اس کی جڑوں میں ڈالے تو بھی برکت ہوگی۔

خاصیت آیت ۹۶، ۹۷

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ

پاک ہو کر اس آیت کو لکڑی کی تختی میں جمعہ کے دن لکھ کر یا نقش کر کے کشتی کے اگلے حصہ میں گاڑ دیا جائے تو وہ رات و دن میں ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

جو آدمی اس آیت کو لازورد کے نگینہ میں بدھ سے لیکر جمعہ تک کے کسی دن تیسری ساعت میں نقش کرے اور انگوٹھی میں جڑ دے تو جو بھی اس انگوٹھی کو پہنے گا اس کی حاجت پوری ہوگی اور وہ جو بھی مانگے گا۔ خواہ رزق خواہ قبولیت عامہ و محبت و دبدبہ ہو اس کی دعا رد نہیں ہوگی۔

خاصیت آیت ۹۹

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ط اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

اس آیت کو کھجور کے تازہ ترین شگوفہ میں جمعہ کے دن کی کسی ساعت میں لکھ کر چلتے ہوئے کنوئیں میں ڈال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کنویں کے پانی میں برکت عطا فرمائیں گے اس کا پانی چلتا ہی رہے گا اور عمدہ و مفید ہوگا۔ انسانوں اور جنوں کی نظر بد سے محفوظ رہے گا اور اس کے پانی سے جو بھی درخت یا کھیتی سیراب ہوگی اس میں برکت ہوگی۔

خاصیت آیت ۱۰۳

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ

اس آیت کا پڑھنا آندھی کو روکنے اور اندھیرے میں حفاظت کیلئے مفید ہے۔

خاصیت آیت ۱۲۴

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جب کوئی تلاوت کرتے کرتے اس آیت پر پہنچے تو یوں کہے۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ ذَالَّذِیْ یَدْعُوْكَ فَلَمْ تُجِبْه وَمَنْ ذَالَّذِیْ سَاَلَكَ فَلَمْ تُعْطِهٖ وَمَنْ ذَالَّذِیْ اِسْتَجَارَكَ فَلَمْ تُجِرْهُ، وَمَنْ ذَاالَّذِیْ تَوَكَّلَ عَلَیْكَ فَلَمْ تُكْفِهٖ وَاَغُوْثَاهُ بِكَ اَسْتَغِیْثُ اَللّٰهُمَّ اَغِثْنِیْ یَامُغِیْثُ وَاشْفِنِیْ شِفَآءً عَاجِلًا وَفَرِّجْ عَنِّیْ فَرَجًا قَرِیْبًا بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

پھر جو چاہے اللہ تعالیٰ سے مانگے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔

خاصیت آیت ۱۴۱

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ط كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا ط اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ

جو آدمی ان آیات کو زیتون کی لکڑی کی تختی میں نقش کر کے گھر کے دروازے کی چوکھٹ کے اوپر رکھے گا تو اسکے درختوں اور باغات کے پھلوں میں برکت اور عمدگی آئے گی۔

اور جو آدمی انہیں مینڈھے کے رنگے ہوئے چمڑے کے ٹکڑے میں لکھ کر جانوروں کے گلے میں لٹکائے گا تو اس کے جانوروں میں زیادتی اور برکت ہوگی اور آفتوں سے محفوظ رہیں گے۔

سورہ اعراف

خاصیت آیت اول

الٓمٓصٓ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ط قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ

یہ آیات حکمرانوں' افسروں اور ججوں اور قاضیوں اور دیگر افسروں کیلئے مفید ہیں۔ یہ آیات خالص چاندی کی ٹکڑی میں نقش کرا کے انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے رکھ لے جو اس انگوٹھی کو پہنے گا اسے ہر کام صحیح کرنیکی توفیق ملے گی اور اسکا کردار اعلیٰ ہو جائیگا اور اسکے ذریعہ عوام الناس کیلئے مفید کام ہونگے۔

خاصیت آیت ۱۰

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ

جمعہ کے دن جب جمعہ نماز پڑھ کر فارغ ہو تو یہ آیت لکھ کر گھر میں یا دکان میں یا اپنی رہائش کی جگہ میں رکھ دے رزق وسیع ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۲۶

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ط وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ط ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ

جس کا ارادہ توبہ کرنے کا ہو تو وہ چڑھتے ہوئے چاند کی تاریخوں میں جمعرات کے دن نئی قمیص پہنے پھر دو رکعت نماز نفل اس نئی قمیص کے شکرانہ کیلئے پڑھے پھر اس آیت کو خالص روغن یاسمین کے ساتھ شیشے کے گلاس پر لکھے پھر اسے عرق گلاب کے ساتھ دھو کر اس تیل کو اپنے چہرے اور جسم پر لگائے پھر اس آیت کو زیتون کے پتے پر لکھ کر قمیص کے گریبان میں ڈالے جو بھی اس قمیص کو پہنے گا اسے اطاعت الٰہی اور نیکیوں کی توفیق ملے گی۔

خاصیت آیت ۳۱ تا ۳۲

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ط کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ

یہ آیت نئے سبز رنگ کے برتن میں سفید انگور اور زعفران کے ساتھ لکھے پھر اسے عرق گلاب سے دھولے جو اس پانی سے نہائے گا تو اس سے نظر بد و جادو کا اثر جاتا رہے گا۔ جو اس پانی کو پیئے گا اور اپنے کھانے میں ملائے گا وہ زہر اور جادو اور نظر بد کے اثر سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت ۳۸

ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ

جس کا کوئی دشمن جیل میں ہو اور یہ چاہتا ہوں کہ اسے رہائی نہ ملے اور دیر تک جیل میں رہے تو یہ آیت سرخ رنگ کے رنگے ہوئے چمڑہ پر لکھے اور اس دشمن کا نام اور اس کی ماں کا نام بھی لکھے اور یہ بھی لکھے مکثا مکثا یا فلاں بن فلانۃ تشبیطا مکثا بلازوال پھر اس لکھے ہوئے کو اس کے قید خانہ کے دروازہ کے نیچے دفن کر دے تو دشمن اس جیل میں قید ہی رہے گا۔

خاصیت آیت ۴۳

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

خالی قلم سے مٹھائی پر یہ آیت لکھ کر آپس میں نفرت رکھنے والے لوگوں کو کھلا دی جائے تو ان کی دشمنی ختم ہو جائے گی اور جو آپس میں دوست ہیں انہیں کھلا دی جائے تو ان کی دوستی و محبت و اتفاق قائم رہے گا۔ یا ان لوگوں کی تعداد کے مطابق پتوں پر یا پھلوں پر یا انجیروں پر لکھ کر کھلائے تو بھی درست ہے۔ اور یہ آیت دل کے درد کیلئے بھی مفید ہے۔ مٹی کا نیا پختہ برتن پرس کے تندور سے نکلتے ہی زعفران اور عرق گلاب سے لکھے اور انجیر کے پانی سے اسے دھو کر اس پانی سے پیئے تو دل کے درد کی تکلیف ختم ہو جائے گی۔

خاصیت آیت ۵۴

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

جو آدمی سوتے وقت یہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے شیطان اور اس کے لشکروں سے محفوظ رکھیں گے اور کمزوری فالج سے بھی محفوظ رکھیں گے۔

خاصیت آیت ۵۴ تا ۵۶

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ

جو آدمی یہ آیات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی نیند کم ہونے کی دعا مانگے تو اس کی نیند کم ہو جائے گی اور جو ان آیات کے ساتھ حرز اور سورۃ براۃ کی آخری آیت بھی اپنی دکان پر یا سامان پر یا مال پر پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت و کفایت فرمائیں گے۔

خاصیت آیت ۵۷، ۵۸

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا ۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ زیتون کی لکڑی کو کھرچ کر بنایا ہوا پیالہ لیکر اس میں سیب اور زعفران کے پانی سے لکھ کر اسے انگور کے پانی سے دھو کر درختوں کی جڑوں میں خالص پانی کے اوپر ڈالا جائے تو درخت دیمک، کیڑوں، سوکڑے سے اور چوہوں اور ٹڈیوں اور نقصان دہ پرندوں وغیرہ سے محفوظ ہو کر سرسبز و شاداب رہیں گے۔

خاصیت آیت ۹۷ تا ۹۹

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ یہ آیت ایک کاغذ پر لکھ کر پانی سے دھو لے اور پھر اس پانی کو گھر یا مکان کے چاروں کونوں میں چھڑک دے تو تکلیف دہ و مضر مچھروں اور حشرات سے محفوظ رہے گا۔

خاصیت آیت ۱۸۰

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے انہیں یاد کیا وہ جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور وہ طاق کو پسند کرتا ہے اور وہ ننانوے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْكَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَكِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِیُ الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِیُ الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیُ الْمُتَعَالِیُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِیُّ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِیُ الْبَدِیْعُ الْبَاقِیُ الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ.

خاصیت آیت ۲۰۰، ۲۰۱

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىِٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ جس آدمی کو وسواس، گھبراہٹ، فضول خیالات آنے کی شکایت ہو یا کپکپی ہوتی ہو تو وہ اس

آیت کوعرق گلاب اورزعفران کے ساتھ یوم کے دن سات پتوں میں طلوع آفتاب کے وقت لکھے اورروزانہ پتا نگل جائے اور اس پرایک گھونٹ پانی پیئے تو یہ شکایت وتکلیف جاتی رہے گی۔ جب کسی کے دل میں کوئی وسوسہ آئے تو وہ یہ پڑھے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور جب وسوسہ آئے تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه پڑھنا مستحب ہے کیونکہ شیطان جب توحید ورسالت کی شہادت سنتا ہے تو دور بھاگ جاتا ہے۔

سورۃ الانفال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادگرامی ہے جو شخص سورۃ انفال اورسورۃ برأت پڑھتا رہے میں اس کا سفارشی ہوں اور گواہوں کو وہ نفاق سے بری ہے اور ہر منافق مرد اور عورت کے بدلہ اسے دس نیکیاں دی جائیں گی اور عرش عرش اٹھانے والے فرشتے جب تک وہ دنیامیں ہے اس کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو آدمی روزانہ سات مرتبہ یہ آیت پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا وآخرت کی مشکلات میں اس کی کفایت فرمائیں گے۔ خواہ اس نے صحیح تدبر اختیار کی ہو یا غلط اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آدمی کسی دیوار کے نیچے آکر اور ڈوب کر اور جل کر اور لوہے کے ہتھیار سے نہیں مرے گا۔ حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابومعشر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی کی ٹانگ ران سے ٹوٹ گئی۔ اس کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا جہاں تجھے درد محسوس ہوتا ہے اس جگہ ہاتھ رکھ کر فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اس نے ایسا ہی کیا تو اس کی ران درست ہوگئی۔ جو آدمی اس آیت کو لکھ کر گلے میں لٹکائے تو وہ جس افسر کے پاس کسی کام کیلئے جائے گا وہ اسکا کام کردیگا۔

خاصیت آیت ۲

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

جس آدمی کا دل سخت ہوگیا ہو اور اس پر کوئی نصیحت ووعظ اثر نہ کرتا ہو اور اس کا دل اچھائی کے کام کرنے پر آمادہ نہ ہوتا ہو تو وہ خالص جو کا آٹا لیکر اس کی روٹی بنائے اور طلوع آفتاب سے پہلے اس پر خالی قلم سے سات مرتبہ یہ آیت لکھے پھر اس دن روزہ رکھے اور اسی روٹی سے افطار کرے تو اس کا دل نرم ہوجائے گا۔

خاصیت آیت ۱۰

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

اس آیت کو ستائیس رمضان کے دن ایک کاغذ پر لکھ کر انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے رکھ لیا جائے تو جو بھی اس انگوٹھی کو پہنے گا وہ خوش وخرم رہے گا اور اپنے ہر دشمن کے مقابلہ میں غالب ومنصور رہے گا۔

خاصیت آیت ۶۲، ۶۳

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

جو آدمی ماہ رمضان کے پہلے جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان کے وقت میں پاکی کی حالت میں اون یا ریشم کے ٹکڑے پر یہ آیت لکھے اس ٹکڑے کی اون کے تین رنگ ہوں' سبز' زرد اور سرخ' پھر اس ریشم یا اون سے اسی دن ٹوپی بنالے پھر جب تک کوئی حاجت پیش نہ آئے اس ٹوپی کو پہن کر کسی پاک اونچی جگہ میں بیٹھا رہے۔ تو اس ٹوپی کو جو بھی پہن کر جہاں بھی جائے گا تو وہاں اس کی عزت وقدر ہوگی اور رعب و دبدبہ ہوگا اور کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی جو اس کے سامنے آئے گا گونگا ہو جائے گا اس کے تمام حالات بہتر ہو جائیں گے اور اس کیلئے محبت پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ دلوں میں اس کی محبت ڈال دیں گے اور مخلوق کو اس کیلئے مسخر کر دیں گے اسے مخلوق کی طرف سے محبت و بھلائی ملے گی۔

خاصیت آیت ۶۶

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

جو آدمی اس آیت کو سات دن ہر نماز کے بعد پڑھے اور شروع اس طرح کرے کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد مغرب تک پڑھے پھر ہر نماز کے بعد اور رات دن میں جب فارغ ہو پڑھے۔ اس طرح سات دن تک پڑھتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بوجھوں اور ذمہ داریوں کو ہلکا کر دیں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بخار والے مریض کو تعویذ لکھ کر دیتے تھے اور وہ مریض تندرست ہو جاتا تھا۔ دیکھا گیا تو اس تعویذ میں لکھا ہوا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

سورۃ التوبہ

خاصیت آیت ۳۲، ۳۳

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

اس آیت کو شیشہ کے نئے گلاس میں لکھے اور اسے عود و عنبر کی دھونی دے پھر اسے یاسمین کے خالص عطر سے دھوئے اور سبز شیشہ کے برتن میں اونچی جگہ رکھ دے جب ضرورت پڑے اس عطر کو اپنے دونوں ابروؤں کے درمیان لگالے تو اسے لوگوں میں

محبت اور عزت ومرتبہ ملے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس آیت کو ہرن کے چمڑے پر زعفران اور عرق گلاب سے لکھے اور کستو کی دھونی دے۔ اس کو جو آدمی اپنے دائیں بازو پر باندھے گا اسے لوگوں میں محبت وعزت اور مرتبہ ودبدبہ حاصل ہوگا۔

خاصیت آیت ۴۶

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ

اس آیت کو ریشم کے گول کاٹے ہوئے ٹکڑے میں لکھے جو ٹکڑا مہینہ کے اول دنوں میں کاتا گیا ہو اور آیت کے اردگرد بھاگنے والے یا چور کا نام اور اس کی ماں کا نام لکھے (فلاں بن فلانہ) پھر اسے لیکر شہر سے باہر ایسی جگہ چلا جائے جہاں اسے کوئی نہ دیکھے اور اس گول ٹکڑے کے درمیان میں نئی میخ گاڑے پھر اسے مٹی سے چھپادے تو بھگوڑا اور چور واپس آجائے گا۔

خاصیت آیت ۱۲۹

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ جمعہ کی رات میں آدھی رات کو اسے تین سو مرتبہ پڑھے اور ہر بار کے آخر میں کہے۔ يَا رَبِّ حَسْبِيْ عَلٰى فُلَان بِنْ فُلَانَةَ اِعْطِفْ قَلْبَهٗ وَذَالَّهٗ اِلَيَّ تو بہت جلد اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اس پر شفقت ومحبت ڈال دیں گے اور اسے اسکا مسخر وتابع بنادیں گے۔ یہ مجربات میں سے ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب قرآنی تفسیر
''تفسیر میرٹھی'' سے منتخب آیات کے فضائل وخواص

فضیلت وخاصیت سورہ اعراف

فضائل۔ جو اس سورت کو پڑھے گا قیامت کو اللہ پاک اس کے اور شیطان کے درمیان پردہ حائل کردے گا آدم علیہ'' اس کی شفاعت کریں گے۔

فضیلت وخاصیت سورہ انفال وتوبہ

فضائل۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص سورہ انفال اور توبہ پڑھا کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا کہ وہ نفاق سے مُبرّا ہے اور اس کا پڑھنے والا ہر منافق وہر منافقہ کی تعداد پر دس دس نیکیاں پائے گا جب تک دنیا میں زندہ رہے گا عرش اور اس کے اُٹھانے والے فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔

اغلاط نامہ .... جلد دوم

معذرت:۔...طباعت سے پہلے تصحیح کا اہتمام کرنے کے باوجود بعض اغلاط طباعت کے بعد نظر آئیں جو پیش خدمت ہیں

صفحہ نمبر	غلط	صحیح
36	الجحیم	اصحب الجحیم
48	قوم الفاسقین	القوم الفاسقین
71	اللہ سبحان	اللہ سبحانہ
93	الہ الا اللہ	الہ الا الہ
127	لانشتری ثمنا	لانشتری بہ ثمنا
144	واللہ الاسماء	وللہ الاسماء
157	ربھم بالغدواۃ	ربھم بالغداوۃ
174	یَعْقُوْب	یَعْقُوْبَ
175	یَعْقُوْب	یَعْقُوْبَ
184	الْاَبْصَارُ وَهُوَ	الْاَبْصَارَ وَهُوَ
185	یُدْرِکُ الْاَبْصَارُ	یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ
185	یومئذ لمعجوبون	یومئذ لمحجوبون
205	اِلٰی لِشُرَکَآئِهِمْ	اِلٰی شُرَکَآئِهِمْ
206	اور چوپالوں	اور چوپایوں
206	لِشُرَکَآئِهِمْ	شُرَکَآئِهِمْ
209	وآتو حقہ	وآتوا حقہ
211	حرث و حجر	حرث حجر
238	یَوْمَ الْقِیٰمَةَ	یَوْمَ الْقِیٰمَةِ
239	یَوْمَ الْقِیٰمَةَ	یَوْمَ الْقِیٰمَةِ
241	القیامۃ نزی	القیامۃ تری
243	تِلْکُمُ الْجَنَّةِ	تِلْکُمُ الْجَنَّةُ
249	الَّیْلَ النَّهَارَ	الَّیْلَ النَّهَارَ
250	الَّیْلَ النَّهَارَ	الَّیْلَ النَّهَارَ
261	وَالٰی ثَمُوْدَ	وَالٰی ثَمُوْدَ
275	مَکْرَاللّٰهِ	مَکْرَاللّٰهِ
276	مَکْرَاللّٰهِ	مَکْرَاللّٰهِ
278	رنیت بالقوس	رمیت بالقوس
298	وکتبنا فی	وکتبنا لہ فی
315	طوعا او کرھا	طوعا و کرھا
348	اللّٰهُ وَعَنْهُمْ	اللّٰهُ عَنْهُمْ
365	والذی القربی	ولذی القربی
371	ورئاء الناس	ورئاء الناس
375	الْخَآئِنِیْنَ	الْخَآئِنِیْنَ
401	وَاَمْوَالِنْ	وَاَمْوَالُ ن
421	الی الارضی	الی الارض
434	فکانت للمساکین	فکانت لمساکین
440	میں ہوئی	میں ہوا
451	جَزَآءً مبِمَا	جَزَآءً م بِمَا
452	جَزَآءً مبِمَا	جَزَآءً م بِمَا
458	لَتُعْرِضُوْا	لِتُعْرِضُوْا
459	لَتُعْرِضُوْا	لِتُعْرِضُوْا
469	عبادت	عبارت

محبت اور عزت و
کی دھونی دے۔
خاصیت آیہ
وَلَوْاَرَادُ
اس آیت
والے یا چور کا نا
اور اس گول ٹکڑ
خاصیت آ
فَاِنْ تَوَلَّ
اسے تین سو مر
اس کے دل م
فضیلت و
فضائل
اس کی شفاع
فضیلت
فضائل
شفاعت کر
گا جب تک